

تَعَلَّمُوا النُّحُوَّ كَتَعَلَّمَ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ (قول حضرت عمرؓ)

ضَوْءُ الْمُسْتَنِيرِ

برائے فنِ نحو / و نحو میر

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح
ابو یحییٰ محمد زاہد بن محمد اسمعیل مظاہری

ناظم تعلیمات

مدرسہ، رَحْمَةُ الْعُلَمَاءِ، تَرْفُوهُ

ڈاکخانہ ٹھہر کلاں - وایا چلکانہ - ضلع سہانپور (یوپی) ہند

جناب الحاج قاری سعید احمد صاحب مدیر اہتمام مدرسہ ہذا

ناشر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَعَلَّمُوا النَّحْوَ كَتَعَلَّمَ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ (قول حضرت عمر)

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

ضَوْءُ الْمُسْتَنِيرِ

برائے فن نحو/ ونحو میر

- الحمد لله یہ شرح علم نحو کی ہر کتاب کے حل میں نہایت کارآمد بلکہ بصیرت افروز ہے۔

ابو یحییٰ محمد زاہد بن محمد اسماعیل مظاہری

ناظم تعلیمات

مدرسہ رَحْمَةُ لِلْعَالَمِينَ تَرْقُوهُ

ڈاکخانہ پٹیہڑ کلاں- وایا چلکانہ- ضلع سہارنپور (یوپی) ہند

جناب الحاج قاری سعید احمد صاحب مدبر اہتمام مدرسہ ہذا

ناشر

تفصیلات

- نام کتاب : ضوء المستنیر برائے فن نحو و نحو میر
خامہ فرہما : ابو یحییٰ محمد زاہد بن محمد اسمعیل المظاہری
ناشر : جناب الحاج قاری سعید احمد صاحب ترفوی
سن اشاعت : ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۰ء
تعداد اشاعت : گیارہ سو

—:— ملنے کے پتے —:—

- ۱- مدرسہ رحمة للعلمین ترفوہ
- ۲- دارالکتاب دیوبند
- ۳- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
- ۴- مکتبہ رشیدیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

فہرست مضامین

۵۸	الرحمن الرحیم کا صحیح ترجمہ کیا ہونا چاہیے	۳
۵۹	رحمن رحیم رقیب القلب کو کہتے ہیں اور اللہ دل اور جسم سے پاک ہے اس کو کیوں کہا اس کا جواب	۴
۵۹	الحمد میں الف لام جنسی، استغراقی، ہمہ خارجی، کوئی سا ہی مانا اور عہد دہنی نہیں مان سکتے	۵
۶۰	اللہ ذاتی نام ہے، ذاتی اور صفتی کا فرق	۶
۶۰	رب اور عالم کی تحقیق	۷
۶۰	صلوٰۃ و سلام نبی پر بھیجنے کا کیا مطلب ہے مع ان کی تحقیق کے	۸
۶۲	صلوٰۃ لفظ مشترک ہے جس کا استعمال ناجائز ہے اس کا جواب	۹

سبق دوم صفحہ ۲۳

۲۳	حفظ مفردات، معرفت، اشتقاق، ضبط مہمات، تصریف تینوں کا کیا مطلب ہے	۱
----	--	---

سبق سوم صفحہ ۲۶

۲۶	مفرد اور اس کی تین قسموں اسم، فعل، حرف کی تعریفیں مع امثلہ	۱
۶۷	مرکب اور اس کی قسموں کی وضاحت	۲
۶۷	کلام مفید کب بنتا ہے کب نہیں اور یہ کہ اس کی دو قسمیں ہیں ۱- خبریہ ۲- انشائیہ	۳

چند مفید مقالات

۱۳	”عربی زبان“ کی شان کبریائی اور ہماری پابندی	۱
۲۳	”علم نحو“ کی حقیقت اور اس میں دلچسپی لینے کی اہل کا بیان	۲
۲۶۷	”علم صرف“ کی حقیقت یا غلامہ	۳
۲۷۷	”درس نظامی“ کا تعارف مع اسکی خوبیوں کے	۴

مقدمۃ الشرح

۵۱	کتاب کس روز شروع کی جائے	۱
۵۲	مصنف نحو میر کے حالات مع وجہ تسمیہ نحو میر	۲
۵۳	علم نحو کیوں وجود میں آیا	۳
۵۳	فضائل علم نحو	۳
۵۵	علم نحو کی تعریف، موضوع، غرض و غایت	۵
۵۶	دعا افتتاح کتاب	۶
۵۶	دعا اختتام کتاب	۷

سبق اول صفحہ ۵۷

۵۷	بسم اللہ الرحمن الرحیم کا فائدہ اور اس کی لغوی تشریح	۱
۵۸	”اسم“ سے ہمزہ ختم کر کے لکھا صرف بسم اللہ میں چلے گا	۲

سبق ششم صفحہ ۷۳

۷۳	۱	جملہ انشائیہ کی تعریف مع اسکی دس قسموں کے
۷۳	۲	جملہ انشائیہ کی دسوں قسموں میں صحیح جھوٹ کا احتمال کیسے نہیں ہوگا۔

سبق ہفتم صفحہ ۷۵

۷۶	۱	مرکب غیر مفید کی تعریف
۷۷	۲	مرکب غیر مفید کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تھیدی جس میں مرکب اضافی دو صلی داخل ہیں۔ ۲۔ تھیدی جس میں مرکب ہائی، مرکب منح صرف مرکب موتی آتی ہیں مع وجوہ تیسرہ
۷۷	۳	انشاعشر کا اول جزء مرکب کیوں ہوتا ہے
۷۸	۴	حضر موت کا نام حضرت کیوں ہوا
۷۸	۵	مرکب منح صرف چبے بعلبک کا اعراب کیا ہوتا ہے
۷۸	۶	مرکب غیر مفید سے کبھی بھی جملہ نہیں بنا لفظ جز بنا ہے۔

سبق ہشتم صفحہ ۷۹

۷۹	۱	جملہ جن دو کلموں سے بنتا ہے عام ہے کہ وہ دو کلمے لفظ اور بولنے میں دو ہوں یا فقط مراد اور قیاس میں دو ہوں
۸۰	۲	مقدور اور محذوف میں فرق
۸۰	۳	جملہ بعض دفعہ بجائے دو کلموں کے تین تین چار چار بلکہ دس دس کلمات سے بنتا ہے مع امثلہ

سبق چہارم صفحہ ۶۸

۶۸	۱	مرکب مفید یعنی جملہ کی دونوں قسموں اخیر یہ ۱۔ انشائیہ کی تعریف
۶۸	۲	جملہ خبریہ میں صحیح جھوٹ کا احتمال کیوں ہوتا ہے انشائیہ میں کیوں نہیں ہوتا
۶۹	۳	بعض جملے خبریہ ہوتے ہوئے بھی صحیح جھوٹ دونوں کا احتمال نہیں رکھتے ہیں اس کا کیا جواب ہے؟
۶۹	۴	جملہ خبریہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اسمیہ ۲۔ فعلیہ
۶۹	۵	جملہ اسمیہ و فعلیہ جن اجزاء سے بنتے ہیں انکے نام

سبق پنجم صفحہ ۶۹

۷۰	۱	مسند اور مسند الیہ کی تعریف
۷۰	۲	”ہذا تک مسند حکم است“ اس عبارت میں حکم سے مراد خود حکم نہیں ہے بلکہ محکوم بہ ہے ورنہ مسند کو حکم کہنا غلط ہوگا
۷۰	۳	مبتدأ خبر کے چھ چھام اور بھی ہیں
۷۱	۴	دو کلموں کے مکمل جوڑ کو ہی استاد کہتے ہیں ورنہ وہ اضافت ہے
۷۱	۵	مرکب ناقص اپنی پانچوں قسموں سمیت فقط جملہ کا ایک جزء بنتا ہے خواہ مسند بنے یا مسند الیہ
۷۱	۶	کلمہ کی تین قسموں اسم، فعل، حرف میں سے اسم تو مسند اور مسند الیہ دونوں اور فعل فقط مسند بن سکتا ہے حرف کچھ بھی نہیں بن سکتا
۷۲	۷	دو کلموں سے کلام بننے کی عقلاً چھ صورتوں میں سے صرف دو صحیح ہیں

۳	۸۸	۸۸	۸۸
۴	۸۸	۸۸	۸۸
۵	۸۹	۸۹	۸۹
۶	۹۰	۹۰	۹۰
۷	۹۱	۹۱	۹۱

سبق دوازدہم صفحہ ۹۱

۱	۹۱	۹۱	۹۱
۲	۹۲	۹۲	۹۲
۳	۹۳	۹۳	۹۳
۴	۹۴	۹۴	۹۴
۵	۹۴	۹۴	۹۴
۶	۹۴	۹۴	۹۴
۷	۹۴	۹۴	۹۴
۸	۹۵	۹۵	۹۵

سبق نہم صفحہ ۸۱

۱	۸۱	۸۱	۸۱
۲	۸۲	۸۲	۸۲
۳	۸۳	۸۳	۸۳
۴	۸۳	۸۳	۸۳
۵	۸۴	۸۴	۸۴

سبق دہم صفحہ ۸۵

۱	۸۵	۸۵	۸۵
۲	۸۵	۸۵	۸۵
۳	۸۵	۸۵	۸۵
۴	۸۵	۸۵	۸۵

سبق یازدہم صفحہ ۸۷

۱	۸۷	۸۷	۸۷
۲	۸۸	۸۸	۸۸

۱۰۵	۸	اسمائے کنایات کی وجہ تسمیہ مع دیگر تفصیل
۱۰۶	۹	مرکب بنائی کتنے کلمات کو کہا جاتا ہے

سبق پانزدہم صفحہ ۱۰۶

۱۰۷	۱	معرفہ کی تعریف اور اس کی سات قسموں کا بیان
۱۰۷	۲	ضمیروں مثلاً ہوسے جب ہر واحد قائب مراد ہو سکتا ہے تو معرفہ کیسے ہے
۱۰۷	۳	اسمائے اشارات اور موصولات کو مہمات کیوں کہتے ہیں
۱۰۸	۴	معرفہ بالف لام میں الف لام سے کونسا الف لام مراد ہے
۱۰۸	۵	نکرہ کی تعریف

سبق شانزدہم صفحہ ۱۰۹

۱۰۹	۱	نکرہ اور مؤنث کی تعریف
۱۱۰	۲	مرد کے نام میں تانے سے مؤنث نہیں بنتا ہے
۱۱۱	۳	الف کے تصور اور مرد و عورتوں کے اس مطلب
۱۱۱	۴	تار اللہ اور اس کی کچھان کا طریقہ
۱۱۱	۵	مؤنث سہمی الفاظ دو طرح کے ہیں۔ ۱۔ واجب الثانیہ۔ ۲۔ جائزہ الثانیہ
۱۱۱	۶	مؤنث کی قیاسی اور سہمی کے علاوہ دو قسمیں اور: ۱۔ حقیقی۔ ۲۔ لفظی کی تعریف

سبق ہفتم صفحہ ۱۱۲

۱۱۳	۱	واحد اور ثنیہ کو واحد اور ثنیہ کہنے کی وجہ
۱۱۳	۲	ثنیہ کی طرح کا ہوتا ہے

سبق سیزدہم صفحہ ۹۶

۹۶	۱	اسما اشارات کا اسما اشارات کیوں کہتے ہیں
۹۶	۲	کل اسما اشارات بارہ ہیں
۹۷	۳	اسما اشارات کے ساتھ شروع میں ہا اور آخر میں خمیریں کیوں لگتی ہیں؟
۹۷	۴	اسما اشارات میں سے کون کونسا متعلق ہوگا
۹۷	۵	اسما موصولات کی وجہ تسمیہ اور صلہ کا مطلب
۹۸	۶	اسما موصولات کے استعمال کا طریقہ
۹۹	۷	اسما اور ایۃ عرب ہیں یا سنی
۹۹	۸	اسما اشارات و موصولات کا سنی ہونا کس وجہ سے ہے

سبق چہار دہم صفحہ ۱۰۰

۱۰۰	۱	اسما افعال کو اسما افعال کیوں کہتے ہیں نیز ان کی تشریح
۱۰۱	۲	اسما افعال کی وجہ تسمیہ اور اس کا صاحب کس ہے
۱۰۲	۳	اسما افعال کی وجہ تسمیہ اور اس کی اصل تحقیق کے
۱۰۳	۴	انس مئی کیوں ہے ایک عجیب وجہ
۱۰۳	۵	مذموم کا ترجمہ کہاں سے ہوتا ہے اور کہاں "میں"
۱۰۳	۶	قبل بعد کب بنتی ہوتے ہیں اور کب عرب
۱۰۵	۷	قَلَامٌ، تَحْتَ قَوْنٍ کا حکم "قبل" و "بعد" والا ہے

سبق بستم صفحہ ۱۲۶

۱۲۶	۱	اسلام سے مکبرہ کی دو قسمیں، ان کی تعداد اور ان کے اعراب کی مکمل تفصیل
۱۲۸	۲	مشبہ کی مکمل قسمیں اور ان کے اعراب کا بیان
۱۲۸	۳	جمع کی مکمل قسمیں اور ان کے اعراب کا ذکر

سبق بست و یکم صفحہ ۱۲۹

۱۳۰	۱	اہم مقصود کی تعریف اور اسکے اعراب کا بیان
۱۳۰	۲	جمع ذکر سالم کے علاوہ اگر کوئی کلمہ یا وہی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب
۱۳۰	۳	اہم مقصود کی تعریف اور اسکے اعراب کا بیان
۱۳۱	۴	اہم مقصود کا اہم مقصود کی طرح تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری کیوں نہیں ہوتا

سبق بست و دوم صفحہ ۱۳۱

۱۳۲	۱	جمع ذکر سالم کا اعراب جب کہ اس کی اضافت یا وہی طرف ہو
۱۳۲	۲	جمع ذکر سالم جب یاہ تکلم کی طرف اضافت کی صورت میں حالت لقی و نصی و جزئی میں ایک ہی طرح پڑھی جا رہی ہے تو پھر حالت لقی کے اعراب کو تقدیری کیوں کہا گیا
۱۳۲	۳	اعراب کی اقسام
۱۳۲	۴	تجزیہ مفیدہ
۱۳۳	۵	تقسیم اعراب کی کہانی

۱۱۳	۳	جمع کی لغوی و اصطلاحی تفریح اور اس کے بنانے کا طریقہ
۱۱۵	۴	جمع کی باہر بار لفظ کے دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ جمع صحیح۔ ۲۔ جمع مکسر
۱۱۶	۵	جمع سالم (صحیح) کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ جمع مذکر۔ ۲۔ جمع مؤنث
۱۱۶	۶	جمع کی باہر بار معنی بھی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ قلت۔ ۲۔ جمع کثرت

سبق ہیزدہم صفحہ ۱۱

۱۱۷	۱	اعراب کتنے ہیں اور ان کی سولہ جمہوں کی تفصیل جن میں وہ آتا ہے
۱۱۷	۲	مفرد منصرف صحیح کا مطلب مع اسکے اعراب کے
۱۱۸	۳	کوئی کلمہ حالت لقی و نصی و جزئی میں کب ہو جاتا ہے اس کی مکمل تفصیل
۱۱۸	۴	مفرد منصرف جاری بجرائے صحیح کا مطلب مع اس کے اعراب کے
۱۱۹	۵	جمع مکسر منصرف کا مطلب مع اس کے اعراب کے
۱۱۹	۶	جمع مؤنث سالم کی تعریف مع اسکے اعراب کے

سبق نوژدہم صفحہ ۱۲۰

۱۲۰	(۱)	غیر منصرف کی تعریف اور اس کا اعراب
۱۲۰	۲	غیر منصرف کے نو اسباب بدل، تانیث، معرفہ وغیرہ کی مکمل تعریفیں اور وضاحت
۱۲۵	۳	دو صورتوں میں غیر منصرف بھی منصرف ہو جاتا ہے

سبق بست و پنجم صفحہ ۱۲۲

سبق بست و سوم صفحہ ۱۳۵

۱۲۲	۱	لاء نفسی جنس کا عمل چار طرح ہے پہلی صورت یہ ہے کہ اس کا اسم اگر تین شرطوں ۱۔ لاء کے فوراً بعد یعنی متصل ہو۔ ۲۔ مکرر ہو معرفہ نہ ہو۔ ۳۔ مضاف ہو۔ یا شبہ مضاف ہو تو منصوب ہوگا
۱۲۵	۲	مشابہ مضاف کے کہتے ہیں۔
۱۲۵	۳	چار مجرور کا متعلق جو فعل یا شبہ فعل مانا جاتا ہے وہ ہمیشہ چار لفظوں "کائن مابہت، موجود، حاصل" سے بنا کر مانا جاتا ہے۔
۱۲۶	۴	دوسری صورت یہ ہے کہ لاء نفسی جنس کے اسم میں اول دو شرطیں تو ہوں تیسری ختم ہو تو اس کا اعراب کیا ہوگا۔
۱۲۶	۵	تیسری صورت یہ ہے کہ لاء نفسی جنس کے اسم میں جب پہلی دو شرطیں ختم ہو گئیں تو اب اس کا اعراب کیا ہوگا
۱۲۷	۶	لائے نفسی جنس کے عمل کی چوتھی صورت میں پانچ طرح پڑھ سکتے ہیں
۱۲۷	۷	لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی ترکیب
۱۲۸	۸	محل قریب اور محل بعید کا مطلب
۱۲۹	۹	لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی پانچویں اعرابی صورت پر اعتراض جواب

سبق بست و ششم صفحہ ۱۲۹

۱۳۶	۱	مضارع اپنے آخر کے لحاظ سے چار قسم ہے
۱۳۶	۲	مضارع کے چودہ صیغوں میں دو جہتی ہیں بارہ معرب ہیں پھر معرب میں پانچ کا اعراب اور ہے سات کا اعراب اور ہے
۱۳۶	۳	صحیح اور متصل کی تعریف میں نحو یوں اور صرفیوں کا اختلاف
۱۳۷	۴	ہر متصل الی حقیقت میں یا تو متصل ہو ہی رہتا ہے یا الی

سبق بست و چہارم صفحہ ۱۳۹

۱۴۰	۱	حامل کی تعریف نیز اس کے لفظی اور معنوی ہونے کا مطلب
۱۴۰	۲	پھر حامل لفظی حروف بھی ہوتے ہیں افعال بھی اسما بھی
۱۴۰	۳	حروف عاملہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اسم میں عمل کرنے والے۔ ۲۔ فعل میں عمل کرنے والے
۱۴۰	۴	حروف عاملہ در اسم کی پانچ قسمیں ہیں اور حروف عاملہ در فعل کی دو قسمیں ہیں
۱۴۰	۵	حروف جر کے معنی کی مکمل تفصیل مع امثله
۱۴۲	۶	حروف مشبہ بالفعل کی وجہ تسمیہ
۱۴۲	۷	مضمون جملہ کا مطلب
۱۴۲	۸	حروف مشبہ بالفعل ان ان کی مکمل تحقیق مع امثله
۱۴۳	۹	ما ولا المشبهتان بلیس کی وجہ تسمیہ اور ان کے عمل کی تفصیل

۱۵۰	۱	منادی کے اعراب کی چار صورتیں ہیں
-----	---	----------------------------------

سبق بست و نهم صفحہ ۱۵۸

۱۵۹	۱	فعل کی اقسام: ۱- متصرف غیر متصرف۔ ۲- ناقص اور تام۔ ۳- معروف و مجهول۔ ۳- لازم و متعدی مع وجہ تسمیہ
۱۵۹	۲	فعل لازم اور متعدی کے عمل میں کیا فرق ہے
۱۶۱	۳	تمیز کے ابہام دور کرنے کی دو شکلیں ہیں

سبق سی ام صفحہ ۱۶۲

۱۶۳	۱	فعل کا اپنے فاعل کے ساتھ "بر طریق قیام" کہہ بر طریق صدور" بڑے کا کیا مطلب ہے
۱۶۳	۲	مفعول مطلق اپنے سے پہلے فعل کے معنی میں ہوتا ہے اس پر اعتراض و جواب
۱۶۳	۳	مفعول مطلق تین طرح کا ہوتا ہے
۱۶۳	۴	مفعول معزز کسی فاعل کا ساتھی ہوتا ہے کبھی مفعول بکا
۱۶۵	۵	ذوالحال مکرر ہو تو اب حال کو ذوالحال سے پہلے لایا جائے گا۔
۱۶۶	۶	حال (مقرر، مشبیہ، جمع، نیز جملہ خواہ فعلیہ ہو یا اسب) سب طرح کا ہوتا ہے

سبق سی و یکم صفحہ ۱۶۶

۱۶۷	۱	تَمَيِّزُ نِزْمٍ اور مُتَمَيِّزُ كِتَابٍ کی تعریف
۱۶۷	۲	مُتَمَيِّزُ یعنی جس سے ابہام دور کیا جاتا ہے دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱- مفرد۔ ۲- غیر مفرد
۱۶۷	۳	مقدار اور غیر مقدار سے ابہام دور کرنے کا مطلب
۱۶۷	۴	مقدار کی مثالوں میں ابہام مقدار میں تو نہیں ہے اس کا جواب

۱۵۰	۲	متادئی مفرد متصرف ہو تو اس کا اعراب کیا ہے
۱۵۱	۳	متصرف ہو مفرد نہ ہو تو کیا اعراب ہوگا
۱۵۱	۴	مفرد ہو معرف نہ ہو تو کیا اعراب ہوگا
۱۵۱	۵	نہ مفرد ہے نہ معرف ہے اب کیا اعراب ہے

سبق بست و ہفتم صفحہ ۱۵۲

۱۵۲	۱	فعل مضارع کو جن حرفوں سے نصب آتا ہے ان کا بیان
۱۵۲	۲	جب اہل نحو "اسم معرب" کا اعراب بیان کرتے ہیں تو فعل مضارع کا ذکر کیوں کیا
۱۵۳	۳	آن نامہ جن چیز کے مقدر ہوتا ہے اس کی تفصیل اور مقدر کا مطلب کیا ہے؟
۱۵۳	۴	واو صرف کو واو صرف کہنے کی دو وجہ ہیں
۱۵۵	۵	واو صرف کے بعد آن مقدر ماننے کی دو شرطیں ہیں
۱۵۵	۶	لام حجاز اور لام نخی کی تفریق اور دونوں میں فرق
۱۵۵	۷	فہاء کے بعد آن مقدر مانا جانا دو شرطوں کے ساتھ ہے

سبق بست و ہشتم صفحہ ۱۵۶

۱۵۷	۱	فعل مضارع کو جن حرفوں سے جزم آتا ہے ان کا بیان
۱۵۷	۲	ان شرطیہ کے بارے میں کچھ ضروری معلومات
۱۵۷	۳	شرطیہ کی جزم میں فاء کب لایا جاتا ہے

۱۷۵	۲	ہاں اعطیت اور ہاں علمت سے کیا مراد ہے
۱۷۶	۳	ہاں اعطیت میں دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف کیوں درست ہے نہ کہ ہاں علمت میں
۱۷۷	۴	المصال فلوب کی وجہ تسمیہ نیز ان کو افعال الشک والیقین بھی کہتے ہیں
۱۷۷	۵	شک، یقین، وہم، یقین کی تعریف
۱۷۷	۶	متحدی افعال کے کون سے مفعول بہ کو نائب قائل بنا سکتے ہیں اور کون سے کو نہیں مع دلائل

سبق سی و چہارم صفحہ ۱۷۹

۱۷۹	۱	افعال ناقصہ کو افعال ناقصہ کہنے کی وجہ
۱۷۹	۲	افعال ناقصہ کا اسم مرفوع اور خبر منصوب ہونے کی وجہ
۱۸۰	۳	افعال ناقصہ اور افعال تامہ میں کیا فرق ہوتا ہے
۱۸۰	۴	افعال ناقصہ کے اسم و خبر مل کر جب حمل کلام ہیں تو پھر افعال ناقصہ لانے کا کیا قاعدہ ہے
۱۸۱	۵	افعال ناقصہ کے لغوی معنی اور یہ کہ ان کا ترجمہ کس طرح ہوگا
۱۸۳	۶	لہسن اصل میں لہسن تھا

سبق سی و پنجم ۱۸۳

۱۸۳	۱	افعال مقار بہ کی وجہ تسمیہ اور ان کی تعداد
۱۸۳	۲	افعال مقار بہ جس قرب کو بتلاتے ہیں تین قسم کا ہوتا ہے
۱۸۳	۳	تینوں فرقوں میں فرق کیا ہے

۱۷۸	۵	مقدار کی پانچ قسمیں ہیں
۱۷۹	۶	مفعول بہ کی تعریف مع مثال
۱۷۹	۷	فعل قائل کے علاوہ کو فہم سلسلہ اور فالتو کیوں کہا جاتا ہے

سبق سی و دوم صفحہ ۱۶۹

۱۷۰	۱	قائل تین قسم کا ہوتا ہے
۱۷۰	۲	زینۃ منصوب میں زید کو منصوب کا قائل نہیں بنا سکتے
۱۷۰	۳	فعل اپنے قائل کے مذکر و مؤنث ہونے میں کہاں مطابق ہوگا وہ کہاں نہیں
۱۷۱	۴	کتابوں میں مردانہ مثالوں کیلئے زید اور عمر اور زنانہ مثالوں کیلئے ہندہ وغیرہ جاتے ہیں یہ اپنی اپنی برادری کیلئے علم جنس ہیں
۱۷۱	۵	تین صورتوں میں فعل مؤنث ہی لانا واجب ہے
۱۷۱	(۶)	وہ آخر صحتیں جن میں فعل کو مذکر و مؤنث دونوں طرح لاسکتے ہیں نیز ان کی خبروں کا حکم
۱۷۲	۷	وَقَالَ يَسُوْقُ فِي الْمَدِيْنَةِ آیت میں قال فعل مذکر آنے کا جواب
۱۷۲	۸	فعل جمہول کو فعل مطلق بسم قاعلہ نیز اس کے قائل کو مفعول مسلم بسم قاعلہ کہیں کی وجہ

سبق سی و سوم صفحہ ۱۷۴

۱۷۵	۱	فعل متحدی کی اپنے مفعولوں کے لحاظ سے چار قسمیں ہیں
-----	---	--

۱۹۵	۳	لواہد شرطیہ کے معنی کی وضاحت مع امثلہ
۱۹۵	۴	اسما انفعال بمعنی الراضی اور بمعنی اللامر کی ترکیبیں

سبق سی و نہم صفحہ ۱۹۶

۱۹۷	۱	اسم فاعل کا عمل دو شرطوں کے ساتھ کیوں ہے
۱۹۷	۲	اسم فاعل اور صفت مشبہ میں فرق
۱۹۹	۳	اسم مفعول کا عمل بھی دو شرطوں کے ساتھ ہوتا ہے
۲۰۰	۴	اسم مفعول کے عمل کی چوبیس مثالوں کا نقشہ

سبق چہلم صفحہ ۲۰۱

۲۰۱	۱	صفت مشبہ کی وجہ تسمیہ اور اس کی تعریف
۲۰۱	۲	صفت مشبہ و اسم فاعل میں فرق
۲۰۲	۳	صفت مشبہ فعل لازم سے بنتی ہے جس کا مفعول بہ نہیں ہوتا تو پھر اس کا معمول منصوبہ نہ ہو کیوں؟
۲۰۲	۴	صفت مشبہ کے عمل کی شرط کیا ہے
۲۰۲	۵	صفت مشبہ کے عمل کی کرنے کی شرط کیا ہے؟ ان کے دیگر احکام کے

سبق چہلم و یکم صفحہ ۲۰۴

۲۰۵	۱	اسم تفضیل کا استعمال ہمیشہ من یا الف لام یا اضافت کے ساتھ ملے گا
۲۰۵	۲	اسم تفضیل اپنے مفضل کے کہاں مطابق ہوگا اور کہاں نہیں
۲۰۶	۳	اسم تفضیل بنانے کا طریقہ مع دیگر تفصیل

۱۸۴	۴	عنسی زیندہ آن یُخرج کی دو ترکیب ہیں
-----	---	-------------------------------------

سبق سی و ششم صفحہ ۱۸۵

۱۸۵	۱	افعال مدح و ذم کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور اس پر اشکال و جواب
۱۸۶	۲	مخصوص بال مدح اور مخصوص بال ذم کا مطلب
۱۸۶	۳	نعم الرجل زید میں الرجل کا الف لام عہد و عہد و عہد کا حکم میں ہے
۱۸۷	۴	نعم الرجل زید کی دو ترکیب ہیں
۱۸۸	۵	افعال مدح و ذم کا فاعل تین قسم میں سے ایک قسم کا ہونا ضروری ہے
۱۸۸	۶	نعم الرجل زید میں دوسری ترکیب پر اشعار قبل الذکر کے اعتراض کا جواب

سبق سی و ہفتم صفحہ ۱۸۹

۱۸۹	۱	افعال تعجب کی لغوی و اصطلاحی وضاحت
۱۸۹	۲	افعال تعجب کے فقط دو وزن ہیں: ۱- ما آحسنن زینداً. ۲- آحسینن بزینداً
۱۹۰	۳	ما آحسنن زینداً کی ترکیب میں تین قول ہیں
۱۹۱	۴	آحسینن بزینداً کی ترکیب میں بھی تین قول ہیں
۱۹۲	۵	جن مصدروں سے افعال تعجب نہیں آتے ان سے میثہ تعجب کیسے بنائیں گے۔

سبق سی و ہشتم صفحہ ۱۹۳

۱۹۳	۱	اسماء عالمہ کتنے ہیں
۱۹۴	۲	اسماء شرطیہ کو اور کیا کہا جاتا ہے مع وجہ تسمیہ

۲۱۸	صفت کا مطلب اور اسکی دو قسمیں: اس صفت بحال موصوفہ ۱۔ صفت بحال متعلق موصوفہ ۲۔	۳
۲۱۹	”صفت بحال موصوفہ“ میں صفت اپنے موصوفہ کے کئی چیزوں میں مطابق ہوگی	۴
۲۱۹	”صفت بحال متعلق موصوفہ“ کئی چیزوں میں صفت اپنے موصوفہ کے مطابق ہونی چاہے	۵

سبق چہل و پنجم ۲۲۰

۲۲۱	تاکید کی تعریف اور اسکے دو ناکدوں کا ذکر	۱
۲۲۲	تاکید کی قسمیں لفظی و معنوی کی تعریف مع وجہ تسمیہ	۲
۲۲۲	نَفْسٌ اور عَيْنٌ کا استعمال	۳
۲۲۳	أَجْمَعُ وَاكْتَمُ وَاَبْصَحُ کے معنی اور استعمال	۴

سبق چہل و ششم ۲۲۲

۲۲۴	بدل کی تعریف، وجہ تسمیہ اور قسمیں	۱
۲۲۵	بدل الکل کی وضاحت مع ایکس مثالوں کے	۲
۲۲۶	بدل البعض کی وضاحت مع پندرہ امثلہ	۳
۲۲۷	بدل الاشمال مع پندرہ امثلہ	۴
۲۲۹	بدل الغلط مع متعدد امثلہ	۵

سبق چہل و ہفتم ۲۲۹

۲۳۰	عطف بحرف کی تعریف اور وجہ تسمیہ اور ناکدہ	۱
۲۳۰	عطف بیان کی تعریف نیز عطف بیان اور صفت میں فرق	۲
۲۳۱	عطف بیان اور بدل میں فرق	۳
۲۳۲	اَلْقَسَمُ بِاللّٰهِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُ کی تشریح	۴

۲۰۶	مصدر کے عمل کرنے کی تفصیل نیز اس کا عمل کس وجہ سے ہے	۴
۲۰۷	مضاف بھی عامل ہے لیکن اضافت کبھی متن والی ہوتی ہے کبھی لقی والی اور کبھی لاقم والی، کہاں کون سی ہوتی ہے اس کا مفصل بیان	۵
۲۰۸	عموم خصوص مطلق اور عموم خصوص من وجہ کا مطلب	۶

سبق چہل و دوم ۲۰۹ صفحہ

۲۱۰	اسم تام کا مطلب	۱
۲۱۰	اسم تام سے نصب کیوں آتا ہے	۲
۲۱۱	اسم تفضیل غیر منصرف کیوں ہوتا ہے	۳
۲۱۲	مشابہ لون جمع کے کہتے ہیں	۴
۲۱۲	اسماء کتایہ کیا ہوتے ہیں اور کتنے ہیں نیز ان کا عمل کیا ہے	۵

سبق چہل و سوم ۲۱۳ صفحہ

۲۱۴	حوال معنوی کے کہتے ہیں اور وہ کتنے ہیں	۱
۲۱۵	مبتدأ خیر کا عامل جب کہ وہ مرفوع ہو کون ہے	۲
۲۱۵	فعل مضارع کا عامل جب کہ وہ مرفوع ہو کون ہے	۳

سبق چہل و چہارم ۲۱۶ صفحہ

۲۱۷	خاترہ کی تعریف	۱
۲۱۷	تابع کی تعریف نیز تابع اور متبوع کی وجہ تسمیہ	۲

سبق پنجاہ و یکم صفحہ ۲۲۸

۲۲۹	۱	حروف تاکید کا بیان
۲۵۰	۲	حروف زیادہ اور ایس کے مطلقہ کے تین مطلب
۲۵۲	۳	حروف زیادہ میں حروف ہلکہ کا ذکر کیوں جب کہ یہ فصل حرف غیر عالمہ کی ہے
۲۵۲	۴	حروف شرط کا بیان اور نو کے تین استعمال
۲۵۳	۵	لولا کی وضع اور استعمال
۲۵۵	۶	حروف عطف کا بیان

سبق پنجاہ و دوم صفحہ ۲۵۵

۲۵۶	۱	مستغنی کی تعریف اور قسمیں
۲۵۷	۲	استثناء اور مستغنی منہ اور مستغنی کا مطلب
۲۵۷	۳	متصل اور منقطع کی تعریف
۲۵۸	۴	مستغنی کا اعراب کب کیا ہوتا ہے مکمل تفصیل

سبق پنجاہ و سوم صفحہ ۲۶۰

۲۶۱	۱	مستغنی کا چوتھا اعراب مجرور ہوتا ہے
۲۶۱	۲	مستغنی منہ اور مستغنی کے درمیان میں غیسر کا اعراب کیا ہوگا
۲۶۲	۳	لفظ غیسر کے معنی اور استثناء کے لیے ہونے کا کیا مطلب ہے
۲۶۳	۴	لا الہ الا اللہ کی ترکیب
۲۶۵	۵	خدا ہونے کی دلیل
۲۶۶	۶	خدا دو کیوں نہیں ہو سکتے

تحت بالخیر

۲۳۳	۵	نام چوتھم کے ہوتے ہیں
-----	---	-----------------------

سبق چہل و ہشتم صفحہ ۲۳۲

۲۳۳	۱	منصرف غیر منصرف کی تعریف
۲۳۵	۲	غیر منصرف کی مثالوں میں سے ہر مثال میں کس طرح دو سبب ہیں

سبق چہل و نہم صفحہ ۲۳۶

۲۳۶	۱	حرف تہبیب کا بیان
۲۳۷	۲	حروف ایجاب کا بیان
۲۳۷	۳	حروف تفسیر کا بیان
۲۳۸	۴	حروف مصدریہ کا بیان
۲۳۹	۵	حروف تخصیص کا بیان
۲۳۹	۶	حروف توقع کا بیان
۲۴۰	۷	حروف استفہام کا بیان
۲۴۱	۸	حروف ردع کا بیان

سبق پنجاہم صفحہ ۲۴۳

۲۴۳	۱	توین کی تعریف مع اقسام
۲۴۳	۲	توین حکم کا مطلب
۲۴۵	۳	توین تنکیر کا مطلب
۲۴۶	۴	توین عوض
۲۴۶	۵	توین مقابلہ
۲۴۷	۶	توین ترنم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عربی زبان کی شانِ کبریائی

اور

ہماری بے اعتنائی

عربی زبان کی شانِ کبریائی اور ہماری بے اعتنائی

عربی زبان ایک ایسی رفیع الدرجات عالی شان زبان ہے کہ جس کی ہمسری کوئی زبان نہیں کر سکتی اس امت کے لئے جہاں یہ فخر کی بات ہے کہ اسے سب سے افضل رسول ملا اور خَيْرُ الْكُتُبِ (قرآن کریم) اس کے حصہ میں آئی اور شریعتوں میں سب سے افضل شریعت سے نوازا اور امتوں میں سے بہترین امت ہونے کا شرف پایا وہیں یہ بھی انتہائی فخر کی بات ہے کہ اس امت کے پیغام کے لئے منجانب اللہ وہ زبان منتخب ہوئی جس کو اَوَّلُ الْاَلْسِنَةِ اور خَيْرُ الْاَلْسِنَةِ ہونے کا شرف حاصل ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی ہی تھی زمین پر اترنے کے بعد اور توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی سے کچھ تبدیلی ہو کر سریانی بن گئی تھی ادھر ہر آسمانی کتاب منجانب اللہ عربی زبان میں دی گئی پھر جبریل امین نے قومی زبان میں ترجمہ کر کے پیغمبروں کو بتلایا اور انہوں نے قومی زبان میں امتوں کو پہنچایا، اور عربی زبان دین کی سرکاری زبان ہے تمام فرشتوں کی زبان بھی عربی ہے لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ سب عربی میں ہے اور جنت جو سب انسانوں کا اصلی وطن ہے اور وہاں لوٹ کر جانا ہے وہاں کی زبان بھی عربی ہی رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے محبت کا حکم فرمایا اور وجہ یہ بتائی لَا اِنْسِيْ عَرَبِيٌّ، وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ، وَلِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ یعنی گویا وہ زبان بولتے ہیں جو میری اور قرآن اور اہل جنت کی زبان ہے اس لئے ان سے محبت کرو۔

نیز عربی زبان جاننے والا گوار بھی زبان جانتا ہو مگر آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص عربی جانتا ہو تو اس کو عربی ہی میں بولنا چاہئے کیونکہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے۔

کیونکہ کلام اور گفتگو میں متکلم کے اثرات ضرور غیر شعوری طریقے پر چھپے ہوتے ہیں اسی لئے حضرت شیخ زکریا نے فضائل قرآن مجید میں لکھا ہے کہ گو فارسی اور انگریزی زبان ہونے ہیں برابر ہیں مگر تاثیر الگ الگ ہے، پھر قرآن کریم کی خصوصیت جو اور کتب سادہ کے اندر نہیں ہے یہ ہے کہ اس کے الفاظ بھی معانی کی طرح خود حق تعالیٰ شانہ کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ بھی اس زبان کا متکلم ہے، اس زبان کے بولنے پر جہاں اللہ ورسول اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں صحیفوں اور جنت اور اہل جنت سے مشابہت کی سعادت ہاتھ آئیگی وہیں اس کے تکلم سے نفاق سے برأت کے ساتھ طبیعت پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

ایک فاضل نے قرآن کے کلام اللہ ہونے اور اب بھی اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہونے کی ایک عجیب و حدائی اور محسوس دلیل پیش کی ہے کہ ان کا ہر زمانہ میں کسں بچوں کو بہت کم وقت میں حفظ ہو جانا اور اس کے پڑھنے میں جو لطف و حلاوت ہے اس کا جوں کا توں برقرار رہنا صاف دلیل ہے کہ یہ وہی کلام ہے جو اللہ نے ہو بہو اتارا تھا اور اس کے جو اوصاف اللہ نے بتائے ہیں کہ جلد یاد ہو جاتا ہے اس کو سگر رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بار بار پڑھنے سے اور مزہ بڑھتا جاتا ہے اس کے یہ اوصاف ہر زمانہ میں برقرار ہیں، جس دن نعوذ باللہ اصلی والا قرآن نہ رہے گا تو نہ یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جلد یاد ہوا کرے گا اور نہ اس کی تلاوت میں وہ لذت رہے گی، یہ سب اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور وہ اپنے کلام میں جو چاہے تاثیر رکھ دے فہو علی کل شیء لقیہو۔

بہر حال قطع نظر عربی زبان کے دنیوی فوائد سے کہ وہ بھی کم نہیں کیونکہ فی الحال مکمل ہیں ملکوں کی یہ سرکاری اور ماوری زبان ہے ایک مسلمان کے لئے اس سے وابستگی اور دلچسپی بلکہ شہینگی کا باعث اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے یہ اس کے دین و مذہب کی زبان ہے جس کے نتیجہ میں ہر صاحب ایمان کو اس کے سیکھنے سکھانے میں ہر ممکن جدوجہد اور سعی کرنا ایک فطری اور عقلی منتہی ہے۔

آج کا ایک طبقہ محض اس ظنی اور موہوم سوچ پر انگریزی زبان پر مرث رہا ہے اور اپنی اولاد کو بیسٹ چہ حاربا ہے کہ اس سے وقتی منفعت اور عزت و شہرت حاصل ہوگی جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان اللہنا اکبر ہمتنا کہ دنیا ہمارا مقصود اعظم ہے۔

حالانکہ دین کا منبع اور سرچشمہ خواہ وہ قرآن ہو یا حدیث پاک یا فقہ ہو سب عربی میں ہے، ہمارا اللہ ہمیں قرآن میں کہاں کس پیار سے خطاب کرتا ہے اور اس کا رسول اپنی اس امت کے لئے کس کس انداز سے کیا کیا پیچ و تاب کھاتا ہے مؤذن اذان کے مکہ بگمیر پڑھے ہم نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھیں یا کہیں سے تلاوت کریں یا دعاؤں میں کسی دعاؤں کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کریں ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا سن رہے ہیں کیا کہہ رہے ہیں کیا مانگ رہے ہیں، لیا حصرۃ علی العباد۔

قبر اور آخرت کی زبان بھی عربی ہے

ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھروالوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ لوگ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا ذرا دیکھو یہ کیا بھونک رہی ہے، مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان کے یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔

إِنَّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ يَقُولَانِ لِي أَدْخُلِي الْجَنَّةَ.

یعنی اس بڑھیا کو دو آدمی فرشتوں کی شکل میں نظر آ کر یہ بشارت دے رہے تھے کہ اری بڑھیا تو جنت میں چل۔ اس پر حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ قبر میں پہنچتے ہی سرکاری زبان یعنی عربی کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اس سے قبر میں عربی میں ہی سوال ہوتے ہیں مَنْ ذَنْبِكَ مَا دِيْنُكَ مَنْ نَيْبِكَ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے قبر سے پہلے بھی اسی زبان میں خطاب کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا اللہ اور اس کے فرشتے اور کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو یہ زبان محبوب ہے اسی لئے قرآن میں قرآن کو خاص عربی زبان میں دئے جانے کا بار بار ذکر ہے۔

عربی زبان کی فضیلت و اہمیت پر ایک عرب شخصیت یوں روشنی ڈالتی ہے

فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت رکھتا ہے، اور جو رسول عربی سے محبت رکھتا ہے اہل عرب سے محبت رکھتا ہے اور جو اہل عرب سے محبت رکھتا ہے وہ اس عربی سے بھی محبت رکھتا ہے جس میں سب سے افضل کتاب (قرآن) عرب و عجم میں سب سے افضل پراتری ہے اور جو عربی سے محبت رکھتا ہے تو وہ اس کا اہتمام کرے گا اور اس کے سیکھنے سکھانے پڑھے اور جھے گا اور اس میں اپنی کوشش لگائے گا۔

آگے فرماتے ہیں:

کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا ہے اور ایمان کے لئے اس کا سینہ کھول دیا ہے اور اس میں اس کی طبیعت کو پاکیزہ بنایا ہے تو اس کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے بہتر رسول اور اسلام مذہبوں میں سب سے بہتر مذہب اور اہل عرب امتوں میں سب سے بہتر امت اور عربی زبان زبانوں میں سب سے بہتر زبان ہے اور عربی زبان کا سیکھنا عین مذہب ہے کیونکہ یہ علم اور دینی سمجھ کا سب سے بڑا واسطہ اور دنیا و آخرت کی درستگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(ترجمہ از عربی از القاموس الوحید مولانا وحید الزماں کیرانوی)

عربی زبان کا دیگر زبانوں پر ایک عظیم احسان

اور یہ کہ علم صرف و علم نحو ہر زبان میں ہوتا ہے

دنیا میں جتنی زبانیں ہیں گو وہ خود تو مختلف ہیں لیکن ان کا مدلول اور مصداق یعنی جو ان سے مراد لیا جاتا ہے وہ

سب جگہ پوری دنیا میں ایک ہی ہے پانی ہو روٹی ہو یا چاول یا ٹوپی، آسمان، زمین، بادل، بارش، چائے، کھانے پینے یا پڑھنے لکھنے سے متعلق یا اس کے علاوہ سے متعلق تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہی ایک طرح کی چیزیں ملیں گی البتہ نام اور لفظ جو ان پر بولے جاتے ہیں وہ سب زبانوں میں الگ الگ ہیں ہم پانی کہتے ہیں اہل عرب ”ماء“ اور اہل فارس ”آب“ انگریزی والے ”واٹر“ یہ تو اسماء کی بات ہے، افعال کا بھی یہی حال ہے کہ سب دنیا کے افعال یکساں ہیں، چلنا، بیٹھنا، سونا، کھانا، پینا، لکھنا، ہنسنا، رونا، غصہ ہونا، مارنا، سب جگہ کے آدمیوں کے یہی افعال اور کام ہیں مگر تعبیر اور ان کاموں کے لئے الفاظ زبانوں کے اعتبار سے بدل گئے ہیں ہم ”بیٹھنا“ کہتے ہیں، فارسی والے ”نشستن“ اور عرب والے ”الجلوس“ کہتے ہیں اسی طرح ہم اس کہتے ہیں فارسی والے اس عربی والے ہذا کہتے ہیں انگریزی والے دس کہتے ہیں اور یہی حال حروف کا بھی ہے کہ ہم میں کہتے ہیں اہل عرب فی اہل فارسی در اور انگریزی والے ان کہتے ہیں اور مطلب سب کا ایک ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ ”معبر عنہ“ سب زبانوں کا ایک ہے گو تعبیر اور عبارت بدل گئی ہے، کما

يقول الشاعر

عَبَارَاتُنَا شَتَّى وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ وَكُلُّ إِلَى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيرُ

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں کسی واحد اور غائب آدمی کا کام بتانا ہو تو کہیں گے ”اس نے لکھ لیا“ جمع غائب کا بتانا ہو تو ”انہوں نے لکھ لیا“ اور واحد حاضر کا بتانا ہو ”تو نے لکھ لیا“ جمع حاضر کے لئے ”تم نے لکھ لیا“ واحد متکلم کے لئے ”میں نے لکھ لیا“ اور جمع متکلم کے لئے ”ہم نے لکھ لیا“ کہتے ہیں پھر انہی صیغوں میں اگر ”ہے“ بڑھادیں تو ماضی کے صیغے بن جائیں گے اور ”تھا“ بڑھادیں تو ماضی بعید کے صیغے ہو جائیں گے، اور تا تھا“ کا اضافہ کر دو تو ماضی استمراری اور ”ہوگا“ لگا دو تو ماضی احتمالی ہو جائے گی (کیا اچھا ہوتا) لگا دو تو ماضی تمنائی کے کے صیغے بن جاتے ہیں۔ اور اگر زمانہ حال میں وہ کام بتانا ہو، ”تو وہ لکھ رہا ہے“، ”وہ لکھ رہے ہیں“، مستقبل اور آئندہ زمانے میں بتانا ہو، ”وہ لکھے گا“، ”میں لکھوں گا“، ”ہم لکھیں گے“، پھر اگر ان جملوں میں تاکید پیدا کرنی ہو، ہرگز یا بالکل لگا دیں گے، اور اگر حکم امر کی شکل میں بدلنا ہو تو کہیں گے، ”آپ لکھئے“، ”آپ جاسیئے“، ”تم چلے جاؤ“، ”نہی کے صیغوں میں بدلنا ہو تو کہیں گے، ”تم مت لکھو“، ”آپ مت کھیلو“، ”وہاں نہ جاسیئے“، اور امر و نہی میں تاکید لانی ہو تو بالکل یا ہرگز ساتھ میں لگا دیتے ہیں، ایسے بھی اسم فاعل کے صیغے بنانے ہوں تو ”والا“، ”والے“ لگ کر بن جائیں گے مثلاً ”وہ لکھنے والا ہے“، ”وہ پڑھنے والا ہے“، اسم مفعول کے صیغے بنانے ہوں تو ”ہوا“ آخر میں لگ کر بنا جائیں گے، جیسے پڑھا ہوا مضمون، لکھی ہوئی تحریر، اسم ظرف بنانا ہو تو جگہ اور وقت کا لفظ بڑھا کر کہیں گے، پڑھنے کی جگہ، لکھنے کی جگہ، پڑھنے کا وقت، پڑھنے کی جگہ، اسم تفضیل بنانا ہو تو زیادہ کے ساتھ تقابل دکھا دو جیسے، عمر بکر سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔

غرضیکہ لکھنا، ایک مصدر ہے جس سے ہر زبان میں جو بھی اس کے مقابل لفظ ہے اردو کی طرح کبھی ماضیاں اور ان کے صیغے تو کبھی مضارع، کبھی امر، کبھی نہی، کبھی اسم فاعل و مفعول وغیرہ وغیرہ بنتے چلے جاویں گے، پھر فعل ماضی میں کوئی صیغہ غائب کا کوئی حاضر کا کوئی متکلم کا پھر ان میں بھی کوئی واحد کے لئے کوئی ثننیہ کے لئے تو کوئی جمع کے لئے پھر مرد کے لئے کوئی عورت کے لئے بات یہ ہے کہ علم صرف ہر زبان میں پایا جاتا ہے کوئی بھی زبان اس سے خالی نہیں اور علم صرف کا نام علم صرف اسی لئے رکھا گیا کہ ہر زبان کے مصدر سے مختلف فعلوں اور صیغوں پر پھرنا اور آنا سکھا دیتا ہے کہ ماضی میں کوئی بات کہنی ہو تو اس طرح کہنا حال مستقبل میں کہنی ہو تو اس طرح واحد کے لئے کہنی ہو تو اس طرح ثننیہ جمع کے لئے کہنی ہو تو اس طرح مرد کے لئے اس طرح اور عورت کے لئے صیغہ اس طرح لانا ہے، فارسی ہی میں ”زنتن“ مصدر کو لے لیجئے کہ اس سے خالی چھ ماضیوں کے چھ چھ صیغوں کے اعتبار سے چھتیس ”صیغے“ بنتے ہیں۔

اب رہا علم نحو وہ بھی ہر زبان میں پایا جاتا ہے، چنانچہ کوئی زبان لیلوسب میں گفتگو کا طریق ایک ہے بولنے میں کبھی تو تنہا تنہا ایک ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے جیسے کتاب، قلم، ٹوپی، چادر، جوتا، مکان، مدرسہ، مسجد، اور کبھی دو دو بول ملا کر گفتگو کرتے ہیں مثلاً، خالد کی کتاب، میرا قلم، بھائی کی چادر، نیا مدرسہ، قیمتی قلم، تنہا ایک ہی لفظ اگر بولیں تو اسے ”مفرد“ کہتے ہیں اور دو دو یا زیادہ جوڑ کر بولیں تو اسے ”مرکب“ کہتے ہیں پھر جوڑ کر اور مرکب شکل میں جو کلمات میں بولے جاتے ہیں کبھی اس سے مفید اور پوری گفتگو بنتی ہے اور کبھی ناقص اور ادھوری اگر ادھوری بنتی ہے تو اسے مرکب ناقص کہتے ہیں جس کی پھر دو قسمیں ہو جاتی ہیں اضافی اور توصلی اگر دو کلموں کا جوڑ مضاف مضاف الیہ کی شکل میں ہے کہ کسی چیز کو کسی سے جوڑا یا اس کی بتائی گئی ہے جیسے اوپر (خالد کی کتاب) میں تو یہ مرکب اضافی ہوتا ہے اور اگر دو کلموں کا جوڑ موصوف صفت کی شکل میں ہے یعنی اچھایا برا بتانے کے لئے دو چیزوں کو آپس میں جوڑا ہے تو جس کو اچھایا برا بتاویں وہ موصوف ہے اور جس لفظ سے بتائیں وہ صفت ہے جیسے ”پرانا قلم“ میں قلم موصوف ”پرانا“ صفت ہے۔

اور اگر دو کلموں کا جوڑ نا اس طرح سے کہ ان میں سے ایک کو اصل بنا کر اس کے متعلق کوئی خبر دی گئی جیسا کہ جملیہ اسمیہ میں ہوتا ہے کہ شروع میں ایک چیز ذکر کر کے پھر اس سے متعلق کچھ کہا جاتا ہے یا خبر دی جاتی ہے مثلاً زید حافظ ہے یا خالد مولوی ہے اس میں زید اور خالد مبتدا ہیں، اور حافظ اور مولوی ہونا ان کے متعلق خبر ہے، اور اگر کسی سے جو کام جوڑا ہے یا اس کا کرنے والا اسے بتلایا ہے جیسے زید سو گیا، زید نے لکھ لیا، تو جس سے وہ کام جڑا وہ فاعل کہلاتا ہے اور خود وہ کام جو اس سے جوڑا گیا ہے وہ فعل کہلاتا ہے اور اس قسم کے جملہ کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ مرکب اضافی اور توصلی میں جوڑ ناقص ہوتا ہے کیوں کہ یہ دونوں اپنے دونوں جزؤں سمیت صرف اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ یہ کسی سے جڑ جائیں یعنی مسند بن جائیں یا ان سے کوئی چیز جوڑ دی جائے یعنی یہ مسند الیہ

بن جائیں۔

تہا مرکب اضافی یا تہا مرکب توصیفی یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ مسند بھی جائیں اور مسند الیہ بھی اس لئے اگر انہیں مسند بنائیں گے تو مسند الیہ کی ضرورت رہے گی اور مسند الیہ بنائیں گے تو مسند کی حاجت رہے گی، اسی لئے مرکب اضافی و توصیفی گو مرکب ہیں لیکن ناقص اور ادھورے اور جملہ اسمیہ و فعلیہ مرکب تام اور مرکب مفید اور مکمل کلام کہلاتے ہیں کہ ان میں مسند اور مسند الیہ دونوں چیزیں آجاتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ جملہ اسمیہ میں جس سے جوڑتے ہیں یعنی مسند الیہ پہلے آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں جس کو جوڑتے ہیں یعنی مسند پہلے آتا ہے اسی لئے جملہ فعلیہ میں فعل اور کام کا ذکر پہلے آئے گا اور جس نے وہ کام کیا اس کا ذکر بعد میں جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ اور جملہ اسمیہ میں الٹا ہوتا ہے کہ جس نے کام کیا اس کا ذکر پہلے کریں گے، اور کام کا ذکر بعد میں جیسے زَيْدٌ ضَرَبَ لیکن میں نے جہاں تک غور کیا جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ عربی میں تو دو قسمیں بنتی ہیں مگر اردو زبان میں ہمیشہ شروع میں اسم ہی کولاتے ہیں جس سے کوئی کام جوڑتے ہیں اور اس کو مسند الیہ بناتے ہیں، چنانچہ کوئی نہیں کہتا ”لکھ لیا زید نے“، اگر کہیں گے تو یوں کہیں گے، ”زید نے لکھ لیا“، اس لئے اردو زبان میں فعل اور کام کا ذکر ہمیشہ بعد میں آتا ہے اور عربی میں وہ جملہ خواہ فعلیہ ہو یا اسمیہ لیکن اردو میں نتیجہ وہ جملہ اسمیہ ہی ہو جاتا ہے، ایسے ہی ہر زبان میں فعل فاعل کے مطابق ہونے کا خیال رکھا جاتا ہے اگر مرد کے لئے چلا گیا کہیں گے تو عورت کے لئے، چلی گئی، کہا جاتا ہے، ایک کا چلا جانا بتانا ہو تو وہ ”چلا گیا“ کہا جائے گا، دو یا زیادہ کا بتانا ہو تو وہ چلے گئے کہا جاتا ہے، ایسے ہر کوئی جب کسی کام کرنے کو بتاتا ہے تو اس میں کام یعنی فعل اور جس نے وہ کیا یعنی فاعل اور جس کے ساتھ کیا، یعنی مفعول بہ اور کیوں کیا یعنی مفعول لہ اور کہاں کیا یعنی ظرف مکان اور کس وقت کیا یعنی ظرف زمان، اور کس حال میں کیا، یعنی حال ان چیزوں کا بھی ذکر گفتگو میں لائے گا گویا نحوی اصطلاحات ہر زبان میں بولنے اور استعمال میں آئیں گی۔

یہی حال فعل مدح و ذم کا ہے، ہم کہتے ہیں محمد نسیم بہت برا آدمی ہے جس کی عربی بنے گی (بئس الرجل محمد نسیم) اکرام بہت شریف آدمی ہے، نعم الرجل اکرام، ایسے ہی فعل تعجب کیا ہی عمدہ کھانا ہے، ما أحسن الطعام، غرضیکہ سب زبانوں میں علم نحو نکالا جاسکتا ہے۔

علم نحو کو نحو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نحو کے معنی جانب اور طرف نیز طریقہ راستہ کے ہیں چونکہ ہر زبان میں اس زبان کے طریقے والوں پر چلا جاتا ہے الٹا سیدھا جیسا بھی ان کی زبان میں رواج اور طریقہ ہے اسی پر رہنا پڑیگا عقل کا کوئی چارہ اس میں نہیں چلتا مثلاً جانا، مصدر ہے لیکن اس سے ماضی صیغے ”وہ گیا“، ”وہ گئے“، کہتے ہیں، جب کہ عقل کہتی ہے وہ ”جیا“ وہ ”جیے“ کہنا چاہئے، پھر مضارع میں اپنی اصل پر بولتے ہیں ”وہ جائے گا“، ”جائیں گے“۔

تو حاصل یہ ہے کہ کوئی زبان ایسی نہیں ہے کہ جس کا علم صرف و نحو نہ ہو اب اصل تو عربی زبان کا صرف و نحو وجود میں آیا اور اس پر اتنی محنت اور موشگافیاں کی گئی ہیں کہ دیگر زبانوں کا علم صرف و نحو بھی اسی زبان کے طفیل وجود میں آیا ہے اور دیگر زبانوں کے صرف و نحو میں یہ اصطلاحات چل گئی ہیں۔

اسی لئے ایک مولوی کو جو عربی کے صرف و نحو سے واقف ہو گیا انگریزی زبان کے گرامر اور قواعد سے واقف ہونا

بہت آسان ہے۔

اسی لئے انگریزی لغات میں بھی جگہ جگہ ہر فعل کے ساتھ ٹرانزٹیو (فعل متعدی) اور ان ٹرانزٹیو (فعل لازم) لکھا رہتا ہے اور یہی حال دیگر اصطلاحات کا بھی ہے، کہ وہ عربی پڑھے ہوئے کو صرف جانتی پڑتی ہیں سمجھنی نہیں پڑتیں،

فَطُوبَىٰ لِمَنْ يَتَعَلَّمُ الْعَرَبِيَّةَ

اسلامی زبانوں کا امتیاز و شرف

ملت اسلامیہ کی مجملہ خوبیوں کے ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس کی ترجمانی کر لے والی زبانیں کیا عربی کیا فارسی کیا اردو سب کا لکھا پڑھنا دائیں طرف سے ہوتا ہے اور بموجب حدیث: **ان اللہ یحبُّ التَّيْمَانَ فِی کُلِّ شَیْءٍ حَتَّىٰ التَّعْلُ وَالتَّرَجُّلُ**، او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم، (کہ داهنا پن اللہ کو ہر چیز میں پسند ہے، حتیٰ کہ جوتا پہننے اور کنگھا کرنے تک میں) از خود فطرۃً یہ خوبی ان زبانوں کو حاصل ہے۔

دھیان رکھنے کے لائق ایک اہم بات

قواعد صرف و نحو کسی بھی زبان کے ہوں سب کے متعلق یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ قواعد اس زبان کے تابع ہوتے ہیں وہ زبان قواعد کے تابع نہیں ہوتی ہے اس بات کے جاننے سے بہت سی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بھی قاعدہ ہوتا ہے وہ صرف اکثری ہوتا ہے نہ کہ کلی یعنی اکثر جگہوں پر اہل زبان کا استعمال اس طرح ہے جس طرح قاعدہ بتایا گیا ہے اگر اس کے خلاف کہیں مل جائے گا تو اس کا استثناء کرنا ہی پڑے گا اور خلاف قیاس یا شاذ و نادر کہہ کر اس قاعدہ سے اسے الگ کیا جاتا ہے جیسے مرکب بنائی **أَحَدَ عَشَرَ** سے **تِسْعَةَ عَشَرَ** تک ہے اس کے اعراب کا قاعدہ یہ بتایا ہے کہ دونوں جزیوں میں مثنیٰ برفتحہ پڑھنا ہے مگر اثناعشر کے جزیوں میں یہ قاعدہ ٹوٹ گیا اور یہ بجائے مثنیٰ برفتحہ کے معرب ہو گا اب کوئی کہنے لگے کہ جی یہ معرب کیوں ہے؟ تو اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اہل عرب کا استعمال اس کے بارے میں یوں ہی ہے۔

ترجمہ ترجمہ ہے اصل عربی زبان کے جاننے کی بات ہی کچھ اور ہے

گو اُردو میں قرآن و حدیث و فقہ سب کا ترجمہ ہو کر ذخیرہ موجود ہے اور ہم اللہ و رسول اور ائمہ کرام کی مراد کو سمجھ جاتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو اللہ و رسول کے کلام کا لطف ہے اور اس کی جو حلاوت ہے اصل عربی جانے بغیر ہم ضرور اس سے محروم رہتے ہیں اور اس کے اثر اور سحر انگیزی کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے، دنیا میں سب سے اعلیٰ زبان قرآن پاک کی ہے اس کے بعد حدیث پاک کی ذیل کے ایک حیرت انگیز واقعہ عجیبہ سے عبرت درکار ہے، جو ندوة العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے مجلہ ”البعث الاسلامی“ جلد ۵۱، شماره ۲، متعلقہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ مطابق جنوری ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے، اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کا بیان کردہ ہے کہ:

سعودی عرب کے بادشاہ فیصل بن عبدالعزیز فرانس کے اندر علاج کے لئے جایا کرتے تھے وہاں پر آپ کے معالجوں میں ایک مشہور جراح ڈاکٹر مورلیس بکائی تھا جن جراحی میں اس کی شہرت تھی اس جراح کا معمول تھا کہ مریضوں کو قرآن کریم کے بارے میں شبہات میں ڈالتا اور انہیں کہتا کہ قرآن تو اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا کلام ہے اور اس کی بہت سی باتوں میں تناقض اور ٹکراؤ ہے، خود اس ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ بچپن سے ہی اس طرح کے شبہات ہمیں اس لئے تلقین کئے گئے تھے کہ ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان کے دین سے پھرا کر نصرانی بنا سکیں اور اب بڑے ہو کر میں ان شبہات کے ذریعہ لوگوں کو عیسائی بنانے کا تجربہ کرنے لگا۔

آخر ہوا یہ کہ ایک دفعہ شاہ فیصل برائے علاج جب میرے پاس آئے تو میں نے سوچا کہ ان کو عیسائی بنانا یا کم از کم شک میں ڈالنا میرا اور عیسائی مشینری کا بڑا کارنامہ بنے گا، تو اکثر میرا معمول تھا کہ میرے مسلم مریض جو عموماً بڑی ہی شخصیات ہوتی تھیں ان کا آپریشن شاندار طریقے پر کرتا محبت سے پیش آتا اور جب وہ ٹھیک ہو جاتے تو ان سے یہی سوال کرتا کہ آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا گیا ہے یا خود ان کا اپنا کلام ہے اور خواہ مخواہ اللہ کا کلام کہتے ہیں تو مریض جواب دیتا کہ نہیں قرآن اللہ ہی کا کلام ہے اور آپ اس بات میں سچے ہیں جس پر میں کہتا کہ میرے خیال میں تو یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ آپ کے محمد اس بات میں سچے ہیں بس مریض چپ ہو جاتا اور آگے کوئی بات نہ ہوتی، ایک زمانہ تک ایسا ہوتا رہا۔

تا آن کہ شاہ فیصل تشریف لائے میں نے ان کا آپریشن کیا اور جب وہ ٹھیک ہو گئے تو ان سے بھی مذکورہ بالا سوال رکھا تو انہوں نے بڑے پرسکون انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن حقیقۃً اللہ ہی کا کلام ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، ڈاکٹر مورلیس بکائی کہتے ہیں کہ میں نے

کہا کہ میں تو اس کے سچا ہونے کو نہیں مانتا جس پر شاہ فیصلؒ بولے، ”کیا آپ نے قرآن پڑھ کر دیکھا ہے“ تو ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ جی بہت مرتبہ پڑھا ہے اور اس میں غور بھی کیا ہے پھر شاہ فیصلؒ نے کہا ”اصل قرآن پڑھا ہے یا ترجمہ پڑھا ہے“ ڈاکٹر بولا ”میں نے تو ترجمہ پڑھا ہے اصل نہیں پڑھا ہے“ جس پر شاہ فیصلؒ نے کہا تب تو آپ حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور مترجم کے پیروکار ہیں مترجم تو مترجم ہے کوئی گارنٹی اور ضمانت نہیں ہے کہ اس نے غلطی نہ کی ہو یا جان بوجھ کر اس نے اصل حقیقت سے نہ پھیر دیا ہو۔

آپ مجھ سے عہد کیجئے کہ عربی سیکھ کر عربی زبان میں ہی قرآن پڑھیں گے اگر آپ ایسا کریں گے تو مجھے امید ہے کہ آپ کا یہ غلط اعتقاد کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے محمد کا ہے بدل کر رہے گا، ڈاکٹر نے کو فرماتے ہیں کہ میں شاہ فیصل کے اس جواب سے حیران رہ گیا اور میں نے کہا کہ آپ سے قبل بہت سے مسلمانوں سے یہ سوال کر چکا ہوں لیکن ایسا جواب صرف آپ نے دیا کسی اور نے نہیں دیا پھر میں نے اتنے پر ہاتھ مار کر شاہ فیصل سے یہ عہد کر لیا کہ میں قرآن اور محمد کے بارے میں جب تک عربی نہ سیکھ لوں کچھ نہیں بولوں گا اور قرآن کو قرآن کی زبان میں پڑھ کر غور کروں گا یہاں تک سچ جھوٹ ہونے کا معرہ حل ہو جائے، چنانچہ ڈاکٹر مورس بکائی کہتے ہیں کہ میں اسی روز ایک بڑی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پہنچا اور ایک ماہر استاذ سے روزانہ عربی سیکھنے کے لئے ایک گھنٹہ کا ٹیوشن باندھ لیا حتیٰ کہ اتوار جو چھٹی کا دن ہوتا ہے اس دن بھی یہ ٹیوشن جاری رکھا اور مسلسل دو سال تک میں یہ ٹیوشن پڑھتا رہا، جس کے سات سوئس گھنٹے ہوئے پھر جو میں نے قرآن کریم پڑھا اور اس میں غور کیا تو مجھ پر حقیقت کھل گئی حتیٰ کہ میں مشرف باسلام ہو گیا فیللہ الحمد پھر اس ڈاکٹر نے مذہب اسلام کی حمایت اور قرآن کی حقانیت کے سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں جن کا بارہ زبانوں میں ترجمہ ہوا، علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے.....

کعبہ کو پاسباں مل گئے صنم خانہ سے

خیر اندیش محمد زاہد مظاہری

۳۲ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۰ء چار شنبہ

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

علم نحو کی حقیقت

اور

اس میں دلچسپی لینے کی صورت کا بیان

علم نوحی کی حقیقت اور اس میں دلچسپی لینے کی صورت کا بیان

یہ تو ظاہر ہے کہ کتب صرف و نوح خود مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ عربی زبان سیکھنے بولنے پڑھنے لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، ان کی درس و تدریس کے وقت اگر یہ چیز مستحضر رہے تو یہ بات طلباء و اساتذہ ہر دو کے لئے بیحد سود مند ثابت ہوگی اس معنی کر کہ جب واسطہ کا واسطہ ہونا ذہن میں رہے گا تو اسی حیثیت سے صرف و نوح کی کتابوں کو پڑھا پڑھایا جائے گا اور ان کے قواعد سے جو مقصود ہے یعنی صحیح عربی لکھنے پڑھنے پر قدرت اس کے لئے کارگر ثابت ہونے پر توجہ مبذول رہے گی، پھر یہ نہیں ہوگا کہ صفحہ دو صفحے کا مطالعہ کر کے اس کو پڑھا سمجھا دیا آگے بس اور کچھ مد نظر نہ ہو بلکہ مدرس کا فرض ہے کہ ہر بحث خواہ وہ صرف نوحی ہو یا نوحی از اول تا آخر اس کا مکمل جائزہ لے اور اس کا خلاصہ پیش کرے اس کے تمام استعمالات سامنے لائے اور کن کن شکلوں میں کیا کیا تبدیلیاں پیش آتی ہیں مع اشلہ بصیرت پیدا کرنے کی کوشش کرے، آج کل درس نظامی کی کتب صرف و نوح کا جو درس و تدریس کا انداز چل پڑا ہے اس نے ان کتابوں کی افادیت پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا ہے جس کی وجہ سے ”درس نظامی“ کے فارغین کا سب سے بڑا نقص اور عیب یہ سامنے آیا کہ وہ دو چار جملے بھی عربی کے نہ بول سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں حالانکہ نصاب میں داخل کتب بتلاتی ہیں کہ ان کا پڑھا ہوا عربی کا سب سے اچھا ادیب ہونا چاہیے کیا انہی کتابوں کے ذریعہ بڑے بڑے عربی ادیب اور مصنف ماضی میں تیار نہیں ہو چکے ہیں جو ان کی افادیت پر اب سوالیہ نشان لگے۔

بندہ کو ”درس نظامی“ کے فارغین کو گودہ سب نہ ہوں عربی بولنے لکھنے پڑھنے کی قدرت نہ ہونے کی یہ وجہ محسوس ہوتی ہے۔

۱- خود اساتذہ اور مدرسین میں عربی ذوق کا فقدان، گودہ بھی موروثی ہی ہوتا ہے، بھولے سے بھی ایک آدھ جملہ یا مرکب اضافی و توصیلی یا کم از کم مفرد کلمہ ہی معرف باللام کر کے سبق میں طلبہ کے سامنے بولنے کی نوبت نہیں آتی جو ان کے ذوق کو ہمیز لگا دے یا تشویق کا سبب بن جائے، حالانکہ زبان کو بحیثیت زبان کے کسی کے سامنے بولنے سے اس کے سیکھنے کے لئے طبیعت کو چلا دیتی ہے اور من کو چلا دیتی ہے اور بخیر الہ زبان کی طرح کسی زبان کا استعمال کئے بغیر اس زبان کے نشیب و فراز سے واقفیت ہو بھی نہیں پاتی۔ مختلف صیغوں کی تہدیلی کر کے کبھی یَعْلَمُ اور کبھی یَعْلَمُونَ اور کبھی اَعْلَمُ تو کبھی اَعْلَمُوا جب استاذ طالب علم کے سامنے بول کے دکھائے گا تو ہو نہیں سکتا کہ اس کی طبیعت بیدار نہ ہو اور عربی زبان سیکھنے کے لئے اس کی طبیعت انگڑائی نہ لے۔

۲- کتب صرف و نوح کی درس و تدریس مشق اور تمرین سے ہٹ کر قواعد پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کے محل استعمال سامنے نہ ہونے سے یہ محنت ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی دریا اور نہر سے ہٹ کر تیرنے کی مشق کرے اور خشکی میں کی گئی پیرا کی کی مشق نہر اور دریا میں کام آجائے یہ بہت مشکل ہے۔

اسی لئے شروع شروع میں جب مجھے معلم الانشاء اور القراءۃ الواضیہ جیسی ترین اور نحوی قواعد کی تطبیق اور متعدد امثلہ پر مشکل کتابوں سے واسطہ پڑا تو بظاہر ایسا لگا کہ عربی بنانے کے یہ قواعد ہم نے پڑھے نہ ہوں اور جیسے نئے نحوی قواعد سے واسطہ پڑ رہا ہو مگر اصل کی وہ تطبیق اور مشق کی تھی ورنہ کوئی بھی صرف نحو کا قاعدہ ایسا نہیں ہے کہ جو درس نظامی میں داخل کتب میں نہ آ گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ طالب علم ہو یا مدرس سب کی طبیعت پر یہ گرانی گذرتی ہے کہ یہ جو صرفی نحوی بحثیں ہم پڑھ پڑھا رہے ہیں آخر یہ قواعد کہاں کام آئیں گے اور ان قواعد کے جاننے سے ہوگا کیا؟

میزان، پنج گنج میں گردانیں رٹ رہے ہیں صرف میر اور ”علم الصیغہ“ میں تعلیلات کا کڑوڑ بوجھ طالب علم کو عجیب کشمکش میں مبتلا رکھتا ہے کافی، شرح جامی میں جو بحثیں ہوتی ہیں، ان بحثوں سے کیا حاصل کیا نتیجہ، بادل نحو استہ استاذ ہو یا طالب علم ان کتابوں سے گذرتے رہتے ہیں مگر دلچسپی سے خالی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بول چال کی عربی کو ”جدید عربی“ کا نام دینے لگے حالاں کہ کوئی بھی زبان اس کے الفاظ تو بدل سکتے ہیں لیکن استعمال اس کا کسی بھی زمانہ میں نہیں بدلتا آج سے چودہ ساں پہلے جو ترتیب عربی زبان کی تھی وہی اب بھی ہے اور جیسے جملے اس میں مبتدا پہلے آتا تھا ایسے ہی اب بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں پہلے فعل آتا تھا اب بھی آتا ہے، اور جیسے حروف مشبہ بالفعل کے بعد آنے والے دو کلموں میں سے ایک منصوب اور ایک مرفوع اور اسم پہلے خبر بعد میں جیسے پہلے زمانوں میں استعمال میں تھے اب بھی ہیں۔

یہی حال اردو کا ہے کہ ہمیشہ فاعل کے بعد ”نے“ اور مفعول کے بعد ”کو“ ہی لایا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ”زید نے عمر کو مارا“ تو ترتیب مرور زمان کے باوجود عینہ باقی رہتی ہے البتہ یہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ایک لفظ متروک الاستعمال ہو کر دوسرا اس کی جگہ بولا جانے لگتا ہے چنانچہ قدیم و جدید کی عربی سے مراد یہی ہے کہ پرانے الفاظ کی جگہ نئے الفاظ استعمال ہونے لگتے ہیں اور یہ ہر زبان میں ہوتا رہتا ہے اردو میں بھی ”برتن“ ”کو“ ”باسن“ کہتے تھے اب کوئی کہے تو سمجھ میں نہیں آئے گا۔

نیز جدید لگنے کی وجہ ایک اور بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگوں کو درس نظامی کی کتابوں میں جس عربی سے واسطہ پڑتا ہے وہ عباوات اور نماز روزہ سے متعلق ہوتی ہے ونبوی امور سے متعلق جو عربی ہے جب وہ سننے اور پڑھنے میں آتی ہے تو جدید لگتی ہے حالاں کہ وہ اہل زبان کے اعتبار سے جدید نہیں ہے بلکہ خود ہمارے اعتبار سے جدید ہے جب وہ ہمارے استعمال میں آنے لگے گی تو جدید قدیم کا فرق خود ہی متناظر آئے گا۔

مادری زبان کے علاوہ کوئی بھی زبان ہو اس کی حقیقت تک رسائی اور اس کے صحیح استعمال کا مسئلہ بہت اہم ہے اسی لئے مقولہ مشہور ہے ”در لغت فرشتہ عاجز است“ کہ زبان کے معاملہ میں فرشتہ بھی بے بس ہے ہم بچپن میں اپنے بہاری بنگالی طلبہ کے غلط اسلٹ اردو بولنے پر ہنسا کرتے تھے لیکن جب عربی فارسی زبانوں کے صیغوں سے واسطہ پڑا تو جب خود اپنے سے بھی چوک اور خطا ہوتی ہوئی دیکھی کہ موائٹ کی جگہ مذکر اور صیغہ خطاب کی جگہ صیغہ تکلم اور واحد کی جگہ حثنیہ اور حثنیہ کی جگہ جمع ایسے ہی واحد کی جمع اور جمع کا واحد بن گیا تو اندازہ ہوا کہ دوسری زبان میں ممارست نہ ہونے کی وجہ سے سب کو اسی طرح دھوکہ لگتا ہے ایسے ہی ہم تو کہتے ہیں ”میں نے ٹوپی اوڑھ لی“ مگر بہاری بنگالی طلبہ کو کہتے سنا کہ ”میں نے ٹوپی پہن لی“ ایسے ہی کہتے ہیں ”جو تانکا لو“ وہ کہتے ہیں ”جو تانارو“ تو جب میں نے فارسی کی کتابوں میں دیکھا شیر خوردن، مئے خور بدن، دودھ کھانا، شراب کھانا یعنی دودھ اور شراب

کے ساتھ اہل فارس بجائے ”لوشیدن“ کے ”پینے“ کا لفظ جوڑنے کے ”خوردن“ اور کھانے کا لفظ لگاتے ہیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ اہل زبان کی اپنی اپنی اصطلاح ہے کوئی ضروری نہیں بلکہ ہم جس چیز کو پینے سے جوڑتے ہیں وہ بھی پینے سے ہی جوڑیں، تو کوئی ٹوپی اوڑھنا کہہ دیتا ہے کوئی پہننا کہہ دیتا ہے۔

مذکورہ بالا چیز کو اگر مد نظر رکھا جائے تو کسی کو کسی کی زبان پر اعتراض کے بجائے خود کو اس کے مطابق کرنا پڑے گا اور یہ دیکھنے کے بجائے کہ ہم کس طرح بولتے ہیں یہ صحیح نظر رکھنا ضروری ہے کہ جن کی وہ زبان ہے وہ کس طرح بولتے ہیں اور ترجمہ کرنے میں بھی دھیان رکھنا پڑے گا کہ جس زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے ان کا استعمال کیا ہے چنانچہ ہم ”شیر خوردن“ کا ترجمہ ”دودھ پینا“ ہی کریں گے دودھ کھانا“ نہیں کریں گے۔

بہر حال عربی زبان جیسی اہم زبان ہے اہل عجم تو ہر طرف خود عربوں کو بھی اس کے قواعد صرفہ و نحو یہ جانے بغیر مقرر نہیں۔ اور قرآن وحدیث کی زبان ہونے کے ناطے جیسے عربی کو دوام حاصل ہے ایسے ہی اس کے قواعد کو بھی حاصل ہے اور جہاں جہاں مسلمان موجود ہیں سب جگہ ان قواعد کی تعلیم فہم قرآن وحدیث کے لیے ایک لابدی چیز ہے مگر ہمارے مدارس میں ان کے عدم استعمال کا جو سوتیلا برتاؤ ان قواعد کے ساتھ ہے اس کی وجہ سے یہ قواعد ایک معممہ بنے ہوئے ہیں اور ہمارے طلبہ ان کو ایک داستان پارینہ اور اساطیر الاولین خیال کرتے ہیں اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ ان قواعد کو ترمین اور عربی زبان کی مشق سے جوڑا جائے اور بول چال کی عربی کا اہتمام ہو اور خاص طور سے اردو سے عربی بنانے کی مشق پر زیادہ زور رکھا جائے چوں کہ درس نظامی کی کتب عربی میں ہیں اس لئے عربی سے اردو میں ترجمہ کا واسطہ تو پڑتا ہی رہتا ہے لیکن اردو کی عربی بنانے کا واسطہ نہیں ہو پاتا اس لئے زیادہ زور اس دوسری شکل پر رہنا چاہیے۔ عربی کی اردو اور اردو کی عربی بنانے کی مشق چلے گی تو جو نحوی اور صرفی قواعد کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ بھی زندہ ہوتے چلے جائیں گے بلکہ از خود طبیعت صرف نحوی کتب کی مراجعت کی طرف مجبور ہوگی اور ہو نہیں سکتا کہ ان کتب کی طرف خود بخود رجعت تہقیری کی نوبت نہ آوے کوئی تجربہ کر کے دیکھے۔

چنانچہ ذیل میں ہم کچھ چیزیں بطور نمونہ بیان کرتے ہیں جن کی مزالت اور مشق رکھے بغیر کسی بھی زبان کو قابو میں نہیں لایا جاسکتا:

۱- اس زبان کے مفردات خواہ اسماء ہو یا افعال یا حروف یا دہوں مثلاً سبب کی عربی تفسیح، امرود کی جوائفۃ، آم کی اَنْبِج، اور کرۃ کی قَمْبِضٌ وغیرہ، یہ تو اسماء میں ہے اور افعال میں جیسے جانے کی عربی الذھاب، لکھنے کی الکتابۃ، پڑھنے کی القراءۃ، اور حروف میں جیسے من بمعنی سے، الی بمعنی تک، کیف بمعنی کیسے، ہل بمعنی کیا، این بمعنی کہاں۔

۲- توفیق - دو یا تین کلمے جب ملانے کی نوبت آتی ہے تو ان میں کون پہلے ہو کون بعد میں، یہ بہت اہم چیز ہے کیوں کہ خلاف ترتیب ہونے سے مراد سمجھ میں نہ آئے گی یا پھر کچھ کا کچھ سمجھا جائے گا، ہم جانتے ہیں کہ دو کلموں یا تین یا زیادہ کلمات سے جو گفتگو بنتی ہے اسے مرکب کہتے ہیں، لیکن بعض دفعہ یہ کلموں سے بنی گفتگو مفید اور تام ہوتی ہے اور بعض دفعہ ناقص اور ادھوری ہوتی ہے، گویا مرکب کی دو قسمیں ہیں: ۱- تام و مفید - ۲- ناقص۔ پھر تام اور ناقص ہونے کا فیصلہ اس پر ہے کہ گفتگو کرنے والا اگر کسی ذات یا چیز کو شروع میں لا کر اسے اصل ٹھہرا کر جس کو مبتدا کہتے ہیں اس کے متعلق کوئی بات کہہ دے یا خبر دے دے تو یہ مکمل گفتگو ہے

اور یہ جملہ اسمیہ کہلاتا ہے جس میں دراصل وہ آجانا چاہیے جس کے بارے میں کچھ کہنا ہے یعنی مبتدا اور جو کچھ کہنا ہے وہ آجانا چاہیے یعنی خبر، پھر یہ مبتدا خبر طویل قصیر چھوٹے بڑے یعنی دو کلموں یا زیادہ کتنے ہی سے بن سکتے ہیں ان کا مفرد ہونا ہی ضروری نہیں ہے ایسے ہی کئی کئی مبتدا کی کئی کئی خبریں یا ایک مبتدا کی کئی خبر ہو سکتی ہے، اور اگر منکلم کسی کام کا ذکر کرنے کے بعد اس کو کسی سے جوڑتا ہے جیسے ضَرْبٌ زَيْدٌ تو اس میں کام کا ذکر اور جس نے وہ کیا اس کا ذکر آجانا چاہیے تو یہ مکمل گفتگو ہے اور یہ اس طرح کا جملہ فعلیہ کہلاتا ہے۔ سال اور نتیجہ دونوں جملوں کا ایک ہے یعنی کسی سے کسی چیز کو جوڑنا یا کسی کے لیے کوئی بات ثابت کرنا فرق فقط اتنا ہے کہ جملہ اسمیہ میں جس سے جوڑتے ہیں یعنی مسند الیہ پہلے آتا ہے۔ اور جس کو جوڑتے ہیں یعنی مسند یہ بعد میں آتا ہے اور جملہ فعلیہ میں اس کا الٹا ہے گویا عربی زبان میں کسی سے متعلق کچھ خبر دینے یا کہنے کی یہ دو شکلیں ہیں چنانچہ اگر زید کو حافظ بتانا ہو تو جملہ اسمیہ زَيْدٌ حَافِظٌ اور جملہ فعلیہ حَفِظَ زَيْدٌ دونوں طرح خبر دے سکتے ہیں اس کے برخلاف اردو زبان میں فعل اور کام کا ذکر کبھی پہلے نہیں آتا ہمیشہ پہلے اس کا ذکر آتا ہے جس سے متعلق کوئی کام بتانا یا کہنا ہوتا ہے اور اردو میں جملہ اسمیہ اور فعلیہ کا ترجمہ کرتے وقت۔ ہمیشہ مسند الیہ ہی پہلے لانا ہوگا، البتہ عربی زبان میں دونوں طرح کے جملے چلتے ہیں، چنانچہ ”زید حافظ ہو گیا“ یہی کہا جاوے گا، الٹا کر کے ”حافظ ہو گیا زید“ بولنے کا رواج نہیں ہے اور اگر گفتگو کرنے والے نے دو یا تین یا زیادہ کلموں کو بول کر تمام کے تمام کو جملہ اور مکمل بات کا لفظ ایک جزء بنایا ہے یعنی یا تو وہ جس سے جوڑیں گے (مسند الیہ) یا وہ جس کو جوڑیں گے (مسند) اور دونوں چیزیں مسند اور مسند الیہ اپنے کلام میں نہیں لایا تو یہ مرکب ناقص اور ادھوری گفتگو کہلائے گی خواہ اس میں کتنے بھی کلمات ہوں تو اصل مدار کلمات کم زیادہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس پر ہے کہ مسند الیہ اور مسند آجائیں خواہ وہ ایک ایک کلمہ والے ہوں یا زیادہ والے۔ چنانچہ قَلَمٌ تَلْمِيزٌ ابْنِ زَيْدٍ لَيْسَ كَقَلَمِ قَيْمِي کے کلمے کے لڑکے کے شاگرد کا قلم قیمتی ہے۔ اس میں مبتدا چار کلموں والا ہے۔ اور هَذَا قَلَمٌ تَلْمِيزٌ ابْنِ زَيْدٍ اس میں خبر چار کلموں والی ہے۔

پھر مرکب ناقص کی پانچ قسمیں ہیں: ۱- مرکب اضافی ۲- مرکب توصیفی ۳- مرکب بیانی، جیسے اَخَذَ عَشْرًا تِسْعَةَ عَشْرًا ۴- مرکب منع صرف جیسے بعلبک ۵- مرکب توصیفی جیسے سیوید عربی بنانے میں بار بار صرف پہلے دو مرکب سے واسطہ پڑتا ہے باقی تین محدود اور متعین کلمات میں منحصر ہیں اس لئے صرف پہلے دو سے متعلق بتلانا ہے کہ:

۱- **مرکب اضافی** ایسے مرکب کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی چیز کا کسی چیز سے تعلق اور جوڑ ظاہر ہوتا ہے اور یہ تعلق خواہ ملکیت کا ہو جیسے زید کا قلم یا جزء ہونے کا جیسے مسجد کا دروازہ یا ظرفیت کا ہو جیسے دیوبند کا آدمی یا اس کے علاوہ کا اس قسم کے مرکب کے عربی بنانے میں ہمیشہ اردو کی ترتیب کا الٹا ہوتا ہے جیسے مسجد کے امام صاحب کے حجرہ کی چابی۔ مِفْتَاحُ حُجْرَةِ اِمَامِ الْمَسْجِدِ میں جو کلمہ سب سے پہلے عربی میں آتا ہے اردو میں وہ سب سے بعد میں آتا ہے لہذا عربی مرکب اضافی کا اردو ترجمہ ہمیشہ بائیں سے دائیں کو کرنا ہوگا۔ اور عربی برعکس بنے گی۔ مرکب اضافی خواہ کتنے ہی کلمات پر مشتمل ہو تمام سے جملہ کا ایک جزء بنتا ہے مسند بنے یا مسند الیہ۔

۲- **مرکب توصیفی**۔ کا استعمال بھی مرکب اضافی کی طرح ہر زبان میں ہی بہت زیادہ ہے اس لئے ان دونوں مرکبوں کو اچھی طرح قابو میں کر لینے میں فائدہ ہے بہر حال مرکب توصیفی کی پہچان یہ ہے کہ جو دو کلمے ایسے ہوں کہ ان میں ایک

دوسرے کا وصف کوئی یا اچھا برا ہونا ظاہر کر رہا ہو تو جس کا ظاہر کر رہا ہے وہ موصوف اور جو ظاہر کر رہا ہے صفت کہا جاتا ہے جیسے نیک آدمی میں لفظ آدمی موصوف اور لفظ نیک صفت ہے یہ مرکب بھی اردو کے برعکس بولا جاتا ہے عربی میں ہمیشہ موصوف پہلے آتا ہے صفت بعد میں چنانچہ نیک آدمی کی عربی رَجُلٌ صَالِحٌ بنے گی۔

پھر جس سے کسی کی اچھائی یا برائی بیان کرتے ہیں یعنی صفت کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ بشكل مفرد ہی ہو بشكل جملہ بھی ہو سکتی ہے گو یا صفت مفرد اور جملہ دونوں طرح کی بنتی ہے اگر صفت مفرد ہو کر کسی کی اچھائی یا برائی بیان کر رہی ہے تو اس کو صفت بحال موصوف کہتے ہیں اور بشكل جملہ اگر صفت ہے تو اس کو صفت بحال متعلق موصوف کہتے ہیں تو گو یا صفت دو طرح کی بن سکتی ہے۔ ۱۔ بحال موصوف۔ ۲۔ بحال متعلق موصوف، موصوف صفت کا استعمال عربی میں تھوڑا پیچیدہ ہے پھر ”صفت بحال موصوف“ کا طریقہ استعمال ”صفت بحال متعلق موصوف“ سے الگ ہے اس لئے ان کی صحیح عربی کس طرح بنے گی اس کا بھی ذکر یہاں فائدہ سے خالی نہیں۔

چنانچہ صفت بحال موصوف میں موصوف و صفت کا دس میں سے چار چیزوں میں مطابق ہونے کا دھیان ضروری ہے ورنہ صحیح عربی نہیں بنے گی۔

۱۔ موصوف و صفت واحد تشبیہ اور جمع میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں یعنی یا تو دونوں ہی واحد ہوں یا دونوں ہی تشبیہ ہو یا دونوں ہی جمع اگر موصوف واحد اور صفت تشبیہ کر دی تو عربی غلط ہو جائے گی۔

۲۔ تذکیر و تانیث میں دونوں یکساں ہوں ایسا نہیں ہو سکتا کہ موصوف تو مذکر کر دیا صفت مؤنث ہو گئی۔

۳۔ معرفہ اور نکرہ ہونے میں دونوں میں یکسانیت ہو۔

۴۔ اعراب دونوں کا ایک طرح ہو ایسا نہ ہو کہ موصوف تو مرفوع کر دیا صفت کو مجرد کر دیا۔ جیسے رَجُلٌ صَالِحٌ، رَجُلَانِ صَالِحَانِ، رَجُلَاتٌ صَالِحَاتٌ، اِمْرَأَةٌ صَالِحَةٌ الخ

صفت بحال متعلق موصوف میں دراصل خود موصوف کی اچھائی برائی کے بجائے اس کے کسی متعلق اور تعلق دار کی اچھائی یا برائی کا بیان ہوتا ہے اور یہ ایسی صفت بشكل جملہ یا شبہ جملہ آیا کرتی ہے۔

ضافہ۔ فعل ماضی مضارع امر نہی فعلوں سے بنا جملہ، جملہ کہلاتا ہے اور اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل اسم ظرف اور

مصدر ان سے بنا جملہ شبہ جملہ کہلاتا ہے۔ جیسے جَاءَ نِسِيُّ رَجُلٍ ضَرَبَ أَبُوهُ خَالِدًا مِيرَةً پاسبان ایسا آدمی آیا کہ اس کے اہانے خالد کو مارا ہے۔ تو اس مثال میں بجائے رَجُلٍ کے اس کا جو متعلق یعنی اباجی اسے مارنے والا بتلایا ہے۔ چونکہ صفت بحال متعلق

موصوف جملہ یا شبہ جملہ کی شکل میں ہوتی ہے اس لئے اس صفت کے دو رخ ہیں ایک اس کا تعلق اپنے سے پہلے موصوف سے ہے جیسے یہاں رَجُلٍ سے ہے اور دوسرا اس کا تعلق اپنے فاعل أَبُوهُ سے بھی ہے۔ تو اب ضَرَبَ کو دونوں طرف دیکھنا پڑ گیا اس لیے

اس میں دس کی دس میں اپنے موصوف کے مطابق ہونا ضروری نہیں فقط اعراب اور معرفہ نکرہ ہونے میں مطابقت شرط ہے، رعی تذکیر و تانیث جمع ہونے میں مطابقت تو فاعل کے حساب سے رہے گی، اگر فاعل مذکر ہے تو فعل مذکر، مؤنث ہے تو مؤنث ہونا

لازمی ہے، ایسے ہی فاعل مفرد ہے تو فعل مفرد، حثنیہ ہے تو حثنیہ جمع ہے تو جمع لایا جاوے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ راجل نکرہ ہے جملہ اس کی صفت کیسے بنے گا۔

جواب یہ ہے کہ جملہ خبریہ بھی نکرہ شمار ہوتا ہے، لہذا مطابقت باقی ہے۔ بہر حال مرکب تو صغی کی دونوں قسموں کی اردو عربی تمام چیزوں کی رعایت رکھتے ہوئے ذرا مشکل ہے اور اس سے واسطہ بھی زیادہ ہی پڑتا ہے اس لئے مذکورہ تفصیل ضروری سمجھی گئی۔

ملاحظہ - مرکب تو صغی بھی کھل کلام نہیں بنتا موصوف مع اپنی صفت کے خواہ وہ صفت بشکل مفرد ہو یا جملہ سب سے مل ملا کر صرف یا تو مسدالہ بنے گا یا صرف مسد فککن علی البصیرۃ۔

اردو عربی میں جملہ کی ترتیب کیسے رہے گی

جملہ اسیہ میں اردو عربی کی ترتیب تقریباً یکساں ہی ہے اس لئے جملہ فعلیہ کی ترتیب بتائی جاتی ہے کہ عربی زبان میں تو ترتیب یہ ہے کہ پہلے فعل پھر فاعل پھر مفعول بہ اور پھر دیگر منصوبات آتے ہیں لیکن اردو میں ہمیشہ پہلے فاعل اور سب سے اخیر میں فعل آتا ہے ان دونوں میں فعل کا بعد میں آنا اور فاعل کا پہلے آنا طے ہے باقی اور جو کچھ آئے گا وہ ان کے بیچ بیچ میں رہے گا۔ اور ان بیچ میں رہنے والوں کو جس طرح چاہے ایک دوسرے سے مقدم مؤخر کر لو کوئی حرج نہیں، عبارت صحیح رہے گی، چنانچہ ضَرْبَ زَيْدٍ بَكَرًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَشْدُودًا میں پہلے (زید نے) جو فاعل ہے کہہ کر سب سے اخیر میں ضَرْبَ کا ترجمہ (مارا) ہے کہنا پڑے گا، باقی درمیان میں کر کے آگے پیچھے جس طرح مرضی ہو کہہ لو، اردو میں ترجمہ صحیح فٹ آوے گا۔ ہاں جملہ اسیہ میں اگر خبر مع متعلقات کے ہے جیسے زَيْدٌ اَفْضَلُ مِنْ بَكْرٍ وَاخِيهِ كَزَيْدٍ بَكَرًا اور اس کے بھائی سے لائق فائق ہے تو خبر کے متعلقات کو ترجمہ میں مقدم رکھا جاوے گا۔

تو جب عربی بتائیں عربی والی ترتیب اپنائیں اور جب اردو میں ترجمہ کریں تو دھیان رکھیں جس جملہ یا کلام کا ترجمہ کر رہے ہیں اس میں سے کس کلمہ کا ترجمہ پہلے کرنا ہے اور کس کا سب سے بعد میں اور کس کا ترجمہ بیچ میں رکھنا ہے اور گویا جیسا ”دیس دیا بھیس“ پر عمل کرنا ہے تھوڑا سا بھی اگر اس پر دھیان رکھا جاوے گا تو بہت جلد دونوں زبانوں کی ترتیب اور ترکیب ذہن نشین ہو جائے گی صرف چند مرتبہ یا چند دن دشواری ہوگی۔ نیز یاد رہے کہ جملہ اسیہ میں مبتدا اور خبر بھی مثل موصوف صفت کے تین چیزوں میں مطابق ہوا کرتے ہیں:

۱- دونوں مذکر ہی یا مؤنث ہی ہوں۔

۲- دونوں کا اعراب ایک ہو۔

۳- دونوں واحد حثنیہ یا جمع ہونے میں ایک دوسرے سے متفق ہوں اور چوتھی چیز میں ان کا ایک دوسرے کا مخالف ہونا ضروری ہے کہ مبتدا معروف ہوتا ہے اور خبر نکرہ ہوا کرتی ہے اگر کہیں دونوں معروف لائے بھی جائیں گے تو اس کی حکمت اور کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی جس کو کتب نحو سے جانا جاسکتا ہے۔

تیسری اہم چیز عربی میں اعراب کا چکر ہے

کسی بھی زبان میں سب سے اہم مسئلہ کسی کلمہ کے ضبط اور صحیح تلفظ اور ادائیگی کا ہے مثلاً اردو ہی میں ”چرانا“ اس میں ”چا“ پر زبر پڑھیں یا پیش پڑھیں ایسے ہی ”بکری“ اس میں ”باء“ پر فتح پڑھیں یا کسرہ پڑھیں ”ریل“ اس میں یائے مجهول پڑھے یا یائے معروف یہ طے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ موقع پڑھا جانے کا ہو کچھ اور پڑھ دیا جائے کچھ۔ اسی لئے بغیر سیاق و سباق اور آگے پیچھے ملائے بغیر یا اہل زبان سے سنے بغیر ضبط مشکل ہوتا ہے، عربی میں اس کا حل لغات اور ڈکشنریاں ہیں مگر اس سے بڑھ کر عربی میں ہر لفظ کا اخیر جو بدلتا ہے کہ کبھی پیش پڑھا جاتا ہے تو کبھی فتح اور کبھی کسرہ جیسے جساء زیداً رایتُ زیداً سرودت ہزیداً میں زید کو تین حالتیں پیش آرہی ہیں یہ ایسا کیوں؟ ایسے ہی کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی لفظ کبھی اس کے آخر میں وادون، آرہا ہے کبھی یاون جیسے مسلمون مسلمین، مومنون مومنین کہیں رجلان ہے تو کہیں رجلین ہے یہ جو اخیر میں کلمہ کے بدلاؤ کبھی بذریعہ حرکت اور کبھی بذریعہ حرف آتا ہے جس کو ”اعراب“ کہا جاتا ہے یہ کہاں ہوتا ہے اور یہ کیوں ہوتا ہے اس کا جاننا بہت اہم ہے۔ در علم نحو کی ایجاد ہوئی بھی ہے اسی لئے کہ اس مسئلہ کا حل ہو۔ اگر علم نحو پڑھنے کے بعد یہ فائدہ مرتب نہ ہو تو علم نحو کا پڑھنا پڑھانا بے معنی ہے۔

اعراب کہاں بدلتا ہے اور کیوں بدلتا ہے اس کی پہچان کیسے ہوگی اس کے لیے ایک تفصیلی خاکہ درکار ہے جس کو ذہن میں رکھنے سے کلمات کے اخیر میں جو تبدیلیاں حرف یا حرکت کی پیش آتی ہیں ان کا سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔ یوں تو علم نحو کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے اس مشکل پر عبور پایا جاسکتا ہے لیکن جو خاکہ اور تصویر یہاں پیش کر رہے ہیں اس سے بھی بڑی مدد ملنے کی امید ہے، چنانچہ مانئے کہ ہر زبان میں کوئی لفظ یا کلمہ بول کر جب وہ واحد یا مفرد ہو ایک ہی چیز مراد ہوتی ہے جب اس سے دو چیز مراد لینی ہوتی ہیں تو اردو میں اس کے ساتھ دو کی گنتی لگا کر اس کا دو ہونا ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً قلم، کتاب، ٹوپی، ان تینوں سے ان کا ایک ایک عدد مراد ہے جب دو دو مراد لینے ہوں گے تو ان کے ساتھ دو جوڑ کر دو قلم، دو کتاب، دو ٹوپی، کہیں گے انہی لفظوں کی جب عربی بنا کر قَلَمٌ، كِتَابٌ، قَلَسُوۡةٌ بولیں گے تو ان سے ایک قلم ایک کتاب، ایک ٹوپی مراد ہوگی لیکن جب ہم دو قلم یا دو کتاب یا دو ٹوپی کہنا چاہیں تو اردو کی طرح اثنان یا اثنتان کی گنتی نہیں لگے گی بلکہ الف نون یا باء نون، لگے گا اور کہیں گے قَلَمَانِ كِتَابَانِ قَلَسُوۡتَانِ یا کہیں گے قَلَمَیْنِ، كِتَابَیْنِ، قَلَسُوۡتَیْنِ اور ترجمہ دو قلم، دو کتاب، دو ٹوپی کا ہوگا۔

تو اہل عرب کے یہاں تشبیہ بنانے کے لیے یا کسی چیز کا دو ہونا ظاہر کرنے کے لئے الف نون، اور یا نون ہوتے ہیں اور اخیر میں الف اور واؤ کے بعد جو نون آتا ہے وہ مکسور پڑھا جاتا ہے کسی بھی مفرد کا تشبیہ بننے کا قاعدہ یہی ہے لیکن تشبیہ بناتے وقت کہاں الف نون، لگتا ہے اور کہاں باء نون اس کو آگے بتلائیں گے۔ اور تشبیہ چاہے مؤنث لفظ کا بنا ہوا یا مذکر کا دونوں کا اسی

طرح بنے گا۔

تثنیہ کے بعد ہر زبان میں، جیسے کبھی دو چیزوں کا ارادہ کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی مجموعہ اور اس چیز کے بہت سے افراد اور اعداد مراد ہوتے ہیں جس کو جمع کہتے ہیں اب بہت سے لفظ تو اردو میں ایسے ہیں کہ وہ واحد بھی ہوتے ہیں جمع بھی جیسے قلم، دشمن، دوست، جیسے میں نے بہت سے قلم خریدے، میرے دشمن بہت ہیں، اس کے دوست کافی ہیں، لیکن عام طور سے اردو میں واؤ نون اور با نون لگ کے جمع بنتی ہے جیسے کتابوں، قلموں یا کتابیں، نمازیں، زکوٰتیں، سجدیں، اور کبھی الف نون سے بھی جمع بن جاتی ہے جیسے چار پائی سے چار پائیاں، نشانی سے نشانیاں، اردو میں کسی لفظ کی جمع کہاں کیا آتی یا بنتی ہے اپنی مادری زبان ہونے کے ناطے ہمیں معلوم ہے ہی، یہاں تو عربی کی جمع بنانے کا طریقہ جانا ہے۔

یہ تو طے ہے کہ جمع ہمیشہ مفرد اور واحد، سے بنتی ہے اور اس مفرد میں کچھ حروف جوڑ کر یا کم کر کے یا کوئی بھی ردو بدل اور ترمیم کے ذریعہ جمع بنائی جاتی ہے (جس کی تفصیل ابھی آرہی ہے) تثنیہ سے جمع کو نہیں بنایا جاتا ہے۔

پھر مفرد اور واحد کے ساتھ جمع بنانے کے لئے جو اور حروف ملائیں گے تو اب دو شکلیں ہیں یا تو مفرد جوں کا توں اور عینہ رہے گا اس کے حرفوں اور حرکتوں میں کسی قسم کی ذرہ برابر تبدیلی نہ ہوگی یا اس میں حرفوں یا حرکتوں یا ترتیب کے اعتبار سے فرق پڑ جائے گا اگر پہلی شکل ہے تو اس سے جو جمع بنے گی اس کو ”جمع سالم“ کہتے ہیں جیسے مُسَلِّمٌ سے واؤ نون بڑھا کر مُسَلِّمُونَ ہو جائے گا یا نون بڑھا کر مُسَلِّمِينَ بن جائے گا۔ اور اگر دوسری شکل ہے کہ مفرد یا واحد جوں کا توں نہ رہا تو اس کو جمع مکسر کہتے ہیں جیسے قلم سے اقلام، ماقلام جمع میں اس کا واحد قلم جوں کا توں نہیں ہے آیا بلکہ لام اور میم کے بیچ میں الف گھس گیا۔ ایسے ہی جلاجل سے رجخال یہ بھی جمع مکسر ہے۔

تو کسی بھی لفظ کی جمع سالم میں واحد اپنی حالت میں رہتا ہے اور جمع مکسر میں بدلتا ہے لیکن پھر جمع سالم کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ مذکر۔ ۲۔ مؤنث۔ کیوں کہ جس واحد میں کوئی زیادتی کر کے جمع بنائیں گے تو اسے دیکھنا ہوگا کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث اگر مذکر ہے تو اس میں واؤ نون یا باء نون لگایا جائے گا اور اگر مؤنث ہے تو اس میں الف تلاء لگنے سے جمع بنے گی جیسے ضاربٌ سے ضاربُونَ یا ضارِبِينَ جمع آئے گی اور ضاربةٌ مؤنث سے ضارباتٌ جمع بنے گی۔

سوال ضاربةٌ میں الف تلاء دونوں کہاں لگے تلاء اس میں پہلے سے ہے۔

جواب۔ چون کہ نتیجہ تلاء ایک ہی رہتی ہے مؤنث کی جو تلاء ہے وہ اور علامت جمع کے طور پر جو لگ رہی ہے وہ دونوں اکٹھی تو نہیں رہے گی اس لیے چاہے اسی یاء کے ساتھ الف لگا دیا اسے ہٹا کر الگ سے الف تلاء لگا دو۔ بہر حال مؤنث کی جمع میں الف تلاء آئے گا۔ اور مذکر کی جمع میں کبھی ”واؤ نون“ اور کبھی ”یاء نون“ لگتا ہے لیکن ان میں کہاں کون لگے گا اس کو آگے لئے چھوڑتے ہیں۔ آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

بہر حال مفرد اور واحد میں جب کہ وہ جوں کا توں رہے دو شکل ہیں:

- ۱- وہ جوں کاتوں رہتے ہوئے مذکر ہو جیسے مومن سے مؤمنون، یا مومنین اس کو جمع مذکر سالم کہتے ہیں۔
- ۲- وہ جوں کاتوں رہتے ہوئے مؤنث ہو جیسے صالحہ سے صالحات یا خادمہ سے خادماٹ اس جمع کا نام جمع مؤنث سالم ہے اور ان دونوں کا ایک نام جمع تصحیح بھی ہے۔
- اب رہ گئی وہ جمع جس کا مفرد اور واحد جمع میں آنے کے بعد جوں کاتوں نہ رہتا، ہوتا ایسی جمع کا نام جمع مکسر ہے پھر جمع مکسر بنانے میں تفصیل ہے جو اس کے واحد میں تغیر و تبدل کے ذریعہ بنتی ہے جس کے مختلف طریقے ہیں:
 - ۱- کبھی واحد سے فقط حرف کم کر کے بن جاتی ہے جیسے: تَخَعَّةٌ بمعنی بد بھنسی سے تَخَمٌ بد بھنسیاں۔
 - ۲- واحد میں کمی کر کے اس طرح کہ ساتھ میں واحد کی شکل بھی بدل جائے جیسے دسوں سے دُسل۔
 - ۳- واحد میں زیادتی بھی کی ہو شکل بھی بدل جاتی ہے جیسے غُلَامٌ سے غُلَمَانٌ۔
 - ۴- کبھی محض یعنی تغیر ہوتا ہے جیسے فُلُكٌ جب فُلُقٌ کے وزن پہ تصور کریں تو واحد ہو جاتا ہے اور جب اَسَدٌ کی جمع اَسَدٌ کے وزن پہ خیال کریں تو جمع بن جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں اسی لئے عربی میں کسی لفظ کی جمع مکسر لانا سب سے مشکل ہے کیوں کہ تین حرفی کلمہ کی جمع مکسر لانے کا کوئی قاعدہ متعین نہیں ہے تین حرفی کلمہ کی جمع کچھ بھی آسکتی ہے۔ البتہ چار یا پانچ حرفی کلمہ کی جمع اکثر فعائل کے وزن پر آ جاتی ہے جیسے عارض سے عوارض اور خبیث سے خبیثات اور بیخ حرفی کی جیسے مَفْرُوعٌ (ایک پھل کا نام ہے) جمع سفارح اور جحمرش کی جحامرو (بوڑھی عورت) یہ واحد ثنیہ جمع کی تفصیل اعراب کا مسئلہ سمجھنے کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ جن کلموں کا اعراب بتایا جائے گا ان میں واحد، ثنیہ، جمع، نیز جمع میں پھر جمع مکسر اور جمع سالم پھر جمع سالم میں مذکر اور مؤنث ان سب کے اعراب کی تفصیل بتاتے وقت اس کا ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

اب آجائے ان کلمات پر جن کا اعراب ہمیں جاننا ہے

- عربی زبان میں جن کلمات پر اعراب نہیں آتا یعنی ان کا اخیر نہیں بدلتا نہ کسی حرف سے نہ کسی حرکت سے ایسے کلمات ”مبنی“ کہلاتے ہیں جن میں ماضی امر حاضر معروف، اور تمام حروف خواہ عاملہ ہو یا غیر عاملہ، اور ضمیریں اور اسماء موصولات اور اسماء اشارات اور اسماء افعال اور اسماء اصوات اور ظروف زمان و مکان میں سے کچھ کلمات اور مرکب بنائی اور اسماء کنایہ شامل ہیں۔
- اور جن کا اخیر بدلتا ہے ان کو ”مغرب“ کہا جاتا ہے پھر وہ کلمات جو مغرب ہیں وہ کئی طرح کے ہیں۔ ۱- مفرد۔ ۲- ثنیہ۔ ۳- جمع۔ پھر مفرد ثنیہ جمع ہونے کے ساتھ یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ وہ تنہا ہی ہیں یا کسی اور سے جڑے ہوئے ہیں یعنی ان کی اضافت کسی اور کلمہ کی طرف پائی جا رہی ہے یا نہیں، چوں کہ تنہا اور اضافت کی شکل میں اعراب الگ الگ ہوتا ہے۔

مفرد، تشنیہ، جمع کی اقسام اور انکے اعراب کی تفصیل

جو کلمہ مفرد ہے اس کو بھی جانچنا پڑے گا کہ آیا وہ صحیح ہے یا معتل ہے، نیز منصرف ہے یا غیر منصرف جب کسی مفرد کی یہ حالت طے ہو جائے گی تبھی اس کے اعراب کا فیصلہ ہوگا پہلے ہم صحیح اور غیر صحیح (معتل) کا مطلب بتلاتے ہیں صحیح کلمہ اہل نحو کے یہاں (صرفیوں کے یہاں صحیح کی تعریف اور ہے) وہ ہوتا ہے کہ اس کے آخر میں حرف علت نہ ہو اول بیچ میں ہو یا نہ ہو اہل نحو کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کیوں کہ ان کے مد نظر اخیر ہے بس آخری حرف اگر کلمہ میں حرف علت نہ ہو تو وہ کلمہ عند انہو صحیح کہلاتا ہے جیسے رجل، قلم، کتاب، اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ کے آخر میں حرف علت تو آ گیا لیکن اس سے پہلا حرف ساکن ہو جیسے دلو اس طرح کا کلمہ بھی عند انہو صحیح کلمہ کا حکم رکھتا ہے جس کو قانم مقام صحیح یا جاری مجرانے صحیح کہتے ہیں چنانچہ ایسے کلمہ کا اعراب وہی ہوگا جو حقیقی صحیح کلمہ کا ہوا کرتا ہے۔

اور کسی کلمہ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کا مطلب کیا ہے تو اس کا جاننا ذرا پیچیدہ ہے باقاعدہ علم نحو حاصل کئے کسی کلمہ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کو طے کرنا بہت مشکل ہے اور اس کے لیے ہمیں نحو کی کتابوں میں جو غیر منصرف کی بحث آتی ہے وہ پڑھنی اور سمجھنی پڑے گی۔ یہاں صرف مختصر ایہ سمجھ لیجئے کہ عدل و صف تانیث معرفہ، عجمہ جمع ترکیب و رذن فعل، الف نون زائدتان ان نوباتوں میں سے دو باتیں یا ایک بات جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے جس کلمہ میں دیکھو اس کو غیر منصرف سمجھو ورنہ وہ کلمہ منصرف ہے لیکن خود ان باتوں کا سمجھنا اور کسی کلمہ میں پہچان کر طے کرنا یہ بھی غیر منصرف کی بحث پڑھے بغیر دشوار ہے، اس لئے بس یہاں اتنا یاد رکھئے کہ کلمہ منصرف ہے تو اس کے اخیر کا حکم یعنی اعراب اور ہوگا اور جو غیر منصرف ہے اس کا اعراب اور ہوگا۔

بہر حال یہ تو مفرد کی تفصیل ہوئی کہ وہ صحیح بھی ہوتا ہے معتل بھی ہوتا ہے منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی ہوتا ہے جیسا کلمہ ہوگا ویسا ہی اس کا اعراب الگ الگ ہوتا ہے ابھی چوں کہ یہ بھی جاننا ہے کہ تشنیہ بھی تین قسم کا ہوتا ہے اور جمع بھی تین طرح کی ہوتی ہے اس لئے مفرد کا اعراب چھوڑ کے ان کی قسمیں جان لیجئے اور بعد میں اکٹھا سب کا اعراب سامنے آجائے گا۔

تشنیہ تین قسم کا ہوتا ہے: (۱) حقیقی، (۲) صوری، (۳) معنوی۔ جس تشنیہ میں تین باتیں ہوں اس کا واحد بھی ہو خود تشنیہ ہی کے لفظوں سے۔ ۲۔ اس کے اخیر میں علامات تشنیہ "الف نون" یا "یاء نون" ہو۔ ۳۔ اس کے معنی بھی تشنیہ کے ہوں یعنی دو پر اس کی دلالت ہو۔ تو یہ حقیقی تشنیہ کہلاتا ہے جیسے رجل سے رجلان ہے اور اگر اس تشنیہ میں اخیر کی دو بات ہوں تو اس کو تشنیہ صوری کہتے ہیں جیسے انسان اور انسان کہ اس میں اول بات نہیں ہے کہ اس کا کوئی واحد خود انسان اور انسان کے لفظوں سے ہو لیکن دو کے معنی بھی ان کے ہیں اور علامت تشنیہ بھی ان دونوں میں ہے اور اگر صرف ان کلمات سے دو کے معنی ہی سمجھتے جاتے ہوں نہ ان کا واحد ہونہ ان میں علامت تشنیہ ہو تو یہ تشنیہ معنوی کہلاتا ہے جیسے کلا اور کلتا کہ نہ ان کا واحد ہے انہی کے لفظوں سے اور نہ ان کے آخر میں علامت تشنیہ الف نون ہے البتہ دو کے معنی ان میں موجود ہیں۔

جمع کی بھی یہی تین قسمیں اور یہی ان کی تعریف ہے چنانچہ مسلمانوں جمع حقیقی ہے کہ اس کا واحد مسلم جمع ہی کے الفاظ سے موجود ہے اس میں علامت جمع واؤ نون بھی ہے (اور بہت سے مسلمان) اس کا ترجمہ ہے تو جمع کے معنی بھی اس سے سمجھے جا رہے ہیں۔

اور عشرون جمع صوری ہے کہ اس میں علامت جمع واؤ و نون اور تیس کے معنی کا ترجمہ ہونے سے اس میں جمع کے معنی بھی ہیں لیکن واحد من لفظ موجود نہیں ہے عشرۃ کے لفظ کو اس کا واحد کہنا یا اس کو اس کی جمع کہنا قاطع ہے۔

اور اولو یہ جمع معنوی کی مثال ہے بمعنی ”وائے“ کیوں کہ اس میں صرف جمع کے معنی ہیں نہ اس کا واحد ہے نہ اس میں علامت جمع واؤ و نون ہے۔

سوال - ذو بمعنی والا اس کا واحد ہے۔

جواب - واحد اولو والے الفاظ سے ہونا چاہیے اور ذو کے الفاظ بدل گئے۔

بہر حال یہ تینوں قسم کی تشبیہ اور جمع ان سب کا اعراب ایک ہی ہے کوئی سی بھی قسم رہے، اعراب الگ الگ نہ ہوگا، پھر کسی کلمہ پر اعراب دینے کے لیے جہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مفرد ہے یا تشبیہ ہے یا جمع، وہیں یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ وہ کلمہ کس حالت میں ہے، یعنی حالت رفعی میں ہے یا حالت نصبی میں ہے یا حالت جری میں ہے، کیوں کہ ان تینوں حالتوں کے لیے الگ الگ اعراب ہے۔ اس لئے اب آپ جان لیجئے کہ کوئی کلمہ حالت رفعی میں کب ہوتا ہے اور حالت نصبی میں کب اور حالت جری میں کب، کیوں کہ بغیر اس کے جانے ہم صحیح اعراب نہیں دے سکیں گے اور جب اعراب صحیح نہ دے پائیں گی تو ترجمہ بھی صحیح نہ ہو پائے گا۔

حالت رفعی و نصبی و جری کی پہچان

عربی زبان میں صحیح ترجمہ اور صحیح عربی اس پر موقوف ہے کہ کسی کلمہ کے آخر میں جو حرف یا حرکت کے ذریعہ تبدیلی آتی ہے اس سے واقف ہو۔ ورنہ ترجمہ کرنے اور عربی بنانے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اردو ترجمہ میں بھی غلطی ہوگی اور اردو کی عربی بنانے میں بھی معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا جیسے ضرب زید عمرو میں زید پر دو پیش اور عمرو پر دو براگر بولے یا پڑھے یا لکھے جائیں گے تو اس سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ مارنے والا زید ہے اور جس کو مارا وہ عمرو ہے اگر تم نے زید کے دو پیش عمرو کو اور عمرو کے دو زید کو دیدئے تو اب پٹنے والا زید ہوگا اور عمر اس کی پٹائی کرنے والا بن جائے گا، یہ تو مثال حرکت کی تبدیلی سے ترجمہ میں فرق پڑنے کا ہے اور اخیر کے حرف کے بدلنے سے ترجمہ میں فرق پڑنے کی مثال ہے ضرب الصالحون الفاسقین کہ نیک لوگوں نے بدکاروں کو مارا۔ اگر ہم صالحون میں ”واؤ نون“ کی جگہ ”یا نون“ اور الفاسقین میں برعکس کر دیں تو مطلب الٹا ہو جائے گا، یہ بدکاروں نے نیک لوگوں کو مارا اور گویا جیسا اردو میں ”نے“ فاعل ہونے کی علامت ہے اور ”کو“ مفعول ہونے کی اسی طرح عربی میں یہ کہ اخیر کی حرکت یا حروف جن کلمات کے اخیر میں آتے ہیں ان کے فاعل اور مفعول ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔

کسی کلمہ کو حالتِ رفعی اور حالتِ نصھی اور حالتِ جزی کب حاصل ہوتی ہے؟

پہلے تھوڑی سی بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ گفتگو اور کلام ہمیشہ عربی میں دو ہی طرح کے ہیں کوئی بات جب ہمیں کہنی ہوگی وہ بالکل جملہ اسمیہ یا جملہ فعلیہ ہی کہنے میں آئے گی اور کلام خبریہ ہو یا انشائیہ ہر دو میں جملہ یا تو اسمیہ ہوگا یا فعلیہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ زید قائم پر ہل گئے سے ہل زید قائم، جملہ انشائیہ بن گیا اور نہ تھا یہ اسمیہ ہی۔ ایسے اضرب زیداً جملہ فعلیہ ہی ہے گو امر ہونے سے انشائیہ کہلا یا جارہا ہے۔ تو خلاصہ یہ ہے اصل گفتگو دو جملوں میں منحصر ہے اس سے باہر نہیں ہے۔

پھر جملہ اسمیہ کے دو حصے ہیں۔ (۱) مسند الیہ۔ (۲) مسند۔ اول کو مبتداء اور ثانی کو خبر کہتے ہیں تو اہل عرب جب کسی سے کوئی چیز جوڑتے ہیں یا اس پر حکم لگاتے ہیں تو ہمیشہ اس کو شروع میں لاتے ہیں اسی لئے اس کو مبتداء کہتے ہیں پھر بعد میں اس کے متعلق جو خبر دیتے ہیں اس کو خبر کہتے ہیں جیسے زید ہندی کہ زید ہندوستانی ہے۔

تو جملہ اسمیہ کے دونوں حصے چاہے وہ مبتداء ہو یا خبر ہوں ان کو اہل نحو حالتِ رفعی دیتے ہیں یعنی حالتِ رفعی میں مانتے ہیں۔ لیکن جملہ اسمیہ کے دونوں جز یعنی مبتداء خبر حالتِ رفعی میں ان کا ہونا جب طے ہے جب کہ ان سے پہلے حروفِ مشبہ بالفعل یا ما اور لا مشابہ بلیس یا لائے نفی جنس یا افعال ناقصہ میں سے کوئی داخل نہ ہو رہا ہو۔ کیوں کہ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے کوئی جملہ اسمیہ پر داخل ہو گیا تو اب جملہ اسمیہ کا پہلا جز یعنی مبتداء حالتِ نصھی لے لے گا اور دوسرا جزء یعنی خبر جوں کی توں حالتِ رفعی پر رہے گی جیسے ان زیداً حافظاً اور جب جملہ اسمیہ کے دونوں جزیوں پر ما اور لا مشابہ بلیس داخل ہوں گے تو اب برعکس ہوگا یعنی مبتداء حالتِ رفعی میں رہے گا اور خبر کو حالتِ نصھی پیش آ جائے گی چنانچہ کہا جاوے گا ما زید قائماً اور افعال ناقصہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ جملہ اسمیہ پر آ کر مبتداء کو حالتِ رفعی میں کر دیتے ہیں اور خبر کو حالتِ نصھی میں جیسے کان زید قائماً اور لاء نفی جنس جب جملہ اسمیہ پر آتا ہے تو ویسے تو اس کے دونوں جزیوں کو کب حالتِ نصھی پیش آتی ہے اور کب حالاتِ رفعی اس میں تفصیل ہے، جو کتب نحو سے جانی جا سکتی ہے لیکن زیادہ تر اس کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع جیسے لا رجل قائم کوئی مرد نہیں کھڑا ہے۔

یہ تو تفصیل ہے جملہ اسمیہ کے اجزاء کی کہ وہ کب حالتِ رفعی میں ہوں گے کب حالتِ نصھی میں اور کب حالتِ جزی۔ اب رہا جملہ فعلیہ اس کا کونسا جز حالتِ رفعی میں ہوگا اور کونسا حالتِ نصھی میں اور کونسا حالتِ جزی میں اس کو جاننے کے لیے ہمیں پہلے یہ جاننا پڑے گا کہ فعل جس سے جملہ فعلیہ بنتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ فعل لازم۔ ۲۔ فعل متعدی۔ جملہ فعلیہ میں ہمیشہ کسی نہ کسی کام کا ذکر ہوتا ہے جیسے اس نے لکھ لیا، وہ چلا گیا، وہ سو گیا، وہ آ گیا، وغیرہ وغیرہ، اب جملہ فعلیہ میں جس کام یا فعل کا ذکر ہوگا وہ کام اور فعل یا تو اس طرح کا ہوگا کہ تھا فاعل یعنی اکیلے آدمی کے ذریعے ہو جاتا ہوگا جیسے سونا، بیٹھنا، رونا، ہنسا، چلنا، یہ سب کام وہ ہیں جو اکیلے سے وجود میں آجاتے ہیں سونا اکیلے ہی کر لیتا ہے ایسے ہی بیٹھنا، ہنسا اکیلے سے انجام پا جاتا ہے ان کاموں کے کرنے کے لئے کسی اور آدمی یا چیز کو جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے تو یہ اس طرح کا فعل ”فعل لازم“ کہلاتا ہے اور اگر وہ کام

ایسا ہے کہ تنہا فاعل اس کے لئے کافی نہ ہو بلکہ کوئی اور آدمی یا دوسری چیز بھی اس کے وجود میں آنے کے لیے درکار ہو جیسے مارنا لکھنا، پڑھنا کہ مار کے لیے دو آدمی درکار ہیں۔ ۱۔ جو مارے گا۔ ۲۔ جس کو مارے گا۔ ایسے ہی لکھنے کے لیے لکھنے والا اور وہ چیز جس کو لکھے گا جیسے کاپی یا خط یا تختی وغیرہ تو اس طرح کے فعل کو ”فعل متعدی“ کہا جاتا ہے۔

لیکن پھر فعل متعدی کئی طرح کا ہوتا ہے اور یہ قسمیں فعل متعدی کی صرف عربی میں ہی نہیں بلکہ سب زبانوں میں ہے چنانچہ اردو زبان میں بعض تو وہ ہوتے ہیں جن کے ہونے اور وجود میں آنے کے لئے ایک فاعل اور فقط ایک مفعول کافی ہو جاتا ہے جیسے میں نے گھوڑا خریدا۔ اشتریت الفرس کہ اس میں خریدنے والا اور جس کو خریدا یعنی گھوڑا ان دونوں کے پائے جانے سے ”خریدنا“ فعل وجود میں آ گیا لیکن بعض فعل وہ ہیں جن کے وجود میں آنے کے لئے فاعل کے علاوہ بجائے ایک مفعول کے دو بلکہ تین مفعول کی ضرورت پڑ جاتی ہے جیسے تم کہو ”میں نے اپنے بھائی کو سو روپے دیئے“ اس مثال میں بھائی جو فاعل ہے اور دیئے والا اس کے علاوہ دو مفعول اور ہیں یعنی جس کو دیا اور جو کچھ دیا۔ تو اس میں بھائی مفعول اول ہے اور سو روپے مفعول ثانی ہے اور کبھی فاعل کے علاوہ تین مفعول درکار ہوتے ہیں جیسے میر نے خالد کو دکھلایا کہ اس کا بھائی ان پڑھ ہے اس میں دکھانے والے کے علاوہ جو فاعل ہے تین مفعول موجود ہیں۔ ۱۔ جس کو دکھلایا یعنی خالد۔ ۲۔ جس کے بارے میں دکھلایا یعنی اس کا بھائی۔ ۳۔ جو دکھلایا یعنی اس کا ان پڑھ ہونا تو اس طرح اب فعل متعدی تین قسم کا ہو گیا: ۱۔ متعدی بیک مفعول ۲۔ متعدی بدو مفعول ۳۔ متعدی بسہ مفعول۔ عام طور سے فعل کے ساتھ زیادہ تر فقط ایک یا دو مفعول آتے ہیں تین مفعول کا آنا بہت کم ہوتا ہے۔

عربی زبان میں فعل متعدی بیک مفعول کی بے شمار مثالیں ہیں جیسے حَفِظْتُ الْقُرْآنَ، أَذَيْتُ الصَّلَاةَ وغیرہ اور متعدی بدو مفعول جیسے اعطيت زيدا درهماً، ظننت زيدا حافظاً عَلِمْتُهُ سارقاً لیکن عَلِمْتُ اور ظننت اور حسبت اور خلت اور زعمت اور رأيت اور وَجَدْتُ یہ عربی میں ایسے افعال ہیں کہ ان کے بعد جو دو مفعول آتے ہیں وہ درحقیقت مبتدا خبر ہوتے ہیں اور جیسے مبتداء خبر میں سے کسی ایک کے ختم کرنے سے کلام بیکار اور ادھورا بن جاتا ہے اسی طرح ان افعال کے دو مفعولوں میں سے کسی ایک کے حذف کرنے سے کلام بیکار ہو جائے گا کیوں کہ بات ادھوری رہے گی۔ مثلاً ظننت زيدا حافظاً اگر صرف زيدا کہا یا صرف حافظاً کہا تو اول صورت جس کو گمان کیا یعنی زيدا اس کا ذکر تو آ جائے گا اور جو کچھ اسے گمان کا یعنی حافظہ ہوتا اس کا معلوم ہونا باقی رہ جائے گا۔

بخلاف اعطيت یا اس جیسے افعال ان میں کسی ایک مفعول کو حذف کرنے سے کام چل جاتا ہے کیوں کہ بعض دفعہ جو دینا ہوتا ہے وہ بتانا ہوتا ہے اور جس کو دیا اس کا علم بین المتکلم والمخاطب رہتا ہے چنانچہ کہتے ہیں ”میں نے پیسے دیدیئے“ یعنی اعطيت الفلوس اور کبھی جو دیا وہ معلوم ہوتا ہے فقط جس کو دیا وہ بتانا ہوتا ہے جیسے ”میں نے زید کو دے دیا“ کیا دے دیا وہ بین المتخاطب والمتکلم جانا ہوا ہے لہذا اعطيت زيدا فقط ایک مفعول سے بھی بات بن جائے گی۔ بہر حال متعدی بدو مفعول فعل کی دو شکلیں ہیں ۱۔ ایسا متعدی بدو مفعول کہ اس کے دو مفعولوں میں سے اگر ایک ہی لایا گیا تو بھی ٹھیک ہے۔ ۲۔ ایسا متعدی بدو مفعول کہ جس کے دونوں مفعول ذکر کرنے ضروری ہیں۔

اب رہا فعل متعدی بہ مفعول اس کے اول مفعول کو چھوڑ کر دوسرے دو مفعول وہی حکم رکھتے ہیں جو علمت ظننت مفعولوں کا ہے کہ ان میں سے کسی کا حذف درست نہیں ہے کیوں کہ یہ دو مفعول بھی درحقیقت مفعول بننے سے پہلے مبتدا خبر ہی ہوتے ہیں جن کو مفعول بننے کے بعد حالت نصی طاری ہو جاتی ہے جیسے اَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا حَافِظًا کہ میں نے زید کو عمر کا حافظ ہونا جنوا دیا۔

اب اس سے قبل کہ ہم یہ بتلائیں کہ جملہ فعلیہ کے اجزاء میں کس کلمہ کو حالت رفعی ہوتی ہے کس کو نصی پہلے یہ بھی بتادیں کہ فعل کی دو قسمیں اور ہیں۔ ۱۔ معروف۔ ۲۔ مجہول۔

چوں کہ گفتگو میں ہر زبان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی کام کا ذکر کرتے وقت کبھی تو کام اور اس کے کرنے والے دونوں کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی ایسا کرتے ہیں کہ کرنے والے (فاعل) کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں البتہ جس کے ساتھ وہ کام کیا گیا (مفعول بہ) اس سے اس فعل اور کام کو جوڑ کر بتلا دیتے ہیں مثلاً ہمیں یہ بتانا ہو کہ زید کی پٹائی ہو گئی اور یہ نہ بتانا ہو کہ کس نے کی تو ہم فاعل غائب کر کے کہیں ضَرْبَ زَيْدٍ تو یہ جو مار فاعل سے ہٹا کر مفعول بہ سے جوڑی گئی ہے تو یہاں مفعول بہ کو فاعل کی جگہ رکھ دیا گیا اور فاعل کو چھوڑ دیا گیا۔ تو یہ جو مفعول بہ جگہ میں فاعل کی لگا کر بولا گیا ہے تو اس ایسے مفعول بہ کو نائب فاعل یا اس کا قائم مقام کہا جاتا ہے۔

تو اب جانئے کہ فعل کے یہ دو جزء ہیں۔ ۱۔ فاعل۔ ۲۔ نائب فاعل، یہ دونوں عربی زبان میں حالت رفعی میں مانے جاتے ہیں اس سے آگے جو مفعول پہلا دوسرا تیسرا بننے گا وہ سب حالت نصی والے ہوتے ہیں۔

اب اس تفصیل کے بعد باسانی یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ میں آمدہ کلمات میں سے کون کون منسوب ہوتے ہیں اور کون کون مرفوع، مجرد کی بات ان جملوں میں چلتی ہی نہیں ہے کوئی کلمہ مجرد کب ہو گا وہ بھی آئندہ سامنے آجائے گا بس یہاں تو یہ سمجھو کہ جن کلمات کو حالت رفعی حاصل ہوتی ہیں وہ آٹھ ہیں جملہ اسمیہ کے دونوں جز۔ (۱) مبتدا۔ (۲) خبر اور جملہ فعلیہ میں اگر فعل معروف ہے تو اس کا فاعل اور مفعول مجہول ہے تو اس کا نائب فاعل یہ دونوں بھی حالت رفعی لئے ہوتے ہیں، اور پانچویں چیز جس کو حالت رفعی حاصل ہوتی ہے وہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر ہے اور چھٹا مرفوع ما اور لا مشابہ بلیس کا اسم ہے اور ساتواں مرفوع لاء نفی جنس کی خبر ہے اور آٹھواں مرفوع افعال ناقصہ کا اسم ہے۔

اور جن کلمات کو حالت نصی حاصل ہوتی ہے وہ جملہ اسمیہ میں ہوتے ہی نہیں جیسے کہ ابھی جانا اور جملہ فعلیہ میں ہوتے ہیں پھر جملہ فعلیہ کے اجزاء کافی ہیں۔ ۱۔ مفعول بہ۔ ۲۔ مفعول مطلق۔ ۳۔ مفعول معہ۔ ۴۔ مفعول لہ۔ ۵۔ مفعول فیہ۔ ۶۔ حال۔ ۷۔ تمیز۔ ۸۔ مستثنیٰ۔ یہ آٹھوں چیزیں منسوب ہوتی ہیں ان کے علاوہ حروف مشبہ بالفعل کا اسم اور ما ولا مشابہ بلیس کی خبر اور لاء نفی جنس کا اسم اور افعال ناقصہ کی خبر، یہ چاروں بھی حالت نصی والے ہوتے ہیں گویا جو کلمہ ان بارہ میں سے کچھ بنے گا چاہے مفعول بہ بنے چاہے حال چاہے تمیز یا اس کے علاوہ تو اس کو نصب آئے گا۔ گویا عربی زبان میں آٹھ اور میں سے کوئی ایک بننے والا مرفوع ہو گا اور ان بارہ میں سے کوئی ایک بننے والا منسوب ہو گا۔

اب رہا مجرد اس کی صرف دو شکلیں ہیں۔ ۱۔ جو کلمہ مضاف کے بعد آ کر مضاف الیہ بن جائے جیسے کتابت زید۔ یا ۲۔

حروف جر کے بعد جو کلمہ آوے جیسے من المسجد یہ دو شکلیں کسی بھی کلمہ کے مجرد ہونے کی ہیں۔

یہ اد پر والی حالتیں رفعی اور نصی اور جری کی کسی کلمات پر جو آتی ہیں وہ وہ ہیں جو براہ راست اور مستقل طاری ہوتی ہیں لیکن اس کے علاوہ پانچ شکلیں اور بھی ہیں جن کی وجہ سے کسی کلمہ پر حالت رفعی یا نصی یا جری محض تابع ہونے کی وجہ سے طاری ہوتی ہے۔ ۱۔ صفت ۲۔ تاکید ۳۔ بدل ۴۔ معطوف ۵۔ بیان۔ کسی موصوف پر جو حالت رفع یا نصب یا جر کی طاری ہوگی وہی اس کی صفت پر مانی جائے گی یعنی اگر موصوف مرفوع ہے یا منصوب یا مجرد ہو رہا ہوگا تو صفت بھی اسی کے مطابق مرفوع یا منصوب یا مجرد رہی ہوگی۔ ایسے ہی جو اعراب مؤکد کا ہوگا وہی تاکید کا اور جو مبدل منہ کا وہی بدل کا اور جو معطوف علیہ کا وہی معطوف کا اور جو اعراب مبتین کا ہوگا وہی کلمہ جو اس کا بیان ہوگا اس کا بنے گا، نیز ان توابع کا اپنے متبوع کے محل قریب اور بعید کے اعتبار سے بھی اعراب بدل جاتا ہے مثلاً یا زیدن العاقل میں العاقل جو زید کی صفت ہے مرفوع منصوب دونوں پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ اس کے متبوع زید کی دو حالت ہیں زید کا اعراب منادی مفرود معرفہ ہونے کی وجہ سے منی علی الرفع ہے لیکن یا حرف نداء کے قائم مقام ادعوا ہونے کی وجہ سے یہ مفعول بہ بھی بن سکتا ہے اب یہ منصوب۔ العاقل کو اول محل کے لحاظ سے جو کل قریب ہے تابع بنائیں تو مرفوع ہوگا اور محل بعید یعنی مفعول بہ ہونے کے لحاظ سے تابع بنائیں تو یہ منصوب ہوگا۔

اعراب کسے کہتے ہیں اور اس کا فائدہ کیا ہے

کسی بھی کلمہ کے حالت رفعی اور نصی جری میں ہونے کا پتہ اور پہچان اعراب کے ذریعہ ہوتی ہے اور اعراب کو اعراب کہتے ہی ہیں اسی لئے کہ اعراب بمعنی ظاہر کرنا ہے تو چونکہ اعراب سے ہی جانا اور جنوایا جاتا ہے کہ کلمہ کونسی حالت میں ہے آیا رفعی میں ہے یا نصی میں ہے یا جری میں اس لئے عربی زبان میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اور اعراب نحو یوں کے یہاں کسی کلمہ کی اس آخری حرکت یا حرف کا نام ہے جس کے ذریعہ کلمہ کی ان حالتوں کو جانا جاتا ہے جو کسی کلمہ پر طاری ہوتی ہیں اور یہ حالتیں وہی ہیں جن کو ہم حالت رفعی اور نصی اور جری کہتے ہیں اور یہ حالتیں کب اور کس طرح طاری ہوتی ہیں پیچھے اس کا ذکر آچکا ہے بہر حال اعراب سے ہی کسی کلمہ کا مرفوع اور منصوب اور مجرد ہونا جانا جاتا ہے الخ۔

چنانچہ کافہ میں اعراب کی تعریف اور فائدہ کا ذکر بایں الفاظ ہے۔ الاعراب ما اختلف آخره به لیلئ علی المعانی المنعوزة علیہ۔ یعنی اعراب وہ ہے کہ جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدلتا ہے اور یہ اعراب اس لئے ہوتا ہے کہ معرب پر یکے بعد دیگرے اور نبردار جو حالتیں آتی ہیں ان کا اظہار کرے۔ معانی کے معنی یہاں حالات اور کیفیات کے ہیں اور اعتسواد کے معنی ہیں ایک کے بعد ایک حالت طاری ہونا کیوں کہ کوئی بھی کلمہ ہو الگ الگ گفتگو اور کلام میں کبھی وہ مبتدا بن جاتا ہے تو کبھی خبر تو کبھی نائب فاعل اور کبھی فاعل ہے تو کبھی مفعول بہ ہے تو کبھی مثلاً ان کا اسم یا اس کی خبر ہے یا کبھی افعال ناقصہ کے بعد آ رہا ہے تو جیسی جیسی جگہ میں آئے گا ویسی حالت فاعل یا مفعول یا مضاف الیہ ہونے کی اس پر طاری ہوتی رہے گی اور جیسی

حالت طاری ہوگی اسی طاری شدہ حالت کے لحاظ سے اعراب بھی آئے گا۔

ابھی اوپر کی گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ اعراب کی دو قسمیں ہیں کبھی حرف کے ذریعہ تو کبھی حرکت کے ذریعہ یعنی

۱- اعراب بالحرکت۔ ۲- اعراب بالحروف۔

اعراب بالحروف۔ کو اعراب ذاتی اور اعراب بالحرکت کو اعراب وصفی بھی کہتے ہیں اس کے علاوہ اعراب کی اور بھی قسمیں ہیں:

۱- اعراب حقیقی۔ ۲- اعراب حکمی۔ اگر تینوں حالتوں کا اعراب الگ الگ آئے تو یہ حقیقی کہلاتا ہے۔ ورنہ کوئی حالت کسی کے تابع ہو تو یہ اعراب حکمی کہلاتا ہے جیسے جَاءَ زَيْدٌ وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَ مَرَزْتُ بَرِيْدًا میں ہے اور جَاءَ عُمَرُ وَرَأَيْتُ عُمَرَ وَ مَرَزْتُ بَعْمَرَ اس میں بَعْمَرَ میں عمر حالت جری میں ہے حرف جر کی وجہ سے لیکن اس کے باوجود اعراب حالت نصی والا ہے عمر کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ایسے جَاءَ زَجْلَانٌ وَرَأَيْتُ زَجْلِيْنَ وَ مَرَزْتُ بِرَجْلِيْنَ میں رَجْلِيْنَ کا اعراب حالت نصی و جری میں ایک ہی ہے ایسے ہی اعراب کی ایک قسم اور ہے۔ ۱- لفظی۔ ۲- تقدیری۔ جو اعراب بولنے لکھنے پڑھنے میں آوے اور اس کی ادائیگی ہو سکے تو وہ لفظی کہلاتا ہے جیسے جَاءَ زَيْدٌ وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَ مَرَزْتُ بَرِيْدًا میں دُنْ، دُنْ دُنْ الگ الگ ادا ہوتا نظر آتا ہے اور اگر اعراب الگ الگ ادا نہ ہوتا محض مان لیا اور فرض کر لیا گیا ہو جیسے جَاءَ مُوسَى وَرَأَيْتُ مُوسَى وَ مَرَزْتُ بِمُوسَى کہ اس میں موسیٰ کی ادائیگی قاعلاً مفعول اور مجرد بننے کی تینوں شکلوں میں ایک ہی ہے مگر پھر بھی مانا جا رہا ہے کہ اول مُوسَى بوجہ قاعلاً ہونے کے حالت رفعی میں ہے اور مرفوع ہے اور دوسرا مُوسَى بوجہ مفعول ہونے کے حالت نصی میں ہے اور منصوب ہے اور تیسرا موسیٰ حالت جری میں ہے اور مجرور ہے۔

کسی کلمہ کو کیا اور کس طرح کا اعراب دیں گے

اس ساری تفصیل کے بعد اب ہم اعراب تقسیم کرتے ہیں کہ کس طرح کے کلمات پر اعراب ذاتی آتا ہے اور کن پر اعراب وصفی اور اعراب حقیقی کہاں آتا ہے اور حکمی کہاں نیز اعراب لفظی کب آتا ہے اور تقدیری کب؟

جن کلمات پر اعراب آتا ہے وہ کئی طرح کے ہیں اور ان کا اعراب بھی الگ الگ ہے

یاد رکھئے جو کلمہ تشبیہ ہو خواہ وہ حقیقی ہو یا صوری یا معنوی ایسے ہی جمع بشرطیکہ وہ جمع مذکر سالم ہو پھر خواہ وہ جمع حقیقی ہو یا صوری یا معنوی ایسے ہی وہ جمع مذکر سالم جس کی اضافت یا متکلم کی طرف ہو ان سب کا اور اسماء متہ مکبرہ، یعنی چھ لفظ ابّ، اَخٌ، حَمٌّ، هَمٌّ، هَنٌّ، ذُو۔ ان سب کا اعراب بالحرَف (اعراب ذاتی) ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ جو کلمہ مفرد ہو خواہ صحیح ہو جیسے زَيْدٌ یا مثل صحیح ہو جیسے ذَلُوْا یا معتل ہو جیسے موسیٰ اور عیسیٰ، اور قاضی اور داعی وغیرہ ایسے ہی خواہ وہ مفرد کلمہ منصرف ہو جیسے خَالِدٌ، يَابِكْرُ یا غیر منصرف ہو جیسے ذَاوُد، اِبْرَاهِيْم، عَمْرٌ، اِحْمَدُ ایسے ہی جمع مکسر خواہ وہ منصرف ہو جیسے رَجَالٌ یا غیر منصرف ہو جیسے مَسَاجِدُ اور مَصَابِيْحُ ایسے ہی جمع مؤنث سالم ان سب کا اعراب بالحرکت (اعراب وصفی) ہوتا ہے۔

پھر مفرد بشرطیکہ منصرف ہو جیسے رجلٌ خواہ وہ صحیح ہو یا مثل صحیح ہو اور جمع مکسر بشرطیکہ وہ منصرف ہو جیسے رجالٌ ان کا اعراب بالحرکت کے ساتھ اعراب حقیقی ہوتا ہے کہ ہر حالت کا اعراب الگ ہے کوئی کسی کے تابع نہیں ہے جیسے جاء فی زیّد و ذلّو ورجالٌ، و زائیکٌ زیداً و ذلّوا و رجلاً، و مرزّتٌ ہزیداً و ذلّو و رجلاً۔ ایسے ہی ان سب کا اعراب لفظی ہے جو باقاعدہ اور اسکی سے ظاہر ہو رہا ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب بالحرکت ہے لیکن حکمی ہے کہ حالت نصی کے اعراب کو جری کے تابع کیا گیا ہے نیز لفظی بھی ہے کہ بولنے میں آتا ہے جیسے هُنَّ مُسَلِمَاتٌ، رَايْتُ مُسَلِمَاتٍ و مرزّتٌ بمسلماتٍ اور اگر وہ کلمہ مفرد ہو لیکن غیر منصرف ہو جیسے اَحْمَدٌ اَبْرَاهِيْمُ۔ اس کا اعراب بالحرکت ہے اور لفظی ہے لیکن حکمی ہے کہ اس کی حالت جری تابع ہے حالت نصی کے اور حالت جری میں نصی والا اعراب دیا گیا ہے جیسے جاء اَحْمَدُ و زَائِيْتُ اَحْمَدَ و مرزّتٌ باَحْمَدَ۔

اور جو مفرد بجائے صحیح کے معتل ہو اور اسم مقصور ہو یعنی زیادہ نہ چھنے والا الف اس کے آخر میں ہو جیسے موسیٰ یا مفرد ہونے کی ساتھ ساتھ یاء متکلم سے بڑا ہوا ہو جیسے غلامیٰ اس قسم کے دونوں کلموں کا اعراب بالحرکت ہے اور تینوں حالتوں میں تقدیری ہے لیکن اعراب حقیقی کہیں یا حکمی اس کا فیصلہ تقدیری اعراب ہونے کی وجہ سے مشکل ہے جیسے جاء موسیٰ و غلامیٰ و رایت موسیٰ و غلامیٰ و مردث موسیٰ و غلامیٰ اور جو مفرد بشرطیکہ اسم مقصور ہو یعنی اس کے آخر میں بجائے الف کے یاء ہو اس کا اعراب بالحرکت ہے اور حالت رفی و جری میں تقدیری ہے مگر حالت نصی میں لفظی ہے اس کا اعراب سب حالتوں میں الگ الگ ہے یعنی حقیقی ہے یا حالت جری رفی کے تابع ہے اور حکمی ہے اس کا فیصلہ بھی میرے لیے مشکل ہے اعراب تقدیری ہونے کی وجہ سے جیسے جاء القاضی و رایت القاضی و مرزّتٌ بالقاضی۔ یہ بات تو ختم ہوئی مفرد کے اعراب کی اب رہے اسمائے مکبرہ یہ مفرد اور تہا ہی استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اضافت کے ساتھ بھی آتے ہیں تو ان کے اعراب میں تفصیل ہے۔

اگر بیک وقت چار شرطیں ان میں موجود ہوں تو ان کا اعراب بالحرف ہے اور حقیقی ہے اور لفظی ہے یعنی حالت رفی میں واو حالت نصی میں الف اور حالت جری میں یاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے جاء اَبُوکَ و رایت اَبَاکَ و مرزّتٌ باَبیکَ پہلی شرط تو یہ ہے کہ تصغیر کی صورت میں نہ ہوں یعنی لُغَبِلٌ کے وزن پر نہ ہوں بلکہ مکبرہ اور جوں کے توں ہوں کیوں کہ تصغیر کی صورت میں ان کا اعراب بجائے بالحرف کے بالحرکت ہوتا ہے جیسے جاء نسی اُخِيکَ و رایت اُخِيکَ۔

۲- مضاف ہوں ان کی اضافت ہو رہی ہو ورنہ عدم اضافت کی شکل میں بھی اعراب بالحرکت ہوتا ہے جیسے جاء اخٌ و رایت اخاً و مردثٌ باخ۔

۳- مفرد ہوں تشنیہ جمع نہ ہوں کیوں کہ تشنیہ جمع ہونے کی صورت میں ان کا اعراب تشنیہ جمع والا ہوگا جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

۴- ان کی اضافت یاء متکلم کی طرف نہ ہو رہی ہو ورنہ ان کا اعراب بالحرکت اور تقدیری ہوگا۔ جیسے جاء اخي و رایت اخي و مرزّتٌ باخي۔

اب رہا تشنیہ اور جمع مذکر سالم کا اعراب بشرطیکہ یہ جمع مذکر سالم یاء متکلم کی طرف مضاف نہ ہو تو ان کا اعراب بالحرف

ہے اور لفظی ہے اور حکمی ہے۔

تثنیہ مع اپنی تینوں قسموں کے حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ کے ساتھ ہوتی ہے اور حالت نصی و جری میں یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ کے ساتھ رہتی ہے اور اس کی حالت جری نصی کے تابع ہوتی ہے جیسے جاء رجُلان و رایت رجُلین و مَرَزَتْ بِرَجُلین۔ اور جمع مذکر سالم بھی مع اپنی قسموں کے اس کا اعراب لفظی ہے بالحرف ہے حکمی ہے کہ حالت نصی جری کے تابع ہے تثنیہ کے برعکس جیسے جاء مُسْلِمُونَ و رَایْتُ مُسْلِمین و مَرَزَتْ بِمُسْلِمین۔

اور اگر جمع مذکر سالم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب بالحرف ہے اور حالت رفعی میں تقدیری ہے نصی جری میں لفظی ہے اور حکمی ہے کہ حالت نصب اس میں حالت جر کے تابع ہے جیسے جاء مُسْلِمی و رَایْتُ مُسْلِمی و مَرَزَتْ بِمُسْلِمی و اللہ اعلم۔

چوتھی چیز عربی زبان میں ”صلات“ کے استعمال کا مسئلہ

خواہ ہم عربی عبارت کا ترجمہ کریں یا اردو کی عربی بناائیں دونوں کے لئے ان کے صلوات سے واقفیت بڑی اہم چیز ہے بغیر صلوات کا استعمال جانے نہ تو اردو کی صحیح عربی بنے گی اور نہ ہی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ کیا جاسکے گا۔

پھر صلوات کا مسئلہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے کہ عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے اردو میں بھی ان کا استعمال ہے۔

پہلے ہم صلہ کا مطلب بتا دیں کہ صلہ وَصَلٌ یَصِلُ وَصَلًا وَصِلَةٌ سے ، نَدُوْعًا یَعِدُّ عِدَّةً مَصْدَرٌ ہے جس کے معنی ہیں ملانا، جوڑنا گویا ربط اور تعلق کو ”صلہ“ کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ جملہ فعلیہ میں خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول بہ یا مفعول مطلق یا مفعول لہ یا مفعول معہ یا حال یا تیز سبھی کا اپنے فعل سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے سبھی فعل کے متعلقین یا متعلقات کہلاتے ہیں اور معنوی اعتبار سے ان میں سے ہر کسی کا اپنے فعل سے تعلق ہے کہ کوئی تو اس کام سے بحیثیت فاعل کے جڑا ہوا ہے کوئی بحیثیت مفعول بہ کے تو کوئی بحیثیت مفعول لہ ہونے کے کوئی اس حیثیت سے کہ وہ یہ بتاتا ہے کہ جب یہ فعل فاعل سے پایا گیا تو وہ کس حال میں تھا جیسے جاء زیدٌ راجباً کہ جب زید آیا وہ سواری کی حالت میں تھا۔ یا اس حیثیت سے کہ فعل کے ابہام کو دور کرتا ہے جیسی تیز میں مثلاً کبر زیدٌ من خالدٍ سناً کہ زید خالد سے عمر میں بڑا ہے کہ بڑائی کسی بھی اعتبار سے علم، عقل، عمر، مال ہو سکتی تھی جس کا ابہام ختم کر دیا کہ وہ باعتبار عمر کے ہے تو جملہ فعلیہ کے جتنے بھی رشتہ دار ہیں ان میں صرف مفعول بہ ہی ایسا متعلق ہے کہ وہ صلہ والا ہوتا ہے یعنی اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی حرف جر لگا کرتا ہے۔ یہ جو مفعول بہ کے ساتھ حرف جر کبھی لام کبھی من کبھی الی کبھی باء کبھی کوئی اور حرف جر لگ کر آتا ہے اس کو ”صلہ“ کہتے ہیں مفعول بہ کے علاوہ صرف فاعل ہے جس میں بطور صلہ حرف جر لگ کر آتا ہے اور وہ بھی صرف ایک فعل ”کفی“ میں ہوتا ہے کہ کفی کا فاعل بواسطہ حرف جر ہی کے آتا ہے چنانچہ کفی باللہ و کبلاً، و کفی بریک ہادیا و نصیراً، کفی بنفسک الیوم علیک حبیباً و ”صلہ“ کا تعلق درحقیقت مفعول بہ ہی سے ہوتا ہے لیکن فعل کا مفعول بہ کبھی تو فقط ایک ہی ہوتا ہے جیسے اکلْتُ الطَّعامَ یا تَلَوْتُ الْقُرْآنَ اور کبھی

دو دو ہوتے ہیں جیسے اعْطَيْتُ زَيْدًا كِتَابًا، وَسَقَيْتُهُ مَاءً اور زیادہ تر استعمال گفتگو میں اسی طرح کے جملوں کا ہے کہ کسی میں فعل کے ساتھ ایک مفعول ہوتا ہے تو کسی میں دو دو اور کبھی کبھی تین مفعول سے بھی جملہ بنتا ہے جیسے اخبرْتُ زَيْدًا غَضْرًا سَارِقًا میں نے زید کو عمر کا چور ہونا بتلا دیا۔ لیکن تیسری صورت بہت کم ہے۔

بلکہ دو مفعولوں میں بھی ”صلات“ کا استعمال جب ہے جب کہ وہ افعالِ قلوب کے مفعولوں میں سے نہ ہوں کیوں کہ افعالِ قلوب کے مفعول بغیر واسطہ حرف جر کے براہ راست مفعول بنتے ہیں جیسے خَلَّتْ زَيْدًا مُهُجَلًا کہ میں نے زید کو لا پرواہ خیال کیا۔

بہر حال ”صلہ“ کا تعلق خالی مفعول بہ سے ہے خواہ وہ مفعول بہ ایک ہو یا دو لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر مفعول بہ کے ساتھ ”صلہ“ اور حرف جر ہی لگ کر آوے بلکہ کبھی وہ بلا حرف جر براہ راست مفعول بہ بنیں گے جیسے اِشْتَرَيْتُ الْكِتَابَ اور کبھی حرف جر کے واسطے سے جیسے ذَهَبْتُ إِلَى الْحُجْرَةِ اس میں الی الحجرة بوسطہ الی حرف جر کے ذہبت کا مفعول بہ ہے۔ پھر دو مفعولوں میں چار شکلیں ہیں:

- ۱- دونوں مفعول بلا صلہ اور حرف جر کے مفعول بہ بنیں جیسے اطعمَ زَيْدًا الضُّيُوفَ طَعَامًا۔
- ۲- دونوں مفعول پہ صلہ کے ساتھ ہوں جیسے: الْقَيْ زَيْدًا بِالْمَوْدَّةِ الی صَدِيقِهِ کہ زید نے اپنے دوست سے محبت کا اظہار کیا۔ اس میں بِالْمَوْدَّةِ مفعول اول اور الی صَدِيقِهِ مفعول ثانی ہے۔
- ۳- مفعول اول بلا صلہ کے ہو ثانی مفعول صلہ کے ساتھ ہو جیسے الْقَيْتُ الدَّرْسَ عَلَي الطُّلَّابِ میں نے طلبہ کو سبق پڑھایا۔

۳- مفعول اول میں صلہ ہو دوسرے کا نہ ہو جیسے دَفَعْتُ الی صَدِيقِي رُوْبِيْنِيْنِ میں نے اپنے دوست کو دو روپے دیئے۔ پھر جہاں دونوں ہی مفعول صلہ والے آتے ہوں ان میں یہ بھی دھیان ضروری ہے کہ ایک مفعول کا صلہ یا حرف جر دوسرے پہ نہ لگ جائے اور نہ برعکس ہو ورنہ مطلب غلط ہو جائے گا جیسے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الشَّيْطَانِ سے اللہ کی پناہ میں آیا جا رہا ہے۔ ”اگر باء کو الشيطان اور من کو اللہ پر رکھ دیا تو مطلب الٹ جائے گا کہ اللہ سے شيطان کی پناہ لے رہے ہیں نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

ایسے الْقَيْ زَيْدًا بِالْمَوْدَّةِ الی اخيه میں جس سے اظہار کرنا ہے وہ ہمیشہ الی کے بعد آدئے اور جس چیز کا اظہار کرنا ہے وہ باء کے بعد ورنہ کلام کا مطلب گڑبڑ ہو جائے گا۔

اور اگر دو مفعولوں میں سے صرف ایک مفعول صلہ اور حرف جر کے ساتھ سے دوسرا مفعول براہ راست ہو تو ان میں بھی یہ دھیان ضروری ہے کہ حرف جر اور صلہ اسی مفعول کے ساتھ آئے گا جس کے ساتھ آنا چاہیے جیسے الْقَيْتُ الدَّرْسَ عَلَي الطُّلَّابِ کہ میں نے طلبہ کو سبق پڑھایا اس میں جن کو پڑھایا ہمیشہ علی کے بعد لایا جاوے گا اور علی کے صحیح جگہ پر لگنے کے بعد چاہے مفعولوں کی ترتیب بھی غلط ملط ہو جائے مگر مطلب صحیح رہے گا اور خواہ الدرس پہلے بول دو خواہ علی الطلاب بات صحیح رہے گی۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ بعض افعال جن کا مفعول صلہ اور حرف جر کے ساتھ آیا کرتا ہے یہ دھیان لازم ہے کہ جس مفہوم

اور مراد کے ادا کرنے کے لئے جو حرف جرائل زبان کے یہاں لایا جاتا ہے وہی لایا جاوے ورنہ متعلقہ خبر بات ہو جائے گی جیسے ”میں نے زید سے کہا“ اس کی عربی قلت لزید ہے اگر ہم نے اردو کے اعتبار سے من زید کہا تو اہل عرب کے ہاں الجھن کا باعث ہوگا وہ جس سے کچھ کہا جاتا ہے ہمیشہ لام حرف جری ہی کے بعد لانے کے عادی ہیں۔ چنانچہ تمام قرآن میں قول کا مفعول بصلہ لام ہی پایا جاتا ہے اسی لئے اہل عرب کے یہاں ”صلات“ کا استعمال طے ہے اور جیسی ہمارے اردو میں ہر فعل کے ساتھ جو مفعول آتا ہے اس کے صلات متعین ہیں مثلاً چڑھنا، ایک فعل ہے اس کا مفعول بہ جو بھی ہوگا اس کے ساتھ ”پر“ لگے گا، جیسے چھت پر، بیڑی پر، آسمان پر، ایسے ہی خوش ہونا جس سے خوش ہوا جاتا ہے اس کے بعد ”سے“ آتا ہے جیسے ”میں آپ سے خوش ہوا، لیکن عربی میں جس سے خوش ہوا جاتا ہے وہ باء کے بعد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں فرحت بک“ یا فرحت بلقالمک او برویتک۔“

خلاصہ یہ ہے کہ اردو میں ترجمہ کرنا ہو تو اردو میں جو صلا آتا ہے اس کا دھیان رکھنا ہے اور عربی بنانی ہو تو اس کا صلہ دھیان میں رکھنا ہے یہ نہیں کہ اگر عربی میں باء آیا ہے تو ساتھ سے ترجمہ کریں۔ یا اردو میں ”سے“ آتا ہے تو اس کی عربی ”من“ سے کر دیں۔

ایسے ہی بعض فعلوں کے مفعول براہ راست اور صلہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں ایسی جگہ ”باصلہ مفعول بہ کا ترجمہ بھی وہی ہوگا جو براہ راست اور بے صلہ کا ہوتا ہے چنانچہ طرَحْتُ الشَّيْءَ وَبِالشَّيْءِ میں نے چیز پھینک دیا کہیں گے، بلکہ صلہ کا ہر جگہ ترجمہ ضروری نہیں ہے بلکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اردو میں تو اس کا صلہ ہو عربی میں نہ ہو جیسے دَخَلْتُ الدَّارَ میں گھر میں داخل ہوا۔ کہ اس میں دخول کے ساتھ میں اردو کے اندر ”میں“ آتا ہے عربی میں نہیں اور کبھی برعکس جیسے فَسَقَ زَيْدٌ عَنْ أَمْرِئِ زَيْدٍ میرا حکم نہ مانا اس میں ”عن“ کا ترجمہ نہیں ہوتا ہے۔

پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ فعل تو وہی آتا رہتا ہے مگر اس کے متعلقات بدلنے سے اس فعل کا ترجمہ اور مفہوم بدل جاتا ہے اس کا دھیان نہ رکھنے سے دونوں زبانوں میں غلطی ہوتی رہتی ہے مثلاً: ۱۔ زید نے دوڑ لگائی۔ ۲۔ میں نے سرمہ لگایا۔ ۳۔ اس نے شامیانہ لگایا۔ ۴۔ اس نے انجکشن لگایا۔ ۵۔ اس نے بیٹھ لگائی۔ ۶۔ اس نے اشتہار لگایا۔ ۷۔ اس نے دسترخوان لگایا۔ ۸۔ اس نے پودے لگائے۔ ۹۔ اس نے جھاڑو لگائی۔ ان مثالوں میں اگر کوئی ”لگایا“ فعل کو دیکھ کر سب کی ایک عربی بنانے لگے تو غلط ہے چنانچہ ان کی ترتیب وار عربی یوں ہے: ۱۔ جَرَى زَيْدٌ. ۲۔ اَتَّخَذْتُ الْعَيْنَ. ۳۔ اَقَامَ سُرَادِقًا. ۴۔ اَعْطَاهُ اِبْرَةَ الدَّوَاءِ. ۵۔ جَمَعَ النَّاسَ. ۶۔ اَلصَّقَ الْاِعْلَانَ. ۷۔ بَسَطَ الْخِوَانَ. ۸۔ غَرَسَ الْاَشْجَارَ. ۹۔ كَتَسَ الْحَجْرَةَ.

اسی طرح عربی میں ایک فعل بار بار آتا رہتا ہے مگر متعلقات بدلنے سے ان کے معنی اور مراد بدل جاتی ہے جیسے مثلاً ضَرَبَ ایک فعل ہے اس کا استعمال کتنی ہی طرح ہے: ۱۔ ضَرَبَ الْقَلْبَ. ۲۔ ضَرَبَ الْعِرْقَ. ۳۔ ضَرَبَ الضَّرْسَ. ۴۔ ضَرَبَ الرَّجُلُ فِي الْاَرْضِ. ۵۔ ضَرَبَ لَهْ مَثَلًا. ۶۔ ضَرَبَ عَلَي الْمَكْتُوبِ. ۷۔ ضَرَبَ النَّوْمَ عَلَي اُذُنِهِ. ۸۔ ضَرَبَ بِه الْاَرْضَ. ۹۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا. ان سب مثالوں کا علی ترتیب ترجمہ یوں ہے۔

۱۔ دل دھڑکا۔ ۲۔ رگ پھڑکی۔ ۳۔ داڑھ میں جھیس پیدا ہوئی۔ ۴۔ وہ سفر میں گیا۔ ۵۔ اس نے اس کو مثال دی۔ ۶۔ اس

نے مہر لگائی۔ ۷۔ اس کو نیند کا غلبہ ہوا۔ ۸۔ اس کو زمین پر بیٹھ دیا۔ ۹۔ زید نے عمر کی پٹائی کر دی۔
تو جیسے اردو میں کئی جملوں میں ایک ہی طرح کے دیئے ہوئے فعل کی ایک ہی عربی نہیں ہو سکتی ایسے ہی عربی میں بار بار
آمد مختلف جملوں میں فعل کا ایک ہی ترجمہ نہیں ہو سکتا اور ہر جگہ ضرب کا وہی لگا بندھا "مارنے کا ترجمہ کرنا" ترجمہ کی دنیا سے
ناداقت کی دلیل ہے۔ ایسے ہی کبھی متعلق ایک ہی رہتا ہے مگر فعل بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں جیسے استکبر فی نفسہ وہ
اپنے آپ میں بڑا ابتلا جمع الی نفسہ وہ اپنے آپ میں آگیا اور خرج بنفسہ وہ خود ہی باہر آیا۔

کسی بھی ترجمہ سے قبل اس کا تجزیہ بیکرد مفید ہوتا ہے

کوئی بھی زبان ہو اس میں بھی تقریر یا تحریر لکھنے اور بولنے میں اس کو بڑی اہمیت ہے کہ بات اور گفتگو کہاں سے شروع
ہو کر کہاں ختم ہو رہی ہے گویا گفتگو کا فصل وصل اور توڑ جوڑ کا اسے مکمل علم ہو اور یہ بات اتنی مہتمم بالشان ہے کہ علماء کلام اور ادباء
نے "بلاغت" اسی کا نام رکھ دیا جس کو دوسرے الفاظ میں "فصل خطاب" (جداجدا گفتگو) بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ "رکومت
چلو" اس جملہ کا وصل ووقف سے کتنا عظیم تعلق ہے کہ "رکو" پر سانس توڑنے سے اور "ومت چلو" الگ کہنے سے مطلب اور ہے
اور "رکومت" پر سانس توڑ کر پھر "چلو" کہنے سے مطلب اور ہے ورنہ یہی حال لکھنے میں بھی رہے گا کہ فصل کا جہاں نشان دو گے
اسی پر کلام کا مطلب طے ہوگا۔ اسی لئے عجمیوں کے لیے بلکہ کلام کے نشیب و فراز سے نادانف خواہ عرب ہی کیوں نہ ہو قرآن
میں آیات اور ٹھہرنے کی علامات مقرر کی گئیں۔ اسی لئے ادباء اپنی اپنی تحریروں میں "کوما"، "توسین" اور وقف نام کی علامتوں
نیز سوالیہ جملہ پر سوالیہ نشان کی علامت کا بڑا ادھیان رکھتے ہیں اور جملہ کہاں سے شروع ہو کر کہاں مکمل ہوا ہے اس کی مستقل
علامتیں مقرر ہوتی ہیں۔

اس لئے سب سے پہلے جملہ طے ہو جانا ضروری ہے۔ کہ کہاں سے کہاں تک ہے پھر وہ فعلیہ ہے یا اسمیہ فعلیہ ہونے پر
یہ طے کیا جاوے کہ وہ ماضی کے صیغے سے شروع ہے یا مضارع کے یا امر کے یا نہی کے پھر ماضی میں چھ ماضیوں کے کون سے صیغے
سے شروع ہے ایسے ہی مضارع میں مثبت منفی پھر نفی مجد بلیم اور لام تاکید بانو۔ تاکید ثقیلہ سے یا خفیفہ سے کس سے شروع ہے ایسے
ہی امر یا نہی کے کس صیغہ سے شروع ہے پھر فعل کے ساتھ آگے جو دوسرے متعلقات ہیں فاعل، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول
مطلق، مفعول لہ، حال، تمیز یہ سب جملہ فعلیہ کے اجزاء ہیں ان میں سے جملہ میں کون کون ہیں ان سب کا جائزہ لے کر پھر ترجمہ
بٹھایا جاوے تاکہ ترجمہ صحیح ہو سکے ایسے ہی اگر اس فعل کے ساتھ حرف شرط لگ کر جملہ بنا ہے تو اس کی جزاء پر فاء وغیرہ آتا ہے
یا نہیں سب دیکھ لینا ضروری ہے۔

اور اگر وہ جملہ اسمیہ ہے تو یا تو سادہ جملہ ہے کہ اس پر حرف مشبہ بالفعل جن کو نواسخ بھی کہتے ہیں یا افعال ناقصہ یا ما دلا
مشابہ بلیس یا لاء نفی جنس میں سے کوئی اس پر داخل نہیں ہے تو اس سادہ جملے میں کتنا مبتدا ہے اور کتنا خبر ہے یہ طے
کیا جاوے اور اگر مبتدا خبر سادہ نہ ہوں تو پھر دیکھو یہ مبتدا خبر حرف مشبہ بالفعل میں سے اگر کسی کو اپنے اوپر لئے ہوئے ہوں
تو مبتدا کا اعراب بحالت نصب ہوگا اور خبر کا علی حال رہے گا اور افعال ناقصہ اور ما و لا مشابہ بلیس میں اس کا الٹا رہے گا اور

لائے نئی جنس میں تفصیل ہے جو کتب نحو سے جانی جاسکتی ہے۔

بہر حال اردو کریں یا عربی بنائیں اس کا اور اس کے اجزاء کا تجزیہ ضروری ہے ورنہ ترجمانی میں غلطی ہو جائے گی اور یہ عجیب بات ہے کہ عربی عبارت کا جو یوں تجزیہ کیا جاتا ہے کہ یہ فعل ہے یہ قائل ہے یہ مفعول بہ ہے یہ حال ہے اس کو ”ترکیب“ کہتے ہیں حالانکہ اس کو تو ”تحلیل“ کہنا چاہیے ہاں اردو کی جو عربی کرتے وقت جمع بناتے ہیں کہ یہ فعل آ گیا ہے اور قائل اور مفعول اس کو ترکیب کہنا چاہیے اللہ جانے کیوں ایسا چل پڑا ہے ممکن ہے کہ اطلاق علی الضد کے قبیل سے ہو جیسے کہ ”عورۃ“ کے معنی بچا اور کھلا ہوا ہونے کے ہیں۔ مگر ترجمہ ”ستر“ اور چھپانے کا کرتے ہیں۔

اردو کی عربی اور عربی کی اردو بنانے کی مشق رکھنے میں چند عظیم فائدے

۱- عربی زبان کی ترتیب بمقابلہ اردو کے غیر مانوس ہے ہم مضاف الیہ کو پہلے لاتے ہیں اہل عرب بعد میں لا کر بولتے ہیں یہی حال موصوف و صفت کا ہے ایسے ہی فعل اور کام کا ذکر اہل عرب سب سے شروع میں کرتے ہیں پھر جس نے کیا اس کا ذکر کرتے ہیں یعنی قائل کا جب کہ اردو میں جو اس کام کو کر رہا ہے اس کا ذکر پہلے کریں گے پھر اور باتیں کہہ کر اخیر میں کام کا ذکر لاتے ہیں جیسے زید نے کل آٹھ بجے میرے ساتھ چائے پی۔ اس کی عربی ضرب زَيْدًا الشَّيْءَ مَعِيَ فِي السَّاعَةِ الثَّلَاثِينَ فِي مَعْنَى تَوْجِدُونَ مَشَقَّ رَكْنَيْ سَ عَرَبِي مَفْتُكُو كِي تَرْتِيب سَ عَرَبِي لِمَنْ اَهْل اَرْدُو كُو هُو تِي هُو خْتَم هُو جَائِي كِي اَكْر چَ عَرَبِي زَبَان كِي تَرْتِيب اِنِّي اَصْل پَر ہے مگر ہماری مادری زبان جو اردو بن گئی ہے اس کی وجہ سے ہمیں بجائے اپنی زبان کی ترتیب اپنی لگنے کے عربی زبان کی لگتی ہے ورنہ تو دیکھا جائے تو فارسی کی ترتیب بھی وہی عربی والی ہی ہے۔

بہر حال عربی زبان کو بنیاد کا درجہ حاصل ہے باقی زبانیں اسی سے بن کے وجود میں آئی ہیں۔ اس کی ترتیب پر کوئی اعتراض کرنا ہی بیکار ہے۔ اور زبانیں جو اس کی ترتیب پر نہ ہوں بس ان کی بھی اپنی ایک ترتیب ہے۔

۲- اردو کی عربی اور برعکس کرنے میں دونوں زبانوں کے تقابلی جائزہ کا موقع ملے گا اور اسی سے صحیح انداز ہو پائے گا کہ اردو کی عبارت کا مقابل عربی میں کیا ہے اور عربی عبارت کا مقابل اردو میں کیا ہے یعنی ہماری اردو تعبیرات کی صحیح عربی تعبیرات کیا ہیں ایسے ہی عربی تعبیرات کی صحیح اردو کیا ہے ورنہ اردو کی عربی اور عربی کی اردو گو ہم کرتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی بلا مشق کے کھٹکا گارہتا ہے کہ کیا معلوم!

ہماری اردو کی صحیح عربی بن گئی یا عربی کا اردو میں صحیح ترجمہ ہو گیا، ہاں بار بار کی مشق اور استعمال سے جب یہ بات سامنے آئے گی کہ ہمیشہ اردو کی اس تعبیر کے لئے عربی تعبیر بھی آتی رہتی ہے یا عربی تعبیر کا اردو میں یہی ترجمہ ہوتا ہے تو پھر بلا کسی خدشے ایک تعبیر کو دوسری کا بدل بنایا جاسکتا ہے اور اس کا عمل سوائے مشق اور تمرین اور استعمال کے اور کچھ نہیں ہے۔

کچھ نمونے ملاحظہ ہوں

مثلاً ہم اردو میں کہتے ہیں ”اس نے ہنس کر کہا“ بظاہر اس کی عربی ضحک ثم قال معلوم ہوتی ہے جبکہ اہل عرب اس

”کر“ کے لئے دو فعلوں کے درمیان میں واؤ لاتے ہیں اور کہتے ہیں ضحک وقال“ ایسے ہی قرآن میں ذرہم یا کلوا ویتمتوا آیا ہے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے چھوڑ دیجئے ان کو کھاتے رہیں اور مزے لیتے رہیں۔ مگر اردو تعبیر کے لحاظ سے اس کا ترجمہ یوں ہے۔ ”ان کو کھانے دیجئے اور مزے اڑانے دیجئے“ کیوں کہ ”نے دیجئے“ والے جتنے بھی جملے بنتے ہیں ان سب کا طریقہ یہی ہے کہ ذر اور ذغ جو بمعنی اترک ہیں یا خود اترک سے بنے صیغے کی فعل کے ساتھ لگائے جاتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں دعنی الفعل کذا (کہ مجھے ایسا کرنے دیجئے) ایسے ہی ہے لا تتوكله يلعب“ اسے مت کھیلنے دیجئے۔ ایسے ہی ذرہم یا کلوا مجھے اس کی پٹائی کرنے دیجئے“ یہ قاعدہ جاننے کے بعد ہر جگہ صحیح ترجمہ آسان ہو جائے گا اور ”نے دیجئے“ کا کوئی بھی جملہ ہو اس کی عربی مشکل نہ معلوم ہوگی بشرطیکہ صیغوں کی تبدیلی کی صحیح واقفیت ہو ایسے ہی ”سکتا ہوں“ والے جملوں کے لئے ”استطیع یا القدر لگایا جاتا ہے جیسے لم أستطع عليه صبراً مجھ سے اس پر صبر نہ ہو سکا اسی طرح ”چاہتا ہوں“ والے جملوں کے لئے أريد أحب، جیسے أريد أن أتكلم“ تو یہ اور اس جیسے جملے نہ صحیح بن پاتے ہیں اور نہ اس کا صحیح ترجمہ ہو پاتا ہے جب کہ مشتق نہ ہو۔

نوٹ۔ ایسے ہی قرآن میں لبثنا يوماً او بعض یوم کا ترجمہ ہم کرتے ہیں ”ہم ایک دن یا آدھ دن ٹھہرے“ تو یوماً اور بعض یوم کی اصطلاح خاص عربی ہی کی نہیں ہے ہماری اردو کی بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اہل عرب ”او“ حرف عطف صحیح میں لاتے ہیں ہم نہیں لاتے ہم کہتے ہیں“ کہ ہم ایک آدھ روز ٹھہرے اب اگر ہم نے یوماً او بعض یوم کے اردو ترجمہ میں ”یا“ کا لفظ بڑھا کر ایک دن یا آدھ دن ترجمہ کیا تو ترجمہ کی متانت مجروح ہوگئی۔ ایسے ہی اگر ”ایک آدھ دن“ کی عربی ہم نے بغیر ”او“ کے لگائے بنائی تو عربی بگڑ گئی اس لئے اپنی اپنی اصطلاح کے مطابق رہنے میں فصاحت و بلاغت برقرار رہے گی ورنہ فوت ہو جائے گی۔ یہی حال ہے لا تتبخلوا بالهین الثین آیت میں کہ اس کا ترجمہ ”دو خدا نہ مانو“ کرتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ الثین کا کیا فائدہ رہا حالانکہ بلخ کلام میں اور یہ تو اللہ کا کلام ہے بے فائدہ کوئی کلمہ کیسے آسکتا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے ”دو خدا نہ مانو“ کیوں کہ صحیح نظر تعدد کی نفی ہے چنانچہ صاحب کشاف نے الثین لانے کا فائدہ یہی ذکر کیا ہے، اب یہ کہنا ہو ”دو دروینیاں نہ کھاؤ“ تو اس کی عربی لا تاتکلوا رخیفتین غلط ہوگی جب تک ”الثین“ کا لفظ نہ بڑھا لیا جاوے ایسے ہم اذآجاء اخلہم لا یستأخرون ساعة ولا یستقبلون کہ جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے نہیں گئے اور نہ آگے بڑھیں گے۔ اس آیت میں یہ ایک مشہور اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب موت کا وقت آچکا تو آگے بڑھنے کی نفی کرنا تو صحیح ہے پیچھے ہٹنے کی نفی کیوں کی جارہی ہے پیچھے ہٹنے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا جب وقت آ گیا تو وہ پیچھے کیسے ہٹے گا تو یہ اعتراض بھی اپنے اردو محاوروں پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے ورنہ تو اردو میں ہم اس طرح کے جملے بولتے ہیں مگر کبھی اعتراض نہیں ہوتا مثلاً سودا خریدتے وقت کہتے ہیں ارے بھائی ”کم زیادہ کرلو“ مگر مراد اس کی صرف کم کرانا ہے صرف تقابل کی وجہ سے ”زیادتی“ کا ساتھ میں ذکر کر دیا۔

ایسے ہی کہتے ہیں اس نے آنے میں رات دن ایک کر یا اور مراد صرف دن میں آنا ہے ایسے ہی کسی کو نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں ”بھائی نفع نقصان سب اللہ ہی کی طرف سے ہے“ حالانکہ دلاسا صرف نقصان پر دینا ہے۔ ایسے ہی اس نے مجھے تو بہت برا بھلا کہا“ اور شکایت برا کہنے کی مقصود ہوتی ہے مگر ضدین ہونے کی وجہ سے ذکر دونوں کالاتے ہیں غرضیکہ جب عربی

کو بطور زبان کے مشق اور استعمال میں رکھا جائے گا تو مرادیں اور مطالب خود بخود سمجھ میں آتے چلے جاویں گے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ فی بیان الصلوٰۃ "کا ترجمہ" بیچ بیان نماز کے "اور انما کا ترجمہ "جزئی نیست" ہوا کرتا تھا حالاں کہ یہ ترجمے وہ ترجمے تھے جنہیں خود ترجمے کے ضرورت ہوتی تھی راقم "جزئی نیست" کے مفہوم میں ہمیشہ چکر کھاتا تھا کہ آخر "جزئی نیست" کہہ کے کیا کہنا چاہتے ہیں جب دوسرے ترجمے "فقط" اور "صرف" اور انما کے برائے حصر ہونے کا پتہ چلا تب اس "جزئی نیست" کا مطلب سمجھ میں آیا لیکن اب یہ اس طرح کے ترجمے خام خیالی اور حقیقت سے کوسوں دور لگتے ہیں۔

اسی طرح ہر زبان خواہ اس کا ترجمہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ کر دیں لیکن پھر بھی لہجہ اور ادائیگی اور بولنے کی کیفیت کو ترجمہ میں نقل نہیں کیا جاسکتا اور محکم کے کلام میں جو نشیب و فراز چھپا ہوا ہے اور جس ماحول اور کیفیتوں میں وہ کلام کیا گیا ہے دوسری زبان میں اس کا اندازہ اگر کچھ کیا جاسکتا ہے تو اپنی مادری زبان کے ذریعہ ہی کیا جاسکتا ہے اور ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس طرح اتار چڑھاؤ ہمارے کلام میں ہے دیگر زبانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ بغیر دونوں زبانوں کی مشق رکھے ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ السلام کے واقعہ میں پ ۲۶ کے آخر میں جو آیت ہے: **بَشِّرْنَا بِغُلَامٍ خَلِيمٍ فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ رَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ۔** اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی جس پر اس کی بیوی شور مچاتی ہوئی آئی اور ماتھا پیٹ کر کہنے لگی بوڑھی بانجھ۔ اب خالی "بوڑھی بانجھ" کہنے سے آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ اس آیت میں جو تلمیذات اور حیرانی کے عالم میں حضرت ابراہیم کی بیوی نے "بوڑھی بانجھ کہا" وہ کیفیت مستور ہے اگر ظاہر کی جاتی تو یوں کہتی: **أَنَا عَجُوزٌ أَنَا عَقِيمٌ** انہی یُکُونُ لِي وَلَدٌ۔ کہ اے فرشتوں جو تم مجھے لڑکا ہونے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کہاں کا تک ہے بھلا میں ایک بوڑھی بانجھ عورت میرے یہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا۔ بوڑھی اماں کی یہ تلمیح کیفیت جس کے ذہن میں ہوگی وہ اس آیت کو پڑھ کر جھومے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ بعض الجھنیں تو مشق ہی سے نکلتی ہیں مثلاً **فَطَمَةٌ أَصْغَرُ** مِنْ زَيْبٍ "ایک دن اس جملہ میں الجھ گیا کہ "اصغر" کیوں ہے "صغری" ہونا چاہیے کیوں کہ مفصل مؤنث ہے لیکن اسم تفضیل کے بیان کو جب دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ جملہ صحیح ہے کیوں کہ اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں۔ ۱۔ من کے ساتھ۔ ۲۔ الف لام کے ساتھ۔ ۳۔ اضافت کے ساتھ۔ پہلے استعمال میں اسم تفضیل کا اپنے مفصل سے مذکر و مؤنث ہونے میں مطابق ہونا ضروری نہیں ہے فلا اشکال علیہ۔

ایسے ہی اردو کی عربی بناتے ہوئے "اللہ کے نیک بندے" اس جملہ کی عربی میں یہ چکر لگا کہ "اللہ" مضاف الیہ ہے "نیک بندے" کمال اس کا مضاف ہے تو اللہ سے پہلے "نیک" کی عربی بنا کر وہ لگاؤں یا "بندے" کی عربی بنا کر لگاؤں یا دونوں کی عربی بنا کر لگاؤں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا کہ "الحمیات کے الفاظ" وعلی عباد اللہ الصالحین "ذہن میں آئے اور عقده کھل گیا کہ اس طرح کا جملہ جس میں مرکب توصیفی مضاف بنتا ہو اس میں صفت کو موصوف کے ساتھ رکھنے کے بجائے اس موصوف کے مضاف الیہ کے بعد لایا کرتے ہیں جیسے محمد رسول اللہ الصّٰدِقِ، کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔

بہر حال مشق ہی واحد علاج ہے کہ جس سے قواعد صرف و نحو زندہ ہو سکتے ہیں اور ان دونوں فنوں کی کتب کے پڑھنے پڑھانے میں جان پڑ سکتی ہے اور طلبہ کی دلچسپی بڑھ سکتی ہے ورنہ جب مشق نہ ہوگی اور کسی کو ہذا کی جگہ ہذا یا ذلک کہ جگہ

تلاک نہ بولنا ہوتا ایسے شخص کو اسماء اشارات کی بحث سے کیا مطلب؟ اور اَلْدِي کی جگہ اَلْيُ نہ کہنا ہوتا تو اسے اسماء موصولات سے کیا مطلب اور جیسے اَنْتَ کی جگہ ہو یا اَنْ اَدُلْ بَدَل کے نہ بولنا ہوتا تو اسے بحث المضمرات سے کیا واسطہ اور جیسے اَحَدٌ عَشْرَ کے بدلے اِلْنَا عَشْرَ یا اَحَدٌ وَعَشْرُونَ کہنے کی نوبت نہ آتی ہوتا تو اسے عربی گنتی والے اسباق سے کیا مطلب؟ کیوں وہ سمجھے کیوں وہ پڑھے کون سے کلمات ایک ہی حالت پر رہتے ہیں یعنی بنی کلمات اور کون سے کلمات بدلتے ہیں یعنی معرب کلمات پھر معرب میں کتنے مرفوع ہوتے ہیں اور کتنے منصوب اور کتنے مجرور ایسے ہی کسی کلمہ پر الف لام لانا چاہیے کس پر نہیں کس کلمہ پر توین لانا چاہیے اور کس پر نہیں پھر کس کلمہ کا تثنیہ کیسے بنتا ہے جمع کیسی بنتی ہے اگر قال کے بجائے قَالَتْ یا اور صیغہ بولنا پڑ جائے تو کیا بولا جائے گا مشق میں ان سب چیزوں سے واسطہ پڑے گا اور جب واسطہ پڑے گا تو خود ہی ضرورت محسوس ہوگی اور جو نہیں سکتا کہ صرف نحو کی بحثیں اور اس کے قواعد زندہ نہ ہوں، عبارت کے پڑھنے پڑھانے پر جو زور پہلے تھا اب اس کا عشرِ عشر بھی نہیں ہے بلکہ بعض اساتذہ بھی عبارت سے کتر کر سبق کے مطلب کا خلاصہ بیان کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں کیوں کہ صحیح عبارت پڑھنے پڑھانے کا مطلب ہی ہے قواعد صرفیہ و نحویہ کا استخراج اس لئے عبارت کو چھین کر مخلصہ میں پڑانے سے بچتے ہیں اور گویا نہ چاند دیکھیں گے نہ روزے فرض ہونے کی نوبت آئے گی۔ مشق اور استعمال سے عربی سیکھنے کا آدھا بوجھ کم ہو سکتا ہے استعمال اور سننے سنانے کا نتیجہ ہی تو ہے کہ بچہ بچہ انگریزی کی پوری گنتی سنا سکتا ہے جب کہ عربی کی ایک سے دس تک کی گنتی بھی ایک عربی فاضل اور فارغ کو پسینہ دلا دیتی ہے۔ نیز مشق اور استعمال سے کوئی بھی چیز جتنی بہتر اور جلدی سمجھ میں آتی ہے اس کے بغیر نہیں آسکتی چنانچہ صاحب کشاف نے نَزَلْ بِهٖ دُرُوحُ الْاَمِيْنِ عَلٰی قَلْبِكَ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس احسان کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو آپ کے دل پر نازل کیا ہے اور عربی زبان میں نازل کیا ہے یعنی ہم نے قرآن آپ کو آپ کی مادری زبان عربی میں عطا کیا ہے۔ کیوں کہ دل پر کسی زبان کے اترنے کا مطلب ہے کہ وہ ایک دم اس کے مطلب کو سمجھتا ہے ایسا نہیں کہ خالی حروف اور الفاظ کی آواز تو سن رہا ہو مگر دل ان کے مطلب کی طرف نہ جا رہا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی آدمی چند زبانیں جانتا ہو تو مادری زبان جو ہوگی اس میں ذہن ایک دم مطلب کی طرف جاتا ہے خواہ یہ بھی ذہن میں نہ رہے کہ الفاظ کیا بولے گئے اور غیر مادری زبان چاہے وہ اس میں ماہر ہی کیوں نہ ہو تب بھی اولاً ذہن الفاظ پہ جائے گا پھر مقصد اور مطلب پہ پہنچے گا اسی لیے کسی بھی زبان کو آسان کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ اس کا استعمال اور مشق ہے جتنی یہ رہی گی اتنی ہی وہ زبان آسان ہوتی چلی جائے گی۔ اِنْ اُرِيْدُ الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَنْطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ط

ہر کہ خواند دعا صبح دارم

زانکہ من بندہ گنہ گارم

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح
محمد زاہد مظاہری

مدرسہ رحمة للعلمین ترفوہ

کچھ ضوء المستنیر کے بارے میں

- ۱- بندہ نے اپنی اس شرح میں قدیم طرز اور انداز تشریح چھوڑ کر جدید ایسا طرز اختیار کیا ہے کہ گو مظرّف وہی رہے لیکن ظرف بدل جائے انہی قدیم باتوں کو ایسے نئے انداز سے بیان کیا ہے کہ قواعد سے انیسیت کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال کی طرف بھی طبیعت راغب ہو اور ان کے سیکھنے جاننے کا جذبہ بیدار ہو۔
- ۲- اگر کسی قاعدہ کے استعمال کی تمام صورتوں کا ذکر کتاب میں نہیں ہے تب بھی تمام صورتوں کے لانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہی راز ہے میرے ”حل عبارت“ کے بجائے ”حل مضمون“ کا عنوان دینے میں گویا فنی حل پیش کرنے کی کوشش ہے فقط عبارت کے حل پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔
- ۳- نوحیمیر کے جو مضامین ”ہدلیۃ النوح“، کافیہ، شرح جامی، میں آئے ہیں ان کے حل کیلئے بھی الحمد للہ یہ شرح پورے طور پر کارآمد بلکہ بصیرت افروز بنے گی۔ انشاء اللہ۔
- ۴- منجملہ فضل الہی کے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اس شرح میں لکھا ہے وہ محقق اور تجربہ کی میزان میں موزون ہے۔ ایک دو جگہ جو مجھے شک تھو تحقیق لگیں ان کا میں نے اسی جگہ پر اظہار کر دیا ہے۔
- ۵- جو نقص یا خامی اس شرح میں ارباب فن کو نظر آوے گی بندہ عجز و نیاز بھد شکر یہ اس کو قبول کر کے تصحیح کی طرف توجہ دے گا۔
- ۶- اس پر مسرت موقع احقر اپنے والدین تمام اساتذہ کرام اور وہ تمام مدارس جو درسایا تدریساً میرے مادر علمی ہیں اور دوست و احباب و متعلقین اور اس کتاب کی اشاعت کا ذریعہ ہونے والے سب کی نیت کر کے اللہ رب العالمین سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس علمی خدمت کو قبول فرما کر اور اس کی نافعیت کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھ کر ہم سب کے لئے فسی الدیبا حسنة و فسی الآخروہ حسنة (فلاح دارین) کا ذریعہ بنائے۔

فیار بنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب الرحيم

و آحر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

وصلی اللہ تعالیٰ علی حیر خلقہ محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

محمد زاہد عفی عنہ

رقم الاتصال: ۹۷۱۹۴۲۵۶۷۰

۴ / رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

مطابق ۱۷ جون ۲۰۱۰ م یوم الخمیس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِضَائِلَ النُّجُوْمِ مِثْلَ فِضَائِلِ لُغَةِ الضَّادِ وَالصَّلٰوَةِ وَالسَّلَامِ
عَلٰی مَنْ حَتَّ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی تَعْلِمِهَا فِیْ اٰیِّ بَلَدٍ كَانَ مِنَ الْبِلَادِ. وَاخْبَرَهُمْ بِاَنَّهَا لُغَةُ
اَهْلِ الْجَنَانِ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَّةِ الْكِرَامِ: اَمَّا بَعْدُ

کتاب کس روز شروع کی جائے؟

شریعت نے زمان و مکان میں درجات کے اعتبار سے تفاوت اور پین فرق مانا ہے اور جیسے بعض جگہیں دوسری بعض سے افضل اور زائد مرتبہ رکھتی ہیں ایسے ہی بعض اوقات دوسرے بعض اوقات سے زائد اہمیت رکھتے ہیں آپس میں جگہوں کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کی مثال تو مشہور ہے کہ محلہ کی مسجد میں جماعت سے نماز کا درجہ پچیس درجے ہے جبکہ جامع مسجد میں پانچ سو درجے ہے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں پچاس ہزار ہے اور مسجد نبوی میں بھی پچاس ہزار ہے اور مسجد مکہ یعنی مسجد حرام میں ایک لاکھ ہے، اور زمانوں میں ایک دوسرے سے بڑے چڑھے ہونے کی مثالیں، رمضان، شب قدر، شب جمعہ اور جمعہ کا دن میلۃ العیدین شب براءت اور ذی الحجہ کے اول دن دن مع راتوں کے وغیرہ وغیرہ کافی مثالیں ہیں ان میں سے ہی ہفتہ کے ایام بھی ہیں چونکہ یہ فضیلتیں حدیث سے ثابت ہیں اس لئے علماء نے ہر زمانہ میں اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ کتاب کا افتتاح کسی خاص دن سے کیا جاوے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے: **مِمَّا مِنْ شَيْءٍ بُدِيَ فِي يَوْمِ الْاَرْبَعَاءِ اِلَّا وَقَدْ تَمَّ** (کہ جو بھی چیز بدھ کے روز شروع کی جاوے تو وہ پایہ تکمیل کو پہنچ کر رہتی ہے) اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحب ہدایہ کا معمول کتابوں کے بدھ کے روز شروع کرانے کا رہا ہے ایسے ہی پیر کے متعلق ارشاد ہے کہ طلب علم پیر کے روز کرو یہ چیز طالب علم کیلئے آسانی پیدا کرنے والی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **اُطْلُبُوا الْعِلْمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَاِنَّهُ مَيْسَرٌ لِطَالِبِهِ** اور پنجشنبہ کے متعلق بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں لہذا خالق کائنات کی ودیعت کردہ برکت و فضیلت حاصل کرنے کے لئے اگر کسی خاص دن میں شروع کرانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ بھی بجائے خود ایک اہم اور شریعت کی بات ہے جس سے علم میں نور و برکات کا ظہور ہی ہوگا، اور طلب علم میں آسانی میسر آئے گی۔

مصنف نحو میر کے حالات مع وجہ تسمیہ نحو میر

نحو میر کا لفظی ترجمہ ہے ”میر کی نحو“ ایسے ہی ایک کتاب ”صرف میر“ ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے میر کی صرف مصنف کو چونکہ میر کہا جاتا تھا اس لئے اسی لفظ کے ساتھ انہوں نے اپنی کتابوں کا نام رکھ ڈالا جیسے نحو میر، صرف میر، میر قطبی، میر ایسا نحو جی در اصل میر بمعنی امیر اور سردار کے آتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ لفظ مرزا کا مخفف ہو اور مرزا مخفف ہے امیر زادہ کا بمعنی امیر اور بادشاہ یا نواب کا لڑکا بہر حال میر ملک ایران میں جہاں کے مصنف ہیں سیدوں کا اعزازی لقب ہے تو خاندانِ سادات سے ہونے کی وجہ سے آپ کا لقب میر پڑ گیا اور اسی لقب کو شامل کر کے آپ کی بعض تصانیف کردہ کتابوں کا نام ہو گیا پھر چونکہ نحو میر فنِ نحو میں ہے اس لئے اس کا نام ”نحو میر“ اور صرف میر میں علم صرف کا بیان ہے اس کا نام ”صرف میر“ رکھ دیا یعنی میر کی نحو، میر کی صرف اسی لئے ان کا صحیح تلفظ مضاف مضاف الیہ کے ساتھ بنے گا اور مضاف کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا بہر حال نحو میر کے مصنف ملک فارس (ایران) کے اندر ایک مقام جرجان ہے کے رہنے والے تھے اسی لئے آپ کو جرجانی بھی کہتے ہیں اور آپ کی زیادہ شہرت میر سید شریف جرجانی اور ”سید السند“ کے لقب سے ہے۔ دوسرے لقب سے ملقب ہونے کی وجہ صراحتہ معلوم نہ ہو سکی۔ تاہم ذہن یہ کہتا ہے کہ اصل پورا لفظ سید محققین و سند المدققین ہو گا جیسا کہ یہ لفظ کہیں کہیں حاشیہ شرح جامی میں آتا ہے اور اس سے مراد سید شریف ہی ہوتے ہوں پھر تحقیقا شروع کے دونوں لفظوں کو ملا کر سید السند کہنے لگے ہوں گے۔

حادثہ۔ محقق وہ شخص کہلاتا ہے جس کو کسی بات کی دلیل بھی معلوم ہو اور اگر دلیل کی بھی دلیل دے سکے تو اس کو مدقق کہتے ہیں۔ آپ کا نام نامی اسم کرامی علی بن محمد بن علی ہے ۲۲ شعبان ۷۴۰ھ میں اس عالم آب و گل میں آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے تقریباً پچھتر ۷۵ سال سات ماہ چودہ روز اس فانی دنیا میں رہ کر چھ ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ بروز چہار شنبہ کو عالم جاودانی کی طرف منتقل ہو گئے مرتے وقت انہوں نے اپنے بیٹے کو بایں الفاظ وصیت فرمائی تھی۔

نصیحت ہمیں است جان پدر ❀ کہ عمرت عزیز است ضائع کن

ترجمہ۔ یہی نصیحت ہے تجھ کو اے باپ کی جان، کہ عمر تیری بے حد قیمتی ہے برباد نہ کیجئے۔

صاحبِ نحو میر اپنے زمانہ کے ان عظیم الشان اور جلیل القدر لوگوں میں سے ہوئے ہیں جو اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کی وجہ سے مقبول عام و خاص اور ہر خورد و کلاں کی زباں پر جن کا تذکرہ ہوتا ہے، پوری زندگی پڑھنا لکھنا ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا بنا رہا ہے پہلے شوق اور دلچسپی سے علم حاصل کیا جس کا نمونہ درج ذیل ہے۔

کہ ”لوامح الاسرار جو مطالع الانوار“ کی شرح ہے اور فنِ منطق اور حکمت میں ایک شاندار کتاب ہے اور امام قطب الدین رازی جو قطبی کے مصنف ہیں کی تصنیف ہے اس کا مطالعہ سولہ دفعہ فرما کر بھی آتش شوق بجائے بچھنے کے جب تیز ہو گئی تو دل میں یہ شوق اور ولولہ پیدا ہوا کہ یہ کتاب (لوامح الاسرار) اور قطبی خود ان کے مصنف سے ہی پڑھوں گا لآن صاحب البیت

اُذْرِي بِمَا لِيْهِ اور "تصنيف رامعنف نيكو كند بران" چنانچہ ان دونوں کتابوں کے مصنف امام قطب الدین رازی کی خدمت میں ہر آٹھ بجے جب موصوف مصنف سے ملاقات ہوئی تو وہ پیر فرقت ہو چکے تھے اسلئے انہوں نے اپنے بڑھاپے کا عذر کیا کہ تم کو پڑھانے کیلئے جس محنت کی ضرورت ہے وہ مجھ سے نہیں ہو سکتی مگر آپ کے ذوق و شوق اور ذہانت و قابلیت کو جب دیکھا تو علامہ قطب الدین نے رد کرنے کے بجائے یہ فرمایا کہ مصر میں میرے ایک شاگرد مولیٰ مبارک شاہ ہے جو تمہیں میری کتاب اسی طرح پڑھا سکتا ہے جیسا کہ جوانی میں میں نے اسے پڑھائی تھی چنانچہ مبارک شاہ کے نام خط دے کر ان کو روانہ کر دیا چنانچہ میر سید شریف مصر پہنچے اور ساتھ میں موجود سفارشی خط مبارک شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا اس خط کی وجہ سے ان کو داخل درس تو کر لیا مگر صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت ملی پوچھنے اور عبارت پڑھنے کی اجازت نہ دی اتفاقاً ایک رات مبارک شاہ اپنے مکان سے نکل کر جو مدرسہ ہی کے متصل تھا صحن مدرسہ میں چھل قدمی کر رہے تھے صاحبِ نحو میر جس کمرہ میں تکرار کر رہے تھے اس سے مبارک شاہ نے یہ آواز سنی کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ تقریر کی ہے اور اسٹاڈنٹوں بتایا ہے اور میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے اپنے گرد و نواح کے ماحول سے بے خبر اپنے خیال میں مست ہر مسئلہ پر بحث کر کے آخر میں اپنا فیصلہ دیتے جاتے تھے اس منظر کو دیکھ کر مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سننے لگے صاحبِ نحو میر کی تقریر کا انداز بیان اتنا دلچسپ تھا کہ "لِحَقِّقًا الْبُهْجَةُ وَالسُّرُورُ بِحَيْثُ رَقَصَ فِيْ فِنَاءِ الْمَعْرُومَةِ" مبارک شاہ وجد میں آگئے یعنی جھوم گئے اور صحن مدرسہ میں تاپتے لگے، اور اس قدر تاثر لیا کہ پھر صاحبِ نحو میر کو پوچھنے اور عبارت پڑھنے کی بھی اجازت دیدینی پڑی یہ تو آپ کی طالب علمی کا حال تھا فراغت کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے اور قلم و قرطاس سے پوری زندگی وابستہ رہے جس کے نتیجے میں پچاس سے زیادہ کتابیں وجود میں آئی جن میں سے صفحہ، کبریٰ، صرف میر، نحو میر جو درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہیں آپ ہی کی لکھی ہوئی ہیں ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

علمِ نحو کیوں وجود میں آیا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک دیہاتی شخص آیا دار کہا کہ ہے کوئی جو مجھے اس کلام کو سکھا دے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں سکھاؤں گا چنانچہ سورہ توبہ کی چند آیتیں بتائی جب آیتان اللہ باری من المشرکین ورسولہ پر پہنچا تو رسول اللہ کے بجائے رسول اللہ کے ساتھ پڑھ دیا یعنی بجائے اللہ سے جوڑنے کے المشرکین پر عطف سمجھ کر زیر پڑھ دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ مشرکوں اور رسول سے بیزار ہے حالانکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ بھی اور اس کا رسول بھی دونوں مشرکوں سے بیزار ہیں جس پر اعرابی نے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں بھی ایسے رسول سے بری ہوں حضرت عمرؓ کو جب واقعہ معلوم ہوا تو بلا کر فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہر حال اس واقعہ سے متاثر ہو کر جب حضرت عمرؓ نے عربی زبان کے بگڑ جانے کا خطرہ محسوس کیا تو حضرت

ابوالاسود دویلی کو عربی زبان کے قواعد بنانے کا حکم دیا اور ان قواعد کا نام ”علم نوح“ رکھا گیا۔

تنبیہ۔ آیت قرآن میں ورسولہ مرفوع ہے اللہ کے محل بعید پر عطف کی وجہ سے، کیوں کہ ظاہری حالت میں اللہ ان کا اسم ہونے سے منصوب ہے اور یہ لفظ اللہ کا اعراب کے اعتبار سے محل تریب ہے لیکن ان کے اسم و خبر در حقیقت پہلے مبتدا خبر تھے اس وجہ سے لفظ اللہ بوجہ مبتدا ہونے کے محل رفع میں بھی ہے اس لحاظ سے رسولہ کا اس پر جب عطف کیا تو مرفوع پڑھا گیا اور یہ عربی میں خوب چلتا ہے۔

فضائل علم نوح

علم نوح جاننے کے وہی فضائل ہیں جو خود عربی زبان کے ہیں کیونکہ عربی زبان سمجھنے کا ذریعہ خاص طور سے علم نوح ہی ہے، قرآن ناطق ہے انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون کہ ہم نے قرآن عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھو احادیث میں عربی زبان کے فضائل کچھ اس طرح ہیں: (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو شخص عربی زبان بولنا جانتا ہے اسے چاہئے کہ عربی میں ہی گفتگو کرے کیونکہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے (۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عربی زبان سیکھو کہ یہ امور دینیہ میں سے ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہر مملکت اور سلطنت کے لئے ایک خاص زبان ہوتی ہے جو اس کے شعبوں اور محکموں میں چلتی ہے اور اسی میں احکام صادر ہوتے ہیں اور مملکت اسلامیہ کی زبان عربی ہے (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب والوں سے تین وجہ سے محبت کرو: (۱) اسلئے کہ میں عربی ہوں (۲) لوح محفوظ کی زبان عربی ہے چونکہ قرآن عربی میں ہے جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے (۳) قرآن و حدیث کے حقائق و اسرار و معارف عربی زبان پر موقوف ہیں اسی لئے علماء نے علم نوح اور عربی زبان کا سیکھنا فرض کفایہ بتلایا ہے، عربی زبان سیکھنے کے دو اہم فائدہ اور بھی ہیں (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ملائکہ سے مشابہت اور حدیث ہے مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو جن جیسا بنے گا وہ ان میں سے ہی ہوگا (۲) عربی زبان والا ان تمام فوائد کا اور فضائل کا مستحق ہو جاتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب والوں کیلئے بیان فرمائے ہیں، آقائے نامدار سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب والوں کو فرمایا اے لوگو! رب ایک ہے، دین ایک ہے، قرآن ایک ہے، عربی زبان تمہارے ماں باپ سے نہیں ہے بلکہ خدا کی برگزیدہ زبان ہے مطلب یہ ہے کہ زبان تمہاری میراث نہیں ہے اور اس کے ذریعہ تمہیں دوسروں پر فخر اور تکبر نہ کرنا چاہئے اور جو چاہے اسے سمجھ سکتا ہے سیکھ سکتا ہے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا اہل عرب سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔

علم نحو کی تعریف، موضوع، غرض و غایت

نحو کے معنی ہے جانب، طرف، راستہ، ارادہ کیونکہ علم نحو کلمہ کو زبان کے معاملہ میں عرب کے راستہ اور طریقے پر چلنا سکھاتا ہے اس لئے اس کو علم نحو کہا گیا۔ اصطلاح میں علم نحو وہ علم کہلاتا ہے جس کے ذریعہ عربی زبان کے ان قواعد کو جان لیا جاوے جن سے یہ معلوم ہو جاوے کہ آپس میں کلمات کیسے جڑیں گے اور ان کے آخر میں زبر زیر پیش میں سے کیا حرکت دے کے پڑھنا ہے۔

علم نحو کا موضوع

کسی بھی علم اور فن میں جس چیز سے بحث کی جاتی ہے وہی چیز اس کا موضوع کہلاتی ہے مثلاً ڈاکٹر حضرات انسان کے جسم سے بحث کرتے ہیں باعتبار صحت و مرض کے اور کاشتکار کھیت سے بڑھی لکڑی سے اس سے کیا اور کس طرح بنانا ہے، تو اسی طرح نحوی حضرات کلمہ اور کلام سے بحث کرتے ہیں کہ کلمہ اسم ہے یا فعل یا حرف نیز معرفہ نکرہ ہے واحد ہے جمع ہے مذکر ہے مؤنث ہے اور ایسے ہی کلام سے جس کا دوسرا نام جملہ بھی ہے تو دیکھتے ہیں اسمیہ ہے یا فعلیہ خبریہ ہے یا انشائیہ وغیرہ وغیرہ تو علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔

سوال: علم صرف کا موضوع بھی یہی کلمہ اور کلام ہیں؟

جواب: الگ الگ اعتبار سے ہر ایک کا موضوع ہے مثلاً انسان علم طب کا بھی موضوع ہے اور علم فقہ کا بھی لیکن طب میں صحت و بیماری کے اعتبار سے اور فقہ میں اعمال اور افعال کے اعتبار سے کہ انسان کا کونسا عمل حرام ہے اور کون سا جائز ہے ایسے ہی کلمہ اور کلام سے صرفی کی بحث اشتقاق کے اعتبار سے ہے کہ یہ کلمہ کس کلمہ سے نکلا اور بنا ہے مثلاً خُورَجٌ خُورَجٌ مصدر سے بنا ہے ضروب ضروب مصدر سے بنا ہے پھر مضارع ماضی سے بنتے ہیں اور امر و نہی مضارع سے بنتے ہیں نیز اسم فاعل و اسم مفعول بھی مضارع معروف و مجہول سے بنتے ہیں ایسے ہی یہ کلمہ کیا صیغہ ہے واحد کا تشبیہ کا جمع کا پھر مذکر کا یا مؤنث کا پھر ناصب کا یا حاضر کا اور نحو کی بحث کلمہ اور کلام باعتبار آخر کے ہوتی ہے کہ اخیر میں ضمہ، فتح، کسرہ کیا پڑھتا ہے اور جب ترکیب دیں گے تو فعل فاعل کون مقدم مؤخر ہوگا بہر حال کلمہ اور کلام علم نحو اور صرف کا دونوں ہی کا موضوع ہے مگر حیثیت کا فرق ہے کہ نحوی اور اعتبار سے بحث کرے گا صرفی اور اعتبار سے۔

علم نحو کی غرض

کسی چیز کی غایت و غرض وہ کہلاتی ہے جو اس کے کرنے کا نتیجہ اور فائدہ ہوتا ہے تو ہمیں علم نحو پڑھنے اور جاننے

سے کیا ملے گا تو بتایا جا چکا ہے کہ جو عربی زبان کے فضائل ہیں وہی علمِ نحو کے ہیں کیونکہ کسی چیز کا ذریعہ بھی اصل کا حکم رکھتا ہے لہذا علمِ نحو سیکھنے سکھانے پر بھی وہی فضیلتیں ہیں جو عربی زبان پر ہیں اور عربی زبان سیکھ کر دراصل قرآن و حدیث سمجھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے اور خوشنودی رب العلمین حاصل کرنا ہے، یہ تو اصلی غرض ہے لیکن یہ غرض اصلی علمِ نحو پر موقوف ہے کیونکہ علمِ نحو ہمیں پہلے صحیح عربی بولنی لکھنی پڑھنی سکھائے گا جس سے ہم قرآن و حدیث سمجھیں گے تو اب اصل مقصد علمِ نحو سے صحیح عربی پر قادر ہونا ہے تاکہ اہل زبان کی طرح ہم بھی براہِ راست خدا اور نبی کے کلام کو سمجھ لیں اور پھر اس پر عمل کر کے خدا کو راضی کر لیں۔

بہر حال عربی زبان وہ ہے کہ جس پر دین اور دنیا دونوں کی ترقی کا مدار ہے اور پھر اس کے سیکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ دو علم ہیں علمِ صرف، علمِ نحو اور ان دو میں بھی علمِ نحو کا سب سے اعلیٰ مقام ہے اور دونوں ہی فنِ محنت کو چاہتے ہیں اول میں رشا اور حفظ ضروری ہے دوسرے میں سمجھنا اور لکنا پڑنا بہت زیادہ پڑتا ہے کسی نے دونوں فنوں سے متعلق کیا ہی عمدہ شعر کہا ہے

صرفیاں را مغز باید چوں سگان نحویاں را مغز باید چوں شہاں

کہ صرفیوں کو کتوں جیسا دماغ چاہئے جب کہ نحویوں کو بادشاہوں جیسا دماغ درکار ہوتا ہے

دعا افتتاح کتاب: اَللّٰهُمَّ رَبِّ يَسْرٍ وَلَا تَعْسَرَ وَلَا تَقْصُرْ وَلَا تَنْقُصْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ يَا فَتَّاحُ وَبِكَ نَسْتَعِينُ

دعا اختتام کتاب: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا يَسُرُّتْ عَلَيْنَا مِنْ اِتِّمَامِ هٰذَا الْكِتَابِ فَمَا رَبَّنَا تَقْبَلُ مِنَّا

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبَّ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ

وَسَلِّمْ عَلٰى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سبق اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ
مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ اَجْمَعِیْنَ.

ترجمہ: ایسے اللہ کے نام سے جو سب پر یا ہر کسی پر (رحمت والا) ہے اور پورا پورا مہربان ہے شروع کرتا ہوں۔
سب تعریفیں ایسے اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور اچھا انجام (جنت) متقیوں کے لئے ہے اور
درد (رحمت کاملہ) اور سلامتی ہو اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی تمام (ایمانی) کتبہ پر یعنی
تمام مؤمنین و مؤمنات پر

حل مضمون:۔ اہل جاہلیت اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے اس رسم کے مٹانے کے لئے قرآن کی
سب سے پہلی آیت اقرا باسم ربک میں اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا علاوہ قرآن کے دوسری آسمانی کتابیں بھی
بسم اللہ سے شروع کی گئی ہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم تو قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے
ہے مگر بعض نے دونوں قولوں کو بھی طرح جمع کیا ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرنا تو تمام آسمانی کتابوں میں ہے البتہ الفاظ بسم
اللہ الرحمن الرحیم قرآن کی خصوصیت ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باسمک اللہ کہتے اور کہتے تھے
بسم اللہ کے نازل ہونے کے بعد اسی کے الفاظ کو اختیار فرمایا اور ہمیشہ کیلئے یہی سنت ہو گیا اور قرآن وحدیث میں بسم اللہ ہی سے
شروع کرنے کا حکم ہے اور اس کام کو ناقص قرار دیا ہے جس کے اول میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔

ہر کام میں بسم اللہ کا فائدہ: مذہب اسلام نے ہر چھوٹے بڑے کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم دے کر در
اصل انسان کا رخ اپنے اس خالق و مالک کی طرف پھیر دیا ہے کہ جس کی مدد کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پاسکتا اس کا نام لیکے کسی
کام کو شروع کرنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں (۱) اس کی مدد لینا (۲) دنیوی کام کا بھی دینی کام بن جانا اور گویا بسم اللہ
ایک ایسا نسخہ کیما ہے جس سے خاک کا بھی سونا بن جاتا ہے چنانچہ کافر بھی کھاتا پیتا ہے مسلمان بھی مگر مسلمان اپنے لقمہ سے پہلے
بسم اللہ کہہ کر اپنے مالک سے وفاداری برتا ہے اور اس کے احسان کو مان کر بطور شکر یہ اس کا نام لیتا ہے کافر اپنے محسن کو ذہن میں
نہیں رکھتا اسلام کی یہ ایسی تعلیم ہے کہ جس سے بندہ کو ہر وقت اپنے اللہ اور خدا کا استحضار رہتا ہے اور گویا وہ ہر وقت عبادت میں
ہے لِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَتَعْلِمَاتِهِ الْاٰنِیْقَةِ.

بسم اللہ: اس کلمہ میں تین لفظ ہیں (۱) باء (۲) اسم (۳) اللہ

حرف باء کے یہاں تین معنی چل سکتے ہیں (۱) مصاحبت بمعنی ساتھ ہونا (۲) استعانت بمعنی مدد لینا (۳) تبرک یعنی برکت لینا۔ اب تین ترجمے کئے جاسکتے ہیں، اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے نام کی مدد (لیکر)، اللہ کے نام کی برکت سے، لیکن اللہ کے نام سے کرنا کیا ہے وہ صرف ذہن میں ہوتا ہے جس کام سے پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہ ہی فعل اور صیغہ باء سے پہلے مانا جانا عقل کا تقاضہ ہے چنانچہ لکھنے سے پہلے اکتُب اور پڑھنے سے پہلے اَقْرَأ اور کھانے سے پہلے اءْ کُلْ تو جیسا کام ہوگا ویسا فعل محذوف مانا جاسکتا ہے اور اگر اَشْرَعُ یا اَبْدُءُ مانو کہ شروع کرنا ہوں تو یہ سب میں چل جائے گا، علماء نے لکھا ہے کہ باء کو جس فعل کے متعلق کرنا ہے اسے بعد میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے محذوف ماننا چاہئے یہ اس لئے تاکہ اللہ کا نام اول ہی لیا جانا پایا جاوے اور باء متعلق مقدم بن جائے گا۔

سوال: لفظ اللہ سے پہلے تو باء اور اسم دو لفظ آگئے اللہ بالکل شروع میں کہاں رہا؟

جواب: عربی زبان کے بولے جانے کے قواعد کے لحاظ سے ان کے پہلے آنے کی مجبوری ہے۔

تاہم حضرت عثمانؓ نے جو قرآن تیار کر لیا تھا اس میں صحابہ کرام کے اجماع و اتفاق سے یہ رعایت کی گئی ہے کہ لفظ اللہ سے پہلے کم سے کم لفظ آویں چنانچہ باء کو سین سے ملا کر لکھتے ہیں اور اسم کی ہمزہ جو بصورت الف ہے ختم کر دی گئی اور باء کو لفظ اسم کا جزء بنا دیا اور بیچ سے ہمزہ حذف کر کے باء کو سین سے ملا کر لکھنا یہ صرف بسم اللہ کی خصوصیت ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لفظ اللہ سے ابتداء کی صورت بن جاوے ورنہ اقرأ باسم ربک اور دیگر موقعوں میں باء کے بعد ہمزہ بھی لکھا جائے گا جیسا کہ مصحف عثمانی میں ہے، صاحب کشف نے لکھا ہے کہ حذف شدہ ہمزہ کے بدلہ میں ہی باء کو اونچا کر کے لکھتے ہیں اسلئے بسم اللہ کی باء اوپر کی طرف طول دے کے لکھتے ہیں اور لکھنا چاہئے چنانچہ علامہ مذکور نے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے کاتب کو یہی حکم دیتے تھے۔

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ: ان دونوں لفظوں میں مبالغہ اور زیادتی کے معنی ہیں یعنی بہت زیادہ کا لفظ ترجمہ میں لگے گا اور بہت مہربان انتہائی رحم والا ترجمہ کرتے ہیں مگر ان کا یہ ترجمہ ان کے صحیح مفہوم کو حاوی نہیں ہے کیونکہ رحمن کے اصل معنی عام الرحمة کے ہیں اور رحیم کے معنی تام الرحمة کے ہیں۔ عام الرحمة کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہر کسی پر ہے کوئی بھی اس کی رحمت سے خالی نہیں اور تام الرحمة کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت پوری پوری ہے کامل اور مکمل ہے اس لئے رحمن اور رحیم کا مشہور ترجمہ جو اوپر آیا اس کے بجائے اگر یہ کیا جائے جو سب پر مہربان ہے اور پورا پورا مہربان ہے تو یہ ترجمہ زیادہ دہدیر اور پسندیدہ لگتا ہے۔

پھر رحمن کا لفظ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور پر نہیں بول سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس کی رحمت سے دنیا کی کوئی چیز خالی نہ رہے سب پر اس کی رحمت ہو اسی لئے لفظ رحمن کا شنیع جمع بھی نہیں آتا وہ صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے دوسرا تیسرا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں البتہ رحیم غیر اللہ کو بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ رحیم والے معنی مخلوق میں سے کسی کے لئے ہونا ممکن ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی پر پوری پوری رحمت اور ہمدردی دکھاوے، یہی وجہ ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قرآن میں یہ لفظ بولا گیا ہے بالمؤمنین رؤف رحیم۔ بعض نے رحمٰن اور رحیم میں یہ فرق بتایا کہ دنیا و آخرت دونوں میں مہربان کو رحمٰن کہتے ہیں اور صرف آخرت کے لحاظ سے مہربان ہونے کو رحیم کہتے ہیں چونکہ آخرت میں اللہ کی مہربانی صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی کفار و مشرکین اس کے مستحق نہ ہوں گے اس لحاظ سے تو اللہ کو رحیم کہا گیا ہے اور دنیا میں بھی چونکہ وہ مہربان ہے کافروں کو بھی دیر ہا ہے اس لئے وہ دونوں جگہ رحمت والا ہے اس لئے وہ رحمن بھی ہے۔ لفظ اللہ کی دونوں صفتیں رحمت والا لاکر اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی صفت رحمت سب سے مقدم ہے چنانچہ حدیث میں ہے سبقت رحمنی علی غضبی (کہ میری رحمت میرے غصہ سے مقدم ہے) اور اصل اللہ کا ارادہ اپنی رحمت سے نوازنے کا ہے لہذا یہ کہ بندہ ہی بھاگے

اس کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب پر ﴿﴾ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا تیسرا قول یہ ہے کہ رحمٰن میں رحیم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے اس معنی کر کہ رحمٰن وہ ہے جو نعم جلیلة عطا کرے اور رحیم جو نعم حقیقہ دیوے چوں کہ آخرت کی نعمتیں دنیوی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت زبردست ہوں گی اور کبھی فنا نہ ہوں گی اس لئے رحمٰن بڑی نعمتوں کے عطا کنندہ کو اور رحیم چھوٹی نعمتوں کے عطا کنندہ کو کہیں گے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسے اللہ کے نام سے جو چھوٹی بڑی نعمتوں کا دہندہ ہے۔

رحمن رحیم رحمت سے مشتق ہیں جس کے معنی رشت قلبی (دل کا نرم ہونا) کے ہیں اور رقیق القلب ہونا انسانوں کا کام ہے اللہ اس سے بری ہے اس لئے یہاں ایسے معنی مراد لیں گے جو اللہ کے حق میں صحیح ہوں اور وہ ہے رقت قلبی کا متقضا یعنی احسان اور مہربانی کرنا اور اللہ کے منعم و محسن ہونے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ: الف لام الحمد میں جہاں کہیں بھی ہوتی طرح کا مان سکتے ہیں: (۱) استغراقی (۲) جنسی (۳) عہد خارجی چوتھی قسم عہد ذہنی کا ماننا، یہاں درست نہ ہوگا جیسا کہ بتائیں گے، استغراق کے معنی گھیر لینے کے آتے ہیں اگر اس چیز سے جس پر الف لام داخل ہے تمام افراد مراد لئے جاویں تو وہاں الف لام استغراقی ہوتا ہے چنانچہ یہاں حمد سے اگر سب تعریفیں مراد لیں اور ترجمہ کریں کہ سب حمدیں یا ہر حمد اللہ کے لئے ہے تو یہ الف لام استغراقی کا ترجمہ ہوگا، اور جنس بمعنی نوع اور قسم کے آتے ہیں جہاں الف لام کے مدخول سے اس کی جنس اور لائن کی ہر چیز مراد لی جائے تو وہاں الف لام جنسی ہوتا ہے چنانچہ اس شکل میں ترجمہ ہوگا حمد کی طرح کی یا حمد کی لائن کی ہر چیز اللہ کے لئے ہے دنیا میں جہاں کہیں کسی کی تعریف ہوتی ہے وہ درحقیقت اللہ ہی کی بنتی ہے اور جیسے مصنوع کی تعریف کرنے سے درپردہ صالح اور کارگیر کی تعریف پائی جاتی ہے اسی طرح مخلوق اور اس کی مصنوعات کی تعریف حقیقۃً اللہ ہی کی ہے اس لئے سب حمدوں اور حمد کی طرح سب چیزوں کا مستحق اللہ ہی کو کہنا بجا ہے، (۳) الف لام عہد خارجی وہ ہوتا ہے کہ جس کے مدخول سے خارج اور باہر کی دنیا میں طے شدہ اور متعین چیز مراد ہو چنانچہ یہاں الحمد میں حمد سے وہ تعریف مراد ہے جو اللہ نے خود آپ اپنی کی ہے۔

سوال: یہ ہے کہ کہاں ہے وہ حمد جو خود اللہ نے اپنے آپ اپنی کی ہے؟

جواب: علماء نے بتایا کہ وہ وہ حمد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: **لِيْلِيْلِهِ السَّمْعُ ذَاتُ السَّمَوَاتِ وَذَاتُ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكَهَّ الْكِبْرِيَا وَيُحْيِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ط** جو پ ۲۵ کی آخری آیت ہے۔
 رہا الف لام مہد ذہنی وہ چونکہ کمرہ کے حکم میں ہوتا ہے وہ یہاں ماننا درست نہ ہوگا کیونکہ الف لام مہد ذہنی کے مدخل سے لاطلی العین کوئی ایک فرد مراد ہوتا ہے تو اب ترجمہ یہ ہوگا کہ کوئی ایک تعریف اللہ کے لئے ہے جس کا استبعاد کسی پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ: اللہ اسم ذاتی ہے باقی سب نام صفاتی کہلاتے ہیں اصل نام جو بھی کسی کا ہو وہ ذاتی کہلاتا ہے بعد میں لکھ پڑھ کر جیسے حافظ، قاری، مولوی، مفتی، یا مستری یا ڈاکٹر، حکیم جو کسی کو نام ملتا ہے وہ صلتی کہلاتا ہے کیونکہ اس صفت یا خوبی کے آنے پر وہ نام اسے ملا ہے، بعض ملانے اللہ کو اسم اعظم بتایا ہے اور یہ لفظ سوائے خدا کے کسی دوسرے پر نہیں بول سکتے اور نہ اس کا تشبیہ جمع آتا ہے لان اللہ واحد لا شریک لہ ہر خوبی سے مالا مال اور ہر عیب سے پاک ذات اور جس سے پوری دنیا قائم ہے اللہ کہلاتی ہے۔

ذَب: اسم قائل ہے ذاب تہا و حرف ایک جنس کے جمع ہونے کی وجہ سے اوغام درکار تھا باء اول جب ساکن کیا الف اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر گیا اور ادغام کر دیا اور بمعنی پالنے والا ہے اور صفت مشبہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ صفت مشبہ کے اوزان میں یہ وزن بھی ہے جو ذَب کا ہے اب یہ اپنے حال پہ ہے تظلیل نہیں ہوگی۔ (کذانی ہاش اور الايضاح)

العلمین: الف لام استخراقی ہے عالم کی جمع سالم ہے بمعنی دنیا خانم بقولے چالیس ہزار اور بقولے دیگر اسی ہزار ہیں، پھر عالم سے مراد یا تو اسی عالم کی الگ الگ چیزیں ہیں جیسے فرشتے ایک عالم، جنات ایک، بکریاں الگ، کبوتر الگ وغیرہ اور یہ بھی بعید نہیں کہ مع نظام شمسی و قمری و برق و باراں جیسے یہ عالم ہے جس میں ہم ہیں اسی جیسے اور ہزاروں لاکھوں دوسرے عالم ہوں۔
 (کذانی تفسیر معارف القرآن)

عالم کے اصل معنی وہ چیز جو دوسرے کے لئے علامت ہو یا اس سے دوسری چیز کا علم ہو جائے اسی لئے ماسوی اللہ کو عالم کہتے ہیں کیونکہ عالم سے ذہن اس کے بنانے والے کی طرف جاتا ہے اور مخلوق سے خالق سمجھ میں آتا ہے۔

العاقبة: میں الف لام مہد خارجی ہے کیونکہ اس سے مخصوص عاقبتہ مراد ہے یعنی جنت ورنہ خالی عاقبتہ تو کافروں کے لئے بھی ہے لیکن وہ جہنم ہے۔

لمنتقین: متقی کی جمع سالم ہے اصل معنی متقی کے خدا ترس کے ہیں اور جو خدا ترس ہو گا وہ ہی جنت کے کام کرے گا، ل حرف جر ہے بمعنی لئے کائناتہ محذوف کے متعلق کیا جائے گا۔

والصلوة والسلام: صلاۃ اور صلوة بالالف اور بالواو دونوں طرح لکھا جاتا ہے اور درست ہے، اس کا ترجمہ رحمت اور درود سے کیا جاتا ہے دراصل درود فارسی کا لفظ ہے جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ لفظ قُرْد سے بنا ہے اور قُرْد کے جہاں اور معنی ہیں وہیں رحم، ترس، ہمدردی کے معنی بھی اس کے آتے ہیں اسی سے درومندی کا لفظ بنا ہے جس کے معنی رحمدلی، نیکساری، ہمدردی اور ترس کھانے کے ہیں تو لفظ درود بھی ان ہی معنی میں ہیں جس کا ترجمہ رحمدلی یا رحمت اور ترس کھانے سے ہوگا۔

تحقیق لفظ صلوة: صلوة کا لفظ قرآن و حدیث میں بہت آیا ہے اور مختلف جگہ آنے سے اس کے معنی بھی مقام و موقع کے لحاظ سے الگ الگ مراد ہوتے ہیں چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ کبھی اللہ کے لئے بولا گیا ہے کبھی فرشتوں کے لئے کبھی بندوں کے لئے اور کبھی چرند پرند کے لئے چنانچہ ہو الذی یصلیٰ علیکم و ملائکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور پ ۲۲ رکوع ۳ میں صلوة کو اللہ اور فرشتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اِنَّ اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماً پ ۲۲ رکوع ۴ میں اللہ فرشتے اور بندوں یعنی الملک ایمان سے جوڑا گیا ہے اور اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللہ یُسَبِّحُ لَہُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ و الْاَرْضِ و الطَّیْرِ صَنَعْتَ کُلُّ قَد عَلِمَ صَلَاتُہُ و تَسْبِیْحُہُ پ ۱۸ رکوع ۶ میں پرندوں کی صلوة کا ذکر ہے اب گویا صلوة اللہ فرشتوں، بندوں اور پرندوں چار قسم کی چیزوں کی ہو گئی اللہ کی صلوة سے کیا مراد ہے اور فرشتوں کی صلوة کیا ہوتی ہے بندوں کی صلوة کیا ہے اور چرند پرند کی صلوة سے کیا مراد لیں گے تو اس میں چار صورتیں ہو گئیں اور اسی لحاظ سے صلوة کے چار معنی آنے لگے چنانچہ اللہ کی صلوة سے مراد تو اس کا رحمت بھیجنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم و کرم کرنا ہے اور فرشتوں کی صلوة سے مراد ان کا حضور کے لئے استغفار کرنا ہے یعنی آپ کے لئے دعاء مغفرت کرنا: کما جاء فی القرآن الذین یحملون العرش و من حوالہ یسبحون بحمد ربہم و یؤمنون بہ و یتستغفرون للذین آمنوا پ ۲۲ سورہ مؤمن رکوع ۱، اور بندوں کی صلوة سے مراد حضور پر وہ بندوں کا آپ کے حق میں رحمت کی دعاء کرنا ہے اور چرند پرند کی صلوة سے مراد ان کا اللہ کی تسبیح کرنا ہے اسی لئے لفظ صلوة کے لغتوں میں چار معنی لکھے ہیں: (۱) رحمت (۲) استغفار (۳) دعاء (۴) تسبیح۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو صلوة و سلام بھیجتے ہیں اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

دیکھئے: صاحب کشاف نے پ ۲۲ رکوع ۳ میں ہو الذی یصلیٰ علیکم و ملائکتہ کے تحت لکھا ہے کہ جب مصلیٰ اور نمازی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دھیان اور خیال میں ہوتا ہے کبھی رکوع کرنے میں اور کبھی سجدہ کرنے میں تو اس لفظ کو کبھی مطلقاً دوسرے کا دھیان اور اس کا خیال نیز اس پر مہربانی کرنے کے معنی میں لے لیا گیا اور جیسے بیمار دار اپنے مریض کے دھیان اور دیکھ بھال میں لگا ہوتا ہے یا عورت بچے پر مہربان اور اس کی دیکھ بھال رکھتی ہے کثرت استعمال سے صلیٰ بھی رحمت اور کسی پر رحم اور ترس کھانے کے معنی میں چل پڑا، چنانچہ اسی سے یہ دعاء بھی دی جاتی ہے صلی اللہ علیک کہ اللہ تجھ پر رحم اور مہربانی کرے لہذا حاصل یہ نکلا کہ اللہ کی صلوة اپنے نبی پر وہ اس کا اس پر رحم و کرم اور اپنی حمایت اور مہربانی ہے اور ہے فرشتے وہ خود تو رحم و مہربانی نہیں کر سکتے ہاں اس کی دعاء کر سکتے ہیں نبی کے حق میں بھی جو منجن کے حق میں بھی مثلاً کہہ سکتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی النَّبِیِّ وَ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ تو فرشتوں کی صلوة علی النبی سے مراد ان کا استغفار اور دعاء ہے نبی کے حق میں کہ اے اللہ ہماری طرف سے نبی پر رحم و کرم فرما اور بندوں کی صلوة سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ نبی کے حق میں اللہ سے رحم و کرم کرنے کی فریاد اور دعاء کرتے ہیں گذشتہ سے معلوم ہوا کہ صلوة علی النبی فرشتوں اور مؤمنوں کی ایک ہی طرح کی ہے مگر فرق کرنے کے لئے فرشتوں کی صلوة علی النبی سے مراد ان کا آپ کے لئے استغفار کی دعا کرنا ہے اور بندوں کی صلوة

علی النبی سے مراد رحم و کرم کرنے کی دعاء کرنا ہے کیونکہ قرآن کریم میں پ ۲۳، سورہ مؤمن رکوع نمبر ۱ میں فرشتوں کے لئے ویستغفرون للمؤمنین کے الفاظ ہیں، رہی پرند چرند کی صلاۃ تو وہ ان کی اپنی تسبیح ہے جو اللہ کے لئے کرتے رہتے ہیں۔

پھر صلاۃ کا لفظ عند بعض المفسرین رحمت اور کسی پر ترس کھانا کے معنی سے تعظیم و توقیر کے معنی میں لیا جانے لگا (گو عام مفسرین رحمت اور مہربانی کے معنی ہی لیتے ہیں) چنانچہ امام بخاری نے ابو العالیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلاۃ سے مراد آپ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح و ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ کو نبوت کا تاج عطا فرمایا اور اکثر مواقع اذان و اقامت میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر شامل کر کے آپ کے رتبہ کو بہت اعلیٰ کر دیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا اور آپ کی شریعت پر عمل قیامت تک جاری رکھا اور آپ کی شریعت کی حفاظت کا ذمہ لے لیا اور آخرت میں آپ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کا مقام تمام خلایق سے بلند ہوگا اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ ہوگی آپ کو مقام شفاعت ملے گا جس کو مقام محمود کہتے ہیں۔ (کذابی معارف لقرآن جلد ۷، پ ۲۲)

بہر حال مجھے یہ بتانا ہے کہ صلاۃ کرنے والے چار ہو گئے: (۱) اللہ (۲) فرشتے (۳) مؤمنین (۴) چرند پرند ہر ایک کی صلاۃ اپنے اپنے حساب کی مراد ہوگی جس کی تفصیل آچکی ہے۔

اب یہ اعتراض ہے کہ صلاۃ کے چار معنی ہو گئے اور آیت ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً میں بیک وقت تین کی طرف نسبت کی گئی ہے حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ اللہ کی صلاۃ علی النبی کا مفہوم اور ہے فرشتوں کی صلاۃ علی النبی کا اور مطلب ہے اور بندوں کی صلاۃ علی النبی اور قسم کی ہے تو صلاۃ کا لفظ مشترک لفظ ہو گیا یعنی لفظ ایک اور معنی کئی اور اس طرح کا لفظ جس سے اس کے بیک وقت کئی معنی مراد ہو رہے ہیں لانا ناجائز ہوتا ہے تو آیت میں لفظ مشترک لا کر کیوں ایسا کیا؟

جواب: جہاں کہیں ایسا ہوتا ہے وہاں عموم مجاز اختیار کرتے ہیں یعنی ایسے عام معنی مراد لیتے ہیں جو سب کے حق میں درست ہو جائیں چنانچہ صلاۃ کو ایسے معنی میں لیں گے کہ وہ معنی بحق اللہ اور بحق الملائکہ اور بحق المؤمنین سب کے حق میں ٹھیک بن جائیں اور وہ یہ کہ صلاۃ سے مراد عنایت، توجہ، دیکھ بھال، وہیان، خیال رکھنا، ہمدردی کرنا وغیرہ جیسے مفہوم کو مراد لیں اور مطلب یہ ہے کہ حضور نبی علیہ السلام کا بھی وہیان اور خیال رکھتے ہیں اس سے ہمدردی دکھاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کی ہمدردی اسی طرح کی مراد ہوگی جو اس سے جوڑ کھاتی ہو چنانچہ اللہ کی ہمدردی اور عنایت نبی پر وہ ہے جس کا ذکر ابھی معارف القرآن سے کیا ہے اور فرشتوں کی ہمدردی یہ ہے کہ وہ آپ کے حق میں دعاء اور استغفار کرتے ہیں اور درجات بلند ہونے کی اللہ سے دعاء کرتے ہیں اور یہی مؤمنین کی ہمدردی ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ کہیں ہر ذی روح کا خیال رکھو تو انسان بھی ذی روح ہے جانور بھی لیکن ہر ایک کا خیال اس کے حسب حال ہوگا نہ یہ کہ اگر انسان زردہ پلاؤ کھائیں تو جانوروں کو بھی یہی دینا ہوگا بلکہ ان کا اپنا چارہ دے کر خیال رکھا جائے گا، بہر حال صلاۃ اور درود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے مقام کو نمایاں کیا ہے کہ اور امتیوں کو حکم دیا ہے کہ بذریعہ صلاۃ اور درود حضور سے ہمدردی دکھاتے رہیں اور اللہ کے آپ پر مہربان ہونے کی ہمیشہ دعاء کرتے رہیں تاکہ نبی کا

امت پر جو احسان ہے اس کی حمدانی ہوتی رہی یہ تو مطلب ہو اصلاحاً علی النبی کا۔

اب رہا سلام علی النبی کا اس کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کے اصل معنی امن اور نجات کے آتے ہیں اور تقریباً مغفرت کے لفظ کا بھی یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کا کسی کی گرفت نہ کرنا اور اسے تمام آفتوں سے نجات اور امن دے دینا یہ اس کی مغفرت ہے، تو نبی پر سلام اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی کو آفات اور ہر گرفت سے محفوظ رکھیں گے اور فرشتوں اور بندوں کا سلام علی النبی یہ ہے کہ وہ اللہ سے اس امن اور مغفرت کی آپ کے حق میں اللہ سے دعاء اور التجا کرتے رہیں گے۔ گویا صلوة و سلام میں جلب منفعت اور دفع مضرت دونوں کی دعاء آگئی کما قال تعالیٰ فی القرآن "لَمَنْ زُخْرِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ"۔

علی خیر خلقہ محمد: اس میں خیر خلق مبین ہے اور محمد بیان ہے یعنی مخلوق میں سب سے بہتر جس پر درود و سلام بھیج رہے ہیں اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے، علی بمعنی پر اس سے پہلے نازلہ محذوف ہے، خیر اسم تفضیل ہے بمعنی سب سے بہتر، خلق بمعنی مخلوق، آل سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ یا جو بھی آپ پر مومن متقیوں میں سے ایمان لائے سب مراد ہیں اول نسبی کنبہ ہے دوسرا روحانی و ایمانی کنبہ ہے یہاں کوئی ساقی مراد ہونے لے لو بہتر ثانی ہے عموم کی وجہ سے نیز نبی امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ کی ازواج بمنزلہ ماؤں کے ہیں اور پوری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے درجہ میں ہیں، اجمعین تمام، آلہ مؤکد ہے مرکب اضافی ہو کر اور اجمعین تاکید ہے۔

سبق دوم

أَمَّا بَعْدُ! بَدَا أَرَشِدُكَ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا فِي مَخْتَصِرِ سِتْ مَضْبُوطٍ فِي عِلْمِ نَحْوٍ كَمَا مَبْتَدَى رَابِعًا مِنْ حِفْظِ
مَفْرَدَاتِ لُغَتٍ وَمَعْرِفَةِ اشْتِقَاقِ وَضَبِّ مَهْمَاتٍ تَصْرِيفِ بَاسَانِي بِكَيْفِيَّةِ تَرْكِيْبِ عَرَبِي رَاهِ نَمَائِدِ وَبَزُودِي
وَرَمَعْرِفَةِ اَعْرَابِ وَبِنَاوِ سَوَادِ خَوَانِدِنِ تَوَانِي دَهْدِ (بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ تَعَالَى وَعَوْنِهِ)

ترجمہ: بہر حال (حمد و صلوة) کے بعد جان تو کہ راہ پر لگاؤے تجھ کو اللہ تعالیٰ کہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے لکھی گئی ہے علم نحو میں کہ جو شروع شروع پڑھنے والے کو زبان کے مفردات یاد کرنے کے بعد اور علم اشتقاق کے جاننے کے بعد اور علم صرف کی مشکل چیزوں کے قابو (کنٹرول) میں کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ عربی (زبان) کی ترکیب (یعنی عربی زبان کے بنانے اور جوڑنے کے طریقہ کی راہ دکھلاتی ہے اور تیزی (جلدی) کے ساتھ اعراب (یعنی کلمہ کا اول بدل کے لائق ہونا کہ کبھی اس پر ضمہ آجائے اور کبھی فتح اور کبھی کسرہ) اور بنا (یعنی کلمہ کا ایک حالت پر رہنا اور اس پر ضمہ یا فتح یا کسرہ لگ الگ حرکت کا نہ آنا) کے پہچاننے میں اور پڑھنے کا ملکہ پیدا کرنے میں قوت دیتی ہے) اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے۔

حل مضمون: "أَمَّا" بمعنی بہر حال "بَدَا" داں و استمن سے امر کا صیغہ ہے بمعنی جان تو، "أَرَشِدُكَ" صیغہ واحد مذکر غائب

باب افعال سے اکتوم کے وزن پر ہدایت دینا راہ دکھلانا، ”ک“ منسوب متصل کی ضمیر ہے جو واحد مذکر کے لئے آتی ہے یعنی تمہ کو اللہ تعالیٰ یہ فاعل ہے اَزْهَدَ فَعْلَ کا، ”ایں“ بمعنی یہ یہ سے اشارہ کتاب نحو میر کی طرف ہے، ”مختصرے ست“ جب قرینے یا علامت سے موصوف کا پڑھل رہا ہو تو صفت کا لانا کافی ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں گرم گرم لے آ اور مراد چلیبی یا چائے ہو تو یہاں بھی مختصر اور چھوٹی سے مراد کتاب نحو میر ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، ”مضبوط“ بمعنی لکھی گئی ہے، ”مبتدی“ شروع شروع پڑھنے والا، ”بعد از حفظ مفردات، و معرفت اشتقاق و ضبط مہمات تعریف“ یہ عبارت صحیح میں زائد لائی گئی ورنہ ”مبتدی را“ کا جوڑ تو باسانی سے ہے اور بتانا یہ ہے کہ نحو میر کے ذریعہ عربی ترکیب کا جوڑ توڑ نیز معرب اور مثنیٰ کی پہچان اور عبارت پڑھنے کا ملکہ یا مہارت جب ہووے گی جبکہ تین چیزوں کو قابو میں کر لیا ہو:

(۱) حفظ مفردات اس سے مراد یہ ہے کہ نحو میر پڑھنے والے کو یہ یاد ہوں کہ عربی میں جو الگ الگ چیزوں کے نام ہیں وہ اسے یاد ہوں مثلاً چار پائی کی عربی سویر ٹوپی کی فلنسوفہ رومال کی میندیلی کمرہ کی حجرۃ یہ تو اسماء اور نام ہوائی چیزوں کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔

نوٹ: حفظ مفردات کے لئے بہت کتابیں آچکی ہیں جن میں الگ الگ عنوانات دے کر سبزیوں کے نام، مدرسہ میں چلنے والی چیزوں کے نام، گھر میں استعمال ہونے والی چیزوں کے نام، مصالحوں کے نام بتا رکھے ہیں۔

(۲) معرفت اشتقاق: یہ دوسری چیز ہے کہ نحو میر سے فائدہ اسے ہوگا جس کو علم اشتقاق آتا ہو علم اشتقاق کہتے ہیں اس علم کو جس میں یہ پہچان ہو جائے کہ فلاں کلمہ، فلاں کلمہ سے بنا ہے کیونکہ جب کوئی کسی کلمہ کی اصل جان جائے گا تو ترجمہ صحیح کر سکے گا ورنہ غلطی ہو جائے گی مثلاً وَعَدَ يَعِدُ سے جو گردان آتی ہے ان کے دو ترجمہ ہوں گے اِغْرَوْ عِدًا مَصْدَرًا نَوَّعًا تَوَكَّهْنِي وَعَدَّ كَرِيحًا ہوگا، وَعِيدًا مَانُوْكَ تَوَدَّ مَكْلِي اور ڈرانے کے معنی ہوں گے چنانچہ قرآن میں ہے: الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ”پہلے یعدُّ کو وعدہ سے مشتق اور اس سے نکالیں گے اور دوسرے کو وعدہ سے بعض ناواقف دونوں جگہ ہی وعدہ سے مشتق مان کر وعدہ کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی لال بقول قولاً اور قال يقول قِيلَوْلًا بعض جگہ دونوں کے صیغہ ایک جیسے ہوں گے مثلاً فجعاء ہا باسنا بیاتاً او ہم قائلون میں قائلون اسم فاعل ہے قیلولہ بمعنی دو پہر میں آرام کرنا سے اور قال بقول بمعنی کہنا سے بھی یہی اسم فاعل بنتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ علم اشتقاق سے جس کو واقفیت نہ ہو وہ قائلون کا ترجمہ کہنے والے کر دے جو بالکل غلط ہے اس آیت میں، ایسے ہی سورہ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں جو قَوْلُنْ اَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ اَيَا هُوَ اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا نبی بھی اللہ کے بارے میں یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ نَقْدِرَ قُدْرَتُفِے مشتق نہیں ہے جو اشکال ہو بلکہ یہ قَدِرًا بمعنی نکل کرنا سے مشتق ہے جیسا کہ آیت اللہ يَسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ میں بھی ہے یعنی حضرت یونس علیہ السلام جو اپنی قوم میں سے بلا اجازت خداوندی چلے گئے تھے چوں کہ ان کا یہ جاننا اللہ ہی کے لئے غصہ میں تھا اس لئے انہوں نے سوچا کہ میری اللہ کو کڑھ کر لیں گے۔ (کذافی الکشاف)

نوٹ۔ علم اشتقاق سے واقفیت اس سے واقفیت کے لئے لغت کی کتابیں ہیں جن میں ہر کلمہ کا ماضی مضارع مصدر مع صلہ کے لکھا ہوتا ہے جس سے کلمہ سے کون سے معنی مراد ہوں گے اس کی تعیین میں مدد ملتی ہے۔ یاد رکھا جائے کہ علم اشتقاق تقریباً یہ علم لغت کا ہی دوسرا نام ہے۔

(۳) **وضبط مہجئات تصروف**۔ ہمزہ ہر وہ کام جو مشکل ہو اور غم و فکر میں ڈال دے یہاں مہجئات سے مراد علم صرف جس کا دوسرا نام علم تصریف بھی ہے کی مشکل گردانیں ہیں کیونکہ علم صرف کی کل چودہ گردانیں ہیں ایک صحیح والی اور چھ معتل کی اور تین مہوز کی اور دو لقیف کی اور دو مضاعف کی صحیح کی گردان میں چونکہ تمام حروف باقی رہتے ہیں اس لئے اس کے صیغوں کی گردان بالکل آسان ہے جیسے نَصْرُ يَنْصُرُ ضَرْبٌ يَضْرِبُ لیکن معتل جس میں حرف علت ہوتا ہے پھر حرف علت کبھی واؤ ہوگا کبھی یاء پھر واؤ اگر فاء کی جگہ ہے تو معتل **فہ واوی** جیسے وَغَدٌ يَغْدُو میں اور اگر عین کی جگہ ہے تو معتل **عین واوی** جیسے قَالٌ يَقُولُ جو اصل میں قَوْلٌ يَقُولُ تھا اور لام کی جگہ ہے تو معتل **لام واوی** جیسے دَعَا يَدْعُو میں کہ اصل میں دَعْوٌ يَدْعُو تھا اسی طرح یاء کی بات ہے کہ یا تو فاء کلمہ کی جگہ ہوگی جیسے يَسْرٌ يَسِيرُ میں اس کو معتل **فہ یانی** کہتے ہیں اور عین کلمہ کی جگہ یاء حرف علت ہو جیسے بَاعٌ يَبِيعُ کہ اصل بَيْعٌ يَبِيعُ تھا اس کو معتل **عین یانی** کہتے ہیں اور اگر لام کی جگہ ہو تو معتل **لام یانی** کہتے ہیں جیسے ذَمِي يَزُمِي میں کہ دراصل ذَمِي يَزُمِي تھا تو چونکہ حرف علت گر جاتا ہے جس کی وجہ سے کلمہ جوں کا توں نہیں رہتا ہے کہ بعض دفعہ تو کسی صیغہ میں ایک ہی حرف رہ جاتا ہے جیسے وَفِي يَقِي سے قِ امر آتا ہے تو اس وجہ سے حرف علت گر کر صیغہ اپنی حالت چھوڑ دیتا ہے تو گردان مشکل ہو جاتی ہے ایسے ہی مہوز یعنی جس گردان میں ہمزہ آوے پھر اگر فاء کلمہ کی جگہ آوے تو مہوز **الفہ** جیسے اَكَلَ اَخَذَ عَيْنٌ کی جگہ آوے مہوز **العین** جیسے سَأَلَ اور لام کی جگہ آئے تو مہوز **اللام** جیسے قَرَأَ اس میں بھی بعض گردانوں میں ہمزہ کی حرکت ماقبل کو دے کر ہمزہ ختم کر دی جاتی ہے جیسے رَأَى يَرَاهُ میں ہمزہ کی حرکت را کو دے کر رَ اِی یَسُوی پڑھنا ہوتا ہے اس لئے گردان بھاری ہوگی کیونکہ سب صیغوں میں یہی عمل کر کے گردان کرتی ہوگی ایسے ہی لَقِيْفٌ وہ گردان جس میں دو حرف علت عین لام کی جگہ ہو تو **مقرون** ف اور لام کی جگہ ہو تو **مفروق** کہلاتا ہے اس میں بھی حرف علت کی کٹ پھٹ سے گردان مشکل ہو جاتی ہے ایسے ہی **مضاعف** کی دو قسمیں ہیں **ثلاثی** جس میں ایک ہی حرف دو بار ہوں جیسے ذَبٌ فَرَّ فِي يَدِي حَرْفٌ دُوْبَارٌ ہوں جیسے ذَلَّوْا اور ذَبْتُ فِي كَفِّ يَدِي دُوْبَارٌ ہے اور لام بھی ایسے ہی دوسری مثال ۔ ذال اور ب دو دفعہ ہیں۔ علم صرف سے واقفیت کے لئے سب سے پہلے میزان میں آنے والی گردانیں پھر پنج تنج میں پھر علم بصیغہ میں دی گئی تمام گردانیں اور انکی تفصیلات ذہن میں ہونی چاہئیں، بہر حال علم صرف پر بھی عبور ہو تب نحو میر کتاب کے قواعد کے جاننے سے عربی زبان پر قابو ہو سکے گا، اور عبارت پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو جائے گا، کیونکہ فضل جس کا اصل بیان علم صرف میں ہے عربی کلام و گفتگو میں آتا ہے اس لئے علم صرف سے واقفیت بھی ضروری ہے اس کے بغیر کام نہ چلے گا۔

ترکیب۔ بمعنی جوڑنا چند کلموں کو ملا کر کلام یا گفتگو بنانے کو ترکیب کہتے ہیں پھر کلموں کو ملا کر کبھی کلام ناقص بنتا ہے جیسے مرکب

اضافی اور توصیفی میں یا کلام تام بنتا ہے جیسے جملہ اسمیہ یا فعلیہ جو جملہ خبریہ کی قسمیں ہیں یا جملہ انشائیہ تیار ہوگا جیسے امر و نہی میں، ”سواد“ بمعنی مہارت اور ملکہ، ”توانائی“ بمعنی طاقت اور حوصلہ اور قوت۔

توفیق: کے اصل معنی ہیں توجیہ الانسابِ نحو الخیر یعنی اچھے مقصد کے لئے اسباب مہیا ہونا لہذا برے مقصد کے لئے مہیا ہونے کو توفیق نہیں کہیں گے۔

بہر حال حفظ مفردات: اور معرفت علم اشتقاق اور ضبط مہمات تصریف ان تین صلاحیتوں کے پیدا کرنے کے ساتھ اگر نحو میر پڑھ لے گا تو اس کو عربی عبرت بنائی اور اس پر حرکات زیر بر پیش دینا اور عربی پڑھنا سب آسان ہو جائے گا اور یہ ہے بھی امر واقعی کہ جس کو ان چاروں چیزوں پر قدرت ہے تو اس کے لئے عربی بولنا اور سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ (والتوفیق بید اللہ)

سبق سوم

بدانکہ لفظ مستعمل در سخن عرب بردو قسم است مفرد و مرکب مفرد لفظی باشد تنہا کہ دلالت کند بر یک معنی و آں را کلمہ گویند و کلمہ برسہ قسم است اسم چوں رجل فعل چوں ضرب و حرف چوں هل چنانچہ در تصریف معلوم شدہ است۔ اما مرکب لفظی باشد کہ از دو کلمہ یا بیشتر حاصل شدہ باشد و مرکب بردو گونه است مفید و غیر مفید، مفید آں است کہ چوں قائل بر آں سکوت کند سامع را خبرے یا طلبی معلوم شود و آں را جملہ گویند و کلام نیز پس جملہ بردو قسم است خبریہ و انشائیہ۔

ترجمہ: جان تو کہ عربی زبان میں مستعمل ہونے والا لفظ دو قسم پر ہے (۱) مفرد (۲) مرکب۔ مفرد ایسا کیلا لفظ ہوتا ہے جو ایک ہی معنی کو بتلائے اور اس کو کلمہ کہتے ہیں کلمہ تین قسم پر ہے اسم جیسے رجل فعل جیسے ضرب اور حرف جیسے هل جیسا کہ علم صرف میں جان لیا گیا ہے، بہر حال مرکب ایسا لفظ ہوتا ہے کہ جو دو کلموں یا زیادہ سے حاصل ہوا ہو اور مرکب دو قسم پر ہے (۱) مفید (۲) غیر مفید مفید وہ ہے کہ جب کہنے والا اس پر چپ ہو جائے تو سننے والے کو کوئی خبر یا چاہت معلوم ہو جاتی ہو اور اس (مرکب مفید) کو جملہ بھی کہتے ہیں اور کلام بھی پھر جملہ دو قسم پر ہے (۱) خبریہ (۲) انشائیہ۔

حل مضمون: کسی بھی زبان کی بات لے لو جس میں عربی زبان بھی داخل ہے کہ کوئی بھی بولنے والا جب کسی کلمہ کو بولے گا یا وہ معنی دار ہوگا یا بے معنی اول کو موضوع اور کلمہ کہتے ہیں اور دوسرے کو مہمل کہتے ہیں جیسے روٹی دوٹی، پانی دانی، کرتا ورتا میں اول لفظ معنی رکھتا ہے اور دوسرے والے کو ویسے ہی ساتھ میں لگا کر بول دیا جاتا ہے ایسا نہیں کہ جیسے روٹی سے چپاتی مراد ہوتی تو دوٹی سے بھی کچھ مراد ہو پھر چونکہ مہمل اور بے معنی لفظ بولنے یا سننے سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے یہاں لفظ سے مراد جس کے متعلق گفتگو چلے گی وہ معنی دار لفظ ہی ہوگا جس کو موضوع اور کلمہ کہتے ہیں پھر کلمہ تین قسم کا ہوتا ہے اسم، فعل، حرف دنیا میں جو گفتگو جاری ساری

ہے اور جو کون بولے جاتے ہیں وہ تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو وہ چیزوں کے نام ہوں گے جیسے درخت، مکان، چار پائی، پنکھا وغیرہ وغیرہ، ان کو اسم کہتے ہیں یا وہ کام ہوں گے جیسے اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، پڑھنا، لکھنا ان کو فعل کہتے ہیں یا وہ محض معنی اور مددگار ہونے والے لفظ ہیں جیسے پر، کو، میں، سے، تک وغیرہ وغیرہ ان کو حرف کہتے ہیں تو ہر گفتگو اور کلام یقیناً ان تین قسم کے الفاظ سے بنے گا چاہے اردو ہو یا عربی جیسے۔ زید مسجد میں گیا۔ اس میں زید اور مسجد نام ہیں اور گیا فعل ہے اور میں حرف ہے اور اسی کو عربی میں ذہب زید الی المسجد کہیں گے اس جملہ میں بھی دو اسم ہے زید اور مسجد ایک فعل ہے ذہب اور ایک حرف ہے الی تو اسم بمعنی نام اور فعل بمعنی کام اور حرف بمعنی کنارہ جو لفظ چیزوں کے نام ہوتے ہیں ان کو اسم کہتے ہیں اور جو کاموں کو بتلاتے ہیں ان کو افعال کہتے ہیں اور جو آزد باز دیا آس پاس میں لگتے ہیں جیسے فی، من، علی، ب ان کو حرف کہتے ہیں تو ہر کلام جب تیار ہوگا اس میں یہی تین قسم کے کلمات پائے جائیں گے فقط لہذا ایسی پہچان ہونی ضروری ہے کہ جس سے ہم یہ بتا سکیں کہ یہ کلمہ اسم ہے یا فعل ہے یا حرف ہے۔

اما مرکب لفظی باشد: یاد رہے کہ تہا لفظ سے تہا ہی معنی سمجھ میں آویں گے اور مرکب یا ڈبل لفظ سے ڈبل ہی معنی ذہن میں آویں گے ایسا نہیں کہ بول اور کلمہ تو ایک بولا اور دو چیز اس سے سمجھ گئے بلکہ عربی قاعدہ ہے "زِنَادَةُ الْمَبْنِيِّ تَدُلُّ زِنَادَةَ الْمَعْنَى" یعنی جتنے لفظ ہوں گے اتنے زیادہ معنی کا علم ہوگا اس کے بالمقابل جتنے لفظ کم ہوتے جائیں گے تو معنی بھی کم ہوتے جائیں دراصل معنی کے معنی کو جان لینا چاہئے کہ کسے کہتے ہیں تو یاد رکھئے کہ کسی لفظ سے جو بھی تم ارادہ کرو وہی اس کے معنی کہلاتے ہیں چنانچہ فلسفہ بمعنی ٹوپی لیکن ٹوپی کے کیا معنی تو ہم کہیں گے خاص قسم کا سر پر اوڑھے جانے والا سلا کپڑا ٹوپی کہلاتا ہے تو ہر لفظ کسی نہ کسی کے مقابل طے کیا گیا ہے پھر چاہے وہ چیز اسم یعنی ناموں کے قبیل سے ہو یا فعل یعنی کاموں میں سے ہو یا حرف یعنی فعل اسم کے ارد گرد لگنے والی چیز ہو، تو اوپر کے کلام سے اتنا تو سمجھ میں آ گیا کہ جب تک لفظ ایسا ہے کہ اس کے بولنے کے بعد ایک ہی چیز سمجھ میں آئی تب تک وہ مفرد کہلائے گا ورنہ مرکب ہو جائے گا جیسے زید مفرد ہے اور جب غلام زید کہا تو مرکب ہو گیا کیوں کہ دو لفظ ہیں اور وہی معنی ذہن میں آ رہے ہیں غلام سے غلام اور زید سے اس کا آقا پھر مرکب بھی دو طرح کا ہوتا ہے (۱) مفید (۲) غیر مفید، مفید کو مرکب نام اور کلام اور جملہ بھی کہا جاتا ہے نیز اس کا ایک نام مرکب اسنادی بھی ہے اسی طرح غیر مفید کو مرکب ناقص بھی کہتے ہیں اب رہا یہ مسئلہ کہ کونسا مرکب مفید ہوتا ہے اور کونسا غیر مفید تو یہاں بس اتنا یاد رکھئے کہ مرکب ناقص ہمیشہ غیر مفید ہوتا ہے اور مرکب تام ہمیشہ مفید ہوتا ہے باقی تفصیل سبق پنجم میں ملاحظہ کر لیں۔ ہماری کتاب نحو میر میں مفید اسے بتایا گیا ہے کہ جو کلام ایسا ہو کہ کہنے والا جب اس کو کہہ کر چپ ہو تو سننے والے کو کوئی خبر یا کوئی اطلاع ملی ہو یا اس کی کسی چاہت اور طلب کا علم ہو دراصل یہ ایسی تعریف ہے جس میں مرکب مفید کی دو قسموں خبریہ اور انشائیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جملہ خبریہ میں خبر یا اطلاع ہوتی ہے اور انشائیہ میں کسی چاہت اور طلب کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے تو اگر کسی کلام میں ان دونوں خوبیوں میں سے (کہ خبر یا چاہت معلوم ہو) نہ ہو تو وہ کلام مرکب غیر مفید کہلائے گا پھر یہ جو تعریف کی جاتی ہے کہ مرکب مفید وہ ہے کہ کہنے والا جب چپ ہو تو سننے والے کو کوئی نہ کوئی خبر معلوم ہوئی ہو یا چاہت اسی کو دوسرے انداز میں اس

طرح بھی کہا گیا کہ کلام یا مرکب مفید وہ ہے جس میں دو کلمے ہوں کم از کم اور ان میں آپس میں اسناد ہو یعنی ایک کو دوسرے سے جوڑا گیا ہو مبتدا خبر یا فعل فاعل بنا کر اول جملہ اسمیہ بنے گا دوسرا جملہ فعلیہ ہوگا اسی مرکب مفید کی دو قسمیں ہیں خبریہ اور انشائیہ۔

سبق چہارم

بدانکہ جملہ خبریہ آنست کہ قائلش را بصدق و کذب صفت تو ان کرد و آن بر دو نوع است اول آنکہ جزو اولش اسم باشد و آن را جملہ اسمیہ گویند چوں زید عالم یعنی زید و انا است جزو اولش مسندالیہ است و آن را مبتدا گویند و جزو دوم مسند است و آن را خبر گویند دوم آنکہ جزو اولش فعل باشد و آن را جملہ فعلیہ گویند چوں ضربت زید بزید، جزو اولش مسند و آن را فعل گویند و جزو دوم مسندالیہ است و آن را فاعل گویند۔

ترجمہ: جان تو کہ جملہ خبریہ وہ ہے کہ اس کے بولنے والے کی سچ اور جھوٹ کے ساتھ صفت بیان کی جاسکے اور وہ دو قسم پر ہے اول وہ کہ اس کا پہلا جزو اسم ہو اور اس کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں جیسے زید عالم یعنی زید جاننے والا ہے اس جملہ کا اول جزو مسندالیہ ہے جس کو مبتدا کہتے ہیں اور دوسرا جزء مسند ہے جس کو خبر کہتے ہیں دوسری قسم یہ ہے کہ جملہ خبریہ کا پہلا جزء فعل ہو اور اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں جیسے ضربت زید نے مارا کہ اس کا اول جزو مسند ہے جس کو فعل کہتے ہیں اور دوسرا جزء مسندالیہ جس کو فاعل کہتے ہیں۔

حل مضمون: جملہ مرکب مفید ہی کو کہتے ہیں جس کی تیسرے سبق کے آخر میں دو قسمیں بتائی گئی (۱) خبریہ (۲) انشائیہ پھر خبریہ کی یہ تعریف کی ہے کہ اس کے کہنے والے کو سچایا جھوٹا کہہ سکیں۔

سوال: آخر یہ کیا بات ہے کہ جملہ خبریہ میں تو اس کے کہنے والے کو سچایا جھوٹا بتلایا جاسکتا ہے لیکن انشائیہ میں ایسا نہیں کیا جاسکتا؟

جواب: انشاء کے معنی ہیں فی الحال کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا یا نیست سے هست کرنا یعنی ابھی ہمارے سامنے ہی کسی کا کسی چیز کی چاہت اور تمنا کرنا یا کسی چیز کی طلب کرنا یعنی اس کو منگوانا اور جملہ خبریہ میں خبر کہتے ہیں کہ گذشتہ یا آئندہ زمانہ میں کسی کام کے ہونے کی اطلاع کرنا یا بتلانا خبر چونکہ گذشتہ یا آئندہ زمانے میں ہوئی چیز ہے اپنے سامنے نہیں ہو رہی ہے تو اس میں دونوں صورتیں ہیں سچ ہونے کی بھی اور جھوٹا ہونے کی بھی تو کسی بھی جملہ میں خبر ہونے کا تقاضہ طبعی اور فطری یہی ہے کہ کیا معلوم وہ بات جو گذشتہ یا آئندہ ازمانہ میں ہوئی ہے سچی ہو یا جھوٹی ہاں اگر وہ بات جس کی کسی جملہ میں خبر دی گئی ہے باہر کی دنیا میں ایسی ہی ہو گئی جیسی اس نے خبر دی ہے تو اس کو سچ کہیں گے ورنہ جھوٹ باہر کی دنیا کو اصطلاحی الفاظ میں نفس الامر بھی کہتے ہیں کہ نفس الامر کے مطابق خبر ہو تو سچ ورنہ جھوٹی کہیں گے، لہذا ہر جملہ خبریہ بولنے والے میں یہ احتمال ہے کہ کیا معلوم وہ اپنی اس خبر میں سچا ہو یا جھوٹا بخلاف انشائیہ کے کہ وہ مع اپنی قسموں کے سچ جھوٹ کا احتمال نہیں رکھے گا مثلاً اهو جس میں کسی بات کا حکم کرتا ہے

اور فہمی جس میں کسی کام کے نہ کرنے کی طلب ہوتی ہے یا استفسام جس میں کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا ہے یا تمنی جس میں کسی بات کی آرزو ظاہر کی جاتی ہے یا تو جی جس میں کسی بات کی امید ظاہر کی جاتی ہے۔ یا عقود جس میں خریدنے یا بیچنے کا اقرار ہوتا ہے یا فدا جس میں کسی کو آواز لگائی جاتی ہے یا عرض جس میں پیش کش ہو یا کسی چیز پر ابھارا گیا ہو جیسے (الاتنزل بنا) تو ہمارے پاس کیوں نہیں آیا کرتا یعنی آیا کر یا قسم جس میں قسم کھا کر کوئی بات پیش کر جاوے یا کہی جاوے یا تعجب جس میں کسی بات پر تعجب ظاہر کیا جاوے ان تمام قسموں میں ہونے والی چیزیں مخاطب کے سامنے کی ہیں مثلاً اضرب جس نے کہا اور تم نے سنا تو اس نے مارنے کو چاہا ہے اور یہ چاہنا ہمارے سامنے ہے تو اس میں یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ کیا معلوم مارنے کو کہا ہے یا نہیں کیونکہ مارنے کو کہنا یا اضرب بولنا ہمارے سامنے ہوا ایسے ہی اور قسموں میں مثلاً یازید میں زید کو آواز دی ہے تو یہ آواز دینا ابھی ہمارے سامنے ہوا جس میں سچ اور جھوٹ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی سامنے نہیں آتا۔

سوال: بعض جملہ خبریہ ایسے ہیں کہ ان میں صدق یا کذب ابک ہی جہت متعین ہے جیسے نبی نے جو خبریں دی ہیں ان سب کا سچ ہونا ہے یا السماء فوقنا، الارض تحتنا کہ آسمان ہمارے اوپر ہے زمین ہمارے نیچے ہے؟

جواب: جملہ خبریہ میں ہونے کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ان میں بھی سچ اور جھوٹ ہونے کا احتمال ہوتا لیکن الگ سے جو دلیلیں ہیں ان کی وجہ سے ان جملوں میں سچ ہی طے ہو گیا مثلاً کوئی نبی جھوٹ نہیں بولتا ہمیشہ اس کی بات سچی ہی ہوتی ہے تو وہ جو کچھ کہے گا لامحالہ سچ ہی ہوگا جیسے اللہ موجود، السماء مسبح کہ آسمان سات ہیں اسی طرح چونکہ آسمان کا اوپر ہونا زمین کا نیچے ہونا ہمیں نظر آ رہا ہے اس لئے سچ ہی کی جہت متعین ہوگی ورنہ فی نفسہ خبر ہونے کی وجہ سے یہ جملے بھی سچ جھوٹ کا احتمال رکھتے۔

بہر حال جملہ خبریہ جس کی تعریف جان لی گئی دو قسم ہے: (۱) اسمیہ (۲) فعلیہ اگر کسی جملہ میں اول جزء اسم ہو تو اس کا نام جملہ اسمیہ ہوگا جیسے زیند عالم جملہ اسمیہ ہے اس میں اول جزء کو مسند الیہ کہیں گے اور مسند الیہ کا دوسرا نام مبتداء ہے اور دوسرے جزء کو مسند کہیں گے جس کا دوسرا نام خبر بھی ہے اور اگر کسی جملہ کا اول جزء فعل ہو تو اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں جیسے ضرب زیند جملہ فعلیہ ہے اور اس کا مسند کہتے ہیں اور مسند کو فعل بھی کہتے ہیں اور دوسرا جزء مسند الیہ کہلاتا ہے اور مسند الیہ کو فاعل بھی کہتے ہیں۔

سبق پنجم

بدانکہ مسند حکم است و مسند الیہ آنچه بر حکم کنند و اسم مسند و مسند الیہ تو اند بود و فعل مسند باشد و مسند الیہ نتواند بود و حرف نہ مسند باشد و نہ مسند الیہ۔

ترجمہ: جان تو کہ مسند حکم ہے اور مسند الیہ وہ چیز جس پر حکم کریں اور اسم مسند اور مسند الیہ ہو سکتا ہے اور فعل مسند ہوتا ہے اور مسند الیہ نہیں ہو سکتا اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ۔

حل مضمون: پچھلے سبق میں مسند اور مسند الیہ دو لفظ آئے ہیں یہاں ان کی تعریف کرنے کے ساتھ یہ بھی بتلا رہے ہیں کہ

تینوں کلمے اسم، فعل، حرف میں سے کون مسند اور مسند الیہ دونوں بننے کے لائق جیسے اسم کہ دونوں کے لائق ہے اور کون ایک بننے کے لائق ہے جیسے فعل اور کون کسی کے بھی لائق نہیں جیسے حرف۔

اب تفصیل سے سنئے کہ اسناد باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی جوڑنے کے ہیں اور مستند بروزن مکرّم اسم مفعول ہے بمعنی جس کو جوڑا جائے اور مسند الیہ وہ چیز کہ جس سے جوڑیں، پھر بتایا کہ مسند حکم ہے یہاں حکم بمعنی محکوم بہ یعنی جس کا حکم لگایا جائے چونکہ اصل تو حکم محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیان کے تعلق کو کہتے ہیں جیسا کہ مسند الیہ اور مسند کے درمیانی تعلق کا نام اسناد ہے اور یہاں حکم مسند کو بتایا گیا ہے جو جملہ کی طرفین میں سے ایک ہے اس لئے حکم کو محکوم بہ یعنی جس کا حکم لگایا جاوے کے معنی میں لینا پڑے گا خود حکم اپنے معنی میں رہتے ہوئے نہیں چل پائے گا یا درکھئے جب ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں تو وہ الگ الگ کلمات جن کا کوئی اور ذخیرہ ہمارے دماغ میں ہر وقت رہتا ہے ان میں سے کچھ کلمات تو وہ ہیں جن پر ہم حکم لگا کر مبتدا یا مسند الیہ بنا سکیں گے اور کچھ وہ ہیں جن کا حکم لگا کر ہم خبر یا مسند بنا سکیں گے پھر کوئی خبر کس مبتدا کے ساتھ جوڑی جائے گی اور کونسا مبتدا کس خبر کے ساتھ جڑے گا یہ حسب موقعہ ہمارا ذہن ترتیب اور ترکیب دیتا رہتا ہے چنانچہ جب ہمیں زید کے مالدار ہونے کو بتلانا ہے تو کہیں گے زید غنی اور جب عمر کے فقیر ہونے کو بتلانا ہے تو کہیں گے عمر فقیر تو ہم کب کس مبتدا کے ساتھ کس خبر کو اور کس خبر کے ساتھ کس مبتدا کو جوڑیں گے یہ وقت اور موقع کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اور مختلف جملے بنا کر بولتے رہتے ہیں اب جس کو اصل ٹھہرا کر اس کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور جو کچھ کہا جاتا ہے یا کسی کے لئے ثابت کیا جاتا ہے اس کے بھی بہت سے نام ہیں یا یوں کہہ لو کہ جس چیز کو ہم مبتدا کہتے ہیں اس کو مبتدا کے علاوہ اور ناموں سے بھی بولا جاتا ہے ایسے ہی خبر کے بھی بہت سے نام ہیں ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

۱- مبتدا۔ ۲- محکوم علیہ۔ ۳- مسند الیہ۔ ۴- مثبت لہ۔ ۵- موضوع۔ ۶- منسوب الیہ۔ ۷- خبر عنہ۔

۱- خبر۔ ۲- محکوم بہ۔ ۳- مسند۔ ۴- مثبت۔ ۵- محمول۔ ۶- منسوب۔ ۷- خبر بہ۔

عام طور سے یہ الفاظ جملہ خبریہ کے دو جزء مبتدا، خبر کے لئے بولے جاتے ہیں لیکن جملہ فعلیہ میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ فعل اپنے فاعل سے جوڑا جاتا ہے اور اس میں بھی دو چیزیں ہوتی ہے ایک وہ جس سے جوڑیں گے دوسری وہ جس کو جوڑیں گے جیسے خراج زید باہر آیا کہ خراج زید سے منسوب اور جڑا ہے تو اس لحاظ سے اگر فاعل کو بھی محکوم علیہ، مسند الیہ، مثبت لہ، موضوع، منسوب الیہ کہہ دیں تو کہا جاسکتا ہے ایسے ہی فعل جو کہ جڑ رہا ہے تو اسے محکوم بہ، مسند، مثبت، محمول، منسوب سب کہہ سکتے ہیں۔

بہر حال جیسے مبتدا کو مسند الیہ کہہ سکتے ہیں فاعل کو بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ دونوں سے کوئی چیز جڑتی ہے اور جیسے خبر کو مسند کہہ سکتے ہیں فعل کو بھی کیونکہ دونوں ہی کسی اور سے جڑتے ہیں۔

بہر حال گفتگو میں اصلاً دو ہی جملے آتے ہیں اسمیہ، فعلیہ اور دونوں میں ایک چیز اصل ہوتی ہے جس سے جوڑتے ہیں اور دوسری تابع جس کو جوڑتے ہیں ان دونوں چیزوں کے ہونے کے ساتھ تیسری چیز جو جملہ بننے کے لئے ضروری ہے وہ ان

دونوں چیزوں کے آپس میں جوڑنے کا ارادہ کرنا اگر کسی کو کسی سے جوڑنے کا ارادہ نہ بنا اور نہ کسی کو کسی کے لئے ثابت کیا تب تک خالی دو کلمے ہونے سے کلام نہیں بنے گا مثلاً خالد کو اپنے ذہن میں اصل اور مبتدا بنا کر اس کے لئے کوئی خبر ثابت کریں اور کہیں خالد حافظ تو یہ کلام بن گیا۔

سوال: اسناد اور جوڑنا کس طرح ہوگا؟

جواب: جملہ فعلیہ میں فعل، فاعل کر دو اور جملہ اسمیہ میں مبتدا خبر بنا دو بس اسناد ہو جائے گی اب یہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ جہاں دو کلمے لا کر کسی ایک کو دوسرے کے لئے ثابت بھی کر دیا اور ان میں جوڑ دیا تو اس قسم کے کلام کو مرکب مفید کہتے ہیں اور مرکب مفید کے اور بھی نام ہیں:

(۱) مرکب تام (۲) مرکب اسنادی (۳) جملہ (۴) کلام اور اگر دو کلمے تو ہوں مگر ان میں اسناد کا ارادہ نہ کیا تو یہ دو کلمے مرکب تو ہوں گے مگر غیر مفید۔

سوال: غلام زید میں دو کلمے بھی ہیں اور انہیں جوڑ بھی رکھا ہے تو کیا اسے جملہ کہیں گے؟

جواب: بالکل نہیں کہیں گے کیونکہ ان میں جو جوڑ ہے وہ ناقص ہے اور ناقص جوڑ کو اضافت کہتے ہیں اور مکمل جوڑ کو اسناد کہتے ہیں تو غلام زید میں اضافت تو ہے اسناد نہیں ہے۔

سوال: ناقص اور کامل جوڑ کی کیا وضاحت ہے؟

جواب: جہاں دو کلمیں اس لئے جوڑے گئے کہ ان میں ملکیت کا تعلق ظاہر ہو جاوے جیسے غلام کو زید کا بتا دیا یا کاپی کو زید کی بتایا اور کہا کراسے زید تو جوڑنا ناقص ہے اور اگر ایک کو اصل بنا کر پھر اس کے متعلق خبر دیں تو یہ مکمل جوڑ ہے بہر حال مضاف اور مضاف الیہ جو جوڑ ہے وہ ناقص ہے اور مبتدا، خبر یا فعل، فاعل میں جو جوڑ ہوگا کامل کہلائے گا اسی لئے مرکب ناقص کی تمام قسمیں خواہ وہ مرکب اضافی ہو یا توصیفی ہو یا مرکب بنائی ہو جس کا دوسرا نام مرکب عددی بھی ہے اور یا مرکب منع صرف ہو جس کا دوسرا نام مرکب احترازی ہے اور چاہے مرکب صوتی ہو ان میں دو دو کلمے ہونے کے باوجود ان سے کلام نہیں بنتا کیونکہ مرکب اضافی میں دو کلمے ہونے کے ساتھ گودونوں کو جوڑ بھی رکھا ہے مگر یہ جوڑ ناقص ہے اور باقی چار میں صرف ترکیب اور دو کلموں کو جوڑ رکھا ہے ان میں اسناد نہیں ہے لہذا یہ سب مرکب ناقص ہیں، مرکب مفید یا جملہ اور کلام اور مرکب اسنادی نہیں کہلائے جاسکتے ہیں اسی لئے یہ پانچوں کلام کام ایک جز بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں فقط چاہے ان کو مسند بناؤ چاہے مسند الیہ دونوں نہیں بنا سکتے ورنہ پھر تو ان سے ہی کلام تام بن جاتا، مرکب ناقص کے مقابل مرکب تام ہے جو تہا قسم ہے۔ مرکب ناقص یعنی غیر مفید کی پانچوں قسموں کی تعریف اور مثالیں بالتحقیق سبق ہفتم میں آ رہی ہے انشاء اللہ یہاں یہ مرکب کی اقسام جمعاً لائی گئی ہے اصل بیان جو اس سبق سے متعلق ہے یہ ہے کہ کلمے کی تین قسموں اسم، فعل، حرف میں سے کون مسند، مسند الیہ بننے کے لائق ہیں اور کون نہیں تو سنئے۔

اسم: مسند اور مسند الیہ دونوں بننے کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی چاہے اس سے کسی چیز کو جوڑ دیں یا اس کو کسی اور سے جوڑ دیں کیونکہ اسم مستقل معنی رکھتا ہے اپنے بل بوتے پر ہے دونوں قسم کی صلاحیت سے مالا مال ہے خواہ اسے جوڑو خواہ اس سے جوڑو اور

فعل گو یہ بھی معنی مستقل رکھتا ہے لیکن اس کے معنی میں اسم جیسا استقلال نہیں ہے کیونکہ فعل بمعنی کام ہے اور کام کوئی سا بھی ہواز خود بلا اپنے فاعل کے وجود میں نہیں آتا چنانچہ مارنا ایک فعل اور کام ہے جانا، چلنا یہ سب فعل ہیں مگر مار بغیر مارنے والے کے اور جانا، چلنا بغیر جانے والے اور چلنے والے کے وجود میں نہیں آسکتے اس لئے فعل بس اسی لائق ہے کہ دوسرے سے جزے لہذا یہ ہمیشہ مسند ہی ہو سکتا ہے نہ کہ مسند الیہ اور حرف تو پچھارہ دوسروں کی بیگار کرتا ہے اس میں اپنے معنی ہوتے ہی نہیں ہمیشہ دوسروں کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: حرف دوسروں کے معنی کیسے بتلاتا ہے؟

جواب: دیکھئے لفظ فِی ہے جس کے معنی اندر کے ہیں لیکن یہ اندریت اس چیز کی بنے گی جو فی کے بعد آئے گا جیسے زیند فی المدرسة کہ زیند مدرسہ میں ہے یا علی ہے جو اوپر کے معنی دیتا ہے لیکن اوپریت اس کی ہے جو علی کے بعد آئے گا جیسے زیند علی السقف کہ زیند چھت پر ہے یا زیند علی الشجر زیند درخت پر ہے ایسے خروج زیند من المسجد میں من نے جس کی ابتداء کو بتایا وہ خروج ہے اور جہاں سے وہ ہوا وہ مسجد ہے اس لئے حرف کی تعریف میں ما دل علی معنی فی غیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں بہر حال حروف دیگر کلموں فعل اسم کی اندریت اوپریت اور ابتداءیت کو بتاتا ہے لہذا یہ نہ مسند بن سکتا ہے اور نہ مسند الیہ بہر حال پیچھے تفصیل آچکی ہے کہ تنہا کلمہ مفرد کہلاتا ہے اس سے کلام تیار نہیں ہوتا اور دو کلموں سے مل کر مرکب تو بن جائے گا لیکن ضروری نہیں کہ وہ مرکب تام یعنی مرکب مفید ہی بنے بلکہ ہو سکتا ہے کہ مرکب ناقص بنے۔

تفصیل یہ ہے کہ جن دو کلموں سے کلام بناؤ گے تو وہ عقلاً چھ حال سے خالی نہیں، (۱) دونوں اسم ہوں (۲) دونوں کے دونوں فعل ہوں (۳) دونوں حرف ہوں (۴) ایک اسم ہوں ایک فعل ہو (۵) ایک اسم ہو ایک حرف ہو (۶) ایک فعل اور ایک حرف ان چھ قسموں میں سے صرف اُس قسم میں مرکب مفید بنتا ہے جس میں جملہ کے دونوں جزء مسند اور مسند الیہ بن جاتے ہیں اور یہ صرف پہلی صورت اور چوتھی صورت میں ہیں کیونکہ جب دونوں اسم ہیں ایک کو مسند الیہ بنالیں گے اور ایک کو مسند اور مرکب مفید ہو جائے گا کیونکہ اسم دونوں بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور چوتھی شکل یعنی ایک کلمہ اسم ہو ایک فعل اس میں اسم مسند الیہ بن جائے گا اور فعل مسند اور کلام تیار ہو جائے گا جیسے زیند حافظ (زیند حافظ ہے) اور ذہب زیند (زیند چلا گیا) باقی اور قسموں میں چونکہ مسند اور مسند الیہ دونوں نہیں ہو پاتے اس لئے یہ صورتیں کلام بننے میں کارگر نہیں ہیں پھر خالی دو کلموں سے بھی کلام بنا ضروری نہیں ہے جیسے غلام زیند، آخذ عشر، رنل عالم، بعلبک، سیویہ کیونکہ وہ دو کلمے ایسے ہونے چاہئے کہ ان میں سے ایک مسند ہو سکے اور دوسرا مسند الیہ اور اوپر غلام زیند جو مرکب اضافی کی مثال ہے اور آخذ عشر جو مرکب بنائی کی مثال ہے اور رنل عالم مرکب توصلی کی مثال ہے اور بعلبک جو مرکب منع کی مثال ہے اور سیویہ جو مرکب صوتی کی مثال ہے یہ صرف کلمہ کا ایک جزء بنتے ہیں چاہے مسند بنا لو اور چاہے مسند الیہ کیونکہ مرکب ناقص کی پانچوں قسمیں باوجود اپنے دو کلموں سے مرکب ہونے کے نقطہ مسند یعنی خبر نہیں گے یا نقطہ مسند الیہ یعنی مبتدا نہیں گے جبکہ وہ دو کلمے ایسے ہونے ضروری ہیں کہ ایک کو مسند بنایا جاسکے اور دوسرے کو مسند الیہ قرار دیا جاسکے لہذا اب کلام بننے کی بس یہی صورت ہے کہ دو کلمے لو اور وہ ایسے

ہوں کہ مسند اور مسند الیہ بن سکیں پھر ان میں اسناد بھی کر دی گئی ہو یعنی ایک کو دوسرے کے لئے ثابت کر دیا گیا پھر چاہے یہ ثابت کرنا فعل فاعل کی شکل میں ہو جس سے جملہ فعلیہ بنے گا اور چاہے مبتدا خبر کی شکل میں جس سے جملہ اسمیہ تیار ہوگا۔

سبق ششم

بدان کہ جملہ انشائیہ آل است کہ قائلش را بصدق و کذب صفت نتواں کر دو آں بر چند قسم است امر
چوں اِضْرِبْ و نَبِیْ چوں لَا تَضْرِبْ و استفہام چوں هَلْ ضَرَبَ زَيْدٌ و تَمْنِیْ چوں لَيْتَ زَيْدًا حَاضِرٌ
و تَرْجِیْ چوں لَعَلَّ عَمْرٌ وَاغَائِبٌ و عَقُوْدٌ چوں بَعَثَ و اشْتَرَيْتَ و ند چوں يَا اللّٰهُ عَرْضٌ چوں اَلَا
تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيبَ خَيْرًا و قسم چوں وَاللّٰهِ لَا ضَرِبَنَّ زَيْدًا و تَجِبُ چوں مَا اَحْسَنَهُ وَاَحْسِنُ بِهِ۔

ترجمہ: جان تو کہ جملہ انشائیہ وہ ہے کہ اس کے کہنے والے کی سچ اور جھوٹ کے ساتھ صفت نہ بیان کی جاسکے اور وہ چند (دس) قسم پر ہے (۱) امر جیسے اِضْرِبْ (مار تو) (۲) نہی جیسے لَا تَضْرِبْ (مت مار تو) (۳) استفہام جیسے هَلْ ضَرَبَ زَيْدٌ (کیا زید نے مارا) (۴) تمنیٰ جیسے لَيْتَ زَيْدًا حَاضِرٌ (کیا اچھا ہوتا کہ زید موجود ہوتا) (۵) ترجیٰ جیسے لَعَلَّ عَمْرٌ وَاغَائِبٌ (شاید کہ عمرو موجود نہیں ہے) (۶) عقود جیسے بَعَثَ (بیچا میں نے) و اشْتَرَيْتَ (خریدا میں نے) (۷) ندا جیسے يَا اللّٰهُ (اے اللہ) (۸) عرض جیسے اَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيبَ خَيْرًا (کیوں نہیں آتا تو ہمارے پاس تاکہ یہو نچے تو کسی بھلائی کو) (۹) قسم جیسے وَاللّٰهِ لَا ضَرِبَنَّ زَيْدًا (خدا کی قسم میں زید کو ضرور بالضرور ماروں گا) (۱۰) تجب جیسے مَا اَحْسَنَهُ (کیا ہی خوب ہے وہ چیز جس نے حسین بنا دیا زید کو وَاَحْسِنُ بِهِ) (اے مخاطب حسین بنا دے تو زید کو)۔

حل مضمون: سبق چہارم میں یہ سمجھایا جا چکا ہے کہ جملہ انشائیہ میں سچ جھوٹ ہونے کا احتمال ہوتا ہی نہیں ہاں البتہ خبریہ میں ہوتا ہے وہاں اس کی وجہ ذکر کی جا چکی ہے دوبارہ دیکھ لیا جاوے یہاں یہ جاننا ہے کہ جملہ انشائیہ دس طرح کا ہوتا ہے۔

- (۱) جس جملہ میں کوئی حکم یا کوئی طلب معلوم جیسے صیغہ امر میں یہ بھی انشاء کہلاتا ہے۔
- (۲) جس جملہ میں کسی کام سے منع اور رکنے کا حکم ہو یعنی صیغہ نہی یہ بھی انشاء ہو جاتا ہے۔
- (۳) جس جملہ کے ذریعہ سوال یا پوچھنا پایا جاوے جیسے وہ جملہ جس میں ہمزہ یا اہل لگا ہوا ہو وہ بھی انشاء ہی ہے۔
- (۴) جس جملہ میں بطور آرزو اور تمنا کسی چیز کو ظاہر کیا جائے جیسے لَيْتَ زَيْدًا حَاضِرٌ (کیا بڑھیا ہوتا کہ زید موجود ہوتا) پھر جس چیز کی آرزو کی جارہی ہے وہ قسم کی ہے (۱) ہو سکتے والی جیسے زید کا موجود ہونا (۲) نہ ہو سکتے والی جیسے لَيْتَ الشَّبَابِ یَعُوْدُ (کیا اچھا ہوتا کہ جوانی واپس آجاتی تو جوانی کا لوٹنا ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ کہ خدا چاہے جیسے حضرت یوسف کی بیوی زینحٰا کی لوٹ گئی تھی بہر حال فی الحال کسی چیز کی آرزو کرنا بھی انشاء میں داخل ہے جس کو تمنیٰ کہتے ہیں۔
- (۵) توجیٰ یعنی کسی چیز کی امید ظاہر کرنا جیسے لَعَلَّ عَمْرًا غَائِبٌ لگتا ہے کہ عمر غائب ہے آرزو ممکن انھول اور محال

دونوں چیز کی جاسکتی ہے البتہ امید صرف اس چیز کی ہی کی جاوے گی جو ہو سکتی ہو نہ ہو سکنے والی کی امید نہیں ظاہر کی جاتی بہر حال امید ظاہر کرنے کا تعلق فی الحال سے ہے لہذا یہ بھی انشاء ہے۔

(۶) عقود (معاملے) عقد بمعنی معاملہ کی جمع ہے وہ کلمات یا صیغے جو بیچنے یا خریدنے کے وقت بولے جاتے ہیں جیسے بعث میں نے بیچ دیا اور اشتریت میں نے خرید لیا یہ بھی انشاء ہی ہیں۔

سوال: یہ تو ماضی کے صیغے ہیں جو خبر پر مشتمل ہوتے ہیں لہذا انشاء کہاں ہوئے؟

جواب: جب کسی چیز کا پختہ اور یقینی ہونا بتانا ہوتا ہے تو اس کے لئے ماضی کا صیغہ لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں وَنَفَخَ فِي الصُّورِ کہ صور پھونک دیا گیا حالانکہ یہ تو پھونکا جائے گا قیامت کے وقت تو علماء نے اس میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ گویا یہ کام ہو چکا اور ہو چکنے کے بعد اس کی خبر بھی دی جا رہی ہے چونکہ خبر کا دینا جیسی ہو سکتا ہے جب کوئی چیز ہو چکی ہو لہذا ماضی کے صیغے بیچتے اور خریدتے وقت اس کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں کہ ہمارا یہ بیچ و شراء کا معاملہ بالکل پکا ہے اگر مضارع کا صیغہ لایا جاتا تو اس میں احتمال تھا کہ ابھی معاملہ بالکل پکا نہ ہو اور خریدنے بیچنے کا ارادہ کیا جا رہا ہو بہر حال پختگی کے لئے اور دعاء کے لئے عام طور سے ماضی کے صیغے ہی استعمال ہوتے ہیں جیسے جزاک اللہ، بارک اللہ، عفی اللہ عنہ، غفر لہ وغیرہ۔

سوال: جب یہ ماضی کے صیغے ہوئے تو ان میں سچ جھوٹ کا احتمال رہے گا اور انشاء نہیں بنیں گے؟

جواب: بعث و اشتریت اور طَلَّقْتُ یا نَكَحْتُ وغیرہ صیغوں میں اصل ارادہ تو ابھی بیچ اور شراء یا طلاق اور نکاح کا ہے لہذا یہ معنی انشاء ہی نہیں گے ماضی کی خبر کا ارادہ متکلم کا نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہوگا تو پھر یہ واقعہ ہی خبر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے سچ جھوٹ کا احتمال رکھیں گے اور بجائے جملہ انشائیہ کے خبریہ ہی کہلا دیں گے۔

(۷) فدا جس جملہ کے ذریعہ کسی کو بلایا جاوے یا پکارا جاوے وہ بھی انشاء ہے جیسے يَا زَيْدُ (اے زید) چونکہ یہ بلانا ابھی فی الحال مخاطب کے سامنے پایا جا رہا ہے لہذا خبر پر مشتمل نہ ہونے کی وجہ سے انشاء میں ہی داخل ہے۔

(۸) عرض بمعنی پیشکش یعنی کسی سے صم اور نرمی کے ساتھ کسی چیز کی درخواست یا پیشکش کرنا جیسے اس مثال میں الا تنزل بنا فتصیب خیراً تو ہمارے پاس کیوں نہیں آتا جو تو کسی بھلائی کو پہنچ جائے اس میں درخواست چونکہ فی الحال ہے لہذا اس کا انشاء ہونا بھی ظاہر ہے۔

(۹) قسم: قسم کھا کر جب آدمی کسی بات کو کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں اس کو ضرور کر کے رہوں گا جیسے وَاللّٰهِ لَا ضَرْبَ بْنَ زَيْدًا بخدا میں زید کو ضرور بالضرور ماروں گا اس جملے میں بھی ابھی قسم کھائی جا رہی ہے اور جس چیز کے کرنے کو کہہ دیا ہے وہ کہنا بھی فی الحال ہے لہذا اس کا انشاء ہونا بھی ظاہر ہے۔

(۱۰) تعجب بمعنی حیرانی و پریشانی، ہوتا یہ ہے کہ جب کسی کو کسی چیز کا سبب اور وجہ معلوم نہیں ہوتی تو انسان کو تعجب ہوتا ہے جیسے مثلاً کسی برتن سے یا بوتل سے کوئی چیز ٹپکے اور سوراخ نظر نہ آتا ہو تو تعجب اور حیرانی ہوگی کہ آخر کہاں سے ٹپک رہا ہے تو تعجب ہر اس چیز میں ہوگا جس کا سبب خفی ہو اگر سبب ظاہر ہو جاوے تو تعجب کی بات ہی نہ رہے گی پھر اہل عرب کے یہاں تعجب

کے اظہار کے لئے بطور نمونہ دو صیغے ہیں جب کبھی کسی چیز پر تعجب ظاہر کرنا ہو تو ان دونوں صیغوں کے وزن پر کر لیا جاتا ہے (۱) ما أَحْسَنَ زَيْدًا (۲) أَحْسِنُ بِزَيْدٍ مثلاً ہمیں خالد کے علم پر تعجب ظاہر کرنا ہو تو ما أَحْسَنَ کے وزن پر ما أَغْلَمَ یولو اور زَيْدًا کی جگہ خالد اکہہ دو یعنی ما أَغْلَمَ خالد اکہہ خالد کس قدر علم والا ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ أَحْسِنُ کے وزن پر أَغْلِمُ لا کر پھر پاء کے بعد خالد اکہہ دو مثلاً أَغْلِمُ بخالد کہ خالد کتنا بڑا علامہ ہے یا کس قدر علم والا ہے ایسے ہی مَا أَضْحَكَ زَيْدًا اور أَضْحَكَ بِزَيْدٍ (کہ زید کس قدر ہنس رہا ہے) یہ دونوں ہی جملوں کا ترجمہ ہے) دیگر صیغے بنائے جاسکتے ہیں مزید تفصیل نحویر کے فعل تعجب کے سبق کے تحت آئے گی اور وہیں ان کی ترکیب بھی بتائیں گے ان شاء اللہ، بہر حال تعجب والے صیغہ میں بھی نی الحال ہی تعجب کو عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے لہذا یہ بھی انشاء یہ بنے گا بہر حال یہاں مذکورہ جس جملے سچ جھوٹ کا احتمال نہ رکھنے کی وجہ سے انشاء ہی نہیں گے۔

سبق ہفتم

فصل بدانکہ مرکب غیر مفید آنست کہ چون قائل بر آں سکوت کند سامع را خبرے یا طلبے حاصل نشود
 و آں برسہ قسم است **اول مرکب اضافی** چون غَلَامٌ زَيْدٌ جز و اول را مضاف گویند و جز و دوم را
 مضاف الیہ و مضاف الیہ ہمیشہ مجرور باشد، **دوم مرکب بنائی** و اُو آنست کہ دو اسم را یکے کردہ
 باشند و اسم دوم متضمن حرفے باشد چون أَحَدٌ عَشْرٌ تا تِسْعَةٌ عَشْرٌ کہ در اصل أَحَدٌ و عَشْرٌ
 و تِسْعَةٌ و عَشْرٌ بودہ است و اورا حذف کردہ ہر دو اسم را یکے کردند و ہر دو جز و مثنیٰ باشد بر فتح إِلَّا اِنَّا
 عَشْرٌ کہ جز و اول معرب است، **سوم مرکب منع صرف** و اُو آنست کہ دو اسم را یکے کردہ
 باشند و اسم دوم متضمن حرفے نہ باشد چون بَعْلَبُکٌ و حَضْرَمَوْتُ کہ جز و اول مثنیٰ باشد بر مذہب اکثر
 علماء و جز و دوم معرب بدانکہ مرکب غیر مفید ہمیشہ جز و جملہ باشد چون غَلَامٌ زَيْدٌ قَائِمٌ و عِنْدِي أَحَدٌ
 عَشْرٌ دِرْهَمًا و جَاءَ بَعْلَبُکٌ۔

ترجمہ: جان تو مرکب غیر مفید وہ ہے کہ جب بولنے والا اس پر خاموشی اختیار کرے تو سننے والے کو کوئی خبر یا چاہت معلوم نہ ہو
 اور وہ مرکب غیر مفید تین قسم پر ہے (اول) **مرکب اضافی** جیسے غَلَامٌ زَيْدٌ پہلے جز و کو مضاف کہتے ہیں اور دوسرے جز و کو
 مضاف الیہ (دوم) **مرکب بنائی** اور وہ ہے کہ ایسے دو اسموں کو ایک کر دیا گیا ہو جن میں سے دوسرا اسم کسی حرف کو شامل
 ہو جیسے أَحَدٌ عَشْرٌ سے تِسْعَةٌ عَشْرٌ تک جو کہ اصل میں أَحَدٌ و عَشْرٌ اور تِسْعَةٌ و عَشْرٌ تھا و اُو کو ختم کر کے دونوں اسم ایک
 کر لئے گئے اور دونوں جز و مثنیٰ ہوتے ہیں علاوہ اِنَّا عَشْرٌ کے کہ پہلا جزء (اس میں) معرب ہے، (سوم) **مرکب**

منع صرف اور وہ ہے کہ دو اسم کو ایک کیا گیا ہو اور دوسرا اسم کسی حرف کو شامل نہ ہو جیسے بَعْلَبُک، حَضَرَ فَوْتُ کہ اول جزء اکثر صماء کے مذہب پر فتح پڑتی ہوگا اور (اس کا) دوسرا جزء معرب ہوتا ہے، جان تو کہ مرکب غیر مفید ہمیشہ جملہ کا جزء ہوتا ہے جیسے غَلَامٌ زَبْدٌ قَائِمٌ اور عِنْدِي أَخَذَ عَشْرَ دُرِّهِمَا اور جَاءَ بَعْلَبُک۔

حل مضمون: مرکب غیر مفید کی مصنف یہ تعریف کر رہے ہیں کہ متکلم جب بول کر خاموش ہو تو سننے والے کو نہ کوئی خبر حاصل ہوئی ہو اور نہ چاہت معلوم ہوئی ہو کیونکہ جس جملہ سے خبر معلوم ہوتی ہے وہ جملہ خبریہ کہلاتا ہے اور جس سے چاہت معلوم ہوتی ہے اس کو جملہ انشائیہ کہتے ہیں تو مصنف کا مطلب یہ ہے کہ جس مرکب سے کوئی سا بھی جملہ نہیں بنا نہ خبریہ نہ انشائیہ تو اس کو مرکب غیر مفید کہیں گے اب یاد رکھئے کہ جملہ خبریہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اسمیہ (۲) فعلیہ اسمیہ جب بنتا ہے جب ایک چیز کو ذہن میں اصل ٹھہرا کر اس کے متعلق کچھ کہا گیا ہو جیسے زَبْدٌ حَالِظٌ زَبْدٌ حَالِظٌ زَبْدٌ حَالِظٌ ہے اس میں ہم نے زَبْدٌ کو اصل درجہ دیا یعنی مبتدا بنایا اور پھر اس کے متعلق حافظ ہونے کی خبر دی تو حافظٌ خبر بن گیا لہذا ہر جملہ اسمیہ میں جب تک یہ مبتدا اور خبر نہ آئیں گے جملہ اسمیہ تیار نہ ہوگا اسی طرح جملہ فعلیہ میں کسی کام کو کسی سے جوڑتے ہیں جس سے جوڑتے ہیں اس کو فاعل کہتے ہیں اور جس کو جوڑتے ہیں فعل کہتے ہیں لہذا ہر جملہ فعلیہ بننے کے لئے فعل فاعل دونوں کا ہونا ضروری ہے نیز یاد رکھئے کہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں میں ہی مسند الیہ اور مسند پائے جاتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جملہ اسمیہ میں اول جزء یعنی مبتدا کو مسند الیہ کہیں گے اور جملہ فعلیہ میں اس کا الٹا کہ دوسرے جزء یعنی فاعل کو مسند الیہ کہیں گے نیز جملہ اسمیہ میں دوسرا جزء مسند کہلائے گا اور فعلیہ میں اول جزء کہلائے گا، رہا جملہ انشائیہ وہ درحقیقت ان دو حال سے خالی نہیں کہ علامت انشاء ہٹانے کے بعد فعلیہ بنے گا یا اسمیہ مثلاً اَعْلَلَ صَرَبٌ زَبْدٌ میں اَعْلَلَ ہٹا کر فعلیہ ہے جو اَعْلَلَ سے انشائیہ بن گیا ہے اسی طرح اَعْلَلَ عَمْرًا غَائِبٌ میں عَمْرًا بلا اَعْلَلَ کے جملہ اسمیہ ہے جو مبتدا خبر تھے اور اَعْلَلَ لگنے سے اس کے اسم خبر کہلائے، بہر حال کوئی بھی کلام یا گفتگو مفید جب ہوگی جب اس میں یا تو مبتدا خبر اور یا فعل فاعل آجائیں اگر یہ نہ آئیں تو اس کو غیر مفید کہیں گے اس تفصیل کے بعد ہم مفید اور غیر مفید کا باسانی فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی اس فصل میں ان قسموں کو ذکر کر رہے ہیں جو مرکب ہونے کے باوجود غیر مفید ہیں یاد رکھئے کہ کل مرکب چھ ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں

بود ترکیب نزد نحویاں شش ❁ بیادش گیر گر خائف ز فونے

نحویوں کے نزدیک ترکیب (مرکب) کی چھ قسمیں ہیں، ان کو یاد میں لا اگر تو فوت ہونے سے ڈرتا ہے

چوں اسناد و تعدادی دمزی ❁ اضافی داں و توصیلی و صوتی

جیسے اسنادی اور تعدادی اور امتزاجی، اضافی جان اور توصیلی اور مرکب صوتی

ان چھ قسموں میں مرکب اسنادی تو مرکب مفید ہی کا نام ہے رہی پانچ قسمیں تو ان میں سے تین: ۱- اضافی، ۲-

تعدادی، جس کا دوسرا نام بنائی بھی ہے، ۳- مرکب منع صرف جس کا دوسرا نام مرکب امتزاجی بھی ہے یہاں ذکر کر رہے ہیں اور دو قسمیں مرکب توصیلی اور مرکب صوتی کو مصنف نے تو چھوڑ دیا ہے البتہ ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

مرکب اضافی: اس کا اور مرکب تو وصلی کا ایک نام مرکب تہیدی بھی ہے کیونکہ تہیدی وہ ہے کہ جس میں دوسرا جزء اول کے لئے قید ہو چنانچہ اضافی اور وصلی میں ایسا ہی ہے مثلاً غلام زید میں غلام عام تھا کسی کا بھی ہو سکتا تھا مگر جزء ثانی یعنی زید نے خاص اور مفید کر دیا کہ وہ اس نام والے کا غلام ہے ایسے ہی کتاب جتد میں جو مرکب وصلی ہے کتاب عام تھی جتد یعنی عمدہ اور غیر جتد یعنی عمر غیر عمدہ دونوں ہو سکتی تھی مگر جتد کہنے سے کتاب خاص ہو گئی کہ وہ کتاب عمدہ ہے نہ کہ غیر عمدہ بہر حال مرکب اضافی ایسے مرکب غیر مفید کو کہتے ہیں جو مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بنے۔ اضافتہ کے معنی جوڑنے کے ہیں مضاف جس کو جوڑا جائے مضاف الیہ جس سے جوڑیں جب دو کلموں میں ایک کو دوسرے سے جوڑا گیا ہو تو ایسے دو کلموں کا نام مرکب اضافی ہے جیسے غلام کو زید سے جوڑا ہے۔ غلام زید میں اول جزء یعنی غلام پر کیا پڑھیں یہ طے نہیں ہے جیسا اس سے پہلے عامل آ گیا ویسا ہی رفع نصب جر کچھ بھی آسکے گا، ہاں البتہ زید جو مضاف الیہ ہے یہ ہمیشہ مجرور ہووے گا، اور مرکب وصلی میں دونوں جزء کا اعراب یکساں ہے اگر مرفوع پڑھیں گے تو دونوں کو منصوب پڑھیں یا مجرور تو دونوں کو اور یہ دونوں جزء بھی اپنے سے پہلی عبارت کے تابع ہوں گے جیسا عامل کا تقاضہ ویسا پڑھنا پڑے گا۔

مرکب بنفسی: اور مرکب منع صرف اور مرکب صوتی تینوں مرکب غیر تہیدی کی قسمیں ہیں کیونکہ ان میں جزء ثانی جزء اول کی قید نہیں ہوتا ہے بہر حال مرکب بنائی ایسے مرکب غیر مفید کو کہتے ہیں جو دو ایسے کلموں سے مل کر بنے جو گنتی کو بتلاتے ہیں اور ان دو کلموں کے بیچ میں کوئی حرف عطف بھی ہو جیسے اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک کی گنتی کے کلمات جنوناً ہیں ان کی اصل اَحَدَ وَعَشْرًا، اثنان وعشْرًا، ثلثة وعشْرًا الخ تھی یعنی ایک اور دس، دو اور دس، تین اور دس پھر داؤ بیچ میں سے ہٹا کر دونوں کلموں کو ایک کر دیا اب سیدھا ترجمہ گیارہ، بارہ، تیرہ کیا جانے لگا اور دونوں کے دونوں جز یعنی علی الفتح پڑھے جائیں گے علاوہ (اثنان عشر مذکر کے لئے اور اثننا عشر مؤنث کے لئے) کے کہ ان دو کلمات میں جزء ثانی یعنی عشر تو بنی علی الفتح رہے گا اور جزء اول حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور نصی جری میں یاء کے ساتھ پڑھیں گے یعنی اثنان عشر اور اثنی عشر بولیں گے اور معرب پڑھیں گے۔

سوال: اثنان عشر کا اول جزء معرب کیوں بنا؟

جواب: جب اثنان وعشْر سے داؤ بیچ سے ہٹا کر دونوں کا ایک کلمہ بنایا تو جیسے واؤ گرایا تو تخفیف کے لئے نون بھی گرا دیا اور اس نون کے گرنے سے یہ مضاف کے مشابہ ہو گیا یعنی جیسے مضاف تشبیہ کے اندر نون گرتا ہے مثلاً غلاما زید جو اصل غلامان لزیئد تھا اسی طرح اثنان عشر میں گر گیا لہذا جو کام مضاف میں ہوتا ہے یعنی نون گرنا وہ یہاں بھی ہو اور اضافت معرب کا خاصہ ہے لہذا یہ بھی معرب قرار دیا گیا یعنی یہ اثنان مضاف کے مشابہ ہو گیا نون گرنے میں لہذا جس طرح مضاف معرب بنتا ہے یہ بھی معرب بنے گا یا در ہے کہ مرکب بنائی صرف گیارہ سے انیس تک کے کلمات ہیں باقی سب معرب ہیں جیسا کہ ہدایۃ النحو اور کافیہ میں گنتی کی بحث میں پڑھ لو گے۔

مرکب منع صرف: ایسا مرکب غیر مفید ہے جو دو کلموں کو جوڑ کر بنایا گیا ہو لیکن یہ دو کلمے ایسے نہیں ہوتے جن کے درمیان

واذ ہوتی ہے جیسا کہ مرکب بنائی میں تھا پس خالی الگ الگ دو کلمے تھے ملا کر اکٹھا نام رکھ دیا مثلاً بَعْلٌ (جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اَلذُّعُونَ بَعْلًا وَتَذُرُونَ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اللّٰهُ رَبُّكُمْ کہ تم بعل بت کی عبادت (پوجا) کرتے ہو اور اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ یعنی اللہ کو جو تمہارا پروردگار ہے چھوڑ رہے ہو) یہ حضرت الیاس علی نبینا علیہ السلام کی قوم کا بت تھا جسے وہ پوجتے تھے اور بَنُکٌ ایک بادشاہ کا نام ہے جس نے اپنے اور بت کے نام کو ملا کر بَعْلَبُکٌ اس شہر کا نام رکھ دیا جو اس نے بنایا تھا ایسے ہی حَضَرَ مَوْتُ بھی دو کلموں حَضَرَ اور مَوْتُ سے ملا کر ایک شہر کا نام ہو گیا وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ حضرت صالح علی نبینا وعلیہ السلام کی قوم ثمود پر جب عذاب آیا تو حضرت صالح علی نبینا وعلیہ السلام اپنی باقی ماندہ قوم کو جو چار ہزار تھی لے کر جب ایک وادی میں پہنچے تو وہاں پہنچتے ہی حضرت صالح نبی کی موت ہو گئی جس پر اس وادی میں بسنے والوں نے اس بسنے والے شہر کا نام حضرت موت ہی رکھ دیا۔ کذافی تفسیر الخازن پ ۸ ر کو ع ۱۶ تحت قولہ تعالیٰ والی ثمود اخاهم صلیحاً الخ۔

حَضَرَ مَوْتُ : علم ہونے کے بعد اسم بن گیا اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ ضاد کو ساکن پڑھا جائے تاکہ اب نام ہونے کے بعد فعل کے مشابہ نہ لگے۔

مرکب منع صرف : کا اعراب کیا ہوگا اس میں دو قول ہیں: (۱) جو مصنف نے بیان کیا ہے یعنی اول جزء کا ثانی برفتحہ پڑھیں اور جزء ثانی کو معرب غیر منصرف پڑھیں۔

سوال: معرب غیر منصرف پڑھنے کا کیا مطلب؟

جواب: حالت رفیعی میں صرف ایک ضمہ پڑھیں گے تنوین دے کر نہیں پڑھیں گے نیز جروالی صورت میں ایک فتحہ پڑھیں گے کسرہ دینا منع ہوگا۔ (۲) مرکب منع صرف کے اول جزء کو دوسرے کی طرف مضاف کر دیں گے اور مضاف معرب ہوتا ہی ہے جیسا عامل آوے گا دیا ہی مضاف کا اعراب آوے گا اور جزء ثانی بھی معرب پڑھیں گے اور اس جزء ثانی کو معرب کرنے کے بعد چاہے منصرف پڑھو یا غیر منصرف، منصرف پڑھو گے تو تینوں حالتوں میں اعراب الگ آوے گا ورنہ حالت جری حالت نصی کے تابع ہوگی اور بحالت جری بھی نصب پڑھیں گے نیز تنوین بھی نہیں پڑھ سکیں گے۔ بہر حال اس دوسرے قول کے مطابق چھٹھنٹ ہے اسی لئے مصنف نے اس قول کو چھوڑ دیا۔

پانچواں مرکب: مرکب صوتی ہے جو کسی کلمہ اور آواز سے مل کر بنتا ہے جیسے مِسْبُوْہ اور نِفْطُوْہ اول مِسْبُوْہ جو خوارزن کا ایک شہر ہے اور وِیْہ سے بنا ہے جو محض ایک آواز ہے اسی طرح نِفْطُ بمعنی پیڑ اول اور وِیْہ کلمہ صوت سے بنا ہے کلمہ بصوت کے آخر میں ہونے کی وجہ سے اس کا نام مرکب صوتی پڑ گیا ان دو کلموں (مِسْبُوْہ، نِفْطُوْہ) کا اعراب یہ ہے کہ ان کے آخر کو ثانی علی الکر پڑھیں گے (کذافی رسالہ عمدۃ المرام فی آخر نحویر)

بدانکہ مرکب غیو مفید: یہاں سے مصنف یہ تشبیہ کرتے ہیں کہ مرکب غیر مفید چونکہ کم از کم دو کلموں سے بنتا ہے تو اس سے دھوکا نہ کھا جانا کہ اس سے جملہ بن جاتا ہے کیونکہ ہر مرکب غیر مفید جملہ کا جزء ہو سکتا ہے مکمل جملہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جملہ کے لئے مسند اور مسند الیہ دونوں ہونے چاہئے اور مرکب غیر مفید چاہے وہ کوئی سا ہی ہو مسند بنے گا یا صرف مسند الیہ نہ کہ دونوں

جیسا کہ آئندہ مثالوں سے جانا جائے گا۔ (۱) غلامُ زید قائم یہ ایسے مرکب غیر مفید کی مثال ہے جس میں مرکب اضافی مسند الیہ بنا ہوا ہے چنانچہ غلامُ زید مسند الیہ ہے یعنی مبتدا اور قائم مسند یعنی خبر ہے اور پھر جملہ اسمیہ ہو جائے گا، (۲) عندی اَخذَ عَشْرَ دِرْهَمًا یہ ایسے مرکب غیر مفید کی مثال ہے جس میں مرکب بنائی جملہ کے جزء کا بھی جزء ہے چنانچہ عندی مرکب اضافی ہو کر خبر مقدم اور اَخذَ عَشْرَ دِرْهَمًا اس میں اِحدَ عَشْرَ متمیز ہے اور درہما متمیز ہے پھر متمیز تمیز ل کر مبتدا مؤخر ہو جائے گا تو دیکھو اِحدَ عَشْرَ یہ تہانہ مسند ہے نہ مسند الیہ بلکہ درہما اپنی تمیز سے مل کر پھر مسند الیہ یعنی مبتدا بنے گا اور عندی مسند یعنی خبر مقدم ہوگی تو دیکھو اِحدَ عَشْرَ یہ جملہ کے دو جزء میں سے مسند الیہ کے دو جز متمیز متمیز میں سے ایک جزء ہے، لہذا اَخذَ عَشْرَ جملہ کے جزء کا جزء ہو گیا، (۳) جاء بعلبک یہ مرکب غیر مفید کی تیسری قسم (مرکب منع صرف) کے جملہ کا جزء ہونے کی مثال ہے چنانچہ جاء بعلبک یعنی مسند ہے اور بعلبک فاعل یعنی مسند الیہ ہے پھر مسند اپنے مسند الیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو جائے گا۔

فائدہ: یہاں بعلبک شہر کا آنا ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ چلتے چلتے سہارنپور آ گیا پھر آگے چلے دیوبند آ گیا تو آنے کا مطلب ہے پڑ جانا یعنی فلاں شہر پڑ گیا اور آ گیا، ایسے ہی کہتے ہیں کہ دھوپ آگئی یعنی ظاہر ہو گئی۔

سبق ہشتم

فصل بدانکہ صحیح جملہ کمتر از دو کلمہ نباشد لفظاً چوں ضَرْبَ زَيْدٍ وَ زَيْدٌ قَائِمٌ یا تقدیراً چوں اِضْرِبْ کہ اَنْتَ درو مستتر ست و ازیں بیشتر باشد و بیشتر واحدے نیست بدانکہ چوں کلمات جملہ بسیار باشد اسم و فعل و حرف را با یک دیگر متمیز باید کردن و نظر نمودن کہ معرب ست یا مبنی و عامل ست یا معمول و باید دانستن کہ تعلق کلمات با یک دیگر چگونه است تا مسند و مسند الیہ پیدا گردد و معنی جملہ تحقیق معلوم شود۔

ترجمہ: جان تو کہ کوئی جملہ دو کلموں سے کم میں نہیں بنتا ہے چاہے وہ دو کلمے لفظاً ہوں جیسے ضَرْبَ زَيْدٍ اور زَيْدٌ قَائِمٌ یا تقدیراً جیسے اِضْرِبْ کہ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ہے اور اس سے زیادہ سے بھی بنتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے جان تو کہ جب جملہ کے کلمات زیادہ ہوں اسم اور فعل اور حرف کو آپس میں پہچاننا چاہئے اور دیکھ لینا چاہئے کہ معرب ہے یا مبنی اور عامل ہے یا معمول اور جانا چاہئے کہ کلمات کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح ہے تاکہ مسند اور مسند الیہ ظاہر ہو جائے اور جملہ کے معنی اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

حل مضمون: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جملہ میں یہی نہیں کہ صرف دو کلمہ مسند اور مسند الیہ ہی ہوں گے بلکہ دو کلموں سے زیادہ کلمات بھی جملہ میں ہو سکتے ہیں جملہ میں لفظاً دو کلمہ ہونے کی مثال ضَرْبَ زَيْدٍ اور زَيْدٌ قَائِمٌ ایک جملہ فعلیہ ہے اور دوسرا اسمیہ یہ دونوں مثالیں ایسی ہیں جس میں جملہ کے دونوں کلمے بولنے میں آ رہے ہیں اس کے برخلاف اِضْرِبْ بولنے میں تو ایک کلمہ ہے لیکن اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے تو تقدیری یعنی ماننے کے اعتبار سے دو ہیں تو دو کلمہ کا ہونا عام ہے چاہے وہ

بولنے اور پڑھنے میں دوہوں یا بولنے پڑھنے میں تو ایک ہو مگر دوسرا کلمہ بھی ذہن میں اس میں مان رکھا ہو۔
فائدہ: کسی لفظ کو صرف لفظوں میں ختم کرنا نیت میں باقی رکھنے کو تقدیر یا تقدیری کہتے ہیں اور لفظ اور نیت دونوں میں ختم کرنے کو حذف بولتے ہیں یا محذوف۔

وازیں بیشتر باشد: یعنی جملہ دو کلمہ سے زیادہ سے بھی مرکب ہوتا ہے لیکن کتنے زیادہ تک ہو سکتا ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں چنانچہ تین سے مرکب ہونے کی مثال **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا** چار سے مرکب ہونے کی **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرَبًا** اور پانچ سے مرکب ہونے کی **ضَرَبَ زَيْدًا عَمْرًا ضَرَبًا شَدِيدًا** اور چھ سے مرکب ہونے کی **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرَبًا شَدِيدًا** فی دارہ اور سات سے **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرَبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ اَمَامَ الْاَمِيْرِ** اور آٹھ سے **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرَبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ اَمَامَ الْاَمِيْرِ تَادِيْبًا** اور نو سے **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرَبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ اَمَامَ الْاَمِيْرِ تَادِيْبًا وَسُوْطًا** اور دس سے **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرَبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ اَمَامَ الْاَمِيْرِ تَادِيْبًا وَسُوْطًا رَاكِبًا** پوری مثال کا ترجمہ اس طرح ہے مارا زید نے عمر کو سخت مارنا اسی کے گھر میں بادشاہ کے سامنے ادب سکھانے کے لئے کوڑے کے ساتھ سوار ہونے کی حالت میں۔

بدانکہ چون کلمات جملہ بسیار باشد الخ: ابھی اوپر جو مثال دس کلموں سے جملہ بننے کی آئی ہے اس سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ بعض مرتبہ جملہ میں بہت کلمات ہو جاتے ہیں تو ایسے وقت میں ان کلمات میں یہ جاننا ضروری ہے کہ کون اسم ہے کون فعل اور کون حرف اور دیکھنا پڑے گا کہ کون ان میں معرب ہے اور کون مثنیٰ یعنی کس کلمہ پر اعراب بدل کے لانا ہے اور کس پر نہیں پھر ان میں کون عمل کر رہا ہے اور کس میں کر رہا ہے اور جاننا پڑے گا کہ یہ کلمات آپس میں کیا تعلق رکھتے ہیں چنانچہ یہی جملہ جو دس کلمات پر مشتمل ہے یہ جملہ فعلیہ ہے تو اس میں **ضَرَبَ** فعل یعنی مسند ہے اور **زَيْدٌ** فاعل یعنی مسند الیہ ہے اور **عَمْرًا** مفعول بہ ہے **ضَرَبًا** مفعول مطلق ہے اور **شَدِيدًا** اسی **ضَرَبًا** کی صفت ہے **فِي دَارِهِ** مفعول فیہ ہے امام الامیر یہ بھی مفعول فیہ ہے **تَادِيْبًا** مفعول لا ہے اور **وَسُوْطًا** مفعول معہ ہے اور **رَاكِبًا** حال ہے، تو دیکھئے اس جملہ میں صحیح ترجمہ کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری کہ کون کلمہ فاعل ہے تاکہ اس کے ترجمہ میں ”نے“ لگ سکے اور کون مفعول تاکہ اس کے ترجمہ میں ”کو“ لگ سکے پھر کون مفعول مطلق ہے تاکہ اس کا ترجمہ مفعول مطلق والا کیا جاسکے کون مفعول فیہ ہے تاکہ اس کا ترجمہ مفعول فیہ والا کر سکے اور حال کا حال دانا، اور مفعول لہ کا مفعول لہ والا مفعول معہ کا مفعول معہ والا بغیر ان گذشتہ باتوں کے جانے کوئی صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا یہ تو جملہ فعلیہ کا حال ہے، اسی طرح جملہ اسمیہ میں کبھی کبھی مسند الیہ اکٹھے کئی کلمات کو بنایا جاتا ہے، اور یہی حال مسند کا بھی ہے کہ بعض دفعہ مسند یعنی خبریں کئی کئی ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر ہم کہیں **وسیم، نسیم، خالد، عبدالرحمن** کھیلتے ہیں، ہنستے ہیں، پڑھتے ہی نہیں، تو اس جملہ میں مسند الیہ یعنی مبتدا چار ناموں کو بنایا گیا ہے اور ان سے جس چیز کو جوڑا گیا یعنی مسند اور خبر تین ہیں تو اس میں جب تک یہ نہ جانے کہ مسند الیہ کہاں تک ہو اور مسند کہاں تک تب تک نہ کسی اردو جملہ کی صحیح عربی بنائی جاسکتی ہے اور نہ کسی عربی جملہ کی صحیح اردو کی جاسکتی ہے، فتدبر و تفکر۔

سبق نہم

فصل - بدانکہ علامت اسم آنست کہ الف و لام یا حرف جر در اولش باشد چون **الْحَمْدُ** و **بِزَيْدٍ** یا **تَوِينٍ** در آخرش باشد چون **زَيْدٌ** یا **مَسْدَالِيهِ** باشد چون **زَيْدٌ قَائِمٌ** یا مضاف باشد چون **غُلَامٌ زَيْدٍ** یا **مُضَرَّ** باشد چون **قُرَيْشٌ** یا منسوب باشد چون **بَغْدَادِيٌّ** یا مثنیٰ باشد چون **رَجُلَانِ** یا مجموع باشد چون **رَجَالٌ** یا موصوف باشد چون **جَاءَ رَجُلٌ عَالِمٌ** یا تائے متحرک بدو پیوند چون **ضَارِبَةٌ**.
و علامت فعل آنست کہ قدر اولش باشد چون **قَدْ ضَرَبَ** یا سین باشد چون **سَيَضْرِبُ** یا سوف باشد چون **سَوْفَ يَضْرِبُ** یا حرف جزم بود چون **لَمْ يَضْرِبْ** یا ضمیر مرفوع متصل بدو پیوند چون **ضَرَبْتُ** یا تائے ساکن چون **ضَرَبْتُ** یا امر باشد چون **اَضْرِبْ** یا نہی باشد چون **لَا تَضْرِبْ** **و علامت حرف آنست** کہ بیچ علامتے از علامات اسم و فعل درو نہبود۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم کی علامت وہ ہے کہ الف اور لام یا حرف جر اس کے اول میں ہو جیسے **الْحَمْدُ** اور **بِزَيْدٍ** یا تنوین اس کے آخر میں ہو جیسے **زَيْدٌ** یا **مَسْدَالِيهِ** ہو جیسے **زَيْدٌ قَائِمٌ** یا مضاف ہو جیسے **غُلَامٌ زَيْدٍ** یا تصغیر لایا ہوا ہو جیسے **قُرَيْشٌ** یا منسوب ہو جیسے **بَغْدَادِيٌّ** یا مثنیہ ہو جیسے **رَجُلَانِ** یا جمع ہو جیسے **رَجَالٌ** یا موصوف ہو جیسے **جَاءَ رَجُلٌ عَالِمٌ** یا تائے متحرک اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو جیسے **ضَارِبَةٌ**۔ اور علامت فعل وہ ہے کہ قدر اس کے شروع میں ہو جیسے **قَدْ ضَرَبَ** یا سین ہو جیسے **سَيَضْرِبُ** یا سوف ہو جیسے **سَوْفَ يَضْرِبُ** یا حرف جزم ہو جیسے **لَمْ يَضْرِبْ** یا ضمیر مرفوع متصل اس سے جڑی ہوئی ہو جیسے **ضَرَبْتُ**، **ضَرَبْتُ**، **ضَرَبْتُ** یا تائے ساکن ہو جیسے **ضَرَبْتُ** یا امر ہو جیسے **اَضْرِبْ** یا نہی ہو جیسے **لَا تَضْرِبْ**۔ اور حرف کی علامت وہ ہے کہ اسم اور فعل کی علامت میں سے کوئی علامت اس میں نہ ہو۔

حل مضمون: بدانکہ علامات اسم: یہاں سے مصنف اسم و فعل حرف کی علامات اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ خود ان کی تعریفوں سے انکا پتہ لگانا آسان نہیں ہے خاص طور سے مبتدی اور شروع شروع پڑھنے والے کو بے حد مشکل ہے اس لئے کچھ علامات اور نشانیاں ذکر کئے دیتے ہیں جن سے یہ پہچان ہو سکے کہ ان علامات والا اسم ہے اور ان علامات والا فعل چنانچہ مصنف کے بیان کے مطابق اسم کی گیارہ علامتیں ہیں پھر یہ علامات دو قسم کی ہیں: بعض تو لفظی ہیں اور بعض معنوی۔ لفظی علامت وہ ہے جو بولنے پڑھنے لکھنے میں آدے جیسے **الْحَمْدُ** میں الف لام اور **بِزَيْدٍ** میں با حرف جر ہے اور معنوی علامت سے مراد یہ ہے کہ وہ بولنے پڑھنے لکھنے میں تونہ آئے البتہ ذہن ذہن میں عبارت کو دیکھ کر اس کا پتہ چل جاتا ہو جیسے **زَيْدٌ قَائِمٌ** میں **زَيْدٌ** کا مسند الیہ ہونا یا **غُلَامٌ زَيْدٍ** میں **غُلَامٌ** کا مضاف ہونا کہ معنوی علامات ہیں۔

الف لام: یاد رہے کہ الف لام کی دو قسمیں ہیں: (۱) زائدہ جو محض کسی کلمہ پر خوبصورتی کے لئے لایا جاتا ہے اور اس سے تعریف یعنی معرفہ بنانا وغیرہ کا فائدہ نہ لیا جاوے جیسے **الْفَتْحُ** اور **الْكَسْرُ** اس طرح کا الف لام اسم کا خاصہ نہیں ہے کہ اسی پہ داخل ہو بلکہ فعل پر بھی آسکتا ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے **وَمِنْ جُخْرِهِ بِالشَّبْحَةِ الْيَقْضَعُ** ترجمہ اور جنگل چوہے کے بلوں میں سے ایک بل شیخہ نام کی گھاس ہے جس میں سے وہ مٹی نکال رہا ہے اس میں **الْيَقْضَعُ** فعل ہے جس پر الف لام آ رہا ہے اور **يَقْضَعُ** دراصل **يَقْضَعُ** ہے، (۲) غیر زائدہ جس کو داخل کر کے تعریف کا فائدہ حاصل کیا جائے یہ الف لام دو طرح کا ہے (۱) اسی جو **الذی** کے معنی میں ہوتا ہے اور یہی وہ الف لام ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر آیا کرتا ہے اور ہمیشہ **الذی** کے معنی میں ہوتا ہے، (۲) حرفی جو چار قسم پر ہے: (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد ذاتی (۴) عہد خارجی۔

(۱) **الف لام جنسی** وہ ہے کہ جس کلمہ پہ وہ داخل ہو اس سے ماہیت مراد ہو افراد نہیں جیسے **السُّرْبُ** **خَيْرٌ** **مِنَ الْمَرْءِ** یعنی مردوں کی کوالٹی عورتوں کی کوالٹی سے بہتر ہے، مطلب یہ ہے کہ عام طور سے مردوں کی ماہیت اور مشینری عورتوں کے مقابلہ میں بڑھیا ہی ہے اور جو قوت، حوصلہ اور سمجھ مردوں میں پایا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں عورتوں میں نہیں ہے، اسی لئے اہم ذمہ داریاں مثلاً جمعہ، عیدین پڑھنا یا قاضی اور جج بننا، بادشاہ بننا عورتوں سے متعلق نہیں کیا تو یہ حکم ماہیت پر ہے افراد پر نہیں چونکہ اگر افراد پر حکم ہو تو مطلب یہ بنتا ہے کہ ہر ہر مرد ہر ہر عورت سے بہتر ہے حالانکہ یہ غلط ہے کتنی عورتیں مردوں سے بڑھ جاتی ہیں چنانچہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نے اپنے خطبات میں ذکر کیا ہے کہ ہندوستان میں حمیدہ نام کی ایک پہلوان عورت تھی جس کے مقابلے سے تمام پہلوان عاجز تھے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی فرد عورت کا مرد سے بڑھ جائے لیکن جہاں تک ماہیت اور مشینری کوالٹی اور برادری کی بات ہے مردانہ قوتیں مردوں کی قوتیں اور صلاحیتیں زنانہ برادری سے بہتر ہوتی ہیں بہر حال حکم ماہیت رجولیت پر ہے اگر افراد پر حکم ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ ہر ہر مرد ہر ہر عورت سے بہتر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۲) **الف لام استغراقی** وہ ہے جہاں الف لام داخل ہوئے کلمہ سے فقط ماہیت مراد نہ لی جائے بلکہ اس حیثیت سے مراد لی جائے کہ وہ اپنے سب افراد میں پائی جا رہی ہو، جیسے **إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ** الخ یہاں **إِنَّ الْإِنْسَانَ** سے ہر وہ فرد مراد ہے جس کے اندر انسانی ماہیت اور حقیقت ہو اگر بالفرض پتھر میں بھی یہ ماہیت ہوئی تو وہ بھی انسان کلی کا فرد کہلائے گا بخلاف الف لام جنسی کے کہ اس میں حکم ماہیت پر ہوتا ہے افراد بالکل ذہن میں نہیں ہوتے بہر حال الف لام استغراقی میں ماہیت کے سب افراد میں پائے جانے کے اعتبار سے حکم ہوتا ہے خالی ماہیت پر نہیں ہوتا اس لئے **الانسان** سے آیت کے اندر سب ہی انسان مراد ہیں کیونکہ اگر سب مراد نہ ہوتو آگے **إِلَّا الْإِنْسَانَ** الخ کے ذریعہ جو اہل ایمان کو خسارہ سے نکالا ہے وہ نکالنا صحیح نہ بیٹتا کیونکہ خروج کے لئے دخول شرط ہے اور دخول کے لئے استغراقی مرد لینا شرط ہے تاکہ بالیقین اس میں داخل ہونا معلوم ہو جائے۔

(۳) **الف لام عہد خارجی** وہ ہے کہ جس پر یہ الف لام داخل ہو اس سے مراد ایسی ماہیت ہو جو ایسے معین فرد میں پائی جا رہی ہے کہ وہ فرد حکم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہو جیسے **فِعْضِي** **فِرْعَوْنَ** **الرَّسُولِ** میں **الرَّسُولِ** پر الف لام عہد خارجی

ہے اس طرح کہ فرعون نے جس فرد میں وصف رسالت پائے جانے پر نافرمانی کی وہ فرد کلم یعنی اللہ تعالیٰ اور مخاطب یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو مظلوم ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تو آیت میں لقصیٰ فرعون موسیٰ کے بجائے فرعون الرسول کہا کیونکہ اس میں بھی کوئی اشتباہ نہ تھا خصوصاً اس لئے بھی کہ فرعون جو نافرمانی کر سکتا ہے وہ ایسے رسول ہی کر سکتا ہے جو اس کے زمانہ میں تھے اور اس کے زمانہ میں ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دو بچے آپس میں کہیں آؤ بھائی (درخت) کے نیچے کھلیں گے تو کہنے والا اور سننے والا دونوں جان رہے ہیں کہ وہ درخت کونسا ہے جس کے نیچے کھیلنا کرتے ہیں۔

(۴) الف لام عهد ذهنی وہ ہے کہ جس کے دخول سے اسکی ماہیت مراد ہو جو کسی فرد غیر معین میں پائی جاوے جیسے اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّمَاکُلَهُ الذَّبَابُ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسف کے کھا جانے کا اندیشہ جس بھڑیے پر ظاہر کر رہے ہیں وہ کوئی متعین بھڑیا نہ تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ بھڑیے کی ماہیت والا کوئی جانور کہیں اس کو کھاند جائے۔

سوال: اسی خاص بھڑیے والی ماہیت کے جانور سے ہی کیونکر حضرت یعقوب نے اندیشہ ظاہر کیا؟

جواب: اس علاقہ میں بھڑیے زیادہ ہوں گے، جیسا کہ جہاں سانپ زیادہ ہوں ہم کہہ دیتے ہیں وہاں نہ جائیے سانپ کھا لے گا تو سانپ متعین نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں نہ جاؤ کہیں سانپ جیسی چیز یعنی خود سانپ ہی تجھ کو نہ کھالے، جبکہ وہاں سانپ زیادہ نکلتے رہتے ہوں۔

یا مضاف باشد: بعض نحو یوں نے مضاف الیہ کو بھی اسم ہی کا خاصہ مانا ہے تو ان کے نزدیک مضاف اور مضاف الیہ دونوں ہی اسم کی علامت ہیں مگر یوم ینفع الصادقین کو لے کر اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں یوم کا مضاف الیہ ینفع فعل بن رہا ہے؟

جواب: یہاں ینفع فعل نفع مصدر کے معنی میں ہے اور مصدر اسم ہوتا ہے اور بعض نحوی یوں کہتے ہیں اس آیت کو دیکھ کر کہ مضاف الیہ اسم کا خاصہ نہیں بلکہ فعل اور جملہ فعلیہ دونوں مضاف الیہ ہو سکتے ہیں۔

فائدہ: ینفع الصادقین میں اختیار ہے چاہے یوم کا مضاف الیہ صرف ینفع فعل کو کہو یا پورے جملہ کو۔

یا مضمغوا باشد: مضمغ یعنی تغیر لایا ہوا یعنی کسی اسم کو ایسے وزن پر کر دینا کہ اس سے کسی شے کی حقارت یا چھوٹا پن ظاہر ہوتا ہو ز جیل (چھوٹا آدمی) ز جیل کی تغیر ہے اور جعفر بمعنی نہر کی تغیر جعیفو ہے (چھوٹی نہر) اور قر یطیس ظہر طاس کی تغیر ہے بمعنی کاغذ ان مثالوں میں ہی تغیر کے اوزان آگئے یعنی فَعِیْلٌ فَعِیْلٌ فَعِیْلٌ تین حرفی کلمہ کی تغیر کے لئے فَعِیْلٌ کا وزن ہے اور چار حرفی اور پانچ حرفی کلموں کی تغیر کے لئے فَعِیْلٌ آتا ہے جیسے جَعْفَرٌ سے جَعْفَرٌ اور مَسْفَرٌ جَلٌّ سے مَسْفِرٌ ج یا در ہے کہ خماسی میں بوقت تغیر پانچوں حرف گر جاتا ہے اور فَعِیْلٌ ایسے کلمہ کی تغیر ہے جس کا چوتھا حرف مدہ یا لین ہو جیسے مفتاح سے مَفْتِیحٌ۔

فائدہ: اگر مؤنث سماعی ہو اور تین حرفی ہو تو اس کی تغیر میں تا بھی بڑھا دیتے ہیں جیسے شمس سے شَمْسَةٌ اور زیادہ تر یہ بھی

ہوتا ہے کہ کلمہ کے زائد حرف کو حذف کر کے تصغیر لادیتے ہیں اور اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں جیسے اَزْهَرُ سے زُهَيْرٌ اور حَارِثٌ سے حُرَيْثٌ، قُرَيْشٌ عرب کے سب سے بڑے قبیلہ کا نام ہے یہ قُرَيْشٌ کی تصغیر ہے اور قُرَيْشٌ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھاتی ہے اور اس کو کوئی مچھلی نہیں کھاتی، اور وہ تمام مچھلیوں پر غالب ہے جیسے یہ مچھلی غالب ہے اسی طرح قبیلہ قُرَيْشٌ بھی عرب کے تمام قبیلوں سے بڑا ہے، اور سب سے زیادہ قوت والا، اور سب پر غالب تھا اور تصغیر اسم کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ معنی فعل و حرف تصغیر کے لائق نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ مار چھوٹی بڑی نہیں ہوتی اور نہ میں اور نہ سے سے جو اندریت اور ابتداء سمجھ میں آتی ہے اس میں بھی تصغیر کے معنی نہیں آتے اور نہ چلتے۔

یا منسوب باشد: منسوب نسبت سے بمعنی جوڑا ہوا جب کسی کو کسی سے جوڑنا ہو تو جس سے جوڑنا ہے اس کے آخر میں یاء مشدود لگا دیا کرتے ہیں مثلاً کسی شخص کو بغداد سے جوڑنا تو بغدادی کہیں گے یا دیوبند سے جوڑنا ہے تو دیوبندی بولیں گے، نسبت کے قواعد مصباح اللغات کے اول میں بالتفصیل ہیں۔

فائدہ: بغداد اصل میں باغ داد تھا داد فارسی کا لفظ ہے بمعنی انصاف اور باغ داد کا مطلب ہوا انصاف کا باغ چونکہ نوشیرواں بادشاہ بغداد شہر کے آباد ہونے سے پہلے ایک باغ میں مظلوموں کا انصاف کیا کرتا تھا ایک زمانہ کے بعد جب یہاں آبادی ہوئی تو اس کا بغدادی نام بڑ گیا اور الف بوجہ کثرت استعمال حذف ہو گیا۔

سوال: عربی شہر کا بھی نام یعنی فارسی میں کیسے پڑ گیا؟

جواب: نوشیرواں بادشاہ چونکہ ایران کا تھا جہاں فارسی زبان بولتے ہیں ممکن ہے اسی لئے یہ فارسی نام چل پڑا ہو۔ اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں فارسی بھی رہ چکی ہے۔

یا مجموع باشد:

سوال: تشنیہ جمع اسم ہی کا خاصہ کہاں ہے فعل بھی تشنیہ جمع ہوتا ہے؟

جواب: فعل تو ہمیشہ واحد ہی ہوتا ہے چنانچہ ضَرْبٌ یا مار تو ایک ہی ہوتی ہے البتہ ایسے کرنے والے کبھی دو کبھی زیادہ کبھی مرد کبھی عورت کبھی مخاطب کبھی متکلم ہو جاتا ہے تو فعل تشنیہ جمع میں جو الف واو آتا ہے وہ فاعل کے تشنیہ جمع بتلانے کے لئے ہے نہ کہ فعل کے۔ پس الف ضَرْبًا میں تشنیہ کی ظاہری ضمیر ہے جو اس کا فاعل ہے اور فاعل اسم ہوتا ہے اسی طرح واو ضَرْبُوا میں جمع کی ضمیر بارز ہے جس کو فاعل کہا جائے گا، فاعل کے تشنیہ جمع ہونے کی وجہ سے فعل کو بھی تشنیہ جمع کہہ دیا گیا۔

یا تا متحرک بنو بیوندد: سوال: ضَرْبَتْ میں تاء متحرک ہے حالانکہ فعل ہے؟

جواب: ایسی تاء متحرک مراد ہے جو حالت وقف میں حاکم ہو جاتی ہے جیسے ضَرْبَتْ میں ہے اور ضَرْبَتْ کی تاء ایسی نہیں ہے۔

حرف جزم: حروف جزم پانچ ہیں نَم، لَمَّا، لام امر، لاء نہی، بن شرطیہ جس کلمہ پر یہ ہوں گے وہ بھی فعل ہوگا۔

یا ضمیر مرفوع متصل: ضمیر مرفوع متصل یعنی جو بارز ہو یہ بھی فعل کی عداست اور خاصہ ہے بخلاف ضمیر منصوب متصل کے کہ وہ غیر فعل کے ساتھ بھی آ جاتی ہے جیسے اِنَّا، رہی ضمیر مجرور متصل وہ اسم اور حرف دونوں کے ساتھ لگتی ہے جیسے غلامی اور لی یا علیہ یا لیہ۔

سبق وہم

فصل: بدانکہ جملہ کلمات عرب بر دو قسم است **معرب** و **ثنی معرب** آنست کہ آخرش باختلاف عوامل مختلف شود چوں **زَيْدٌ** در جَاءَ نِی **زَيْدٌ** و **رَأَيْتُ** **زَيْدًا** و **مَرَرْتُ** **بِزَيْدٍ** جَاءَ **عَالٍ** است و **زید** معرب است و ضمہ اعراب و دال محل اعراب و مبنی آنست کہ آخرش باختلاف عوامل مختلف نشود چوں **هُوَ** لآءِ کہ در حالتِ رفع و نصب و جر یکساں است۔

ترجمہ: جان تو کہ عرب کے سب کلمات دو قسم پر ہیں معرب اور ثنی معرب وہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے مختلف ہو جاتا ہو جیسے **زَيْدٌ** ہے جَاءَ نِی **زَيْدٌ** و **رَأَيْتُ** **زَيْدًا** و **مَرَرْتُ** **بِزَيْدٍ** میں جَاءَ **عَالٍ** ہے زید معرب ہے ضمہ اعراب ہے و دال اعراب کی جگہ ہے اور مبنی وہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلے سے مختلف نہ ہوتا ہو جیسے **هُوَ** لآءِ کہ رفع نصب اور جر کی حالت میں ایک ہی طرح ہے۔

حل مضمون: معرب آنست یعنی معرب وہ کلمہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے پر بدل جائے یعنی کبھی کسی عامل کے آنے سے اس کے آخر میں رفع ہو جائے اور کبھی کسی عامل کے آنے سے اس کے آخر میں نصب آجائے اور کبھی کسی عامل کے آنے سے اس کے آخر میں جر آجائے جیسا کہ جَاءَ نِی **زَيْدٌ** و **رَأَيْتُ** **زَيْدًا** و **مَرَرْتُ** **بِزَيْدٍ** میں لفظ ”زید“ معرب ہے پہلے جملہ میں اس پر جَاءَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے ضمہ آ گیا، اور دوسرے جملہ میں مفعول ہونے کی وجہ سے فتح آ گیا اور تیسرے جملہ میں ”با“ کی وجہ سے اس پر کسرہ ہے تو لفظ زید معرب کہلائے گا، اور دال پہ جو پیش ہے اس کو اعراب کہیں گے اور خود دال محل اعراب کہلائے گا۔

فائدہ: ”عَل“ کہتے ہیں جس کی وجہ سے کلمہ کا آخر بدلتا رہے جیسا کہ گذشتہ مثال میں جَاءَ اور رَأَيْتُ اور مَرَرْتُ اور باء حرف جر ہیں۔ ”اعراب“ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے معرب کے اخیر کا بدلنا جانا جائے جیسے گذشتہ مثال میں زید پہ پہلے دو پیش آئے پھر دوزیر اور پھر دوزیر آئے اور اس کا اعراب بالحرکت ہے اس کے برخلاف کبھی اعراب داؤ، الف، یا بھی بنتے ہیں جیسے جَاءَ اَبُوکَ رَأَيْتُ اَبَاکَ مَرَرْتُ بِاَبِکَ میں لفظ اَب کے ساتھ پہلے واؤ آیا پھر الف اور پھر باء آئی واؤ نے ابو کا فاعل ہونا ظاہر کیا الف نے مفعول ہونا ظاہر کیا، اور ب نے مجرور ہونا ظاہر کیا اور اس کا نام اعراب بالحرک ہے، اعراب کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں چونکہ اعراب چاہے وہ بالحرک ہو یا بالحرکت کے ذریعہ پتا چل جاتا ہے کہ کون فاعل ہے کون مفعول ہے اور کون مضاف الیہ اس لئے اعراب کو اعراب کہا جاتا ہے۔

فائدہ ۲: مصنف نے یہاں معرب کی تعریف جو کی ہے وہ بجائے تعریف کے اس کا حکم ہے کیونکہ عوامل کے بدلنے سے اس کے

اخیر کا بدلنا یہ حقیقتاً کلمہ کے معرب ہونے کا اثر اور نتیجہ ہے اگر کوئی کلمہ معرب نہ ہو بلکہ مثنیٰ ہو تو اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے نہیں بدلے گا اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ مثنیٰ کی جو یہاں پر تعریف کی ہے وہ حقیقتاً تعریف نہیں بلکہ اس کا حکم ہے۔

سوال: مصنف نے معرب مثنیٰ کی تعریف کو چھوڑ کر حکم کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: مبتدیوں کی سہولت کی خاطر ایسا کیا ہے کیونکہ معرب اور مثنیٰ کو ان کی حقیقی تعریف سے سمجھنا اور پہچاننا دشوار تھا اور حکم کے ذریعہ پہچاننا آسان کیونکہ معرب کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ وہ کلمہ جو اپنے عامل کے ساتھ جڑ گیا ہو اور مثنیٰ اصل کے مشابہ نہ ہو اس سے مثنیٰ کی تعریف بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ مثنیٰ وہ کلمہ ہے جو اپنے عامل کے ساتھ نہ جڑا ہو چنانچہ نام گنانے کے وقت جو نام ہم ذکر کریں گے مثلاً عَمْرُو، زَيْدٌ، بَنَكْرُو، عَمَالِدٌ ان کا آخر مثنیٰ علی السکون ہو گا اور کلام میں جب یہ اپنے عامل کے ساتھ جڑ جائیں گے تب ان پر اعراب جاری ہو گا مثلاً جَاءَ کے ساتھ جوڑنے سے زَيْدٌ بولیں گے اور زَائِنَةٌ کے ساتھ جوڑنے سے زَيْدٌ کہیں گے اور جب تک کسی کلمہ کو کلام میں لا کر فاعل مفعول مضاف الیہ نہیں بناؤ گے اس پر ضمہ فتحہ کسرہ کچھ بھی نہیں آئے گا صرف مثنیٰ علی السکون پڑھے جائیں گے اور یہی حال عربی گنتی کا ہے کہ شمار کرتے وقت وَاحِدٌ، اِنْسَانٌ، ثَلَاثَةٌ، اَرْبَعَةٌ، خَمْسَةٌ مثنیٰ علی السکون کر کے چھوڑ دیں گے کیونکہ بغیر ترکیب میں آئے ہوئے نہ یہ مبتدا ہیں نہ خبر نہ فاعل نہ مفعول لہذا ان پر اعراب آنے کا کوئی مطلب نہیں۔ دوسرا جز مثنیٰ کی تعریف میں یہ ہے کہ وہ مثنیٰ اصل کے مشابہ ہو اب دیکھئے مثنیٰ اصل کے مشابہ ہونے کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ پہلے تو یہ جاننا پڑے گا کہ مثنیٰ اصل کیا کیا چیزیں ہیں اور ان کے مشابہ ہونا کس چیز میں ہے یہ ایک تفصیل طلب بات تھی جیسا کہ اگلے سبق میں ہم ذکر کریں گے اس لئے مصنف نے معرب مثنیٰ کی اصل تعریف کو چھوڑ کر سیدھا سادھا جو حکم تھا اس کو بیان کر دیا کہ بھائی جس کلمہ پر فاعل مفعول اور مضاف الیہ ہونے کی حالت میں الگ الگ اعراب آئے اس کو معرب سمجھو اور جہاں ایسا نہ ہو اس کو مثنیٰ سمجھو چنانچہ جَاءَ فِیْ اور زَائِنَةٌ اور باحرف جر کے بعد جب زید کو رکھا تو اس کا اخیر بدل گیا اور ذُنْ ذُنْ ذُنْ تین طرح پڑھا گیا مگر انہی تین عالموں کے بعد اگر ہوا تو لاءِ کو رکھے تو اس کے اخیر میں جو ہمزہ ہے ہر حال میں اس پر زیر ہی پڑھا جا رہا ہے جس سے ہم جان گئے کہ ہوا لاءِ جب عامل کے اختلاف سے اس کا اخیر نہیں بدلا تو یہ مثنیٰ ہے اور زید کا اخیر بدل گیا تو وہ معرب ہے مثنیٰ یہ بناء سے بنا ہے جس کے معنی ہے اٹل رہنا اور نہ بدلنا چونکہ مثنیٰ کلمہ ہی اعراب پر اٹل رہتا ہے اس لئے اس کو مثنیٰ کہتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

مثنیٰ آں باشد کہ ماند بر قرار

معرب آں باشد کہ گردد بار بار

سبق یازدہم

فصل: بدانکہ جملہ حروف مبنی است و از افعال فعل ماضی و امر حاضر معروف و فعل مضارع بانونہائے جمع مؤنث و بانونہائے تاکید نیز مبنی است بدانکہ اسم غیر متمکن مبنی است و اما اسم متمکن معرب است بشرط آنکہ در ترکیب واقع شود و فعل مضارع معرب است بشرط آنکہ از نونہائے جمع مؤنث و نون تاکید خالی باشد پس در کلام عرب بیش از این دو قسم معرب نیست باقی ہمہ مبنی است و اسم غیر متمکن اسے است کہ با مبنی اصل مشابہت دارد و مبنی اصل سہ چیز است فعل ماضی امر حاضر معروف و جملہ حروف و اسم متمکن اسے است کہ با مبنی اصل مشابہت نباشد۔

ترجمہ: جان تو کہ تمام حروف مبنی ہیں اور افعال میں سے فعل ماضی اور امر حاضر معروف اور فعل مضارع جمع مؤنث کے نون کے ساتھ اور تاکید کے نون کے ساتھ بھی مبنی ہے جان تو کہ اسم غیر متمکن مبنی ہے اور بہر حال اسم متمکن معرب ہے اس شرط کے ساتھ کہ ترکیب میں واقع ہو اور فعل مضارع معرب ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ جمع مؤنث کے نون سے اور نون تاکید سے خالی ہو پس کلام عرب میں ان دو قسموں سے زیادہ معرب نہیں ہے باقی سب مبنی ہیں اور اسم غیر متمکن ایسا اسم ہے جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھے اور مبنی اصل تین چیز ہیں فعل ماضی اور امر حاضر معروف اور تمام حروف اور اسم متمکن ایسا اسم ہے جو مبنی اصل کے مشابہت نہ ہو۔

حل مضمون: حروف سے مراد عام ہے چاہے وہ مبانی ہوں یا معانی۔

سوال: مبانی اور معانی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مبانی تو کہتے ہیں ان حروف کو جن کے معنی تو کچھ نہیں ہوتے البتہ ان سے ملا کر گفتگو اور کلام تیار ہوتا ہو جیسے الف ب ت ث حروف تہجی کہ ان اٹیس حروف سے ہی عربی گفتگو بنتی ہے کوئی بھی بول یا گفتگو جب بنے گا تو ان ۲۹ میں سے ہی حرف آویں گے۔ اور معانی نام ہے ان حروف کا جو معنی بھی رکھتے ہوں جیسے کہ حروف جز اور حروف استفہام هل، من، یا لم اور کن حروف ناصبہ اور چازمہ کیونکہ هل اور لم کلام میں آنے کے بعد بھی اپنی حالت پر رہے گا کوئی تبدیلی قبول نہیں کرے گا اسی طرح معانی سے عام مراد ہے خواہ وہ عاملہ ہوں یا غیر عاملہ گویا سب طرح کے حروف مبنی ہیں پھر چونکہ حروف فعل اور اسم میں تعلق پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں جیسے سرت من البصرۃ الی الخوفہ چلا میں بصرہ سے کوفہ تک اس مثال میں من اور الی فعل یعنی سیر کا تعلق ظاہر کرنے کے لئے ہیں کہ وہ بصرہ سے شروع ہو کر کوفہ پر ختم ہوگی حروف اس لئے نہیں ہوتے کہ وہ فاعل مفعول یا مضاف الیہ بنیں اور اعراب کو وہ چیز قبول کرتی ہے جو ان تین میں سے کوئی ایک بن سکے اور یہی حال افعال کا ہے کہ وہ بھی فاعل

مفعول اور مضاف الیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے جو اعراب قبول کرنے کے لئے ضروری ہے اسی لئے افعال بھی مثنیٰ ہیں اس لئے کبھی نہیں پاؤ گے کہ فعل نے فاعل ہونے کی وجہ سے رفع قبول کر لیا ہو یا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب لے لیا ہو یا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اس پر جر آ گیا ہو یہ سب تو اسم ہی کے اوصاف ہیں اور اسم ہی کا خاصہ ہے کہ اس نے فاعل بن کر رفع لے لیا یا مفعول بن کر نصب اور مضاف الیہ بن کر جر۔

بانو نہانے جمع مؤنث: افعال میں سے فعل ماضی تو اپنے تمام صیغوں کے ساتھ مثنیٰ ہے اور فعل مضارع میں تفصیل ہے اگر فعل مضارع ایسا ہو جس کے اخیر میں نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ نہ ہو تو اس کے چودہ صیغوں میں سے صرف دو صیغیں (۱) تَفْعَلْنَ جمع مؤنث غائب (۲) تَفْعَلْنَ جمع مؤنث حاضر مثنیٰ ہوں گے چنانچہ یہ دونوں صیغیں لَمْ اور لَنْ لگنے پر بھی ایک ہی حالت پر ہیں گے بخلاف باقی بارہ صیغوں کے کہ ان میں لَمْ لگنے سے کہیں تو نصب اور جزم آئے گا اور کہیں ان کے اخیر کا نون گر جائے گا۔

سوال: فعل مضارع میں دو صیغیں تَفْعَلْنَ تَفْعَلْنَ ہی کیوں مثنیٰ ہیں؟

جواب: ان دونوں صیغوں کا نون ماضی کے نون جمع مؤنث کے مشابہ ہونے کی وجہ سے (کہ دونوں ہی جمع مؤنث کے لئے ہیں) اپنے ما قبل سکون چاہتا ہے اس لئے یہ صیغیں اعراب کو قبول نہیں کریں گے ہر جگہ جمع مؤنث کے نون کا ما قبل ساکن ہی ہونا ضروری ہے لہذا معرب ہونے کا کوئی مطلب نہیں اور اگر مضارع وہ ہو جس کے اخیر میں نون تاکید لگا ہوا ہو چاہے وہ ثقیلہ ہو یا خفیفہ نیز مضارع معروف ہو یا مجهول ایسے ہی چاہے امر کے صیغیں ہوں یا نہی سب صیغیں مثنیٰ ہوں گے یعنی لفظوں میں کوئی تغیر نہیں ہوگا اور مثنیٰ قرار دیتے جائیں گے۔

سوال: فعل کے اخیر میں نون تاکید آ گیا اس کے مثنیٰ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: جس فعل کے آخر میں نون تاکید ہے اس پر اعراب کی دو ہی صورتیں ہیں (۱) نون تاکید سے پہلے اعراب لائے تو اعراب کا بیچ کلمہ میں آنا لازم آئے گا کیونکہ نون تاکید اپنے ما قبل کے ساتھ گہرے جوڑ کی وجہ سے اسی کا حصہ بن گیا اور اگر خود نون تاکید پر اعراب لائے تو اعراب کا اس کلمہ پر آنا لازم آئے گا جو حقیقتاً دوسرا کلمہ ہے نیز یہ نون مثنیٰ ہے اس لئے اعراب کو قبول نہیں کرے گا۔

اسم متمکن: متمکن بمعنی جگہ پکڑنے والا یعنی تو؟ درطاعت و در اسم متمکن معرب ہی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اعراب قبول کرنے کی قوت اور طاعت رکھتا ہے بخلاف اسم غیر متمکن کے کہ وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی سے اسم غیر متمکن مثنیٰ کو کہتے ہیں۔

در ترکیب واقع شود: ما قبل میں بتایا جا چکا ہے کہ جن کلمات کو کلام میں لا کر باقاعدہ فاعل مفعول مضاف الیہ نہ بنایا گیا ہو اور ان کے ساتھ عامل نہ جوڑا گیا ہو تب تک وہ کلمات مثنیٰ علی السکون ہی پڑھے جاتے ہیں جیسے زید، عمر، بکر، خالد کہ یہ جب تک فاعل مفعول وغیرہ نہ بنائے جائیں نہ یہ مرفوع ہوں گے نہ منصوب نہ مجرد ہوں اگر جَاءَ زَيْدًا کہو گے تو اب زَيْدٌ معرب کہلائے گا کیونکہ اسے کلام میں لا کر فاعل بنا دیا گیا اور اس کے ساتھ جَاءَ عامل جوڑ دیا ایسے ہی زَيْدًا میں زَيْدٌ فعل با

فاعل اور زائداً مفعول بہ ہے جو معرب ہے اور نصب کو قبول کر رہا ہے تو ترکیب میں آنے کے بعد اسماء ممکنہ (اعراب قبول کرنے والے اسماء) معرب ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے یعنی علی السکون رہتے ہیں ایسے ہی غلام زید میں زید تو معرب ہے کیونکہ ترکیب میں آ کر غلام کا مضاف الیہ بن گیا، ورجحور ہوگا اور غلام مضاف اس کا عامل کہلائے گا لیکن خود لفظ غلام زید کے ساتھ جوڑنے کی وجہ سے ترکیب اور کلام میں تو آ گیا مگر اس کا عامل خود کا کوئی نہیں ہے لہذا یہ لفظ غلام بھی مبنی بنے گا اور معرب نہیں کہلائے گا، تو اعراب قبول کرنے والیں اسماء (اسماء ممکنہ) ان کو معرب قرار دینے کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) اس کلمہ کو کلام اور ترکیب میں لانا (۲) اس کے ساتھ اس کے عامل کا پایا جانا کسی ایک شرط کے ختم ہونے پر اسماء ممکنہ مبنی ہی کہلاتے رہیں گے ان کو معرب نہیں کہا جاسکتا۔

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ ترکیب واقع ہونے سے پہلے اسماء ممکنہ کو معرب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ علامہ زختری کے نزدیک کہہ سکتے ہیں کیونکہ آئندہ چل کر یعنی کلام میں عامل کے ساتھ لا کر ان پر اعراب لایا جائے گا اس لئے ان کو معرب کہنا صحیح ہے جیسا کہ حاجی کو حج میں جانے سے پہلے ہی حاجی کہنے لگتے ہیں حالانکہ وہ حج کرنے کے بعد حاجی بنے گا اسی طرح کہتے ہیں آنا پورا تو ابھی سے گندم کو آنا اس لئے کہہ دیا کہ آئندہ پس کر اس کا آنا ہی بن جائے گا اور علامہ ابن حاجب کا فیدہ کے مصنف کے نزدیک جب تک کلمہ ترکیب میں نہ آجائے اور اس کے ساتھ اس کا عامل نہ پایا جائے تب تک اس کو معرب نہیں کہا جائے گا کیونکہ اعراب قبول کرنے کی صلاحیت جیسی پیدا ہوگی جب اس کو کلام میں لا کر اس کا عامل اس کے ساتھ ذکر کر دیا جائے اور اس کی جگہ متعین ہو جائے تاکہ پھر اس پر اسی جیسا اعراب لایا جاوے رفع یا نصب یا جر، تو علامہ ابن حاجب کے نزدیک کلمہ کا اس حال میں ہونا ضروری ہے کہ اگر اس پر فی الحال ہی اعراب رکھیں تو رکھا جاسکے اور کیا اعراب رکھا جائے گا اس کا بھی پتا چل سکے، اور یہ جیسی ہو سکتا ہے جبکہ کلمہ کلام میں جڑ جائے اس کے ساتھ اس کا عامل آجائے اور عامل کے آنے سے یہ بھی طے ہو جائے کہ کیا اعراب دیں گے رہا خود اعراب تو وہ آنا باقی ہے تو ان دونوں قولوں میں ابن حاجب کا قول حقیقت پر مبنی ہے، اور علامہ زختری کا قول مجاز کہلائے گا اور دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں صرف حقیقت اور مجاز کا فرق ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی بچہ کو ابھی سے اس لئے حافظ کہنے لگے کہ وہ آئندہ حافظ بن جائے گا اور دوسرا کہے کہ یہ حافظ کے لقب کا مستحق جب ہوگا جب حافظ مکمل کرے گا تو جو حافظ حافظ ہونے کے بعد کہتا ہے تو وہ حقیقت پر ہے اور جو اس بنا پر حافظ کہتا ہے کہ آئندہ بن جائے گا اس نے مجاز کو اپنا یا اور عرف میں دونوں کا ہی رواج ہے۔

اسم غیر متمکن اسمیست: اسم غیر متمکن کے لفظی معنی ہے اعراب نہ قبول کرنے والا اسم اور یہ وہ اسماء ہوتے ہیں جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں پھر مبنی اصل اس کو کہتے ہیں جو اپنی اصل بناوٹ اور وضع میں یعنی اپنے بننے کے زمانہ سے ہی مبنی ہو کسی کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے مبنی نہ ہوں اور یہ اس طرح کی تین چیزیں ہیں: (۱) فعل ماضی (۲) امر حاضر معروف (۳) حرف، چاہے وہ حرف مبانی ہوں یا حرف معانی، پھر معانی میں چاہے عامل ہوں یا غیر عامل، پھر اسم غیر متمکن کی

مبنی اصل کے ساتھ مشابہت کئی طرح کی ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اسم متمکن مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے اَيْنَ تَجْلِسُ میں اَيْنَ ہمزہ استفہام کی جگہ پر ہے۔ یعنی اَيْنَ میں ہمزہ کی طرح استفہام کے معنی پائے جاتے ہیں۔

(۲) اسم متمکن مبنی اصل کے مشابہ ہو جیسے مہمات یعنی اسماء اشارہ و موصولہ کہ اشارہ حسیہ یا صفت یا صلہ کے محتاج ہوتے ہیں مثل حروف کے ان کے متعلقات میں۔

(۳) اسم متمکن مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو جیسے نَزَالِ اِنزِلُ امر کے موقع میں واقع ہوتا ہے۔ یعنی اس کے معنی دیتا ہے۔

(۴) اسم متمکن ہم شکل اس اسم کے ہو جو مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہوتا ہے جیسے فَجَارِ (زنا کار) کہ نَزَالِ کے ہم شکل اور ہم وزن ہے اور نزال جگہ میں اِنزِلُ امر مبنی اصل کے ہے۔

(۵) اسم متمکن اس اسم کی جگہ میں واقع ہو جو مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسے منادئ مضموم یَا زَيْدُ میں کہ وہ ک خطاب اسمیہ کی جگہ میں واقع ہے کیونکہ یَا زَيْدُ اذْعُوکَ کے معنی میں ہے اور کاف خطاب اسمیہ مشابہ ہے کاف حرفیہ کے۔

(۶) اسم متمکن مضاف مبنی اصل کی طرف بلا واسطہ ہو جیسے یوم کی یَنْفَعُ الصَّادِقِينَ کی طرف یا بواسطہ جملہ کی طرف مضاف ہو اور جملہ بقول صاحب مفصل مبنی ہوتا ہے یعنی جملہ بلا واسطہ مضاف الیہ بنے جیسے مِنْ عَذَابِ یَوْمَئِذٍ میں یوم بواسطہ اذ مضاف ہے کہ اصل اذ کان کذا ہے بروایت قرأت نافع یوم منصوب ہے ورنہ بروایت حفص معرب مجرور ہوگا کیونکہ عذاب کا مضاف الیہ ہے۔

(۷) معنی اسی معنی حرفی کو متضمن ہو جیسے اَحَدَ عَشَرَ تا تِسْعَةَ عَشَرَ مرکب بنائی ہے کہ اَحَدَ عَشَرَ معنی میں اَحَدَ وَعَشَرَ کے ہے اسی لئے گیارہ کا ترجمہ ہوگا جو اَحَدَ وَعَشَرَ کا ہوتا ہے۔

(۸) اصل وضع کے لحاظ سے تین حرف سے کم ہو جیسے مَنْ، مَا، اِذْ، تو جن جن کلمات میں ان آٹھ مذکورہ بالا مشابہتوں میں سے کوئی مشابہت ہوگی وہ سب کلمات مبنی ہو جائیں گے مبنی ہی کہلا دیں گے اور مبنی ہی پڑھیں جاویں گے۔

فائدہ: مناسبت کی چار قسمیں ہیں: (۱) مجانست (۲) مماثلت (۳) مشاکلت (۴) مشابہت۔

مجانست: دو چیزوں کے جنس میں شریک ہونے کو کہتے ہیں جیسے انسان اور تیل دونوں کی جنس ایک ہے یعنی حیوان ہونا۔

مماثلت: دو چیزوں کے نوع میں شریک ہونے کو کہتے ہیں جیسے زید عمر و ہر سب کی نوع انسان ہے۔

مشاکلت: دو چیزوں کا شکل و صورت میں ایک ہونا جیسے گھوڑا اور تصویر اس کی۔

مشابہت: دو چیزوں کے وصف لازم میں شریک ہونے کو کہتے ہیں جیسے شیر اور بہادر آدمی دونوں بہادری میں شریک ہیں پھر

مناسبت مطلقا کسی بھی چیز میں شریک ہونے کو کہتے ہیں خواہ وصف لازم ہو یا اس کے علاوہ یہی وجہ ہے کہ مناسبت عام ہے

مشابہت سے اور مشابہت خاص ہے۔

عورت، تم دو عورتیں، تم سب عورتیں، وہ ایک مرد، وہ دو مرد، وہ سب مرد، وہ ایک عورت، وہ دو عورتیں، وہ سب عورتیں، (۳) چودہ منصوب متصل جیسے: مارا اس ایک مرد نے مجھ کو، مارا اس ایک مرد نے ہم کو، مارا اس ایک مرد نے تجھ ایک مرد کو، مارا اس ایک مرد نے تم دو مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے تم سب مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے اس ایک مرد کو، مارا اس ایک مرد نے ان دو مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے ان سب مردوں کو، مارا اس ایک مرد نے اس ایک عورت کو، مارا اس ایک مرد نے ان دو عورتوں کو، مارا اس ایک مرد نے ان سب عورتوں کو، (۴) چودہ منصوب منفصل جیسے: مجھ کو، ہم کو، تجھ ایک مرد کو، تم دو مردوں کو، تم سب مردوں کو، تجھ ایک عورت کو، تم دو عورتوں کو، تم سب عورتوں کو، اس ایک مرد کو، ان دو مردوں کو، ان سب مردوں کو، اس ایک عورت کو، ان دو عورتوں کو، ان سب عورتوں کو، (۵) چودہ مجرور متصل جیسے: میرے لئے، ہمارے لئے، تجھ ایک مرد کے لئے، تم دو مردوں کے لئے، تم سب مردوں کے لئے، تجھ ایک عورت کے لئے، تم دو عورتوں کے لئے، تم سب عورتوں کے لئے، اس ایک مرد کے لئے، ان دو مردوں کے لئے، ان سب مردوں کے لئے، اس ایک عورت کے لئے، ان دو عورتوں کے لئے، ان سب عورتوں کے لئے۔

حل مضمون: مُضْمَرَاتِ اَوَّلِ مِیْمِ كے ضمہ کے ساتھ اور دوسرے کے فتح کے ساتھ مُضْمَرٌ یعنی پوشیدہ کی جمع ہے ضمیر وہ لفظ کہلاتا ہے جو اصل نام کے بدلہ میں بول کر کسی کی ذات مراد لی جائے، جیسے ہم، زید یا خالد کے بجائے اس کو "اس" یا "وہ" یا "تو" یا "تم" یا خالد اپنے کو "میں" یا "مجھ" کہے اسی لئے ضمیر کی تین قسمیں ہیں، غائب، حاضر، متکلم اگر کسی ضمیر سے غائب کی ذات مراد لی گئی تو اس کو غائب کی ضمیر کہیں گے اور اگر حاضر شخص مرد و عورت کی ذات مراد لی گئی تو اسے حاضر کی ضمیر کہیں گے اور خود اپنی یا اپنوں کی ذات مراد لی گئی تو اسے متکلم کی ضمیر کہیں گے، اور ضمیریں صیغوں کی طرح چودہ ہی ہیں ویسے قاعدہ اور عقل کے لحاظ سے صیغے بھی اٹھارہ ہونے چاہئے تھے اور ضمیریں بھی اٹھارہ اس طرح کہ جب متکلم بات کرتا ہے یا تو وہ تنہا کرے گا گفتگو یا اور کو بھی ساتھ لگا کر گفتگو کرے گا اور اگر وہ تنہا کے بجائے اور کو بھی شامل کرے گا تو اس کو متکلم مع الغیر کہتے ہیں تو اب متکلم اور گفتگو کرنے والا یا تو مرد ہوگا یا عورت اگر مرد ہے تو اس کی تین شکل ایک مرد ہووے گفتگو کرنے والا جیسے کہے میں نے کھانا کھالیا، (۲) دو ہوں اس طرح کے اور ایک کو شامل کر کے کہے مثلاً ہم دونوں نے نماز پڑھ لی (۳) دو سے زیادہ ہوں وہ گفتگو کرنے والے مثلاً اوروں کو ملا کر کہے ہم سب مردوں نے روزہ رکھا اسی طرح عورت ایک تنہا بولے یا اپنے ساتھ ایک اور کو ملا کر کہے ہم دونوں بہنیں ہیں یا دو سے زیادہ کو ملا کر کہے ہم سب عورتوں نے نماز پڑھ لی، تو متکلم مرد ہو تو اس کے لئے بھی واحد، ثنئیہ، جمع تین صیغے درکار ہیں اور عورت ہو تو اس کے لئے بھی واحد، ثنئیہ، جمع تین صیغے چاہئیں لیکن متکلم کے لئے بھی صیغے صرف دو ہیں اور ضمیریں بھی دو ہی ہیں انہی دو سے چھ صیغوں اور چھ ضمیروں کا کام لیا جاتا ہے چنانچہ واحد متکلم مذکر ہو یا مؤنث دونوں کا ایک ہی صیغہ ہے اور ضمیر بھی دونوں کے لئے ایک ہی ہے یعنی انا۔

سوال: پہچان کیسے ہوگی کہ آنا سے مراد عورت ہے یا مرد؟

جواب: متکلم تو سامنے ہی ہوگا اس لئے پتہ چل جائے گا کہ کون ہے؟ بولنے والا مذکر ہے یا مؤنث اسی طرح متکلم مع الفیر کے صیغے چار ہونے چاہئے تھے۔ (۱) تثنیہ مذکر متکلم (۲) جمع مذکر متکلم (۳) تثنیہ مؤنث متکلم (۴) جمع مؤنث متکلم یعنی مرد صرف ایک اور کو ملا کر بولتے تو اس کے لئے ایک صیغہ اور دو سے زیادہ کو ملا کر بولتے تو اس کے لئے ایک صیغہ اسی طرح عورت پنے ساتھ ایک اور عورت کو ملا کر کہے تو اس کے لئے ایک صیغہ چاہئے دو سے زیادہ عورتوں کی طرف سے کہے تو اس کے لئے الگ صیغہ چاہئے مگر ان چاروں کے لئے ایک صیغہ بنا دیا اور ایک ہی ضمیر یعنی نَحْنُ کیونکہ جس طرح ہم اردو میں دو عورتیں یا دو مرد یا دو سے زیادہ عورتیں اور مرد بولیں تو تنہا کافی ہو جاتا ہے اس میں کسی قسم کی گڑبڑ نہیں ہوتی کیونکہ پتا چل جاتا ہے کہ کتنوں کی طرف سے کہہ رہا ہے اور جن کی طرف سے کہہ رہا ہے وہ صرف مرد ہیں یا صرف عورتیں یا دونوں ہی ہیں۔

یہ تو تفصیل متکلم کے چھ صیغوں اور ضمیروں کی ہے اسی طرح حال مخاطب کے صیغوں کا ہے اور ضمیروں کا بھی کہ جب کسی سامنے موجود کے بارے میں ہم کچھ کہنا چاہیں گے مثلاً تو نے کھا لیا یا تو نے نماز پڑھ لی تو یہ سامنے موجود بھی چھ طرح کے ہیں ایک مرد ہو (۲) دو مرد ہوں (۳) دو سے زیادہ تین یا اس سے زیادہ مرد ہوں (۴) ایک عورت ہو (۵) دو عورتیں ہوں (۶) دو سے زیادہ یعنی تین یا اس سے اوپر عورتیں ہوں تو ان کے لئے عربی زبان میں ہر ایک کے لئے الگ الگ چھ صیغے اور چھ ضمیریں ہیں اسی طرح غائب کے بارے میں جب کوئی خبر دیں گے تو اس کے لئے بھی چھ صیغے ہیں یا تو وہ مرد ہوگا یا عورت جس کے بارے میں ہم خبر دینا چاہتے ہیں پھر مرد ہونے کی شکل میں ایک ہو یا دو ہوں یا دو سے زیادہ ایک کے لئے ایک صیغہ دو کے لئے دوسرا صیغہ اور تین یا تین سے زیادہ کے لئے تیسرا صیغہ چاہئے ایسے ہی عورت ایک ہوگی یا دو یا دو سے زائد ایک عورت ہونے کی شکل میں ایک چوتھا صیغہ دو ہونے کی صورت میں دوسرا پانچواں اور دو سے زائد ہونے کی شکل میں تیسرا چھٹا صیغہ ہوگا۔ بہر حال جب صیغے چھ غائب کے چھ حاضر کے اور دو متکلم کے کل چودہ ہو گئے تو ضمیریں بھی ان کے لئے چودہ ہی طے ہوئیں۔

سوال: فَعَلْتُمَا جو تثنیہ حاضر کا صیغہ ہے یہ مذکر مؤنث دونوں کے لئے ہی بولا جاتا ہے تو گڑبڑی رہے گی؟

جواب: حاضر کے لئے جب اس صیغہ کو بولا جائے گا تو وہ سامنے ہی ہوں گے لہذا متکلم اور سامع کو پتہ چل جائے گا کہ جنہیں کہا جا رہا ہے وہ مرد ہیں یا عورتیں، لہذا کوئی التباس نہ ہوگا۔

مرفوع متصل: دیکھئے ضَرْبَتْ کی گردان میں ایک تو فعل ہے یعنی ضَرْبَتْ اور باقی ت اور ناء، ت، تَمَّا یہ سب ضمیریں ہیں اور فاعل ہیں چونکہ یہ فعل کے ساتھ مل کر آرہی ہیں اس لئے ان کو متصل کہہ دیا اور مرفوع اس لئے کہ فاعل بن رہی ہے اور فاعل مرفوع ہوا کرتا ہے اس لئے ان ضمیروں کو مرفوع متصل کہہ دیا، پھر اس ضمیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) بارز یعنی ظاہر اور لفظوں میں موجود جیسے ضَرْبَتْ میں ت ہے (۲) مستتر یعنی چھپی ہوئی جیسے ضَرْبَتْ میں هُوَ موجود ہے اور ضَرْبَتْ میں ہی موجود ہے۔ ماضی کے صیغوں میں صرف ان دو صیغوں میں ضمیر مستتر ہے باقی سب صیغوں میں بارز ضمیر ہے اور مضارع کے صرف ان پانچ

صیغوں میں مستتر ہوتی ہے جن میں نون ثننیہ اور جمع کا نہیں آتا یعنی (۱) تَضْرِبُ واحد مذکر غائب اس میں ہو مستتر ہے (۲) تَضْرِبُ واحد مؤنث غائب جس میں بھی موجود ہے یعنی چھپی ہوئی ہے (۳) تَضْرِبُ واحد مذکر حاضر جس میں اَنْتَ ہے (۴) اَضْرِبُ واحد متکلم جس میں اَنَا ہے اور (۵) تَضْرِبُ جس میں نَحْنُ ہے۔

فائدہ ۱: ضَرَبَ اور ضَرَبَتْ میں اگر قائل اسم ظاہر آجائے پھر ان میں ضمیر پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ اگر اسم ظاہر ضَرَبَ اور ضَرَبَتْ سے پہلے لایا گیا اب لازماً ان کے اندر ضمیر مانی جائے گی جیسے زَيْدٌ ضَرَبَ کیونکہ زید اب مبتدا ہوگا اور ضَرَبَ فعل ضمیر اس میں ہو قائل پھر زَيْدٌ کی خبر بن جائے گا۔ اسی طرح زَيْنَبٌ ضَرَبَتْ میں زَيْنَبٌ مبتدا اور ضَرَبَتْ فعل ضمیر اس کے اندر بھی قائل فعل قائل سے مل کر زَيْنَبٌ کی خبر بن جائے گی۔

فائدہ ۲: ضَرَبُوا ماضی کے جمع مذکر غائب میں داؤ ضمیر کے بعد الف لکھنا چاہئے تاکہ اس داؤ جمع کا عطف والے داؤ سے امتیاز رہے۔

فائدہ ۳: ضَرَبْنَا میں "ت" تو علامت مؤنث ہے اور قائل ہے اور الف ثننیہ ہونے کو بتلانے کے لئے ہے۔
مرفوع منفصل: اَنَا، نَحْنُ، اَنْتَ، اَنْتُمْ، اَنْتُمْ ان ضمیروں کو مرفوع منفصل کہتے ہیں، مرفوع تو اس لئے کہ یہ مبتدا یا خبر یا قائل ہوتی ہیں اور یہ تینوں مرفوع ہوتے ہیں اور منفصل بمعنی جدا، الگ کیونکہ کسی فعل کے ساتھ مل کر آنے کے بجائے تنہا مستقل طور سے استعمال ہوتی ہیں۔

منصوب متصل: ضَرَبْتَنِي ضَرَبْنَا میں ضَرَبَ کو چھوڑ کر جو "ی" "نا" "ک" "کما" باقی بچے ہیں یہ منصوب متصل کی ضمیریں کہلاتی ہیں کیونکہ یہ سب ضمیریں مفعول کی ہیں اور قائل ضَرَبَ واحد غائب میں ہو بن جائے گا، ہاں ضَرَبْتَنِي میں ب، ی کے درمیان جونون ہے اس کو نون وقایہ کہتے ہیں کیونکہ وقایہ بمعنی حفاظت کے ہیں چونکہ یہ نون اگر نہ ہوتا تو ضَرَبَ ماضی کا صیغہ ہے جو بنی علی الفتحہ ہوتی ہے ادھر ی اپنے ما قبل کسرہ چاہتی ہے اس کا تقاضہ تھا کہ "ب" پر زیر آتا اس لئے نون بیچ میں لے آئے تاکہ "ی" سے پہلے زیر بھی آجائے اور ماضی کا بنی علی الفتحہ ہونا بھی باقی رہے ضَرَبْتَنِي کا ترجمہ ہوگا مارا اس نے مجھ کو تمام ضمیروں میں کو لگے گا جیسے ہم کو، تم کو، ان کو اگر حروف مشبہ بالفعل اِنَّ اَنْ کے بعد یہ ضمیریں آویں تب بھی منصوب کہلاوے گی کیونکہ حروف مشبہ بالفعل کا اسم منصوب ہوا کرتا ہے۔

منصوب منفصل: ایتای، ایتانا کی ضمیروں کو منصوب منفصل کی ضمیریں کہتے ہیں منصوب تو اس لئے کہ یہ سب ضمیریں مفعول بہ ہوتی ہیں اور منفصل بمعنی جدا کیونکہ فعل سے الگ کر کے استعمال کی جاتی ہیں جیسے ایتاک نَعْبُدُ تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم۔

مجرور متصل: ی، نا، ک اور کما الخ ان ضمیروں پر اگر حرف جر یا مضاف داخل ہو تو یہ مجرور کہلائے گی کیونکہ یہ یا تو مجرور ہیں گی یا مضاف الیہ اور مضاف الیہ بھی مجرور ہی ہوتا ہے اور متصل اس لئے کہا کہ وہ ضمیر حرف جر یا مضاف الیہ سے ملی ہوئی

ہوگی الگ نہیں ہوگی۔

سوال: عقل کا تقاضہ تھا کہ مرفوع منصوب کی جس طرح دو قسمیں بنی ہیں متصل منفصل مجرور کی اس طرح کیوں نہیں؟

جواب: اگر حرف جر سے یا مضاف سے الگ کر کے ضمیروں کو لاؤ گے تو پھر وہ مجرور ہی نہ رہے گی اور اگر ملا کر لاؤ گے تو پھر مجرور تو ہو جائے گی مگر بجائے انفصال کے اتصال ہو جائے گا اور منفصل کے بجائے پھر وہی متصل ہوں گی اس لئے مجرور میں ایک ہی قسم رہے گی، حرف جر سے مجرور ہونے کی مثال لیجئے لَنَا ہے اور مضاف سے مجرور ہونے کی مثال ہے غَلَامِنَا، غَلَامِنَا۔
فائدہ: ضمیر مرفوع متصل حقیقت میں کوئی علیحدہ ضمیر نہیں ہیں بلکہ مرفوع منفصل والی ضمیروں میں سے ایک ایک یا دو دو حرف لے کر فعل کے آخر میں لگادئے ہیں جیسے ضَرَبْتُ میں آنت سے ت لے لیا اور ضَرَبْتُمَنَا میں آنتما سے نَمَا لے لیا۔

سوال: ضَرَبْتُ میں آپ نے آنا سے کچھ بھی نہیں لیا بلکہ ت مضموم لے رکھی ہے؟

جواب: آنا سے کوئی حرف اس لئے نہیں لیا کہ اگر الف لیتے تو ضَرَبْنَا تشبیہ کر کے التباس ہو جاتا اور اگر نون لیتے تو ضَرَبْن جمع مؤنث غائب سے التباس ہو جاتا اس لئے ت لگادی اور پھر اس کو ضمہ دے دیا تاکہ ضَرَبْتُ اور ضَرَبْتِ سے التباس نہ ہو ایسے ہی ضَرَبْنَا جمع متکلم میں نَحْنُ کا نون تو لگا ہی ہے ساتھ میں الف بھی بڑھا دیا تاکہ ضَرَبْن جمع مؤنث غائب سے فرق رہے اور ضَرَبْنَا میں هُمُو کا واؤ لگادیا کیونکہ هُمْ کو کبھی هُمُو واؤ کے ساتھ بھی بولتے ہیں اسی طرح ضمیر منصوب متصل کوئی علیحدہ ضمیر نہیں بلکہ اِيَّاكَ اِلْح کی متصل ضمیروں سے لے کر اِيَّاكَ اِلْح کی متصل ضمیر نہیں بلکہ مضموم لے کر اِيَّاكَ اِلْح میں اِيَّاكَ کا کاف لگادیا اسی طرح ضمیر مجرور متصل کوئی علیحدہ ضمیر نہیں بلکہ منصوب متصل سے ایک ایک یا دو دو حرف لے کر حرف جر یا مضاف کے اخیر میں لگادئے جیسے: لَكَ، لَكُمَا، غَلَامَكَ، غَلَامُكُمَا۔

سوال: آپ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اسم غیر متمکن کی آٹھ قسموں میں سے ہر قسم کی اصل کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی ہے جس کی وجہ سے وہ مٹی ہو جاتی ہے تو بتلائیے کہ ضمیروں کو مٹی اصل سے کیا مشابہت ہے؟ تاکہ ان کا مٹی ہونا مانا جائے۔

جواب: تمام ضمیریں حروف کے مشابہ ہیں محتاج ہونے میں جیسا کہ بغیر اور کسی کلمہ کو ملائے ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اسی طرح ضمیروں کا حال ہے چنانچہ غائب کی ضمیر جب لائی جائے گی جب کہ اس سے پہلے اس شخص یا اس چیز کا ذکر آجائے جس کی طرف وہ ضمیر لوٹ رہی ہے جیسے میں نے پانی پیا اور وہ گرم تھا تو وہ سے مراد وہ چیز ہوگی جس کا پہلے جملہ میں ذکر آچکا ہے یعنی پانی اسی طرح امر حاضر یا متکلم کی ضمیر ہے تو اس کی محتاج ہے کہ ان کے لانے سے پہلے اس متکلم یا حاضر شخص کا معلوم ہونا ضروری ہے جس کو حاضر، متکلم کی ضمیر سے مراد لیا گیا ہے چنانچہ ”تو“ اور ”میں“ کہنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ”تو“ اور ”میں“ سے کون مراد ہے؟

سبق سینر و ہم

دوم اسماء اشارات ذَا، وَ ذَانِ، وَ ذَيْنِ، وَ تَا، وَ تَيْ، وَ تَهْ، وَ ذَهْ، وَ ذِهْيَ، وَ تَهْيَ، وَ تَانِ، وَ تَيْنِ، وَ أُوْلَاءِ بِهْ مَدْ، وَ أُوْلَى بِهْ قَصْرُ۔ سوم اسماء موصولہ اَلَّذِي، اَلَّذَانِ، وَ اَلَّذَيْنِ، وَ اَلَّذِي، اَلَّتِي، اَلَّتَانِ، وَ اَلَّتَيْنِ، وَ اَللَّوَاتِي وَ مَا وَمَنْ وَ اَيُّ وَ اَيَّةُ وَ اَلْفِ لَامِ بِمَعْنَى اَلَّذِي دَرَّاسِمِ فَاعِلٍ وَ اسْمِ مَفْعُولٍ چوں اَلضَّارِبُ وَ اَلْمَضْرُوبُ وَ ذُو بِمَعْنَى اَلَّذِي دَرَّاسِمِ فَاعِلٍ طَعْنِ جَاءَ نَبِيُّ ذُو ضَرْبِكَ بِدَانِكَ اَيُّ وَ اَيَّةُ مَعْرَبٌ اسْت۔

ترجمہ : دوسرے اسماء اشارات ذَا، ذَانِ، ذَيْنِ، تَا، تَيْ، تَهْ، ذَهْ، ذِهْيَ، تَهْيَ، تَانِ، تَيْنِ، اُوْلَاءِ کھینچنے کے ساتھ اور اُوْلَى کھینچے بغیر۔

تیسرے اسماء موصولہ : اَلَّذِي، اَلَّذَانِ، اَلَّذَيْنِ، وَ اَلَّتِي، اَلَّتَانِ، اَلَّتَيْنِ، اَللَّوَاتِي اور اَللَّوَاتِي اور مَا اور مَنْ اور اَيُّ اور اَيَّةُ اور اَلْفِ لَامِ اَلَّذِي کے معنی میں قبیلہ بنو طے کی زبان میں جیسے جَاءَ نَبِيُّ ذُو ضَرْبِكَ جان تو کہ اَيُّ اور اَيَّةُ مَعْرَبٌ ہے۔

حل مضمون : اسماء جمع اسم کی ہے اور اشارات اشارہ کی جمع ہے یعنی وہ اسماء جن کے ذریعہ کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس لفظ سے اشارہ کیا جائے اس کو اسم اشارہ کہتے ہیں اور جس کی طرف اشارہ کیا جائے اس کو مشار الیہ کہتے ہیں مشار الیہ کے معنی ہی ہے وہ چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا یہاں جو اسماء اشارہ بیان کئے گئے ہیں یہ دراصل مادہ اور اصل ہیں ان تمام اسماء اشارات کی جو عربی میں استعمال کئے جاتے ہیں چنانچہ کُل اسماء اشارات بارہ ہیں اس طرح۔

واحد	ثنیۃ	ثنیۃ	جمع
قریب مذکر هذا	هذان	هذین	هؤلاء
قریب مؤنث	هاتان	هاتین	هؤلاء
بعید مذکر ذلک	ذانک	ذینک	اولئک
بعید مؤنث	تانک	تینک	اولئک

دیکھئے یہ ذکر کردہ اسماء اشارات عربی میں چلتے ہیں ان کو ضرور یاد کر لینا چاہئے آپ کی کتاب میں جو اسماء اشارات ہیں ان میں کسی کے شروع میں ہائے تنبیہ بڑھا رکھی ہے اور کسی کے آخر میں خطاب کی ضمیریں جن سے بارہ اسماء اشارات بن گئے ہیں یہاں اسماء اشارات کا ذکر بطور مادہ اور اصل کے ہے اصل شکل میں اس طرح ہیں جس طرح اوپر نقشہ میں بتائے گئے۔

سوال: اسم اشارہ سے پہلے ہائے تنبیہ کیوں لگاتے ہیں؟

جواب: اس ہاء کے ذریعہ مخاطب کو مشارالیه پر تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے یعنی ہاء کے ذریعہ اسے خبردار کیا جاتا ہے اور پہلے ہی جگایا جاتا ہے تاکہ اشارہ کرنے پر اس چیز کو اچھی طرح جان لے جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے چنانچہ اردو میں بھی ہم اسی طرح کرتے ہیں کہ اسم اشارہ سے پہلے اس طرح کا لفظ لے آتے ہیں جس سے وہ باخبر ہو جائے اور مشارالیه کو اچھی طرح جان لے چنانچہ کہا کرتے ہیں اجی اجی اس کو دیکھئے کہ اس میں اجی اجی ہائے تنبیہ کی جگہ ہے۔

سوال: یہ بھی بتائیے کہ مخاطب کی ضمیر اسم اشارہ کے اخیر میں کیوں جوڑتے ہیں؟

جواب: یہ تو ظاہر ہے کہ اشارہ ہم جب بھی کریں گے تو وہ غائب کے لئے تو ہوگا نہیں اگر ہوگا تو حاضر اور مخاطب کے لئے ہوگا اور مخاطب کی ضمیریں چھ ہیں کَ كُفَا كُمْ كِ كُفَا كُنَّ تو ہم جس مخاطب کے لئے اشارہ کریں گے اسی کی ضمیر لے آئیں گے کہیں کَ کہیں كُفَا کہیں كِ اور کہیں كُنَّ چنانچہ اُولَئِكَ عَلٰی هٰذٰی مِنْ رَّبِّہُمْ وَاللّٰكُ هُمْ الْمُفْلِحُونَ میں اُولَآءِ اسم اشارہ بعید ہے جس کا مشارالیه وہ متقی حضرات ہیں جن کا ذکر هٰذٰی لِمُتَّقِيْنَ میں آچکا ہے اور جس ذات کو اشارہ کر کے بتلایا جا رہا ہے وہ نبی پاک ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ کے یہ بڑی بری صفات والے متقی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہ ہی ہیں جو کامیاب ہیں۔

اب آپ اپنی کتاب میں ذکر کردہ اسماء اشارات کو سمجھ لیجئے (۱) ذَا بمعنی ایک مرد واحد مذکر کے لئے قریب ہو یا بعید (۲) ذَانِ بمعنی دو مردِ شنیہ مذکر کے لئے قریب ہو یا بعید حالت رفعی میں، ذٰئِنِ یہ بھی شنیہ مذکر کے لئے ہے قریب یا بعید حالت نصی و جری میں (۳) قَاوِیْ وَنَاوِیْہِ وَذِہِ وَتِہِیْ یہ تہ الفاظ واحد مؤنث کے لئے ہیں قریب ہو یا بعید (۴) قَانِ یہ شنیہ مؤنث کے لئے ہے قریب ہو یا بعید حالت رفعی میں اور قَانِ یہ بھی شنیہ مؤنث کے لئے ہے قریب ہو یا بعید مگر حالت نصی اور جری میں اُولَآءِ یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ہے لیکن قریب کی صورت میں اور ترجمہ ہوگا یہ سب مرد یا سب عورتیں (۵) اُولٰٓئِیْ اس کے اخیر میں الف مقصورہ ہے جس کو کھینچا نہیں جائے گا یہ بھی جمع مذکر و مؤنث دونوں کے لئے ہے دور والی شکل میں ترجمہ ہوگا وہ سب مرد یا عورتیں۔

تیسرے اسماء موصولہ: اسم موصول وہ اسم کہلاتا ہے جس کے بعد ایک جملہ خبریہ ہو بغیر اس جملہ خبریہ کے اسم موصول ماقبل کا جزء کامل نہیں بن سکتا یعنی جب تک اسم موصول کے ساتھ اس کے بعد والے جملہ کو نہ ملائیں گے تب تک وہ نہ مبتدا بن سکتا ہے اور نہ کسی کا قائل اور نہ کسی کا مفعول اور یہ جملہ جو اسم موصول کے بعد آنا ضروری ہے اس کو صلہ کہتے ہیں گویا اسم موصول جب

تک اپنے صلہ سے نہ مل لے تو وہ کسی کا فاعل یا مفعول نہیں بنے گا موصول کے معنی ہے جس کے ساتھ ملے اور صلہ کے معنی ہے جو ملے جیسے جَاءَ نَبِيُّ الْاِذِي ضَرَبَكَ مِثْلُ الْاِذِي اس موصول ہے اور یہ ضَرْبَ کے ساتھ مل کر جَاءَ کا فاعل بنے گا اگر صرف الْاِذِي کو فاعل بنائیں گے اور ضَرْبَ کو اس کے ساتھ نہ جوڑا تو بات ادھوری رہ جائے گی کیونکہ الْاِذِي تک ترجمہ یہ ہے آیا میرے پاس وہ تو وہ سے کون مراد ہے سمجھ میں نہیں آئے گا اور جب ضَرْبَكَ کہہ دیا تو بات مکمل ہو گئی کہ آنے والا وہ ہے جس نے تجھ کو مارا ہے پھر اسم موصول کے بعد والے جملہ میں ضرور ایک ضمیر ہونی چاہئے جو اسم موصول کی طرف لوٹتی رہے اور اس لوٹنے والی ضمیر کو اصل نحو عائد کہتے ہیں کیونکہ عائد کے معنی ہی ہے لوٹنے والا۔

اسماء موصولہ کی وضاحت

(۱) الْاِذِي واحد مذکر کے لئے بمعنی ”وہ“ یا ”جو“ (۲) الْاِذَانِ تشبیہ مذکر کے لئے حالت رفعی میں اور الْاِذِيْنَ تشبیہ مذکر کے لئے حالت نصی و جری میں یہ دونوں بھی بمعنی ”وہ“ اور ”جو“ ہیں (۳) الْاِذِيْنَ یہ جمع مذکر کے لئے بمعنی ”وہ“ اور ”جو“ (۴) الْاِتْسِي واحد مؤنث کے لئے بمعنی ”وہ“ اور ”جو“ الْاِتْسَانِ یہ تشبیہ مؤنث کے لئے حالت رفعی میں ہے اور الْاِتْسِيْنَ یہ تشبیہ مؤنث کے لئے حالت نصی اور جری میں ہے ان کے معنی ”وہ“ اور ”جو“ کے ہوں گے، (۶) الْاِتْسِي الْاِتْسِي الْاِتْسِي یہ تینوں جمع مؤنث کے لئے اس کے معنی بھی ”وہ“ اور ”جو“ کے ہوں گے (۷) عَقْلٌ نہ رکھنے والی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ترجمہ اس کا ”وہ“ یا ”کیا“ ہوا کرتا ہے (۸) مَنْ عَقْلٌ رکھنے والی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے چاہے وہ انسان ہو یا جنات یا فرشتے یا اللہ اس کا ترجمہ ”وہ“ اور ”کون“ سے ہوگا (۹) اَمِيٌّ واحد مذکر کے لئے بمعنی کونسا (۱۰) اَيُّهُ واحد مؤنث کے لئے بمعنی کونسی (۱۱) اَلٌ یہ جیسے صیغہ پر داخل ہوگا ویسے ہی اسم موصول کے معنی میں ہو جائے گا چنانچہ الضَّارِبُ مِثْلُ الْاِذِي کے معنی میں ہے الضَّارِبَةُ مِثْلُ الْاِتْسِي کے معنی میں ہے اور الضَّارِبَانِ مِثْلُ الْاِذَانِ تشبیہ مؤنث اسم موصول کے معنی میں ہے اس خلاصہ یہ ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے جس صیغہ پر یہ الف آئے گا اسی اسم موصول کے معنی میں لے لیں گے نیز دو بات اور یاد رکھو (۱) الْاِذِي، الْاِتْسِي وغیرہ کے معنی میں صرف وہ الف لام آتا ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول میں لگتا ہے۔

(۲) الضَّارِبُ کی یا کونسی بھی اسم فاعل کا صیغہ ہو اصل نکالتے وقت ماضی معروف کا صیغہ آئے گا جیسے الضَّارِبُ الْاِذِي ضَرْبَ کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جس نے مارا اور الضَّارِبَانِ الْاِذَانِ ضَرْبًا کے معنی میں ہے اسی طرح اسم مفعول کی اصل نکالتے وقت ماضی مجہول کا صیغہ آئے گا چنانچہ المضروب الْاِذِي ضَرْبَ کے معنی میں ہے اور المَضْرُوبَةُ الْاِتْسِي ضَرْبَتْ کے معنی میں ہے اور المَضْرُوبَانِ الْاِذَانِ ضَرْبًا کے معنی میں ہے۔

(۱۲) ذویہ بھی الف لام کی طرح عام ہے کبھی الْاِذِي کے معنی میں اور کبھی الْاِتْسِي کے معنی میں ایسے ہی کبھی الْاِذَانِ کے

معنی میں آیا کرتا ہے پھر ذو کے دو معنی ہے:

(۱) بمعنی ”صاحب“ اور ”والا“ اس معنی والا ذو معرب ہے جس کا ذکر عنقریب اسما مستمکرمہ میں آئے گا اور یہ ذو بدلنا رہے گا کبھی واؤ کے ساتھ ذو کہیں گے اور کبھی الف کے ساتھ ذو اور کبھی یا کے ساتھ ذی بولیں گے اور جو الیدی کے معنی میں آتا ہے وہ مثنیٰ ہے اور بدلانا نہیں کرتا نہ حالت نفی میں نہ نصی میں نہ جری میں جیسے جساء نی ذو قام، زائت ذو قام، وموزت بلذو قام اور اس ذو کو ذو طالیہ کہتے ہیں کیونکہ ذو کا الیدی کے معنی میں آتا صرف قبیلہ بنو طے کے یہاں ہے۔

طالیدہ: ما اور من اور آل اور ذو طالیہ واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب حالتوں میں پڑھنے میں یکساں رہیں گے البتہ اصل ان کی وہ نکلے گی جو مراد ہو۔

آئ و آئۃ معرب است

سوال: اسم غیر متمکن کی آٹھوں قسمیں مبنی ہیں اور آئی اور آئۃ معرب ہیں جیسا کہ خود مصنف کہہ رہے ہیں تو معرب چیز کو مبنی کے بیان میں کیوں لائے؟

جواب: آئی اور آئۃ کی استعمال کے اعتبار سے چار حالتیں ہیں اس طرح کہ آئی اور آئۃ اسم موصول ہے اور ہر قسم موصول کے بعد ایک جملہ ہوتا ہے جس کو صلہ کہتے ہیں تو اس صلہ کا شروع یعنی جملہ کا اول حصہ جس کو مبتدا کہتے ہیں یا تو محذوف ہوگا یا مذکور ہوگا پھر محذوف ہونے کی شکل میں آئی اور آئۃ مضاف ہوں گے یا نہیں ہوں گے اسی طرح مذکور ہونے کی صورت میں بھی یا تو آئی اور آئۃ مضاف ہوں گے یا نہیں یہ کل چار صورتیں ہوگی۔ اس طرح

(۱) آئی اور آئۃ مضاف نہ ہوں اور صلہ کا اول حصہ مذکور ہو جیسے آئی هُوَ قَائِمٌ.

(۲) مضاف نہ ہو اور نہ صلہ کا شروع مذکور ہو جیسے آئی قَائِمٌ.

(۳) آئی اور آئۃ مضاف ہوں اور صلہ بننے والے جملہ کا اول حصہ مذکور ہو جیسے آئِهِمْ هُوَ قَائِمٌ.

(۴) آئی اور آئۃ مضاف ہوں اور صلہ بننے والے جملہ کا شروع مذکور نہ ہو جیسے آئِهِمْ قَائِمٌ.

یہ چوتھی صورت وہ ہے جس میں آئی اور آئۃ مبنی ہوں گے اور اسی کے لحاظ سے ان کو مبنیات میں ذکر کر دیا۔

سوال: اسماء اشارات اور موصولات کس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی بنے ہیں؟

جواب: حروف کی مشابہت کی وجہ سے کیونکہ جیسے حروف بغیر اپنے متعلق کے مکمل معنی نہیں دیتے اسی طرح اسماء اشارات بغیر اپنے مشار الیہ کے اور موصولات بغیر صلہ کے مکمل نہیں ہوتے نہ کسی کا فاعل بن سکتے ہیں نہ مبتدا نہ خبر۔

سبق چہار دہم

چہارم اسماء افعال و آل بر دو قسم است اول بمعنی امر حاضر چوں زُوَيْدَ وَبَلَّةَ وَحَيْهَلُ
وَهَلْمُ دوم بمعنی فعل ماضی چوں هَيَّهَاتَ وَشَتَّانَ، پنجم اسماء اصوات چوں أُخُ أُخُ أُخُ
وَأُفُ وَبَيْخُ وَنَيْخُ وَغَاقُ، ششم اسماء ظروف ظرف زمان چوں إِذْ وَإِذَا وَمَتَى وَكَيْفَ
وَأَيَّانَ وَأَمْسٍ وَمُدُّ وَمُنْدُ وَقَطُّ وَعَوْضُ وَقَبْلُ وَبَعْدُ، ہفتیم مضاف باشند و مضاف الیہ محذوف
منوی باشند و ظرف مکان چوں حَيْثُ وَقَدْأَمُ وَتَحْتُ وَفَوْقُ و ہشتیم مضاف باشند و مضاف الیہ
محذوف منوی باشند، ہفتم اسماء کنایات چوں كَمْ وَكَذَا کنایہ از عدد و كَيْتُ وَذَيْتُ کنایہ
از حدیث، ہشتم مرکب بنائی چوں أَحَدَ عَشَرَ۔

ترجمہ: چوتھے اسماء افعال اور وہ دو قسم پر ہیں اول امر حاضر کے معنی میں جیسے زُوَيْدَ وَبَلَّةَ وَحَيْهَلُ وَهَلْمُ
دوسرے فعل ماضی کے معنی میں جیسے هَيَّهَاتَ اور شَتَّانَ، پانچویں اسماء اصوات جیسے أُخُ أُخُ أُخُ وَأُفُ وَبَيْخُ وَنَيْخُ
وَغَاقُ، چھٹے اسماء ظروف ظرف زمان جیسے إِذْ وَإِذَا وَمَتَى وَكَيْفَ وَأَيَّانَ وَأَمْسٍ وَمُدُّ وَمُنْدُ وَقَطُّ
وَعَوْضُ وَقَبْلُ وَبَعْدُ، جس وقت کہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو اور ظرف مکان جیسے حَيْثُ وَقَدْأَمُ وَتَحْتُ
وَفَوْقُ جس وقت کہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو، ساتویں اسماء کنایات جیسے كَمْ وَكَذَا کنایہ ہے عدد
سے اور كَيْتُ وَذَيْتُ کنایہ ہے بات سے، آٹھویں مرکب بنائی جیسے أَحَدَ عَشَرَ۔

حل مضمون: چہارم اسماء افعال، اسماء افعال ان اسماء کو کہتے ہیں جو لفظوں میں تو اسم ہوں اور معنی میں فعل کے ہوں اسی
سے اسماء افعال کو اسماء افعال کہنے کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ دیکھنے میں یہ اسم ہیں اور ترجمہ ان کا فعل امر حاضر یا فعل ماضی
والا ہوگا بمعنی امر حاضر جیسے زُوَيْدَ أَمِهَلُ کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے زُوَيْدَ زَيْدًا تُوَزِيدُ کو مہت دے زُوَيْدَ اسم فعل ہے
بمعنی أَمِهَلُ امر حاضر انت ضمیر پوشیدہ اس کا قائل زَيْدًا مفعول بہ فعل اپنے قائل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو جائے گا، (۲) بَلَّةَ بمعنی دے (چھوڑ تو) جیسے بَلَّةَ زَيْدًا تُوَزِيدُ کو چھوڑ دے (۳) حَيْهَلُ بمعنی اِنْتِ (آ تو) جیسے حَيْهَلِ
الصَّلَاةِ (آ تو نماز کو) (۴) هَلْمُ یہ بھی اِنْتِ کے معنی میں ہے بمعنی آ تو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول هَلْمُ اِلَيْنَا (آ تو ہماری طرف) ان
کے علاوہ اور بھی اسماء افعال ہیں جو امر حاضر کے معنی میں آتے ہیں: ذُوْنَكَ بمعنی خُدَّ (پکڑ تو) جیسے ذُوْنَكَ زَيْدًا پکڑ تو زید
کو، (۲) هَا بمعنی خُدَّ (پکڑ تو) جیسے هَا زَيْدًا پکڑ تو زید کو (۳) اَمِيْنُ بمعنی اِسْتَجِبْ (قبول کر تو) (۴) قَطُّ قاف کے ضمہ اور
فتح کے ساتھ بمعنی اِنْتِ (رک جا تو) (۵) عَلَيْكَ بمعنی اِلْوَمْ (لازم پکڑ تو) (۶) صَهْ بمعنی اُسْكُتْ (خاموش ہو جا تو) (۷)

مَنْ بِمَعْنَى أَكْفَفْتُ (رک جاتو) (۸) أَمَّا مَكَ بِمَعْنَى اخْتَلَزُ (بچو) جیسے أَمَّا مَكَ زَيْدًا (زید سے بچتے رہو) بِمَعْنَى فَعَلَ مَاضِي جیسے هَيَّاهُتْ بِمَعْنَى بَعْدَ (دور ہوا) جیسے هَيَّاهُتْ زَيْدًا (دور ہوا زید) (۲) شَنَّانٌ بِمَعْنَى اِفْتَرَقَ (جدا ہوا) جیسے شَنَّانٌ زَيْدًا وَعَمْرُوًا (زید اور عمرو جدا ہو گئے)۔

فائدہ ۱: اسماء افعال کی تعریف کرتے ہوئے جو ہم نے یوں تعریف کی ہے کہ وہ اسماء ہیں جو امر یا ماضی کے معنی میں ہوں اس میں اسماء کہنے سے امر حاضر اور ماضی نکل جائیں گے کیونکہ وہ افعال میں سے ہیں۔

فائدہ ۲: اسماء افعال کا امر یا ماضی کے معنی میں ہونا وضعاً ہی ہے یعنی شروع ہی سے جب سے یہ کلمات ہیں ان کے اندر امر اور ماضی کے معنی لئے جاتے ہیں لہذا زَيْدًا ضَارِبٌ اَنْفِيسِ میں اگر کوئی کہنے لگے کہ ضَارِبٌ بھی ماضی کے زمانہ پر دلالت کر رہا ہے یعنی یہ مار گذشتہ زمانہ میں ہو چکی اور دلیل اس پر لفظ اَنْفِيسِ ہے جو ضَارِبٌ کے ساتھ لایا گیا ہے۔

جواب: ضَارِبٌ میں مار کا گذشتہ زمانہ میں ہونا اَنْفِيسِ سے سمجھ میں آیا ہے نہ کہ ضَارِبٌ کے معنی سے کیونکہ ضَارِبٌ اپنی وضع اور بناوٹ کے لحاظ سے کسی زمانہ پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اسماء افعال کرتے ہیں لہذا اس مثال کو لے کر اعتراض غلط ہے۔

سوال: اسماء افعال کے مثنیٰ ہونے کی وجہ بتائیے؟

جواب: ہر اسم فعل یا تو امر حاضر کے معنی میں ہو گا یا ماضی کے اور یہ دونوں مثنیٰ اصل میں لہذا اسماء افعال مثنیٰ اصل کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مثنیٰ الاصل کے مشابہ ہو گئے اور مثنیٰ قرار دیئے گئے۔

اسماء اصوات: اصوات صَوْتٌ کی جمع ہے بمعنی آواز اور اسماء اصوات وہ اسماء کہلاتے ہیں جن سے کسی آواز کو نقل کیا جائے یا کسی چوپائے وغیرہ کو ان کے ذریعہ آواز دی جائے اُخْ اُخْ یہ الفاظ کھانسی کے وقت نکلتے ہیں اُفْ یہ لفظ درد کے وقت نکلتا ہے بَغْ یہ لفظ خوشی کے وقت نکلتا ہے نَخْ یہ لفظ اونٹ کو سُلانے یا بٹھانے کے وقت بولا جاتا ہے غَاقِ اس لفظ کو کوئے کی آواز کی نقل کے وقت بولتے ہیں، وَئِي تَجِبْ یا بَرَّ اَبْھلا کہتے وقت بولا جاتا ہے۔

سوال: اسماء اصوات مثنیٰ کیوں ہیں؟

جواب: ما قبل میں مثنیٰ ہونے کی دو شکلیں بتائی تھیں (۱) کوئی کلمہ مثنیٰ اصل کے مشابہ ہو (۲) وہ کلمہ کلام اور ترکیب میں نہ لایا گیا ہو اور اسماء اصوات سب کے سب عام طور سے تنہا ہی بولے جاتے ہیں باقاعدہ فاعل مفعول نہیں بنتے لہذا بوجہ ترکیب میں نہ آنے کے یہ مثنیٰ ہوں گے۔

سوال: پھر ترکیب میں آنے پر ان کو معرب ہونا چاہئے مثلاً تم کہو قَالَ زَيْدٌ غَاقِ زید نے غَاقِ کہا ایسے ہی قَالَ زَيْدٌ نَخْ کہ یہاں قَالَ اور نَخْ ترکیب میں آ کر مفعول ہو رہے ہیں لہذا ان کو معرب کہنا چاہئے؟

جواب: یہ ہر حال میں مثنیٰ ہی رہیں گے اور ان میں اعراب کی تبدیلی نہیں ہوگی کیونکہ اصل ان میں استعمال بے ترکیب والا ہے اگر کسی جگہ ترکیب میں آ بھی گئے تو ان کو اسی حال پر رکھا جائے گا جس میں وہ بلا ترکیب کے تھے یعنی مثنیٰ ہی پڑھے جائیں گے

معرّب نہیں بنیں گے کیونکہ ترکیب میں لاتے وقت بھی یہ وہی اسماء اصوات ہیں جو بلا ترکیب کے بولے جاتے ہیں، یعنی ان کی سابقہ حالت کا اعتبار ہوگا۔

اسماء ظروف: یعنی ظرف بننے والے اسماء ظروف ظرف کی جمع ہے بمعنی برتن اور وہ چیز جس میں کوئی چیز سما جائے یہاں ظروف سے مراد وہ الفاظ ہیں جو وقت اور جگہ کو بتلاتے ہیں کیونکہ کوئی بھی فعل یا کام کسی نہ کسی جگہ اور وقت میں ہی ہوا کرتا ہے اگر کوئی لفظ زمانے کو بتلاتے تو ظرف زمان کہتے ہیں اور جو مکان اور جگہ کو بتلاتے اس کو ظرف مکان کہتے ہیں اِذْ یہ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے بمعنی جس وقت جیسے جَنَّتْكَ اِذْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ (آیا میں تیرے پاس جب سورج نکل گیا) اِذْ ہمیشہ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے چاہے ماضی پہ داخل ہو یا مضارع پر اور اِذْ ماضی ہے حرف کے مشابہ ہونے کی وجہ سے یعنی جیسا کہ بعض حروف دو حرفوں سے مل کر بنتے ہیں جیسا کہ لَفْظٌ مِنْ اِیْ طَرَحَ یہ بھی دو حرفی ہے۔

(۲) اِذَا اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) زمانیہ (۲) مکانیہ اِذَا کی ان دو قسموں میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں اِذَا فعل پر داخل ہوتے ہیں اور زمانہ مستقبل کے لئے آتے ہیں چاہے ماضی پر ہی کیوں نہ داخل ہوں جیسے اِذَا تَجَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ (جس وقت اللہ کی مدد آجائے) اور چونکہ ان دونوں میں اِذَا حرف شرط کے معنی میں پائے جاتے ہیں اس لئے اِذَا ماضی ہوگا۔

سوال: حرف شرط کے معنی کو اِذَا کیسے شامل ہے؟

جواب: جس طرح حرف شرط ایک چیز کے ہونے پر دوسری چیز کے ہونے کو بتلاتا ہے جیسے اِنْ كَانَتْ الشَّمْسُ طَالِقَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُودٌ اس میں سورج نکلنے پر دن کے موجود ہونے کو بتایا گیا ہے یہی بات اِذَا میں ہے جیسے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهُكُمْ (کہ جب نماز کے لئے اٹھو پہلے وضو کر لو)۔

(۳) اِذَا مَفْاجَاةً جو ناگاہ اور اچانک کے معنی میں آتا ہے اب اس میں شرط کے معنی نہیں ہوتے جیسے خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبْعُ وَاِقْفُ (نکلا میں کہ اچانک درندہ کھڑا تھا) اِذَا مَفْاجَاةً کے بعد ہمیشہ جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔

سوال: اِذَا مَفْاجَاةً میں جب حرف شرط کے معنی نہیں ہوتے تو اب ماضی کیوں ہے؟

جواب: جس طرح بغیر دوسرے کلمہ کے ملائے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے یہی حال اس اِذَا کا ہے کہ جب تک اس سے جملہ نہ جڑ جائے مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا۔

(۳) ماضی یہ زمانہ ماضی اور مستقبل دونوں کے لئے آتا ہے پھر کبھی استفہامیہ ہوتا ہے بمعنی کس وقت جیسے مَتَى تُسَافِرُ (تو کب سفر کرے گا) اور کبھی شرطیہ ہوتا ہے بمعنی جب یا جس وقت جیسے مَتَى تَصُمُّ اَصْمٌ (جب تو روزہ رکھے گا میں روزہ رکھوں گا) ماضی صرف زمان کے لئے ہوتا ہے مکان کے لئے بالکل نہیں اور ماضی استفہامیہ ہو یا شرطیہ دونوں صورتوں میں ماضی ہے، حرف شرط اور حرف استفہام کے معنی کے اپنے اندر ہونے کی وجہ سے۔

(۴) کیف حال پوچھنے کے لئے آیا کرتا ہے جیسے كَيْفَ خَالِكَ تہمارا حال کیسا ہے پھر کیف کے ظرف ہونے میں اختلاف

ہے چنانچہ شیخ رضی فرماتے ہیں کہ انفخش نحوی کے یہاں یہ ظرف ہے علی جاڑہ کے معنی میں ہے ظرف اور جار مجرور دونوں آپس میں اس چیز میں اکٹھے ہیں کہ دونوں کو متعلق چاہئے چنانچہ كَيْفَ زَيْدٌ كَيْفَ زَيْدٌ کی اصل امام انفخش کے یہاں اَزَيْدٌ عَلٰی حَالِ الصُّحْبَةِ اَمْ عَلٰی حَالِ السُّقْمِ بنتی ہے یعنی زید حالت تندرستی پر ہے، یا حالت بیماری پر، اور سیبویہ کے نزدیک کیف اسم ہے نہ کہ ظرف اور علامہ زختری کے نزدیک ظرف تو نہیں ہے ہاں اس کا قائم مقام ہے اور یہی معنی ہے کیونکہ اس میں حرف استفہام کے معنی موجود ہے۔ (۵) اَيَّانَ زمانہ مستقبل کے لئے ہے اور استفہام کے معنی دیتا ہے بمعنی کب اور کس وقت جیسے اَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (کب ہے جزا کا دن) یہ بھی بنتی ہے اپنے اندر حرف استفہام کے معنی ہونے کی وجہ سے۔ معنی کا استعمال بمقابلہ اَيَّانَ کے زیادہ ہے نیز اَيَّانَ بڑے اور اہم کاموں کے پوچھنے میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جزاء کا دن یعنی قیامت کب ہے اسی لئے اَيَّانَ يَمُتُ (تو کب سویا) نہیں کہا جائے گا۔

(۶) اَمْسٌ بمعنی کل گزشتہ جیسے جَاءَ زَيْدٌ اَمْسٍ (زید کل ۱۷) یہ بنتی ہے کسرہ پر تین شرطوں کے ساتھ (۱) معرفہ ہو (۲) الف لام اس پر داخل نہ ہو (۳) مضاف نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی شرط تم ہوگئی تو پھر معرب ہوگا اور یہ اس لئے بنتی ہے کہ اس میں ماضی کے معنی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا وزن فعل امر جیسا ہے چنانچہ اَبْقَى يُبْقِي اِبْقَاءً سے امر کا صیغہ اَبْقَى بروزن اَمْسٍ پایا جا رہا ہے۔

(۷) مُدٌّ وَمُنْدٌ یہ دونوں حرف کبھی جڑ دیتے ہیں اور کبھی رفع جس وقت رفع دیتے ہیں تو اسم اور مبتدا ہوتے ہیں نہ کہ حرف جار جیسے مُدٌّ يَوْمَانِ اس میں مُدٌّ "أَوَّلُ الْمُدَّةِ" یا "جَمِيعُ الْمُدَّةِ" کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہو کر مرفوع ہوگا اور یومان بوجہ خبر ہونے کے مرفوع پڑھا جائے گا۔ کھل مثال یوں ہے مَا رَأَيْتُهُ مُدٌّ يَوْمَانِ کبھی ان کے بعد جملہ اسمیہ اور فعلیہ بھی آتا ہے جیسے مَا زِلْتُ أَبْغِي الْمَالَ مُدٌّ أَنَا يَأْفَعُ میں جب سے جو ان ہوا مال کی تلاش میں رہتا ہوں اور جملہ فعلیہ کی مثال ہے مَا خَرَجْتُ مُدٌّ سَافِرٌ زَيْدٌ جب سے زید سفر میں گیا میں باہر نہیں نکلا۔ (شرح جامی ص: ۲۳۳۔)

اور جب حرف جار اور ظرف نہیں گے تو ان کا مدخول زمانہ ماضی ہو تو مین کے معنی میں ہوں گے اور اگر مدخول زمانہ حال ہو تو فی کے معنی میں ہوں گے جیسے مَا رَأَيْتُهُ مُدٌّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِمْرٌ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اور مَا رَأَيْتُهُ مُنْدٌ شَهْرٍ اِمْرٌ فِي شَهْرِ

ل قال الشيخ الرضی ومن الظروف المبنية اَمْسٍ وعلته بنائه تضمنه للام التعريف وذلك ان كل يوم متقدم على يوم فهو اَمْسٌ فهو كانن في الاصل نكرة ثم لما اريد اَمْسٌ يوم التكلم دخله لام التعريف للعهد كما هو عادة كل اسم قصديه الى واحد من بين الجماعة المسماة ثم حذفت اللام وقتلت لتبادر فم كل من يسمع اَمْسٌ مطلقاً من الاضافة الى اَمْسٌ يوم التكلم فصار معرفة لحوادثه اَمْسٌ الاحداث انتهى نیز اَمْسٌ الدابر و اَمْسٌ الاول بھی بولا جاتا ہے۔ (رضی شرح کافی ص: ۱۰۰)

اور رفع کی شکل میں نہ یہ ظرف کہلائیں گے نہ حرف جر بلکہ اسم نہیں گے اور ان کا مدخول اگر زمانہ ماضی ہو تو اول مدت کے معنی میں

ہوں گے اور زمانہ حال ہو جمع مدت کے لئے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مُنْذُ مُنْذُ کے مدخول سے زمانہ ماضی مراد ہو گا یا حال کا اور مستقبل کا بالکل مراد نہیں ہوگا۔

سوال: مُنْذُ و مُنْذُ کہاں اول مدت کے معنی میں ہوتے ہیں اور کہاں پوری مدت کے معنی میں ہوتے ہیں؟

جواب: ایک علامت تو اوپر ہی ذکر کر دی کہ ان کے مدخول میں زمانہ ماضی کا ارادہ ہو تو ان کا اول المدت ترجمہ ہوگا، اور اگر ان کے مدخول میں زمانہ حال کا ارادہ ہو تو ان کے جمع المدت کے معنی ہوں گے، اور دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کا مدخول اگر مفرد ہے تو اول مدت کے معنی ہوں گے جیسے: مُنْذُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَمُنْذُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اور اگر ان کا مدخول تشبیہ یا جمع ہو چاہے لفظاً یا معنایاً جیسا کہ لفظ شَهْرٌ (بہینہ) بہت دنوں پر مشتمل ہے مثلاً تم کہو مَسَارَاتُ يَوْمَانِ او مُنْذُ يَوْمَانِ یا مُنْذُ شَهْرٍ او مُنْذُ شَهْرٍ تو ایسی جگہ میں پوری مدت کے معنی میں ہوتے ہیں کیونکہ اول مدت ایک دن تو ہو سکتی ہے دو دن یا بہینہ نہیں ہوا کرتا۔

سوال: مُنْذُ و مُنْذُ مَنَى کیوں ہیں؟

جواب: یہ خود اپنے ہی مشابہ ہیں کیونکہ یہ حروف جارہ بھی ہیں اور اسم بھی ہیں تو ساخت اور ساز یعنی بناوٹ میں شریک ہونے کی وجہ سے اسم ہونے کی حالت میں بھی مَنَى ہوں گے جیسا کہ حرف جر ہونے کی حالت میں مَنَى ہیں۔

(۸) قَطُّ قاف کے فتح اور ضمہ والی طاء کے ساتھ یہ اکثر استغراق زمانہ ماضی منفی کے لئے آتا ہے بمعنی کبھی جیسے مَسَارَاتُ يَوْمَانِ قَطُّ میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا اور کبھی کبھی ماضی کے اثبات کے لئے بھی آجاتا ہے اس کا مَنَى ہونا لام استغراقیہ کے معنی کے اس کے اندر پائے جانے کی وجہ سے ہے، اور الف لام استغراقی بوجہ حروف میں سے ہونے کے مَنَى ہے۔

(۹) غَوْضٌ یہ استغراق زمانہ مستقبل منفی کے لئے ہے بمعنی ہرگز و کبھی جیسے لَا أُضْرِبُهُ غَوْضٌ میں اس کو کبھی نہیں ماروں گا اس کا مَنَى ہونا لام استغراقی کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۱۰) قَبْلُ (پہلے) بَعْدُ (پچھے، بعد) ان دونوں کی تین حالت ہیں (۱) ان کا مضاف الیہ لفظوں میں مذکور ہو جیسے جِئْتُ قَبْلُ زَيْدٍ وَبَعْدُ عَمْرٍو (۲) ان کا مضاف الیہ بالکلیہ معدوم ہونہ لفظوں میں موجود ہونہ ذہن میں جیسے زَيْدٌ بَعْدُ كَانَ خَيْرًا مِنْ قَبْلُ، بہت سے بعد پہلے سے بہتر ہوتے ہیں (جیسا کہ کہتے ہیں دیر آید درست آید) ان دونوں صورتوں میں قَبْلُ وَبَعْدُ معرب ہوا کرتے ہیں، (۳) مضاف الیہ لفظوں میں نہ ہو ہاں؟ رف ذہن میں ہو اسی کو محذوف منوی کہتے ہیں جیسے أَنَا فِي الصَّلَاةِ كَلِمَةً بَعْدُ کہ میں نماز میں ہوں اس کے بعد بات کرنا تو یہاں بعد کا مضاف الیہ ذہن میں ہے یعنی بَعْدُ الصَّلَاةِ ایسے ہی خطبہ میں اَمَّا بَعْدُ کہ مضاف الیہ عبارت میں تو نہیں ہے مگر ذہن میں ہوتا ہے ای بعد الحمد والصَّلَاةِ ایسے ہی لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ میں مضاف الیہ محذوف منوی ہے ای لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْ بَعْدِ كُلِّ شَيْءٍ، کہ اللہ ہی کے لئے حکم ہے ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے بعد۔

سوال: قَبْلُ بَعْدُ کیوں مَنَى ہیں؟

جواب: یہ حروف کے مشابہ ہیں کہ جیسے حروف بغیر کلمہ کے ملائے ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اسی طرح بغیر مضاف الیہ کے ان کا بھی کام نہیں چلتا۔

وقتیکہ مضاف باشند الخ: کا تعلق صرف قبل اور بعد سے ہے۔

محذوف منوی کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں میں ختم کر دیا گیا مگر نیت اور دل میں باقی ہو منوی مَرْمِیَّ کے وزن پر اسم مفعول ہے بمعنی نیت اور ارادہ کیا ہوا۔

(۱۲) ظرف مکان الخ جو جگہ پر دلالت کریں ان کو ظروف مکان کہتے ہیں۔ حَيْثُ یہ ہمیشہ مضاف ہوا کرتا ہے اکثر تو جملہ اس کا مضاف الیہ بنتا ہے مگر کبھی مفرد بھی اس کا مضاف الیہ ہو سکتا ہے جیسے اَمَّا تَرَى حَيْثُ سُهَيْلٍ طَالِعًا کہ کیا تجھے سہیل ستارہ کے طلوع کی جگہ معلوم نہیں ہے اس میں سہیل مفرد مضاف الیہ بن رہا ہے جملہ کی طرف مضاف ہونے کی مثال اِجْلِسْ حَيْثُ زَيْدٌ جَالِسٌ بیٹھ جہاں زید بیٹھنے والا ہے یعنی ہے کیونکہ حروف کی طرح ہمیشہ اپنے مضاف الیہ کا محتاج رہتا ہے۔

قَدَامٌ، تَحْتَ، فَوْقُ یہ اسماء لازمة الاضافة ہیں کہ ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتے ہیں قَدَامُ (آگے) تَحْتَ (نیچے) فَوْقُ (اوپر) ان تینوں کے مبنی ہونے کے لئے وہی شرط ہے جو قبل، بعد کے لئے گذر چکی ہے کہ مضاف الیہ لفظوں میں تو نہ ہوں ذہن میں پایا جا رہا ہو اور اس وقت ضمہ پڑتی ہوں گے، اور اگر ان کا مضاف الیہ مذکور ہے یا نیا منیا یعنی بالکل حذف ہے نہ ذہن میں ہے نہ عبارت میں تو ان دو صورتوں میں یہ معرب ہوں گے۔

وقتیکہ مضاف باشند الخ: کا تعلق قَدَامٌ، تَحْتَ، فَوْقُ سے ہے فقط۔

اسماء کنایات: كِنَايَةٌ كُنِيَ بِكُنْيَةٍ كِنَايَةً بِالشَّيْءِ عَنْ كَذَا یعنی کسی چیز کو بول کر کسی دوسری چیز کا ارادہ کرنا کنا یہ میں جس لفظ کو بولتے ہیں اس کے معنی مراد لینے کے بجائے دوسرے اور معنی مراد لیا کرتے ہیں جیسے لے ہاتھوں والا کہہ کر کسی کا سخی ہونا مراد لیا کرتے ہیں حقیقی معنی مراد نہیں کہ اس کے ہاتھ لے ہوں ایسے ہی زید بہت راکھ والا ہے زیادہ راکھ والا بول کر سخی مراد ہوا کرتا ہے کیونکہ زیادہ راکھ اس کے یہاں ہوگی جس کے یہاں لکڑیاں زیادہ جلتی ہوں اور لکڑی زیادہ اس کے یہاں جلے گی جس کے مہمان زیادہ آتے ہوں اور مہمان اسی کے یہاں زیادہ آئیں گے جو سخی ہو پھر اسماء کنایات سے مبنی والے مراد ہیں کیونکہ مہدیات ہی کا بیان چل رہا ہے قَلَانٌ اور قَلَانَةٌ بھی کنایات ہیں لیکن معرب بننے والے۔

كَمْ وَكَذَا ان دونوں سے گول مول اور مبہم گنتی اور تعداد کو مراد لیتے ہیں جیسے كَمْ ذُوْبِيَّةٌ عِنْدَكَ تيرے پاس کتنے روپے ہیں عندي كذا درهماً تيرے پاس اتنے روپے ہیں تو اتنے اور کتنے مبہم اور غیر متعین تعداد کو ظاہر کرتے ہیں پھر کم کی دو قسمیں ہیں: (۱) استفہامیہ جس کے ذریعہ سے پوچھا جائے جیسے كَمْ دِرْهَمًا عِنْدَكَ يَا كَمْ فَلَوْسًا عِنْدَكَ تيرے پاس کتنے پیسے ہیں، (۲) خبریہ یعنی مبہم اور غیر متعین تعداد کو بتلانے کے لئے آتا ہے جیسے كَمْ مَالٍ اَنْفَقْتُ كِتَابِي مَالٍ خَرَجَ كِرْچَا میں كذا یہ صرف خبریہ ہوتا ہے جیسے عندي كذا فَلَوْسًا تيرے پاس اتنے پیسے ہیں، كَيْفٌ وَذَيْتٌ یہ دونوں غیر واضح اور مبہم

بات سے کنایہ کرنے کے لئے ہیں یعنی ان دونوں سے گول مول بات مراد لیا کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں سَمِعْتُ كَيْتَ كَيْتَ (میں نے ایسا ایسا) قُلْتُ ذَيْتَ ذَيْتَ (میں نے ایسے ایسے کہا)۔

سوال: اسماء کنایات مثنی کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: کَمُّ استفہامیہ ہمزہ استفہام کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اور کم خبریہ کو اس کے تابع کر کے اسے بھی مثنی کہہ دیا اور کذا کاف اور ذاسے بنا ہے جو مبیات میں سے ہیں پھر دونوں کو ملا کر ایک کلمہ بنا لیا، اور کَمُّ کے معنی میں ہوتا ہے کیونکہ کتنے اور اتنے یا کتنی اور اتنی دونوں کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے بہر حال یہ بھی مثنی ہیں کیونکہ اس کی ترکیب حروف مثنی سے ہوتی ہے۔

کَيْتَ وَذَيْتَ یہ ہمیشہ مکرر بولے جاتے ہیں جیسا کہ اوپر مثال میں ہے اور ان کا مثنی ہونا اس وجہ سے ہے کہ دراصل ان جملوں کی جگہ ہوتے ہیں جو کسی نے بولے یا سنے ہوں اور جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے نہ اس کو مثنی کہہ سکتے ہیں نہ معرب مگر پھر بھی جملہ کی جگہ آنے والے لفظ کَيْتَ وَذَيْتَ کو مثنی ہی کہا کیونکہ مانند اس کلمہ کے ہیں جن کو ترکیب میں نہ لایا گیا ہو اور ترکیب میں نہ لایا ہو مثنی ہوتا ہے لہذا یہ بھی مثنی قرار دیئے گئے۔

مرکب بنائے: نام ہے اَخَذَ عَشْرَ سے تِسْعَةَ عَشْرَ تک کی گنتی کا اور اس کے دونوں جز اس لئے مثنی ہیں کہ اول جز کا اخیر جب دونوں کلموں کو ایک بنا دیا بیچ میں آرہا ہے اور بیچ کلمہ اعراب کو قبول نہیں کرتا اور دوسرا جز اس لئے مثنی ہو گیا کہ اس کے ساتھ حرف واؤ جو مثنی الاصل ہے پایا جا رہا ہے مشتمل بر مثنی بھی مثنی بن گیا (کذا فی ہاشم نحو میر در بیان مرکب بنائی)

سبق پانزدہم

بدانکہ اسم برد و ضرب است معرفہ و نکرہ معرفہ آل است کہ موضوع باشد برائے چیزے معین و آل برہفت نوع است اول مضمرات، دوم اعلام چوں زَيْدٌ وَ عَمْرُو، سوم اسمائے اشارات، چہارم اسماء موصولہ و این دو قسم را مہمات گویند، پنجم معرفہ بہ ندا چوں يَا رَجُلُ، ششم معرفہ بالف و لام چوں الرَّجُلُ، ہفتم مضاف بہ یکے ازینہاں چوں غَلَامَةٌ وَ غَلَامٌ زَيْدٌ وَ غَلَامٌ هَذَا وَ غَلَامٌ الَّذِي عِنْدِي وَ غَلَامٌ الرَّجُلِ وَ نکرہ آنست کہ موضوع باشد برائے چیزے غیر معین چوں رَجُلٌ وَ قُرْسٌ۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم دو قسم پر ہے، معرفہ و نکرہ معرفہ ہے کہ جس کو معین چیز کے لئے طے کیا گیا ہو اور وہ سات قسم پر ہے اول ضمائر، دوسرے اعلام جیسے زید اور عمرو، تیسرے اسماء اشارات، چوتھے اسماء موصولہ اور ان دونوں قسموں کو مہمات کہتے ہیں، پانچویں معرفہ حرف ندا کے ساتھ جیسے يَا رَجُلُ، چھٹے معرفہ الف لام کے ساتھ جیسے الرَّجُلُ، ساتویں مضاف ان میں سے کسی

ایک کی طرف جیسے غُلامُہ اور غُلامُ زَبَد اور غُلامُ ہَذَا اور غُلامُ الَّذی عدی اور غُلامُ الرَّجُلِ اور نکرہ وہ ہے جس کو طے کیا گیا ہو غیر متعین چیز کے لئے جیسے کوئی مرد اور کوئی گھوڑا۔

حل مضمون: ضَرْبُ بمعنی قسم اور نوع ہے معرفۃً من مصدر ہے بمعنی پہچاننا، اصطلاحِ نحو میں اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی متعین چیز کے لئے مقرر اور طے کیا گیا ہو جیسے آدمیوں کے نام گاؤں اور شہروں کے نام سب معرفہ ہیں کہ ہر نام ایک متعین آدمی اور متعین گاؤں اور شہر پر بولا جاتا ہے، معین کا لفظ لا کر نکرہ نکالنا ہے کیونکہ نکرہ میں بھی کسی اسم کو کسی چیز کے لئے طے کیا جاتا ہے مگر معرفہ میں وہ چیز متعین ہوتی ہے نکرہ میں نہیں ہوتی ہے پھر معرفہ کی سات قسمیں ہیں: (۱) مضمورات یعنی ضمیریں ستر کی ستر (۷۰) معرفہ ہوتی ہیں جیسے هُوَ هِيَ اَنْتَ اَنْتِ وغیرہ۔

سوال: هُوَ سے ہر مذکر غائب اور ہی سے ہر مؤنث غائب مراد لیا جاسکتا ہے پھر متعین کے لئے کہاں ضمیریں طے ہوں گی؟
جواب: ہر کوئی ہو ہی سے جب کسی کو مراد لے گا تو اس کے نزدیک وہ متعین ہی ہوگا، تو استعمال میں معرفہ ہیں گرچہ وضع کے اعتبار سے عام ہیں۔

(۲) اَغْلَامٌ عَلَّمَ بمعنی علامت کی جمع ہے کسی معین چیز کے لئے طے کیا ہوا اسمِ عَلَّمَ کہا جاتا ہے یعنی اس اسم سے متعین چیز مراد لی گئی ہے جیسے خالد بول کر مخصوص شکل و صورت کا آدمی مراد لیا جائے گا۔

سوال: کبھی ایسا بھی تو ہو جاتا ہے کہ کئی آدمیوں نے اپنے بچے کا نام خالد رکھ لیا ہو تو اب خالد سے ہر کسی کا بچہ مراد ہو سکتا ہے جو متعین نہیں رہا کیا پتہ کونسا خالد ہے؟

جواب: وضع اور طے ایک ہونی ضروری ہے یعنی اپنی اپنی وضع اور طے کے لحاظ سے وہ بس ایک ہی کے لئے طے کیا گیا ہو لہذا ہر شخص اپنے ہی خالد کو پکارے گا اور اس کی طے کے لحاظ سے بس وہی شخص مراد ہوگا جس کا اس نے نام رکھا ہے، دوسرا خالد مراد نہیں ہوگا عَلَّمَ کو علم اسی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ متعین چیز کے لئے علامت اور نشانی ہے۔

(۳) اَسْمَاءُ شَارِهٌ جیسے ذَا وَذَانِ اِلْحِ ان کا ذکر آچکا ہے۔

(۴) اَسْمَاءُ مَوْصُولَةٌ جیسے الَّذی الذان کا بیان ہو چکا۔

مبہمات گویند الخ: مُبْهَمَةٌ کی جمع بمعنی پوشیدہ اور گول مول اسماء اشارات اور اسماء موصولات کا ایک نام مبہمات بھی ہے کیونکہ اسم اشارہ اور اسی طرح اسم موصول جب تک اول کے بعد مشار الیہ اور دوسرے کے بعد صلہ نہ لے آوے تو مخاطب کو ان سے جو مراد ہے اس کا پتہ نہیں چلتا چنانچہ ہَذَا صرف کہنے سے کیا معلوم کتاب ہے یا لڑکا ہے یا مسجد ہے یا گھر ہے ہاں جب ہَذَا کے بعد مشار الیہ لے آئیں گے اور ہَذَا الْکِتَابِ یا ہَذَا الْمَسْجِدِ کہیں گے تو ہَذَا سے کیا مراد ہے سمجھ میں آجائے گا یہی حالت اسم موصول الَّذی وغیرہ کا ہے کہ الَّذی کے معنی وہ اور جو کے ہیں اب کون وہ اور جو مراد ہے بغیر اس کے صلہ کے سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ الَّذی ہر واحد مذکر کے لئے ہو سکتا ہے کتاب ہو آدمی ہو یا اور کوئی مذکر واحد چیز ہو ہاں جب صلہ آجائے گا

تو الٰذی سے کیا مراد ہے معلوم ہو جائے گا مثلاً جَاءَ الٰذی آیا وہ اور کلام ہے جب کہا جَاءَ الٰذی اَشْرَبَكَ الشَّامِ کہ وہ آیا جس نے تجھے چائے پلائی تو اب الٰذی کا مصداق متعین ہو گیا یعنی چائے پلانے والا۔

(۵) معرفہ بہ خدا: کسی بھی نکرہ اور غیر متعین پر حرف ندا لگانے سے وہ معرفہ ہو جاتا ہے چنانچہ رجلٌ یا ولدٌ ہر مرد اور لڑکے کے لئے ہے لیکن جب ہم نے حرف ندا لگا کر کہا یا رجل اور یا ولد تو اب صرف ایسا آدمی یا لڑکا مراد ہوگا جس کو حرف ندا کے ذریعہ ہم نے آواز لگا کر اپنی طرف متوجہ کیا ہے ہر کوئی مرد یا لڑکا مراد نہیں ہوگا۔

(۶) معرفہ بالف لام: جس اسم کے شروع میں الف لام ہو اس کے ذریعہ بھی وہ معرفہ ہو جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ الف لام وہ نہ ہو جس کو محض تسمین اور خوبصورتی کے لئے کسی کلمہ پر لایا جاتا ہے جیسے الفتح، الکنسور میں اور نہ یہ الف لام عہد و ثقی ہو جو نکرہ کے حکم میں ہے جیسے اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَاْتِیَ الدَّبُّ مِیْنُ کَہ الدَّبُّ سے خواہ کوئی بھی بھیڑیا ہو مراد ہے الف لام کی قسمیں ”سبق نیم“ میں آچکی ہیں وہاں دیکھ لیں بہر حال الف لام لگنے سے بھی عام شی متعین ہو جاتی ہے جیسے رجل سے ہر مرد لیکن الرجل سے خاص اور مخصوص مراد ہوگا۔

سوال: مصنف نے مضمرات، اسماء اشارات، اسماء موصولات کی مثالیں کیوں نہیں دیں جیسے اعلام اور معرفہ بہ خدا، معرفہ الف لام کی دی ہیں؟

جواب: اول تین کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے تو چاہے ہوئے کو جنوانے کی کیا ضرورت تھی۔

(۷) مضاف بیکے اذینہا الخ: ساتویں قسم معرفہ کی یہ ہے کہ کوئی غیر متعین اسم معرفہ کی پانچ قسموں (ضمیریں، اعلام، اسماء اشارات، اسماء موصولات، معرفہ بالف لام) میں سے کسی ایک کا مضاف بن جائے تب بھی یہ نکرہ اور غیر متعین معرفہ اور متعین ہو جائے گا، چنانچہ نکرہ کے ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامَةٌ ہے اور عَلَمٌ کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامٌ زَبِیدٌ ہے اور اسم اشارہ کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامٌ هَذَا ہے اور اسم موصول کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامٌ الٰذی ہے اور معرفہ بالف لام کی طرف مضاف ہونے کی مثال غُلَامٌ الرَّجُلِ ہے اور ایک قسم معرفہ کی یعنی معرفہ بہ خدا ایسی ہے کہ اس کی طرف مضاف ہونا نہیں پایا جاتا اسی لئے مصنف اس کی کوئی مثال نہیں لائے ہیں بہر حال مضاف بیکے اذینہا سے کل پانچ قسمیں مراد ہیں معرفہ بہ خدا نکل جائے گی۔

ونکرہ آن است: نکرہ معرفہ کی ضد ہے معرفہ کی تعریف جاننے کے بعد نکرہ کی تعریف خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے مگر پھر بھی الگ نکرہ کی تعریف کر رہے ہیں کہ ہر وہ اسم جس سے متعین چیز کے بجائے غیر متعین مراد ہو اور غیر متعین کے لئے ہی اسے طے کیا گیا ہو مثلاً مرد جو رجل کا ترجمہ ہے کسی خاص مخصوص شکل کے مرد کو نہیں کہیں گے بلکہ ہر مرد کو کہہ سکتے ہیں ایسے ہی کتاب ہر کتاب کو برتن ہر برتن کو کہہ سکتے ہیں۔

سبق شانزدهم

بدانکہ اسم برد و صنف است مذکر و مؤنث مذکور آنت کہ در و علامت تانیث نباشد چوں رَجُلٌ و مؤنث آنت در و علامت تانیث باشد چوں اِمْرَاةٌ و علامت تانیث چہار است تاء چوں طَلْحَةُ و الف مقصورہ چوں حُبْلَى و الف ممدودہ چوں حَمْرَاءُ و تاء مقدرہ چوں اَرْضٌ کہ در اصل اَرْضَةٌ بودہ است بدلیل اَرْضَةٌ زیرا کہ تصغیر اسماء را باصل خود بزد و اس را مؤنث سماعی گویند و بدانکہ مؤنث برد و قسم است حقیقی و لفظی حقیقی آنت کہ بازائے او حیوانے مذکر باشد چوں اِمْرَاةٌ کہ بازائے او رَجُلٌ است و نَاقَةٌ کہ بازائے او جَمَلٌ است و لفظی آنت کہ بازائے او حیوانے مذکر باشد چوں ظَلْمَةٌ و قُوَّةٌ۔

ترجمہ: ازاء مقابل، صنف بمعنی قسم برد لے جاتی ہے، مذکر بمعنی نر، جان تو کہ اسم دو قسم پر ہے مذکر و مؤنث مذکورہ ہے کہ اس میں علامت تانیث کی نہ ہو جیسے رجل اور مؤنث وہ ہے کہ اس میں علامت تانیث ہو جیسے اِمْرَاةٌ اور تانیث کی علامت چار ہیں (۱) تاجیسے طَلْحَةُ (۲) الف مقصورہ جیسے حُبْلَى (حاملہ عورت) (۳) الف ممدودہ جیسے حَمْرَاءُ (سرخ رنگ کی عورت) (۴) تاء مقدرہ جیسے اَرْضٌ (زمین) کہ اصل میں اَرْضَةٌ تھا اَرْضَةٌ کی دلیل سے کیونکہ تصغیر اسموں کو اپنی اصل پر لے جاتی ہے اور اس کو مؤنث سماعی کہتے ہیں اور جان تو کہ مؤنث دو قسم پر ہے حقیقی اور لفظی حقیقی وہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی نر حیوان ہو جیسے اِمْرَاةٌ (عورت) کہ اس کے مقابلہ میں رجل (مرد ہے اور نَاقَةٌ (اونٹنی) کہ اس کے مقابلہ میں جَمَلٌ (اونٹ) ہے اور لفظی وہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی نر حیوان نہ ہو جیسے ظلمت (تاریکی) اور قُوَّةٌ (طاقت)۔

حل مضمون: اسم کی قسمیں پہلے بیان کی تھی کہ دو ہیں معرفہ اور نکرہ یہاں پھر دوبارہ اسم کی قسمیں بیان کر رہے ہیں ایسا کیوں؟ جواب: اسم کی جو قسمیں اب بیان کر رہے ہیں وہ مذکر اور تانیث یا نر اور مادہ ہونے کے اعتبار سے کر رہے ہیں تو الگ الگ اعتبار سے اسم کی تقسیم کئی دفعہ ہو سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ ایک تقسیم آگے اور آ رہی ہے وہ واحد تشبیہ اور جمع ہونے کے لحاظ سے ہوگی تو ایک ہی چیز کی مختلف اعتبارات سے مختلف قسمیں ہو جائیں اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا ہاں ایک ہی اعتبار سے کرنے پر اعتراض درست تھا چنانچہ ایک ہی آدمی تبا اور دادا دونوں ہو سکتا ہے بیٹے کے لحاظ سے ابا اور پوتے کے لحاظ سے دادا ایسے ہی استاذ اور شاگرد دونوں ہو سکتا ہے کسی کو پڑھایا استاذ بن گیا کسی سے پڑھا شاگرد بن گیا وغیرہ وغیرہ۔

صنف بمعنی قسم اس سے پہلے حَسْرَبٌ کا لفظ بولا تھا اور آگے قسم کا آرہا ہے سب کا مطلب ایک ہے محض تَفَعُّنٌ اور رنگ برنگ اپن اختیار کرنے کے لئے تاکہ ایک ہی لفظ سے اکتاہٹ نہ ہو بدل بدل کر لے آتے ہیں۔

مذکر ذمّی بمعنی عضو متاسل سے بنا ہے مادہ اور پیشاب گاہ رکھنے والی چیز کے مقابلہ کو مذکر یا نر بولا جاتا ہے یا عضو

تتاسل والی چیز کو مذکر اور نر کہتے ہیں اور پیشاب گاہ رکھنے والی کو مادہ اور عورت کہتے ہیں لیکن یہ تو حیوانوں میں ہوتا ہے الفاظ اور اسماء میں مذکر وہ لفظ کہلائے گا جس میں مؤنث ہونے کی لفظی اور تقدیری علامتوں میں سے کوئی علامت نہ ہو اور جس میں ہو یہ علامت تو وہ مؤنث کہلائے گی، اب رہی علامات تانیث تو وہ چار ہیں (۱) تاء اگر مردوں کے نام میں آ رہی ہے جیسے طَلْحَةَ میں تو اسکی تاء سے مؤنث کا فائدہ صرف اتنا ہوگا کہ لفظ کے غیر منصرف بنانے میں مدد دے گی چنانچہ طَلْحَةَ دو سبب (تانیث لفظی اور علم) کی وجہ سے غیر منصرف کہلائے گا لیکن صیغہ ہمیشہ ماضی یا مضارع کا مذکر ہی لانا پڑے گا چنانچہ ذَهَبَ طَلْحَةَ کہیں گے ذَهَبْتُ طَلْحَةَ کہنا غلط ہوگا۔

(۲) الف مقصورہ قَصْرٌ يَقْصُرُ قَصْرًا ن سے بمعنی روکنا، تھا منہ چونکہ الف مقصورہ کے ادا کرتے وقت بولنے والا اسی پر رک جاتا ہے بخلاف ممدودہ کے کہ اس میں آواز لمبی کرنے کے ساتھ ساتھ آگے ہمزہ پڑھنے کا موقع بھی رہتا ہے الف مقصورہ مؤنث جب بنائے گا جب کہ وہ تین حرفوں کے بعد آئے اسی لئے لفظی کا الف مقصورہ ہونے کے باوجود مؤنث نہیں بنا رہا ہے بمعنی جوان ایسے ہی وعا کا الف مؤنث نہیں بنے گا نہ لا الی علی کا الف کیونکہ تین حرف کے بعد نہیں ہے۔

(۳) الف ممدودہ مَمْدُودٌ بِمَعْنَى كَبِيْرٌ كَبِيْرًا کیونکہ الف ممدودہ میں متصل ہے یعنی الف کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں آنے سے اس کو کھینچا جاتا ہے اس لئے اس کو ممدودہ کہا جاتا ہے، تاء لفظی اور دونوں الفوں سے بننے والے مؤنث کو مؤنث قیاسی کہتے ہیں کیونکہ قیاس بمعنی قاعدہ اور اصل کے ہے تو چونکہ مؤنث قیاسی کا قاعدہ طے ہو گیا کہ جس اسم میں تاء اور الف لگے ہوئے پائے جائیں ان کو مؤنث کہہ دو اس وجہ سے اس کا نام مؤنث قیاسی بن گیا اس کے مقابلہ میں آگے مؤنث سماعی آ رہا ہے اور سَمَاعٌ بمعنی سننا کیوں کہ مؤنث سماعی جو اسم ہوگا اس میں ظاہری تو کوئی علامت مؤنث ہونے کی نہ ہوگی ہاں اہل عرب اور اہل زبان سے سننے کی وجہ سے اس کو مؤنث، نا جائے گا۔

(۴) تاء مقدرہ النخ یہ مؤنث کی چوتھی علامت ہے جو تاء کسی کے لفظ کے اندر ملحوظ ہو اور مان رکھی ہو اس کو تاء مقدرہ کہتے ہیں یعنی لفظوں میں تو وہ تاء نہیں ہوگی ہاں ذہن میں اس کو مان رکھا ہو جیسے اَرْضٌ، ذَارٌ۔

سوال: اَرْضٌ اور ذَارٌ میں تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان میں تاء چھپی ہوئی ہے؟

جواب: کسی کلمہ کے جب تمام اصل حروف جاننے ہوں تو اس کو تصغیر کے وزن پر لے آتے ہیں کیونکہ تصغیر لانے میں اس کے تمام حروف اصلی ظاہر ہو جائیں گے چنانچہ اَرْضٌ اور ذَارٌ تین حرفی کلمے ہیں ان کی تصغیر اَرْضٌ کے وزن پر آتی ہے تو اَرْضٌ کی تصغیر اَرْضٌ اور ذَارٌ کی ذَوْبَرَةٌ آتی ہے جس میں تاء آ رہی ہے پتہ چلا کہ ان دونوں لفظوں میں تاء ہے اور یہ اَرْضَةٌ اور ذَارَةٌ تھے اور دلیل اس کی تصغیر بن رہی ہے ایسے تمام الفاظ جن میں تاء مقدرہ ہوتی ہے مؤنثات سماعیہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کے مؤنث ہونے میں کسی قیاس اور قاعدہ کو دخل نہیں صرف اہل زبان سے سننے پر مدار ہے کہ ان کو مؤنث بولتے اور پڑھتے سنا گیا ہے اس لئے ہم بھی مؤنث بولے اور پڑھیں گے۔

فائدہ: (مصباح اللغات) میں مذکور مؤنث کی بحث شروع کتاب میں تفصیل سے ذکر کی ہے اس کو ضرور دیکھ لیا جائے چند مفید باتیں ہم بھی ذکر کرتے ہیں:

(۱) کچھ الفاظ مؤنث سماعیہ ہیں کہ جن کو مؤنث رکھنا ضروری ہے یہ واجب التانیث مؤنثات سماعیہ کہلاتے ہیں اور کچھ میں دونوں جائز ہے ان کو جائز التانیث مؤنث سماعیہ کہتے ہیں، (۲) اعضاء جسمانی جو جوڑ جوڑ اور جُفٹ ہیں یعنی دو ہیں وہ سب مؤنث ہوتے ہیں جیسے عَيْنٌ، أُذُنٌ وغیرہ علاوہ نَحْدٌ (رخسار) صَدْعٌ (کنٹی) مِرْفَقٌ (کہنی) حَاجِبٌ (ابرو) کے، (۳) شراب کے تمام نام مؤنث ہیں، (۴) دوزخ کے تمام نام مؤنث ہیں، (۵) ہوا کے تمام نام مؤنث ہیں علاوہ اِغْصَارٌ کے، (۶) بعض الفاظ میں مذکور تانیث دونوں جائز ہیں مثلاً شہروں کے نام بتادیل مَوْضِعٌ مذکر اور بتادیل بَلَدَةٌ مؤنث بن سکتے ہیں ایسے ہی حروفِ جہی اب ت وغیرہ بھی مذکور مؤنث دونوں طرح آتے ہیں ایسے ہی حروفِ عاملہ مِنْ اِلٰی غلّی بھی دونوں طرح استعمال کر سکتے ہیں ہاں جو نام عورتوں کے لئے خاص ہیں جیسے مریم، زینب یا جو الفاظ عورتوں کے ساتھ خاص ہیں ماں، بہن (اُمّ، اُمّت) یا قبیلوں کے نام جیسے قریش یہ ہمیشہ مؤنث سماعی ہوا کرتے ہیں۔

حقیقی آنست الخ یہاں سے مؤنث کی دو اور قسموں کی طرف اشارہ ہے (۱) حقیقی (۲) لفظی۔ حقیقی وہ مؤنث ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی نر اور عضو تناسل والا جانور ہو جیسے اِمْرَاةٌ (عورت) کے مقابلہ میں رَجُلٌ (مرد) ہے اور نَاقَةٌ (اونٹنی) کے مقابلہ میں جَمَلٌ (اونٹ) نر جانور ہے۔

سوال: دو مثالیں حقیقی کی کیوں دی ہیں؟

جواب: مؤنث حقیقی کی دو قسمیں ہیں: (۱) اقویٰ (۲) ادنیٰ کیونکہ انسانوں کی حیوانیت عام جانوروں سے بڑھی ہوئی ہے چنانچہ نَاقَةٌ کے بمقابلہ اِمْرَاةٌ کم حیوانیت رکھنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سَارَ النّاقَةَ تو کہہ سکتے ہیں فعل مذکر لاکر لیکن سَارَ الْمَرْأَةَ کہنا غلط ہے نیز حیوانوں اور جانوروں میں مذکور مؤنث دونوں اکثر اغراض میں متحد ہیں چنانچہ ذبح کرنے اور سواری کرنے میں نر اور مادہ برابر ہوتے ہیں بخلاف انسانوں کے کہ ان میں مرد اور عورت کی اغراض پیدائش الگ الگ ہیں اس لئے بہائم کی تانیث آدمیوں سے کتر ہے۔

لفظی آنست الخ لفظی میں یا نسبتی ہے بمعنی (والا) اصطلاح میں مؤنث لفظی وہ مؤنث ہے جس کے مقابلہ میں نر جاندار نہ ہو جیسے ظَلَمَةٌ بمعنی (تاریکی) کہ اس کے مقابلہ میں اگر چہ نُورٌ ہے لیکن وہ جاندار نہیں ہے اسی طرح قُوَّةٌ بمعنی (طاقت) کہ اس کے مقابلہ میں ضَعْفٌ ہے لیکن جاندار نہیں ہے چونکہ اس کے مقابلہ میں نر جاندار نہ ہونے کی وجہ سے اس میں معنی تانیث کے نہیں ہوتے بلکہ صرف باعتبار لفظ تانیث ہوتی ہے کہ لفظ میں علامت تانیث پائی جاتی ہے لہذا اس کو مؤنث لفظی کہتے ہیں کیونکہ عضو تناسل جس سے نر اور مادہ بنا کرتے ہیں وہ مؤنث لفظی میں نہیں ہوتے۔

سبق ہفت دہم

الفاظ مشککہ کی تشریح: ”صنف“ ”لسم“ ”پیوند“ علی ہوئی، جوڑی ہوئی ”ابیہ“ بناؤ کی جمع وزن بحال گنجائش ”اطلاق کنند“ بولتے ہیں اطلاق کرتے ہیں ابیہ اوزان۔ بدانکہ اسم برہ صنف است واحد ومثنی ومجموع واحد آنست کہ دلالت کند بریکے چوں رَجُلٌ ومثنی آنست کہ دلالت کند بر دو بسبب آل کہ الف یایائے ماقبل مفتوح ونون مکسورہ یا آخرش پیوند چوں رَجُلَانِ وَرَجُلَيْنِ مجموع آنست کہ دلالت کند بر بیش از دو بسبب آل کہ تغیرے در واحدش باشد لفظاً چوں رَجَالٌ یا تقدیراً چوں فُلُکٌ کہ واحدش نیز فُلُکٌ است بروزن قُفْلٌ و جمعش ہم فُلُکٌ بروزن اُسْدٌ بدانکہ جمع باعتبار لفظ ہر دو قسم است جمع تکسیر و جمع تصحیح جمع تکسیر آل است کہ بنائے واحد در سلامت نباشد چوں رَجَالٌ و مساجد، و ابیہ جمع تکسیر در ثلاثی بسماح تعلق دارد و قیاس دارد و بحالے نیست اما در رباعی و خماسی بروزن فَعَالِلٌ آید چوں جَعْفَرٌ وَجَعَاظِرٌ وَجَحْمَرِشٌ وَجَحَامِرٌ بخذف حرف خامس، و جمع تصحیح آنست کہ بنائے واحد در سلامت ماند و آل بر دو قسم است جمع مذکور جمع مؤنث جمع مذکور آنست کہ داوی ماقبل مضموم یایائے ماقبل مکسور و نون مفتوح در آخرش پیوند چوں مُسْلِمُونَ و مُسْلِمِينَ و جمع مؤنث آنست کہ لے باتائے یا آخرش پیوند چوں مُسْلِمَاتٌ بدانکہ جمع باعتبار معنی بر دو نوع است جمع قلت و جمع کثرت جمع قلت آنست کہ بر کم از وہ اطلاق کنند و آل را چہار بناست اَفْعَلَنَ مِثْلَ اَكْحَلْبَ و اَفْعَالَنَ چوں اَقْوَالٌ و اَفْعَلَانَةٌ مِثْلَ اَعْوَانَةٌ و فِعْلَانَةٌ چوں عَلِمَةٌ و در جمع تصحیح بے الف و لام یعنی مُسْلِمُونَ و مُسْلِمَاتٌ و جمع کثرت آنست کہ بر وہ و بیشتر از وہ اطلاق کنند و ابیہ آل ہر چہ غیر از یں شش بنا است۔

ترجمہ: جان تو کہ اسم تین قسم پر ہے واحد ثنویہ جمع واحد وہ ہے کہ دلالت کرے ایک پر جیسے رَجُلٌ (ایک مرد یا کوئی مرد) اور ثنویہ وہ ہے کہ دلالت کرے دو پر اس وجہ سے کہ الف یایائے ماقبل مفتوح اور نون مکسور اس کے (مفرد) کے آخر میں جوڑ دیں جیسے رَجُلَانِ اور رَجُلَيْنِ (دو مرد) اور جمع وہ ہے کہ دلالت کرے دو سے زیادہ پر اس وجہ سے کہ کوئی تبدیلی اس کے واحد میں ہو یا تو لفظاً جیسے رَجَالٌ (بہت سے مرد) یا تقدیراً (بطور فرض اور اعتبار کرنے کے) جیسے فُلُکٌ (کشتیاں) کہ اس کا واحد بھی فُلُکٌ ہے قُفْلٌ (تالا) کے وزن پر

اور اس کی جمع بھی فُلُک ہے اُسڈ (شیر) کے وزن پر جان تو کہ جمع لفظ کے لحاظ سے دو قسم پر ہے جمع تکسیر اور جمع قصح جمع تکسیر وہ ہے کہ واحد کا وزن اس میں سلامت (جوں کاتوں) نہ رہے جیسے دَجَال (بہت سے مرد) مَسَاجِدُ (بہت سی مسجدیں) اور جمع تکسیر کے اوزان ثلاثی (کلمہ) میں سننے سے تعلق رکھتے ہیں اور عقل (قاعدہ) کو اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے بہر حال چار حرفی اور پانچ حرفی کلموں میں فَعَالِلُ کے وزن پر آتی ہے جیسے جَعْفَرُ (نام ایک آدمی کا یا ندی یا نالہ) اور جَعْفَرُ اور جَعْمَرَش (بڑھیا بد شکل عورت) جَحَامِرُ پانچواں حرف حذف کرنے کے ساتھ اور جمع تصحیح وہ ہے کہ واحد کا وزن اس میں برقرار رہے اور وہ دو قسم پر ہے جمع مذکر اور جمع مؤنث جمع مذکور وہ ہے کہ کوئی واو یا قبل مضموم یا کوئی یاء یا قبل مکسور اور نون مفتوح اس کے آخر میں ملا ہوا ہو جیسے مُسْلِمُونَ اور مُسْلِمِينَ اور جمع مؤنث وہ ہے کہ کوئی الف تا کے ساتھ اس کے آخر میں جزا ہوا ہو جیسے مُسْلِمَاتُ اور جان تو کہ جمع معنی کے لحاظ سے دو قسم پر ہے جمع قلت جمع کثرت جمع قلت وہ ہے کہ دس سے کم پر (تین سے نو تک) اطلاق کریں یعنی بولیں اور اس کے چار وزن ہے أَفْعَلُ جیسے أَكَلْتُ اور أَفْعَالُ جیسے أَقْوَالُ اور أَفْعَلَةٌ جیسے أَعْوَانَةٌ اور فِعْلَةٌ جیسے غِلْمَةٌ اور دو جمع تصحیح بغیر الف لام کے جیسے مُسْلِمُونَ اور مُسْلِمَاتُ اور جمع کثرت وہ ہے کہ دس پر اور دس سے زیادہ پر بولیں اور اس کے اوزان جو کچھ کے ان چھ وزنوں کے علاوہ ہیں۔

حل مضمون: واحد آنت: واحد بمعنی ایک جو اسم یا لفظ ایسا ہو کہ اس سے ایک ہی آدمی یا چیز سمجھی جاوے اس کو واحد کہتے ہیں جیسے رَجُلٌ یا قَلَمٌ ایک مرد یا ایک قلم۔

مثنیٰ آن است الخ مثنیٰ اسم مفعول کا صیغہ ہے مثنیٰ یثنیٰ تثنیۃ باب تفعیل سے دو یا دو ہر اکرا تثنیۃ اس لفظ یا اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں اگر الف اور نون مکسورہ زیادہ کر دیں جیسے رَجُلٌ سے رَجُلَانِ اور قَلَمٌ سے قَلَمَانِ تو اس سے دو مرد یا دو چیز مراد ہونے لگیں یہ تو جب یہ تثنیۃ کلمہ فاعل یا نائب فاعل یا مبتدا خبر نہیں یعنی رفیعی حالت میں الف نون لگانا پڑتا ہے اور جب حالت نسبی یا جری میں ہو تو پھر کسی کلمہ کے آخر میں یا یا قبل مفتوح اور نون مکسور لگانے سے دو کے معنی پیدا ہو جائیں گے جیسے رَجُلٌ اور قَلَمٌ سے رَجُلَيْنِ یا قَلَمَيْنِ بولیں گے۔

بسبب آنکہ: یہ جو کہا کہ کسی مفرد کے آخر میں الف نون یا یاء نون لگانے سے اس کے معنی دو کے بنے ہوں اس سے ایسے تثنیۃ کو نکال دیا ہے کہ جو تثنیۃ تو ہو لیکن الف نون اور یاء نون لگنے سے تثنیۃ نہ بنا ہو مثلاً كَلَامًا اور كَلَمَانًا ایسے ہی اِثْنَانٍ اور اِثْنَانٍ۔

سوال: كَلَامًا اور كَلَمَانًا ایسے ہی اِثْنَانٍ اور اِثْنَانٍ اگر تثنیۃ نہیں ہیں تو پھر ان کو کیا کہو گے؟

جواب: تثنیۃ کی تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقی (۲) صوری (۳) معنوی۔ حقیقی تثنیۃ اسے کہتے ہیں جس میں تین بات موجود ہوں (۱) اس کا واحد من لفظ ہو (۲) اس کے آخر میں علامت تثنیۃ الف نون یا یاء نون آ رہا ہو (۳) اس کے معنی دو کے

ہوں جیسے زَجْلَانِ زَجْلَيْنِ تشنیہ حقیقی کی مثال ہے کہ ان کا واحد من لفظہ بھی ہے یعنی زَجْلُ اور ان کے آخر میں تشنیہ کی علامت بھی اور معنی بھی دو کے ہوتے ہیں۔

تشنیہ صوری وہ ہے جس میں دو بات ہو اخیر والی یعنی اس کے آخر میں الف نون اور یا نون ہو اور معنی بھی تشنیہ کے ہوں **تشنیہ معنوی** وہ ہے کہ جس میں صرف ایک بات ہو یعنی صرف اس کے معنی تو تشنیہ کے ہیں لیکن نہ اس کا واحد من لفظہ ہو اور نہ اس کے آخر میں علامت تشنیہ الف نون وغیرہ ہو تو **جواب** کا حاصل یہ ہے کہ مصنف نے جس تشنیہ کی تعریف کی ہے وہ حقیقی ہے رہا اثنان و اثنان تو یہ تشنیہ صوری ہیں اور کلا و کلنا تشنیہ معنوی ہیں۔ لہذا ہم جس تشنیہ کی تعریف کر رہے ہیں ان کو لے کر اس پر کوئی اشکال نہیں۔

مجموع انست الخ۔ مجموعہ بمعنی جمع اور اکٹھا کیا ہوا اصطلاح میں ایسے کلمہ یا لفظ کو کہتے ہیں کہ جس سے دو سے زیادہ آدمی یا چیزوں کو مراد لیا جائے اور یہ دو کو مراد لینا اس بناء پر ہو کہ اس کے واحد میں کوئی تبدیلی کر لی گئی ہو چاہے وہ تبدیلی لفظوں میں ہو جیسے زَجْلُ میں راء کو کسرہ دیا اور جیم کو فتح اور جیم اور لام کے بیچ میں ایک الف بڑھا دیا تو رَجَالُ جمع بن گئی تو اس میں زَجْلُ میں جو واحد ہے تبدیلی کر کے جمع بنی ہے یا وہ تبدیلی لفظوں میں تو کچھ نہ ہو البتہ محض ذہنی اور اعتباری یعنی فرضی ہو جیسے فُلُکُ بمعنی کشتی اور کشتیاں دونوں ہے کیوں کہ فُلُکُ واحد بھی جمع بھی ہے جب واحد مانیں گے تو خیال کریں گے کہ یہ فُلُکُ (بمعنی تالا) کے وزن پر ہے جو مفرد ہے اور جب جمع مانیں گے تو ذہن میں سوچ لیں گے کہ اُسْدُ (بمعنی بہت سے شیر) اُسْلُکُ جمع ہے) کے وزن پر ہے جو جمع ہے، اردو میں بھی اس طرح کے لفظ ہیں جو واحد اور جمع دونوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً مرد کا لفظ واحد بھی ہوتا ہے جیسے کہا وہ مرد آ گیا اور جمع بھی جیسے کہیں وہ مرد آ گئے۔ ایسے ہی عربی میں هَجَانُ بمعنی سفید اونٹ اور دِلَاصُ بمعنی چمکدار جیسے دِرْعُ دِلَاصُ چمکدار زرہ یہ دونوں لفظ کِنَازُ بمعنی گٹھے جسم والا کے وزن پر مفرد ہیں اور کِرَامُ کَرِيمُ کی جمع کے وزن پر جمع ہیں تو اعتباری اور تقدیری جمع عربی زبان میں شائع اور ذائع ہے کوئی انوکھی بات نہیں (از کشف سورہ شعراء رکوع نمبر ۶ تحت قولہ تعالیٰ فسی الفلک المشحون)

فائدہ نمبر ۱۔ جمع بناتے وقت واحد میں تغیر اور تبدیلی چھ طرح پر ہے:

- ۱۔ مفرد پر زیادتی بلا مفرد کی شکل بدلے جیسے صِنُوْا کی جمع صِنُوَانُ (صِنُوْا کے اصل معنی ایک ہی بڑے دو درخت کا لکنا اسی لئے کہتے ہیں اَلْعَمُّ صِنُوْا اَبِيْہ کہ چچا اور باپ دونوں کی جڑ ایک ہے یعنی دادا)
- ۲۔ مفرد کو کم کر دیں بلا اس کی شکل بدلے جیسے تَخْمَةُ سے تَخْمٌ بمعنی بد بھنسی۔
- ۳۔ مفرد کی شکل بدل دیں اس مفرد میں کمی زیادتی کے بغیر پھر یہ شکل بدلنا یا تو حقیقہ ہو جیسے اُسْدُ سے اُسْدِیا محض فرضی اور اعتباری ہو جیسے فُلُکُ میں۔
- ۴۔ مفرد پر زیادتی ہو مفرد کی شکل بدلنے کے ساتھ جیسے زَجْلُ سے رَجَالُ۔

۵- مفرد میں کمی کر کے مع تغیر شکل جیسے رسول سے رُسل .

۶- مفرد میں کمی زیادتی بھی ہو اور شکل بھی بدل جائے جیسے غلام سے غلمان (

فائدہ نمبر ۲- جمع کی اور بھی قسمیں ہیں: ۱- جمع من غیر لفظ کہ مفرد کے الفاظ اور ہوں جمع کے اور ہوں جیسے ذُو کی جمع اُولُو
بمعنی والے یا امرءة کی جمع نساء ۲- جمع تقدیری یا اعتباری جس کا ذکر فلک میں آچکا ہے۔ ۳- جمع الجمع کہ جمع کی بھی جمع
آوے جیسے مَکَان کی جمع اَمْکِنَة اور اَمْکِنہ کی جمع اَمَکِنٌ بمعنی جگہ اور اس کو جمع منتہی الجموع بھی کہتے ہیں جس کے دو وزن
مساجد و مصابیح مشہور ہیں۔

بداں کہ جمع باعتبار لفظ الخ- یہاں سے بھی جمع کی تقسیم کرتے ہیں اور یہ تقسیم لفظ کے اعتبار سے ہے نہ کہ معنی کے
جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے۔

سوال- لفظ کے اعتبار سے ہونے کا مطلب سمجھائیے۔

جواب- جمع کی دو قسمیں جو یہاں مذکور ہیں وہ جمع تکسیر اور جمع تصحیح ہیں اور یہ دونوں لفظوں کے اندر تغیر و تبدل سے بنتی ہیں
چنانچہ اگر واحد ہی کے الفاظ میں رد و بدل کر کے وہ جمع بنے چاہے وہ رد و بدل اس کے حروف میں ہو کم زیادہ کر کے یا اس کی
حرکات و سکنات میں تو ایسی جمع کو تکسر کہتے ہیں اور اگر واحد علی حالہ اور جوں کا توں رہے اس میں رد و بدل نہ ہوئی ہو اور پھر واؤ
نون یا ی نون بڑھا کر بنا لیں تو یہ جمع تصحیح یا جمع سالم کہلاتی ہے جیسے مُسَلِمٌ سے مُسَلِمُونَ ہے جمع تکسیر اور تصحیح کی تعریف سے ان
کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ آگئی ہوگی کہ تکسیر بمعنی توڑنا اور تصحیح بمعنی صحیح اور درست رکھنا اول میں واحد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے دوسری میں باقی
رہتا ہے۔

وابنہ جمع تکسیر الخ- جمع تکسیر کس وزن پر آیا کرتی ہے اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ جس کلمہ کی جمع تکسیر لاؤ گے یا تو وہ
تلائی یعنی تین حرفی ہوگا یا رباعی یعنی چار حرفی یا خماسی یعنی پانچ حرف پر مشتمل ہوگا اگر ثلاثی ہے تو اس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے تین
حرفی کلمہ کی جمع تکسیر کچھ بھی آسکتی ہے البتہ واحد میں تغیر کر کے بنے گی اور واحد میں تغیر چھ طرح کا ہوتا ہے جس کی تفصیل ہم بتا چکے
ہیں۔ تو ثلاثی کی جمع سماع اور اہل زبان پر موقوف ہے جس ثلاثی کی وہ جو جمع لائیں گے ویسے ہی ہم کو لانی پڑے گی۔ کوئی متعین
نہیں کہ فلاں وزن پر لے آئیں گے ہاں رباعی اور خماسی کا قاعدہ ملے ہے کہ فَعَالِلُ کے وزن پر آیا کرتی ہے جیسے جَعْفَرٌ سے
جَعْفَرٌ اور جَحْمَرٌ سے جَحْمَرٌ خماسی کی جمع میں دو قول ہیں۔ ۱- پانچواں حرف حذف کر کے لائیں گے جیسے
جَحْمَرٌ سے شین گرا کر جَحْمَرٌ لاتے ہیں۔ ۲- حرف زوائد جن کا مجموعہ الیوم تنسأہ ہے میں سے کسی کو حذف کر کے جیسے
جَحْمَرٌ میں میم زوائد میں سے ہے کو گرا کر جَحْمَرٌ لائیں گے۔

سوال- فرزدق کی جمع فرزاق آتی ہے وال گرا کر حالاں کہ دال حروف زوائد میں سے نہیں ہے۔

جواب- دال حروف زوائد میں سے اگرچہ نہیں ہے لیکن ت حرف زائد کے مشابہ ہے مخرج میں کیوں کہ دونوں زبان کی لوک

ثنا یا علیا کی جڑ سے نکلتے ہیں اور مشابہ بزوائد کا حکم بھی کرنے میں زوائد ہی کی طرح مانا گیا ہے فلا اشکال۔

جمع تصحیح۔ جس کا دوسرا نام جمع سالم بھی ہے کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ جمع مذکر۔ ۲۔ جمع مؤنث واحد کے وزن میں واؤ لون یا یون لکنے سے جو جمع بنے وہ مذکر کہلاتی ہے کیوں کہ مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے اور جو جمع واحد میں الف تا لکنے سے بنے اس کو جمع مؤنث کہتے ہیں کیوں کہ عورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسے مسلمون اور مسلمات۔

سوال۔ جمع مذکر کی جمع واؤ لون یا یا لون کے علاوہ الف تا سے بھی آتی ہے جیسے صافن بمعنی ایسا گھوڑا جو تین ٹانگوں اور چوتھی کے صرف کمر پر کھڑا ہوہی جمع صافنات اور خالی بمعنی خالی کی خالیات۔ ایسا کیوں؟

جواب۔ جمع مذکر اگر فیہ عاقل ہو تو اس کی آسکتی ہے۔

بدان کہ جمع باعتبار معنی الخ یہ تقسیم جمع کی معنی کے اعتبار سے ہے کیوں کہ کسی جمع سے کتنے اشخاص یا چیزیں مراد ہوں گی اس کی تفصیل یہاں سے کر رہے ہیں۔

سوال۔ یہ تقسیم معنی کے لحاظ سے ہے کیسے؟

جواب۔ معنی کہتے ہیں کسی بھی لفظ سے جو کچھ تم مراد لو تو ان جمعوں میں بھی یہی بتایا جائے گا کہ جمع قلت میں تو تین سے نو تک اشخاص یا چیزیں مراد لیجا سکتی ہیں اور جمع کثرت میں ایک قول کے مطابق دس اور اس سے اوپر کا عدد مراد ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق گیارہ یا اس سے اوپر کے افراد مراد ہوں گے جمع قلت کے اوزان چھ ہیں چار تو جمع مکسر والے: (۱) أَفْعُلٌ جیسے كَلْبٌ بمعنی کتا کی جمع أَكَلْبٌ۔ (۲) اَفْعَالٌ جیسے اَفْوَالٌ قول بمعنی گفتگو کی جمع (۳) اَفْعِلَةٌ جیسے اَعْوِلَةٌ عوان بمعنی آدمی عمر کا (۴) اَفْعَلَةٌ جیسے اَفْعَلَةٌ غلام کی جمع اور دو جمع صحیح کے یعنی جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم یہ بھی جمع قلت میں ہی شمار ہیں مگر شرط یہ ہے کہ الف لام ان پر نہ ہو جیسے مسلمون اور مسلمات کیوں کہ الف لام ہونے کی صورت میں یا تو الف لام جنسی ہوگا یا استغرائی جس سے یہ دونوں جمع کثرت کے وزن بن جائیں گے جیسا کہ قرآن ان المسلمین والمسلمات الخ میں ہے۔

جمع کثرت کے اوزان۔ اوپر کے چھ جمع قلت کے اوزان کے علاوہ سب جمع کثرت کے ہیں پھر بھی اگر جمع کثرت کے اوزان جاننے ہوں تو مصباح اللغات کے مقدمہ میں تفصیل سے موجود ہیں۔

سوال۔ لفظ قُرُوءٌ جو قرآن میں والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قُرُوءٍ میں ہے یہ جمع قلت کا وزن نہیں ہے حالانکہ ثلثہ کے لفظ کا اس کے ساتھ ہونا قرینہ ہے کہ اس سے جمع قلت مراد ہے۔

جواب۔ کبھی جمع کثرت کا وزن جمع قلت کے لیے بھی لے لیا جاتا ہے۔

فائدہ۔ قُرُوءٌ کا لفظ اضداد میں سے ہے بمعنی حیض بھی آتا ہے اور بمعنی طہر بھی اس آیت میں حنفیہ کے نزدیک بمعنی حیض ہے اور عند الشافعیہ بمعنی طہر اور پاکی ہے۔

سبق ہیرت و ہام

فصل بدال کہ اعراب اسم سے است رفع و نصب و جراسم متمکن باعتبار وجوہ اعراب بر شانزده قسم است
اول مفرد منصرف صحیح چوں زید۔ دوم مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح چوں دلو سوم جمع مکر
منصرف صحیح چوں رجال رفع شان بضمہ باشد و نصب بفتح و جر بکسرہ چوں جاء نبي زید و دلو
و رجال و زائت زیداً و دلوا و رجالاً و موزت بزید و دلر و رجال چھارم جمع مؤنث
سالم رفعش بضمہ باشد و نصب و جر بکسرہ چوں هنن مسلمات و زائت مسلمات و موزت
بمسلمات۔

ترجمہ - جان تو کہ اسم کے اعراب تین ہیں۔ (۱) رفع (۲) نصب۔ (۳) جراسم متمکن اعراب کی صورتوں کے لحاظ سے
سولہ قسم پر ہے۔ اول مفرد منصرف صحیح جیسے زید۔ دوم مفرد منصرف قائم مقام صحیح جیسے دلو سوم جمع مکر منصرف صحیح جیسے
رجال ان کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب فتح کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ جیسے جاء نبي زید و دلو و رجال اور زائت
زیداً و دلوا و رجالاً اور موزت بزید و دلر و رجال چھارم جمع مؤنث سالم اس کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب
و جر کسرہ کے ساتھ ہوگا جیسے هنن مسلمات و زائت مسلمات و موزت بمسلمات۔

حل مضمون - یہاں سے مصنف جلاتے ہیں کہ اعراب کتنے ہیں اور جہاں وہ آئیں گے وہ جگہ کتنی ہیں چنانچہ اعراب تو
تین ہیں رفع، نصب، جر اور اسم متمکن بمعنی اعراب قبول کرنے والا اسم) جس کو معرب بھی کہتے ہیں تو گویا معرب یا جس کلمہ پر
اعراب آئے وہ سولہ طرح کے ہیں۔ ۱- وہ کلمہ جس پر اعراب لانا چاہتے ہیں ان آئندہ صفات والا ہو۔ ۱- مفرد ہو یعنی ثنیہ جمع نہ
ہو کیوں کہ ثنیہ جمع کا اعراب آئندہ آرہا ہے۔ ۲- منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو جس میں دو سبب یا ایک سبب دو کے قائم مقام
والا ہوا کرتا ہے کیوں کہ غیر منصرف کلمہ کا اعراب عنقریب آرہا ہے۔ ۳- صحیح ہو یعنی معتدل نہ ہو کہ اس کے آخر میں حرف علت ہو
جیسا کہ اسم مقصور اور اسم منقوص میں ہوا کرتا ہے کیوں کہ مقصور اور منقوص کلمات کا اعراب بھی آگے آئے گا۔

فائدہ - صحیح اہل نحو کے نزدیک وہ کلمہ کہلاتا ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو خواہ بیچ اور شروع میں ہوتا ہے چنانچہ قول
صحیح کہلائے گا عند اللغوین کیوں کہ ان کے یہاں اعراب کا تعلق آخری حرف سے ہے لہذا اگر آخری حرف صحیح ہو گیا یعنی حرف
علت اس کے آخر میں نہ ہو تو اعراب کا آنا ممنوع نہیں بنے گا اور اہل صرف کے یہاں صحیح کلمہ وہ بنتا ہے کہ جس کے فاء میں لام تین
حرف اصلی کی جگہ نہ حرف علت ہو ورنہ محتل کہلائے گا اور نہ ہمزہ ہو ورنہ ہمزہ کہلائے گا اور نہ ڈبل حرف ہو ورنہ مضاعف
بن جائے گا۔ کیوں کہ عند الصریحین تینوں اصلی حروف کی جگہ میں کسی کی جگہ بھی حرف علت یا ہمزہ یا ڈبل حرف آنے سے کلمہ کی

موم جمع مکسر منصرف ارج۔ تیسرا محل اور جگہ اعراب آنے کی اس طرح کا کلمہ ہے کہ جمع ہو لیکن مکسر والی جمع صحیح (جمع سالم) نہ ہو کیوں کہ اس کا اعراب آئندہ آرہا ہے نیز جمع مکسر بھی دو ہیں منصرف غیر منصرف یہاں منصرف والی جمع مکسر مراد ہے کیوں کہ غیر منصرف جمع مکسر کا اعراب غیر منصرف والا ہوگا جس کا بیان پانچویں نمبر پر آرہا ہے۔

سوال۔ جمع مکسر منصرف والی اور غیر منصرف والی کی پہچان کیا ہے؟

جواب۔ جو جمع فعَالِیلُ فَعَالِیلُ کے وزن پر آجائے جیسے اَكَابِلُ (کلب کی جمع الجمع ہے بمعنی کتا) یا اَنَا عِیْمُ (نعم و بمعنی چوپایہ کی جمع الجمع) تو یہ غیر منصرف ہوں گی باقی سب منصرف ہوتی ہیں۔

بہر حال جمع مکسر غیر منصرف کلمہ کا اعراب اپنے ماقبل کی دو قسموں (مفرد منصرف صحیح ۲۔ مفرد منصرف قائم مقام صحیح) کی طرح اعراب بالحرکت حقیقی ہوگا جیسے جاء رجاء و رأیت رجلاً و مرث ہو جال۔ رجاء فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے اور رجاء لا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حالت نھی ۱۔ ہے اور جال حرف جر کی وجہ سے حالت جری میں ہے فالہم و تدبر۔

سوال۔ جب مفرد منصرف صحیح اور جاری مجرئی صحیح اور جمع مکسر کا اعراب ایک ہی ہے تو پھر اعراب کے لحاظ سے سولہ شکلیں کہاں ہونیں چودہ ہوتی فقط؟

جواب۔ اعراب کی شکلیں سولہ ہونے سے ان کے محل کی شکلیں مراد ہیں (یعنی وہ جگہیں جن پر اعراب آتا ہے) اور محل یقیناً الگ الگ ہیں چاہے چند محلوں کا اعراب ایک ہو یا الگ الگ۔

چهارم جمع مؤنث سالم ارج۔ جمع صحیح جس کا دوسرا نام جمع سالم بھی ہے کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ جمع مذکر سالم ۲۔ جمع مؤنث سالم اول قسم کا بیان آئندہ دسویں نمبر پر آرہا ہے یہاں صرف جمع مؤنث سالم کا بیان ہے۔

سوال۔ جمع مؤنث سالم کسے کہتے ہیں اور کیسے بنتی ہے؟

جواب۔ جو جمع الف اور تاء لگا کر بنے وہ جمع مؤنث سالم ہوجاتی ہے خواہ اس کا واحد مذکر ہو یا مؤنث چنانچہ مرفوع منصوب مجرور کی جمع مرفوعات، منصوبات، مجرورات الف تاء کے ساتھ آتی ہے حالاں کہ ان کا واحد مذکر ہے کیوں کہ غیر عاقل مذکر کی جمع میں گنجائش ہے کہ الف تاء سے آجائے کما مر۔

بہر حال مسلمات جو مسلمة کی جمع ہے جمع مؤنث سالم ہے اس کا اعراب بھی بالحرکت ہوتا ہے چنانچہ حالت رفعی میں ضمہ اور نصی جری میں کسرہ ہوگا چنانچہ کہیں گے هُنَّ مُسْلِمَاتٌ وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَفَرَزْتُ بِمُسْلِمَاتٍ هُنَّ جمع مؤنث غائب کی ضمیر ہے مبتدا مسلمات خبر ہو جائے گی مسلمات خبر ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے اور دوسرا مسلمات مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نھی میں ہے اور تیسرا مجرور بحرف جر ہونے کی وجہ سے حالت جری میں ہے۔

سوال۔ جمع مؤنث سالم میں حالت نھی کو حالت جری کے تابع کیوں کیا؟

جواب۔ جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی کیوں کہ مؤنث تو مذکر سے ہی بنتا ہے تو جمع مذکر سالم اصل میں بھی نصی جری کے تابع ہے لہذا فرع بھی ایسا ہی کر دیا اور جہاں کلمہ میں کوئی حالت کسی کے تابع ہو جائے اس کو اعراب حکمی کہتے ہیں۔

سبق نوژ و ہم

پنجم غیر منصرف و آل اسمیت کہ دو سبب از اسباب منع صرف درو باشد و اسباب منع صرف نہ است (۱) عدل (۲) و وصف (۳) و تانیث، (۴) و معرفہ، (۵) و عجمہ (۶) و جمع، (۷) و ترکیب (۸) و وزن فعل، (۹) و الف نون زائدتان چوں کہ عَمْرٌ وَاَحْمَرُ وَطَلْحَةُ وِزَيْنَبُ وَاَبُو هَيْمٍ وِمَسَاجِدُ وِمَعْدِيكِرَبُ وَاَحْمَدُ وِعُمْرَانُ رَفْعُضٍ بضمہ باشد نصب وجر بفتحہ چوں جاءَ عَمْرٌ وِرَايْتُ عَمْرًا وِمَرَرْتُ بِعَمْرٍ۔

ترجمہ عبادت۔ پانچواں (اسم معرب) غیر منصرف ہے اور وہ ایسا اسم ہے کہ دو سبب غیر منصرف کے اسباب میں سے اس میں ہوں اور غیر منصرف کے اسباب نو ہیں عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ اور جمع اور ترکیب اور وزن فعل اور الف نون زائدتان جیسے عَمْرٌ اور اَحْمَرُ اور طَلْحَةُ اور زَيْنَبُ اور اَبُو هَيْمٍ اور مَسَاجِدُ اور مَعْدِيكِرَبُ اور اَحْمَدُ اور عُمْرَانُ اسم غیر منصرف کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب اور جر فتحہ کے ساتھ جیسے جاءَ عَمْرٌ وِرَايْتُ عَمْرًا وِمَرَرْتُ بِعَمْرٍ۔

حل مضمون۔ غیر منصرف الخ الھراف بمعنی پھرنا جو کلمہ تینوں حرکتیں زبر زیر پیش اور تین سب کو قبول کر لے اس کو منصرف کہتے ہیں اور جو کلمہ ایسا ہو کہ زیر اور تین کو قبول نہیں کرتا اس کو کلمہ غیر منصرف کہتے ہیں، مگر یہ حکم ہے غیر منصرف کا کہ اس پر تین اور کسرہ نہیں آتا اصل تعریف غیر منصرف کی یہ ہے کہ جس میں غیر منصرف کے نو اسباب میں سے دو سبب موجود ہوں یا ایک ایسا سبب موجود ہو جو دو سببوں کے قائم مقام ہو اور ان نو میں دو سببوں کے قائم مقام بن جائے نے والے صرف دو سبب ہیں۔ ۱۔ تانیث بالالف المقصورہ والممدودہ۔ ۲۔ جمع منتہی المجموع اب نبر وار ہر سبب کی تشریح لکھی جاتی ہے۔

(۱) عدل بمعنی کترانا اور اعراض کرنا اصطلاح میں عدل نام ہے کسی لفظ اور کلمہ کا اپنی اصلی ہیئت و شکل سے چھوڑ کر دوسری شکل و صورت میں آجانا مثلاً اَحَادٌ، مثنی ثَلَاثٌ رُبَاعٌ خُمَاسٌ اسی طرح عَشَارٌ تک یہ سب کلمے اپنی اصل حالت سے دوسری حالت میں ہیں۔

سوال۔ ان سب کی وہ اصلی حالت کیا تھی؟

جواب۔ اَحَادٌ اصل میں اَحَدٌ اَحَدٌ ذُہْلٌ لفظ تھا ایسے میں ہی مثنی اثنان اثنان تھالثٌ ثَلَاثَةٌ تھالہ۔

سوال۔ کیسے معلوم ہوا کہ یہ یوں ذُہْلٌ ذُہْلٌ تھے؟

جواب - ان کے ترجمے سے معلوم ہوا کیوں کہ اُخَادَ ایک ایک کے معنی میں ہے چنانچہ کہتے ہیں اَتُوا يَا جَاءُ وَاُخَادُ وہ ایک ایک آئے، ایسے مشنی یعنی دو دو اور فُلْتُ بمعنی تین تین آتا ہے تو معنی کسی لفظ کے ڈبل جیسی ہو سکتے ہیں جب کہ پہلے اس کا لفظ ڈبل ہو کیوں کہ معنی کا تکرار اور ڈبل ہونا لفظ کے تکرار اور ڈبل ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے اس لیے ہم بھی مجبور ہوئے کہ ان الفاظ میں عدل ہے، یعنی اپنی اصلی حالت سے ہٹ کر اب دوسری حالت میں موجود ہیں جیسا کہ عقلاً ابھی بتایا گیا ہے پھر عدل کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عدل تحقیقی (۲) تقدیری جہاں کہیں عقل بھی اس کی تائید کر دے کہ یہ لفظ پہلے اس حالت میں ہوگا اور اب اس حالت میں ہے اس کا نام عدل حقیقی ہے کیوں کہ واقعہ ہی عدول پایا گیا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا پایا گیا اور اگر محض فرضی اور تقدیری عدول اور خروج مانا گیا تو اس کا نام عدل تقدیری ہے مثلاً غَمْرٌ اور زُفْرٌ کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور کسی کلمہ کو غیر منصرف پڑھنے کے لئے اسباب میں سے دو کا اس میں ہونا ضروری ہے تو عَمْرٌ زُفْرٌ میں ایک سبب علمیت تو مل گیا دوسرا کوئی تھا نہیں اور نہ ان میں عدل تحقیقی ہے کیوں کہ ان کا معدول عنہ یعنی جس حالت سے نکل آئے ہوں کچھ بھی نہیں ہے تو اب مجبوری میں تاکہ غیر منصرف رہنا ان کا درست رہے کہنا پڑا کہ عدل ہے مگر تحقیقی کے بجائے عدل تقدیری مانیں گے یعنی ہم معدول عنہ فرضی بنالیں گے کہ عمر عامر سے نکلا اور زُفْرٌ زُفْرٌ سے نکلا۔

سوال - یوں فرضی معدول عنہ تو کسی بھی لفظ کا مان کر اس میں عدل کہہ دو گے؟

جواب - نہیں ایسا نہیں ہیں جو عامر سے عدول کر کے عَمْرٌ کہنا پڑا یا زُفْرٌ سے ہٹ کر زُفْرٌ کہنا پڑا یہ اس لئے کہ عامر اور زُفْرٌ صفت بھی بنتے ہیں تو عامر کہتے وقت بہت ممکن تھا کہ التباس ہو جاتا کہ یہ نام ہے یا صفت چنانچہ ضارب اگر کسی کام نام رکھ دیا پتہ نہیں چلے گا بطور نام کے بول رہے ہیں بالطور صفت کے تو اس لئے ہمیں کہنا پڑا کہ شاید التباس سے بچنے کے لئے عامر کے بجائے عمر کہا جانے لگا۔ اب ہر اس کلمہ میں جس کو اہل عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اگر بظاہر ایک ہی سبب ہے تو دوسرا عدل بنا لینا پڑے گا چاہے حقیقی ہو یا تقدیری حقیقی ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے ورنہ خلاف قیاس اور عقل بھی معدول عنہ بنانے پر مجبور ہوں گے اور یہ مجبوری اسی لئے ہے کہ ہر غیر منصرف کے لئے دو سبب ضروری ہیں مگر فرضی عدل اور معدول عنہ میں کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور چھلکتی ہو بے نکا اور بے ڈھنگا معدول عنہ فرض کرنے سے کام نہیں بنے گا کَمَا عَلِمْتَ آيَفَا۔

سوال - اُخَاد اور ثنی وغیرہ میں ایک سبب عدل تو ہو گیا دوسرا کیا ہے؟

جواب - وصف ہے کیوں کہ ایک ایک ہو کے آنا یا دو دو ہو کے آنا صفت اور وصفی معنی لئے ہوئے ہے۔

۲- و وصف در اصل نام ہے ذات مع الوصف کا یعنی ایسا کلمہ جس کے اندر دو بات ہوں ذات بھی سمجھ میں آئے اور اس کا وصف اور خوبی بھی جیسے اُخْمَرٌ لال رنگ کا آدمی اس میں آدمی کی ذات اور اس کا لال ہونا دونوں سمجھا جاتا ہے ایسے ہی گھڑی ساز ایسا شخص جس میں گھڑی سنوارنے اور بنانے کا بھی کمال اور خوبی ہو پھر وصف کے غیر منصرف کا سبب بننا اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ لفظ اپنی اصل اور ذات میں صفت کے معنی رہنے کے لئے بنا ہو چاہے بعد میں پھر کسی کا نام بھی ہو جائے لہذا جو لفظ اصلاً وصفی معنی کے

لئے نہ بنا ہو بلکہ بعد میں عارضی طور سے وصفی معنی اس میں پیدا ہو گئے ہوں تو یہ وصفیت کام نہیں کرے گی اور نہ ہی غیر منصرف کا سبب ہو سکتی ہے اسی لئے اسود بمعنی کالے رنگ کا ارقم بمعنی چتکبرایہ دونوں لفظاً اصلاً ہر کالی چیز اور چتکبری چیز کے لئے بنے ہیں گو بعد میں اس رنگ کے سانپوں کے نام بنا دیئے گئے مگر یہ غیر منصرف ہی رہیں گے کیوں کہ اصلاً تو یہ نام نہ تھے بعد میں ہوئے تو ارقم اسود میں ایک سبب غیر منصرف کا وصف ہے دوسرا وزن فعل ہے۔ اس کے برخلاف اربع ایک خاص عدد کا نام ہے جو تین سے اوپر پانچ سے نیچے ہو بعد میں یہ مفت کا کام بھی دینے لگا جیسے صورت بنسوة اربع کہ میں ایسی عورتوں کے پاس سے گذرا جو چار ہونے کے ساتھ موصوف تھیں تو اسکا چار ہونے کو بتانا محض عارضی ہے لہذا اس کو باوجود اس میں وصفی معنی اور وزن فعل ہونے کے منصرف ہی پر دھیں گے کیوں کہ وصفی معنی اس میں شروع سے نہیں ہیں بعد میں پیدا ہوئے ہیں استعمال میں آ کر ورنہ وضع اس کی مخصوص چار کے عدد کے لئے ہی ہے۔

(۳) تانیث - کسی لفظ کا مؤنث ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہوا کرتا ہے پھر مؤنث ہونا کبھی اس تاء کے ساتھ ہوتا ہے جو لفظوں میں ہوتی ہے تاء لفظی سے مؤنث ہونے والے لفظ کے لئے غیر منصرف کا سبب بننا اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ عم اور نام ہو جیسے طلحہ غیر منصرف ہے تانیث لفظی اور علم ہونے کی وجہ سے اور تانیث معنوی ہے تو علم ہونا تو شرط ہی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ کلمہ یا تو تین حرف سے زائد ہو جیسے زینب (عورت کا نام) اور اگر تین حرفی ہے تو بیچ کا حرف متحرک ہونا چاہیے جیسے سقز (بمعنی دوزخ) یا پھر وہ کلمہ عجمی ہو جیسے ماء و جوز (دونوں شہر کے نام ہیں) اور اگر تانیث الف ممدودہ یا الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو اب کسی شرط کی ضرورت نہیں تنہا یہ دونوں الف دوسہوں کے قائم مقام ہیں جیسے خمرأء (سرخ رنگ والی عورت) اور حُبلی (حاملہ عورت) دونوں لفظ غیر منصرف ہیں صرف الف تانیث کی وجہ سے۔

(۴) معرفہ - چوتھا سبب غیر منصرف کا یہ ہے کہ کلمہ معرفہ ہو معرفہ کی سات قسمیں گذر چکی ہیں جو سب معرفہ ہی ہیں لیکن غیر منصرف کا سبب ان معرّفوں میں سے صرف علیت یعنی نام ہونا بنا کرتا ہے۔

سوال - باقی قسمیں کیوں نہیں بن سکتی؟

جواب - معرفہ کی دوسری قسمیں مثلاً ضمیریں اسما اشارات موصولات یہ تو بیانات میں چلے گئے اور غیر منصرف ہونا معرب کلمہ کا کام ہے اور معرف باللام اور اضافت یہ غیر منصرف کو بھی منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتے ہیں اس لئے بس علیت ہی غیر منصرف کا سبب رہے گی۔

(۵) عجمہ - غیر عربی زبان کے لفظ کو عجمہ کہتے ہیں دوسری زبان کا لفظ بھی الل عرب کو گراں بار کرتا ہے اس لئے عجمہ کو غیر منصرف اور بلا کسرہ و تنوین والا بنا کر استعمال کرتے ہیں عجمہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کو اہل عرب علم بنا کر اپنی زبان میں لائے ہوں خواہ وہ پہلے سے علم تھا یا نہیں تھا جیسے قالون رومی زبان کا لفظ ہے بمعنی جید اور بہترین کے بعد میں یہ ایک قاری کا نام پڑ گیا کہ ان کی قرأت عمدہ تھی ہاں عجمہ کے علم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے شرطوں میں سے ایک شرط اور

بھی ضروری ہے۔ ۱۔ وہ کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو جیسے ابراہیم میں علیست اور عجمی ہے، لہذا علیست اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف پڑھیں گے۔ ۲۔ اگر وہ کلمہ تین ہی حرفی ہے تو بیچ کا حرف متحرک ہونا ضروری ہے جیسے کہ فِشْرُ ایک قلعہ کا نام ہے علم اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور دوسری شرط متحرک الاوسط بھی اس میں موجود ہے، بخلاف لَجَامٌ بمعنی لگام گھوڑے کی کہ یہ عجمی تو ہے مگر علم نہیں ہے لہذا منصرف ہی رہے گا اور فوَح بھی منصرف رہے گا کیوں کہ نہ تین حرف سے زائد ہے نہ متحرک الاوسط ہے۔

(۶) جمع - غیر منصرف کا چھنا سبب ہے لیکن ہر جمع غیر منصرف کا سبب نہیں ہوتی ہے، بلکہ خاص جمع جس کو ختمی الجموع کہتے ہیں پھر جمع ختمی الجموع وہ جمع کہلاتی ہے کہ اسکا اول اور دوسرا حرف منبوح ہو اور تیسرا الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں جیسے مَسَاجِدُ مسجد کی جمع اَصَاغِرُ اصغر بمعنی چھوٹے کی جمع اور ضَوَارِبُ ضارب کی جمع، اور دَوَابُّ دابہ کی جمع بمعنی چوپایہ اور اگر الف کے بعد تین حرف ہوں تو وہ بھی جمع ختمی الجموع ہوتی ہے جیسے مَصَابِحُ مکران تین حرفوں میں بیچ کا حرف ساکن ہو اور یہ جمع ختمی الجموع ایسی بھی نہ ہو جو ہانبنے والی قاء کو قبول کرے، لہذا صِاقِلَةٌ اور فَرَاذِنَةٌ غیر منصرف نہیں ہوں گے کیوں کہ ان کے اخیر میں ہانبنے والی تاء ہے، فَانْدَهُ: صِقلٌ بمعنی تلواریں کو تیز کرنے والا جمع صِاقِلَةٌ اور صِاقِلٌ ہے، فِرْزَانٌ بمعنی شطرنج کا وہ مہرہ جس کو اردو میں وزیر کہتے ہیں (از بین السطور کافیر) کی جمع فَرَاذِنَةٌ ہے اور اشاعرہ بھی منصرف رہے گا اخیر میں قاء ہونے کی وجہ سے اور یہ اشعری کی جمع ہے ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے مسلک پر ہو جیسا کہ فردوسی مسائل میں امام ابوحنیفہ کے مقلد کو ختمی کہتے ہیں۔

فانْدَهُ - جمع ختمی الجموع کے جو دو وزن اوپر بتائے گئے ہیں ان وزنوں کی آگے اور جمع تکسیر تو نہیں آسکتی ہے ہاں اس کی جمع سالم آسکتی ہے جیسے اَيْمَنٌ بمعنی داہنی جانب کی جمع اَيَامِنٌ۔ جمع تکسیر ہے اس کی جمع سالم اَيَامِينِینٌ آتی ہے یا صاحبۃ بمعنی بیوی کی جمع صواحب پھر صواحب کی صواحبات ہے۔

سوال - جمع ختمی الجموع تمہاری کیوں غیر منصرف کا سبب بن جاتی ہے؟

جواب - بعض جمع تکسیر تو وہ ہیں جو ڈبل جمع آتی ہیں جیسے کَلْبٌ جمع اکَلْبٌ پھر اکالبتا تو دو دفعہ جمع آرہی ہے لیکن بعض جمع جیسے مَسَاجِدُ یہ حقیقتہً تو ڈبل جمع نہیں ہے لیکن حکماً ہے کہ یہ جمع بھی اس جمع کے وزن پر ہے جو ڈبل آتی ہے لہذا دو مرتبہ جمع آنے سے دو سببوں کے قائم مقام سمجھی گئیں۔

(۷) تَرْكِيْب - سے مراد کسی کلمہ کا ایسے دو یا دو زائد کلموں سے بنانا کہ ان دو یا زائد کلموں میں واؤ حرف نہ آتا ہو جیسے مرکب بنائی احد عشر میں واؤ آتا ہے مثلاً بعلبک بعلت بت اور بک بادشاہ کا نام تھا پھر اس شہر کا نام پڑ گیا جو بک بادشاہ نے بنایا تھا تو اپنے اور بت کے نام کو لیکر شہر کا نام رکھ دیا ایسے ہی کَلْكَهْ دو لفظوں سے ملا کر نام رکھ دیا ہے کالتی ایک بت تھا اور كُتَا بنگلہ زبان میں بمعنی صاحب اور والے کے ہے تو مطلب ہوا کالتی بت والا شہر یعنی وہ شہر جس میں کالتی نام کا بت ہے بعد میں رفتہ رفتہ کالتی کتا سے کلکتہ ہو گیا۔ دیکھئے اردو زبان کی چوتھی کتاب میں) بہر حال ترکیب بھی غیر منصرف کا سبب ہے اور لفظ

بعلبک غیر منصرف پڑھا جائے گا ترکیب اور علیت کی وجہ سے۔

فائدہ۔ سبق ہفتم میں ترکیب یا مرکب کی قسمیں چھ بتائی جا چکی ہیں ان چھ میں سے صرف ایک قسم جس کو مرکب منع صرف اور احتزاجی کہتے ہیں غیر منصرف کا سبب بنا کرتی ہے اور یہاں ترکیب سے یہی قسم مراد ہے۔

سوال۔ باقی قسمیں کیوں نہیں بنتی؟

جواب۔ مرکب اضافی اضافت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کو بھی منصرف کر دیتی ہے اور مرکب تو صغی بھی اسی کے حکم میں ہے کیوں کہ دونوں میں جزء دوم اول کے لئے قید بنتا ہے رہی مرکب اسنادی جس کو جملہ بھی کہتے ہیں یہ مبیات میں سے ہے کیوں کہ جملہ مثنی ہوا کرتا ہے ایسے ہی مرکب صوری اور مرکب بنائی یا تعدادی یہ دونوں بھی مثنی ہیں لہذا پانچ کے نکلنے کے بعد بس یہ چھٹی قسم ہی غیر منصرف کا سبب ہے مثال اس کی اوپر آچکی ہے۔ معدی کوب بھی اس کی مثال کتابوں میں آتی ہے جو معدی اور کرب دو اسموں کو جوڑ کر ایک شخص کا نام بنایا گیا ہے۔ معدی کرب علیت اور ترکیب احتزاجی کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

(۸) وزن فعل۔ یعنی فعل والے وزن پر جو اسم ہوگا اس کو بھی غیر منصرف پڑھیں گے، کیوں کہ اپنے وزن کے علاوہ دوسرے کے وزن پر ہونا بھی ثقل کا سبب ہے لہذا اس کو غیر منصرف بنا دیا کہ جرادر تینوں نہ پڑھنے کی سہولت ہوگی پھر وزن فعل کے لئے ضروری ہے کہ وہ وزن اول فعل کے ساتھ خاص ہو اسم میں جب آیا ہو تو فعل سے ہی لیا گیا ہو ورنہ غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گا اور اگر وہ وزن ایسا ہے کہ اسم اور فعل دونوں میں چلتا ہے تو پھر شرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین جو مضارع کے شروع میں لگتے ہیں ان میں سے کوئی حرف اس کے اول میں ہو، اور ساتھ ساتھ یہ بھی بات ہے کہ حروف اتین شروع میں ہونے کے ساتھ وہ کلمہ ایسا ہو کہ اس کے آخر میں تاء نہ لگتی ہو ورنہ غیر منصرف کا سبب نہ بن سکے گا اول کی مثال شمر ہے جو ایک تیز رفتار گھوڑے کا نام پڑ گیا کہ یہ علیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے شمر شمر باب تفعیل سے بمعنی دامن سینٹا ماضی کا واحد غائب تھا پھر تیز رفتار گھوڑے کا نام رکھ دیا کیوں کہ تیز رفتاری کے وقت دامن سمیٹا جاتا ہی ہے۔

سوال۔ بَقْمٌ جو سرخ رنگ کا نام ہے یا شَمٌّ جو ملک شام کا نام ہے یہ دونوں وزن پہلے سے ہی اسم میں پائے جا رہے ہیں حالاں کہ یہ بھی غیر منصرف پڑھے جاتے ہیں جبکہ شرط مفقود ہے۔

جواب۔ یہ دونوں عجمی لفظ ہیں اور ہماری گفتگو عربی زبان میں ہے کہ اس میں وہ پہلے سے فعل کا وزن ہی ہو اسم میں یہ وزن نہ چلتا ہو دوسری شرط کی مثال احمدہ (ایک آدی کا نام ہے) اور نَشْکُوْر (قبیلہ کا نام ہے) اور تَغْلِبُ (قبیلہ کا نام ہے نَوْجِسُ بمعنی زگس یہ چاروں لفظ ہیں کہ ان میں اتین کے حرف شروع میں ہیں اور وزن فعل اور علیت کی وجہ سے غیر منصرف رہیں گے لیکن یَعْمَلُ باوجودی حرف اتین میں شروع میں ہونے کے منصرف رہے گا کیوں کہ ساتھ میں تاء قبول نہ کرنے کی شرط بھی ضروری ہے اور یَعْمَلُ تا کو قبول کرتا ہے چنانچہ بولتے ہیں نَاقَةٌ یَعْمَلَةٌ وہ اونٹنی جو بوجھ اٹھانے اور چلنے میں چست اور قوی ہو۔

(۹) الف نون زائدتان۔ یعنی زائد ہونے والے الف نون بھی غیر منصرف کا سبب ہیں لیکن جس کلمہ میں یا اسم میں الف نون

ہوں گے اس کی دو قسمیں ہیں: ۱- ذات ۲- ذات مع الوصف۔ جس اسم سے صرف کسی کی ذات مراد ہوتی ہے اور اس سے اس کا کوئی وصف نہ سمجھا جاتا ہو اس کو اسم ذات کہتے ہیں اور اگر ذات بھی اور وصف بھی اس سے سمجھا جاوے تو وہ اسم صفت کہلاتا ہے جیسے عمران سے خالی وہ آدمی سمجھا جائے گا جس کا یہ نام ہے اور سکران بمعنی نشہ والا آدمی اور اس کا نشہ والا ہونا دونوں سمجھ میں آتا ہے اسم ذات کے اخیر میں اگر الف نون آئیں تو اس کا نام اور علم ہونا ضروری ہے تب غیر منصرف کا سبب بنے گا جیسے عمران میں علیت اور الف نون زائد تان دو سبب ہونے سے غیر منصرف رہے گا اور سکران جو ایک گھاس کا نام ہے منصرف ہوگا باوجودیکہ اس کے آخر میں الف نون بھی ہے کیوں کہ یہ نام نہیں ہے یعنی علم نہیں ہے اور اگر اسم صفت ہو تو اس کے آخر میں الف نون بھی آکر جب غیر منصرف بنا دیں گے جب کہ اس کا مؤنث اخیر میں تاء والا نہ ہو جیسے مسکران جس کا مؤنث مسکری بروزن فعلی ہے اسی لئے ندمان جس کے دو معنی ہیں۔ ۱- مصاحب بمعنی ہم نشین اور ساتھ میں اٹھنے بیٹھنے والا۔ ۲- بمعنی شرمندہ جب اس کے معنی اول مراد لیں تو یہ منصرف پڑھا جائے گا کیوں کہ شرط ختم ہے کیوں کہ اب اس کا مؤنث ندمانہ (ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی) بنے گا ندمی نہیں بنے گا اور جب یہ دوسرے معنی میں ہو تو پھر اس کا مؤنث ندئی آتا ہے تو اب غیر منصرف (بفتح النون) پڑھا جائے گا۔

فائدہ۔ غیر منصرف کے نو اسباب مکمل ہو چکے جہاں ان میں سے کسی کلمہ میں دو سبب یا ایک دو کے قائم مقام پایا گیا تو وہ کلمہ غیر منصرف ہوگا اور غیر منصرف کے بجائے حکماً وہ منصرف بن جائے گا کہ کسرہ اس پر آسکتا ہے۔ یعنی اب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھیں گے۔ ۲- غیر منصرف کلمہ پر جب الف لام آوے یا وہ مضاف بنے تو اب اس پر کسرہ آجائے گا اور غیر منصرف کے بجائے حکماً وہ منصرف بن جائے گا یعنی کسرہ اس پر آسکتا ہے جیسے اذہبوا الی المساجد تم مسجدوں میں چلو یا ذہبت الی مساجد کم میں مساجد مضاف مکسور ہے۔

رفعش بضمہ باشد الخ یعنی غیر منصرف پر حالت رفعی میں ضمہ لادیں گے بغیر تنوین کے جیسے جاء عمرو اور حالت نصی و جری میں فتح آئے گا جیسے رایت غمرو و موزٹ بغمرو اس میں حالت جری کو نصی کے تابع کیا ہے کہ جیسے حالت نصی میں فتح آئے گا جری میں بھی آئے گا۔

چوں عمرو الخ جس ترتیب سے اسباب منع صرف کو بیان کیا اسی ترتیب سے مثال بھی ہر ایک کی موجود ہے چنانچہ عمرو عدل کی احمر وصف کی طلحة تانیث کی زینب معرفہ کی وھکذا الی الآخر۔

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

سبق بستم

ششم اسمائے ستہ مکبرہ در وقتیکہ مضاف باشد بغیر یائے متکلم چون اَبَ وَاَخَ وَحَمَّ وَهَنَّ وَفَمَّ
وَذُو مَالٍ رَفَعَ شَاةٍ بَوَاؤُاَ وَبَاشَدُ وَنَصَبَ بِالْفِ وَجَرَّ بِيَاةٍ جَاءَ اَبُو كَ وَرَايْتُ اَبَاكَ وَمَرَرْتُ
بَابِيكَ هَفْتَمُ ثَمَنِي چوں رجلان هَشْتَمُ كَلَا وَكَلْتَا مضاف بمضمر فَمَّا اِثْنَانِ وَ اِثْتَانِ رَفَعَ
شَاةٍ بِالْفِ بَاشَدُ وَنَصَبَ وَجَرَّ بِيَاةٍ مَقَابِلَ مَفْتُوحِ چوں جَاءَ رَجُلَانِ وَ كَلَاهُمَا وَ اِثْنَانِ وَ رَايْتُ
رَجُلَيْنِ وَ كَلِيَهُمَا وَ اِثْنَيْنِ وَ مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ وَ كَلِيَهُمَا وَ اِثْنَيْنِ دَهْمُ جَمْعُ مَذْكَرِ سَالِمِ چوں
مُسْلِمُونَ يَازِدُهُمُ اَلْوَدُو اَزْ دَهْمِ عَشْرُونَ تَاسِعُونَ رَفَعَ شَاةٍ بَوَاؤُاَ مَقَابِلَ مَضْمُومِ بَاشَدُ وَنَصَبَ
وَجَرَّ بِيَاةٍ مَقَابِلَ مَكْسُورِ چوں جَاءَ مُسْلِمُونَ وَ اَوَّلُو مَالٍ وَ عَشْرُونَ رَجُلًا وَ رَايْتُ مُسْلِمِينَ
وَ اَوَّلِي مَالٍ وَ عَشْرُونَ رَجُلًا وَ مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ وَ اَوَّلِي مَالٍ وَ عَشْرِينَ رَجُلًا

ترجمہ عبارت - چھٹے اسماء ستہ مکبرہ جس وقت میں کہ مضاف ہوں یا متکلم کے علاوہ کی طرف جیسے اب
(باپ) اور اخ (بھائی) اور حَمَّ (دیور یا جیٹھ یا خسر) اور هَنَّ (شرمگاہ مردکی ہو یا عورت کی) اور فَمَّ (منہ) اور ذُو مَالٍ (مال
والا) ان کا رفع واؤ کے ساتھ ہوگا اور نصب الف کے ساتھ ہوگا اور جر یا ہ کے ساتھ جیسے جاء ابو ک (آیا تیرا ابا) اور رایت
اباک (دیکھا میں نے تیرے ابا کو) اور مررت بایک (گذرا میں تیرے ابا کے پاس سے) ساتویں (تثنیہ
حقیقی) جیسے رجلان (دو مرد) آتھویں (تثنیہ معنوی) جیسے کلا بمعنی دونوں مرد اور کلتا بمعنی دونوں عورتیں
جب کہ مضاف ہوں یہ ضمیر کی طرف - نویں (تثنیہ صوری) اثنان بمعنی دو مرد اور اثنتان بمعنی دو عورتیں ان کا رفع الف
کے ساتھ ہوگا اور نصب جر یا ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوگا جیسے جاء رجلان و کلاهما و اثنان اور رایت رجلین و کلیهما و
اثنین اور مررت برجلین و کلیهما و اثنین - دسویں جمع مذکر سالم (حقیقی) جیسے مسلمون گیارہویں
(جمع معنوی) جیسے اولو - بارہویں (جمع صوری) جیسے عشرون سے تسعون تک ان کا رفع واؤ ماقبل مضموم
کے ساتھ ہوگا اور نصب اور جر یا ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا جیسے جاء مسلمون و اولو مال و عشرون رجلا و رایت مسلمین
و اولی مال و عشرين رجلا و مررت بمسلمین و اولی مال و عشرين رجلا

حل مضمون - اسماء ستہ مکبرہ یہاں سے مصنف اعراب بالحرف لفظی کی جگہ بتلاتے ہیں کہ وہ کہاں آیا کرتا ہے اسماء کی
جمع ہے ستہ بمعنی چھ مکبرہ مصغرہ کی ضد ہے مصغرہ کہتے ہیں کسی کلمہ کو اسم تصغیر کے وزن پر کر دینا جس سے اس کے معنی میں چھوٹے
پن کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے قمر بمعنی چاند اور قمر بمر جو اسم تصغیر ہے بمعنی چھوٹا سا چاند تو جس اسم کی تصغیر آگئی اس آئی ہوئی

تغییر کو معترض کہتے ہیں اور جس کو بغیر تغیر کے اس کے حال پر چھوڑیں رکھیں اس کو مکبرہ کہتے ہیں جیسے اوپر کی مثال میں قرمکہ ہے اور قرمکہ سے زیادہ تفصیل اسم کی علامتوں میں سبق نہم میں یا معترض باشد کے تحت گذر چکی ہے بہر حال اسماء ستہ مکبرہ سے چھ اسم اب آخ حَمَّ هَنَّ فَمَ ذُو مَبَالٍ مراد ہیں ان میں سے چار (أَبْ آخ حَمَّ هَنَّ) ناقص واوی ہیں جس کلمہ کے لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو اس کو ناقص واوی کہتے ہیں چنانچہ ان کی اصل اَبُو اَخُو حَمَّوْ هَنَّوْ تھی امل عرب خلاف قیاس واؤ حذف کر کے استعمال کرتے ہیں اور فَمَ اجوف واوی ہے جس جملہ کی عین کی جگہ واؤ آ جاوے اس کو اجوف واوی کہتے ہیں چنانچہ فَمَ دراصل فوہ تھا آخر سے خلاف قیاس ہا کو حذف کر دیا پھر کلمہ دو حرفی بنا دھرا اس کے آخر میں واو حرف علت آ گیا جو گرنے کے درپہ رہتا ہے لہذا واو کو غیر حرف علت یعنی تسم سے بدل دیا کیوں کہ میم اور واؤ دونوں ہی ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں لیکن لفظ فَمَ جب مضاف بنے گا تو اس کا واؤ لوٹ آئے گا ذولیف مقرون ہے کیوں کہ یہ اصلاً میں ذو تھا ایک واؤ گر گئی۔ اور باقی ماندہ واؤ پچھلے کے ضمہ کو ذال سے دے دیا۔

سوال - لیف مقرون کسے کہتے ہیں؟

جواب - جس کلمہ میں اس کے عین اور لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو جسے طوی یطوی میں اس کو لیف مقرون کہتے ہیں بہر حال مذکورہ بالا اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بالحرف ہے اور لفظی ہے کیوں کہ اعراب بالحرف نقدیری کا بیان آگے سولہویں قسم میں آئے گا چنانچہ جب یہ چھ اسماء حالت رفعی میں ہوں گے تو واؤ آئے گا جیسے جَاءَ اَبُوکَ اور حالت نھی میں الف آئے گا جیسے زَائِثٌ اَبَاکَ اور ان کی حالت جری کی پہچان یہ ہے کہ ان کے اخیر میں ی آئے گی جیسے مَرُوْثٌ بِاَبِیْکَ۔

سوال - مصنف نے ان چھ اسماء میں صرف ذو کے بعد ہی اس کا مضاف الیہ ماں کیوں بڑھایا؟

جواب - یہ بتانے کے لئے کہ ذو کا مضاف الیہ ہمیشہ اسم جنس ہی ہوگا اسم ضمیر نہیں ہو سکتا۔

سوال - اسم جنس کسے کہتے ہیں؟

جواب - اسم جنس وہ ہے کہ کسی لفظ کو بلا افراد کے ذہن میں رکھے کسی مفہوم کلی کے لئے وضع کیا ہو جیسے اسد حیوان مفترس (پھاڑ کھانے والا جانور) کے لئے ہے دوسرے الفاظ میں لفظ کو جس کیلئے وضع کیا گیا یہ ان چیزوں میں سے لاعلیٰ القہر کسی کو بھی مراد لے سکیں جیسے وجہ سے ہر کوئی مرد اور فرس سے ہر کوئی گھوڑا مراد ہو سکتا ہے تو ذو واضح نے اس لیے وضع کیا کہ جب ہم کسی اسم جنس نکرہ کو کسی کے لئے ثابت کریں تو ذو کو لگا کر ثابت کریں مثلاً زید کو گھر والا یا علم والا بتانا چاہیں تو زید ذو بیت اور زید ذو علم کہنا پڑے گا بغیر ذو لگائے بیت اور علم کو زید کے لئے اگر ثابت کریں گے تو فٹ نہیں بیٹھے گا اور بیت کا زید کی خبر بننا درست نہیں ہوگا چنانچہ زید بیٹ (زید گھر ہے) نہیں بولا جائے گا اگر بولیں گے تو زید ذو بیت (زید گھر والا ہے) بولیں گے تو واضح نے ذو کو جب وضع ہی اس لیے کیا ہے کہ کسی اسم جنس کے ساتھ لگا کر خبر بنایا جاوے اس لئے مصنف نے بھی ذو مال میں ماں کا لفظ بڑھا کر بتلادیا کہ اس کا مضاف الیہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسم نکرہ ہوگا نہ کہ اسم ضمیر بخلاف اس کے پانچ ساتھیوں کے کہ ان

کا مضاف الیہ اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں بجاتے ہیں البتہ کبھی کبھی ذکا مضاف الیہ ضمیر بھی ہو جاتی ہے جیسے جاء زیذاً وذوؤة
آیا زید اور اس کے گھر والے)

تنبیہ - اسمائے مکمرہ کا جوار اعراب بتلایا گیا وہ چار شرطوں کے ساتھ مشروط ہے: ۱- مکمرہ ہوں یعنی ان کی تغشیر بنا کر استعمال نہ
کئے گئے ہوں کیوں کہ بحالت تغشیر ان کا اعراب مفرد منصرف صحیح کلمہ کی طرح اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء بی بی اُبی و زابٹ
ابیاً و مرؤت بابی ۲- یہ اسماء مفرد ہوں تشنیہ جمع نہ ہوں ورنہ اس کا اعراب تشنیہ اور جمع والا ہوگا تشنیہ کی مثال جاء بی اخوان
ورایت اخوین و مرؤت باخوین اور جمع کی مثال جائی اخوة و رایت اخوة و مرؤت باخوة یہ مثال جمع کی ان کی جمع
کے جمع مکر لانے کی صورت میں ہے ورنہ جمع سالم لانے میں جمع سالم کا اعراب لائے جائے گا کما سیاسی ذکرہ ۳- یہ
اسماء مضاف ہوں ورنہ ان کا اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء بی اخ و رایت اخاً و مرؤت باخ ۴- ان کی اضافت کی متکلم
کے علاوہ کی طرف ہو کیوں کہ یہ متکلم کی طرف اگر ان کی اضافت ہوئی تو اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا۔ جیسے جاء ابی
ورایت ابی و مرؤت بابی۔ **مختتم مثنی** - یاد رکھے تشنیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ۱- حقیقی ۲- صوری ۳- معنوی جس تشنیہ
میں تین بات ہوں وہ حقیقی ہے: ۱- تشنیہ والے الفاظ سے ہی اس کا کوئی مفرد ہو۔ ۲- اس کی صورت تشنیہ کی ہو اس طرح کہ اس
کے آخر میں الف نون یا ی نون ہو۔ ۳- اس کے معنی تشنیہ یعنی دو کے ہوں جیسے رجلاں میں تینوں باتیں موجود ہیں کہ واحد تشنیہ
کے الفاظ ہی سے وجہ آ رہا ہے اور اس کی صورت اور معنی بھی تشنیہ والے ہیں۔

تثنیہ صوری - وہ ہے جس میں دو بات ہوں۔ ۱- اس کی صورت تشنیہ کی ہو۔ ۲- معنی اس کے تشنیہ کے ہوں لیکن اس کا واحد
من لفظ نہ ہو جیسے اثنان اور اثنان

تثنیہ معنوی وہ ہے جس میں صرف ایک بات ہو یعنی اس کے معنی تو تشنیہ کے ہوں لیکن اس کی صورت تشنیہ کی نہ ہو اور نہ اس
کا کوئی واحد من لفظ ہو جیسے کلا اور کلتا کہ ان کا نہ کوئی واحد ہے جو انہی کے الفاظ سے ہو اور نہ ان کی صورت تشنیہ کی ہے کہ
الف نون دونوں ان کے آخر میں ہوں، کلا اور کلتا مضاف بمضمر۔ **سوال** - مصنف نے تشنیہ کی تین قسموں
میں سے کلا اور کلتا کے لئے ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی شرط کیوں لگائی۔ **جواب** - یہاں جوار اعراب تشنیہ کا بیان کیا
جا رہا ہے وہ اعراب کلا اور کلتا کا جب ہی ہے جب یہ دونوں ضمیر کی طرف مضاف ہوں ورنہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونے
کی شکل میں ان کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا، اور بجائے حرف کے حرکت کے ساتھ ہوگا جیسے جاء کلا الرُّجُلین
ورایت کلا الرُّجُلین و مرؤت بکلا الرُّجُلین

دہم جمع مذکر سالم - تشنیہ کی طرح جمع مذکر سالم کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) صوری (۳) معنوی ان کی
تعریفیں تشنیہ کی قسموں کی تعریف سے ذرا سی ترمیم کے ساتھ خود بخود معلوم ہو سکتی ہیں بس ہم مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں **جمع**
حقیقی کی مثال مُسَلِّمُونَ ہے جس میں تین بات موجود ہیں اس کا واحد من لفظ مسلم ہے اس کی صورت واؤ نون کی

وجہ سے جمع والی ہے اور اس کے معنی بھی جمع کے ہیں یعنی بہت سے مسلمان۔ جمع **صوری**۔ کی مثال **عَشْرُونَ** ہے جس میں دو (۲) بات موجود ہیں صورت اور معنی اس میں دونوں جمع والے ہیں لیکن اس کا واحد **مِنْ لَفْظِهِ** نہیں ہے **سوال**۔ **عَشْرُونَ** کا واحد **مِنْ لَفْظِهِ** تو موجود ہے **عَشْرَةَ** جواب۔ عالیجناب **عَشْرُونَ** کو **عَشْرَةَ** کی جمع کہہ ہی نہیں سکتے دو وجہ سے **عَشْرُونَ** متعین عدد نہیں (۱۹) سے اوپر اور اکیس (۲۱) سے نیچے کے عدد کیلئے خاص ہے اور جمع میں یہ نہیں ہوا کرتا کہ اس سے کوئی خاص عدد مراد لیا جاتا ہو (۲) اگر آپ **عَشْرَةَ** کو **عَشْرُونَ** کا واحد کہو گے تو پھر **عَشْرُونَ** کے معنی بجائے بیس (۲۰) کے تیس (۳۰) کرنے پڑ جائیں گے اور وہ اس طرح کہ آپ کے کہنے کے مطابق جب **عَشْرُونَ** **عَشْرَةَ** کی جمع ہو تو ہر جمع کم سے کم تین تو اس میں مراد لیا جاتا ہی ہے تو **عَشْرُونَ** میں تین **عَشْرَةَ** ہو گئے اور دس کے تین تیس (۳۰) ہو جاتے ہیں جس سے اب **عَشْرُونَ** تیس کے معنی میں ہو گیا ایسے ہی **ثَلَاثُونَ** اگر اس کا واحد **ثَلَاثَةَ** مان لے تو **ثَلَاثُونَ** تو کے معنی میں ہو جائے گا لہذا **عَشْرُونَ** ہو یا **ثَلَاثُونَ** کسی بھی دہائی کا کوئی واحد نہیں ہے **جمع معنوی کی مثال**۔ **أُولُو** ہے جس کے معنی صرف جمع کے ہیں یعنی والے، نہ اس کا کوئی واحد ہے اور نہ اس کے **أُولُو** ہے۔ **سوال**۔ اس کا واحد **ذُو** ہے۔ **جواب**۔ ہے تو لیکن **مِنْ لَفْظِهِ** نہیں ہے۔

سبق بست و کیم

سيز دهم اسم مقصور۔ وآں امی است کہ در آخرش الف مقصورہ باشد چون موسیٰ۔

چهاردهم۔ غیر جمع مذکر سالم۔ مضاف بیاضے متکلم چون غلامیٰ

رفع شاں بتقدیر ضمہ باشد و نصب بتقدیر فتح و جر بتقدیر کسرہ و در لفظ ہمیشہ یکساں باشد چون جاء موسیٰ

و غلامیٰ و رأیت موسیٰ و غلامیٰ و مرزت بموسیٰ و غلامیٰ پنزدہم۔ اسم

منقوص۔ وآں اسمیت کہ آخرش یائے ماقبل مکسور باشد چون قاضیٰ رفعتش بتقدیر ضمہ باشد و نصبش

بتقدیر لفظی و جرش بتقدیر کسرہ چون جاء القاضیٰ و رأیت القاضیٰ و مرزت بالقاضیٰ

ترجمہ عبارت۔ تیرھویں۔ اسم مقصور اور وہ ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے

موسیٰ، چودھویں۔ جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی بھی اسم جو یا، متکلم کی

طرف مضاف ہو رہا ہو جیسے غلامیٰ ان دونوں قسموں کا رفع تقدیر ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب تقدیر

فتح کے ساتھ اور جر تقدیر کسرہ کے ساتھ اور بولنے میں ہمیشہ ایک ہی طرح ہوں گے جیسے۔ جاء موسیٰ و غلامیٰ،

و رأیت موسیٰ و غلامیٰ و مرزت بموسیٰ و غلامیٰ۔ پنزدہویں۔ اسم منقوص۔ اور وہ ایسا اسم ہے

کہ اس کے آخر یائے ماقبل مکسور ہو جیسے قاضیٰ اس کا رفع تقدیر ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب لفظی فتح کے ساتھ اور اس کا جر

تقدیری کسرہ کے ساتھ جیسے جَاءَ الْقَاضِي وَ زَايْتُ الْقَاضِي وَ مَوَزَّتْ بِالْقَاضِي.

حل مضمون: یہاں سے مصنف اعراب تقدیری کی جگہ بتلاتے ہیں کہ اعراب تقدیری کبھی حرکت کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی حرف کے ساتھ اعراب بالحرکت اصل ہوا کرتا ہے۔ اور اعراب بالحرک اس کی فرع اس لئے یہاں پہلے اعراب تقدیری بالحرکت کا بیان ہے رہا اعراب تقدیری بالحرک کہ اس کا بیان سولہویں قسم میں آ رہا ہے بہر حال جن جگہوں میں اعراب تقدیری بالحرکت آئے گا وہ دو جگہ ہیں (۱) وہ کلمہ اسم مقصور ہو یعنی اسکے آخر میں نہ کھینچنے والا الف آوے خواہ وہ الف موجود ہو جیسے مُوسَى اور الْعَصَا جب الف لام کے ساتھ ہو یا وہ الف حذف کر دیا گیا ہو جیسے عَصَا (بغیر الف لام کے) کہ اصل میں عَصَوْتَهَا جس کو عَصَوْنُ بھی لکھ سکتے ہیں کیوں کہ تَوْنِیْنِ درحقیقت نون ساکن ہوتا ہے پھر واو پر ضمہ دشوار تھا حذف کر دیا واو اور تَوْنِیْنِ (یا نون ساکن) میں اجتماع ساکنین ہونے سے واو گر گئی عَصَا یا عَصْنُ رہ گیا یہ تو حالت رفعی میں ہے نصبی میں اور جری میں بھی واو متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے واو الف سے بدل جائے گا اور پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر جائے گا اور تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا خواہ رفعی ہو یا نصبی ہو یا جری مالت، کیوں کہ تعلیل کے بعد ایک طرح بن رہے ہیں بہر حال جب عَصَا پر الف لام ہو تب بھی اعراب کو قبول نہ کرے گا کیونکہ اخیر الف ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا اور بغیر الف لام کے بھی عَصَا اعراب قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اب عَصْ اور تَوْنِیْنِ ہے الف حذف ہو گیا نہ تو اعراب ص پر دے سکتے کیونکہ درمیان کا حرف ہے اور اعراب اخیر حرف پر آتا ہے اور نہ تَوْنِیْنِ کے ذریعہ اعراب آ سکتا ہے کیونکہ تَوْنِیْنِ حقیقت میں علیحدہ حرف ہے۔ سوال۔ عَصَا بغیر الف لام والے کا الف کہاں چلا گیا۔ جواب۔ عَصَا صل میں غَصَوْتَهَا جس کو غَصَوْنُ (تَوْنِیْنِ کے بجائے نون ساکن سے بھی لکھ سکتے ہیں) پھر قاعدہ پایا گیا واو متحرک، قبل مفتوح واو الف سے بدل گیا تو غَصَانُ ہو گیا پھر الف اور نون میں جو درحقیقت تَوْنِیْنِ ہے اجتماع ساکنین پایا گیا الف حذف ہو گیا عَصْنُ یا عَصَا بچ گیا پھر عَصَا پر جب الف لام آئے گا تَوْنِیْنِ ختم ہو جائے گی اور اجتماع ساکنین نہ رہنے سے الف واپس آ جائیگا اور جب الف لام نہیں رہے گا تو تَوْنِیْنِ آ جائیگی الف اجتماع ساکنین کی بناء پر گر جائے گا۔ (۲) وہ کلمہ کی متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے لیکن وہ کلمہ جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو تو اس میں بھی ہر حالت میں رفعی ہو یا نصبی یا جری تقدیری اعراب آتا ہے۔ **سوال۔** اکمیں تقدیری اعراب کیوں آئیگا۔ **جواب۔** یہی ہمیشہ اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے جس کی وجہ سے تینوں حالتوں میں ہی اپنے ماقبل کسرہ چاہیگی لہذا اب کسی اعراب کے آئیگی گنجائش نہیں۔ **سوال۔** حالت رفعی اور نصبی میں تو اعراب لفظی نہ ہوتا جس کی وجہ سے تقدیری کہنا پڑتا ہے سمجھ میں آتا ہے لیکن حالت جری میں اعراب کی ماقبل مکسور ہوتا ہے اور وہ اب بھی ہے۔ **جواب۔** یہی کے ماقبل کسرہ عامل کی وجہ سے نہیں ہے یہ تو خودیاء کی چاہت ہے اور اگر اس کو عامل کا بھی اثر کہو تو ایک اثر کے لئے دو (۲) مؤثر ہو جائیں گے جو غلط ہے لہذا جب یا سے پہلے کسرہ پہلے ہی آ گیا عامل کی وجہ سے نہیں آیا تو اب اعراب تقدیری ہی کہنا پڑے گا۔

پانزدہم : اسم منقوص : جس کلمہ کے لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو اس کو ناقص یا منقوص کہتے ہیں پھر یہاں اسم منقوص سے ایسا کلمہ مراد ہے کہ جس کے آخر میں می یا قبل مکسور ہو، خواہ وہ می برترار ہو جیسے معرف یا لام القاضی یا یاء گرگئی ہو جیسے بغیر الف لام کے قاض، پیچھے عَصَا اور العَصَائِمِ جو الف کے حذف اور باقی رہنے کے بارے میں تفصیل آئی ہے وہی قاض القاضی میں بھی چلے گی کیونکہ قاض کی اصل قاضی یا قاضین ہے یہی پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے گرا کر ساکن کر دی گئی تی اور تنوین میں اجتماع ساکنین ہو گیا یہی گرگئی قاض یا قاضین رہ گیا جب الف لام قاض پر آئے گا تو تنوین چلی گئی تی واپس ہو جائیگی جیسے القاضی میں ہے اور جب الف لام ہٹ جائے گا تو تنوین واپس ہو جائیگی اور تی گر جائیگی مثل عَصَا کے۔ **سوال :-** قاض کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں مثل عَصَا کے تقدیری ہونا چاہئے تھا حالانکہ صرف حالت رفعی و جری میں ہے نہ کہ نصھی میں۔ **جواب :-** عَصَا میں اعراب لفظی نہ ہونے اور تقدیری ہونے کی وجہ تینوں حالتوں میں موجود ہے اور قاض صرف رفعی اور جری میں ہے نہ کہ نصھی میں۔ **سوال :-** کیسے سمجھائیے۔ **جواب :** قاض جس کی اصل قاضی (یا قاضین) ہے اس میں تقدیری اعراب کی وجہ یہ ہے کہ یہی حرف علت ضعیف ہے جو قوی حرکت ضمہ یا کسرہ کو برداشت نہیں کر سکتی لہذا ضمہ اور کسرہ کی حرکات گرا دی گئیں جس سے یاء ساکن ہوئی پھر اجتماع ساکنین ہوا تی حذف ہو گئی اور حالت رفعی و جری کو بتلانے والی حرکت نہ رہی تو اعراب تقدیری ہو گیا بخلاف حالت نصھی کے کہ اس میں قاض کی اصل قاضیا یا قاضین بنتی ہے جس میں یاء پر فتح ہے اور فتح اخف الحركات ہے جس کے ہٹانے کی ضرورت نہیں لہذا اب اعراب لفظی ہو گا نہ کہ تقدیری۔ بہر حال قاض میں تینوں حالتوں میں اعراب تو الگ الگ آ سکتا تھا قاضی قاضیا قاضی، لیکن ثقل پیدا ہو جاتا جس سے بچنے کے لئے حالت رفعی و جری میں اعراب تقدیری رکھا گیا پس نصھی میں لفظی ہی رہا بوجہ ثقل نہ ہونے کے بخلاف عَصَا اور علامی کے کہ ان میں سرے سے اعراب آ ہی نہیں سکتا کما مر من قبل اسی لئے صاحب شرح جامی نے موسیٰ اور عَصَا کے اعراب کے بارے میں معذرت کہا یعنی ممنوع ہے آ ہی نہیں سکتا اور قاض اور مسلمی جو سولہویں قسم ہے کے اعراب کے بارے میں ثقل کہا ہے۔ کہ اعراب آ جایگا مگر بھاری پن کی وجہ سے غلطی رکھنے کے بجائے تقدیری رکھا گیا۔

سبق بست و دوم

شانزدہم :- جمع مذکر سالم مضاف بیائے متکلم چون مسلمی رُفَعش بتقدیر و او با شد و نصب و جرش بیاء ما قبل مکسور چون هُنُوْلَاءِ مُسْلِمِيٍّ کہ در اصل مُسْلِمُوْنِيٍّ بود باضافت ساقط شد و او و یاء جمع شدہ بودند و سابق ساکن بود، و او را بیابدل کردند و یا در یا او غام کردند مُسْلِمِيٍّ شد، ضمہ میم را بکسرہ بدل کردند و رَاَيْتُ مُسْلِمِيٍّ و مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيٍّ

ترجمہ عبارت: سولہویں۔ جمع مذکر سالم جبکہ وہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے مُسْلِمِيّیٰ کہ اصل میں مُسْلِمُوْنِيّیٰ تھا نونِ اضافت کی وجہ سے گر گیا واؤ اور یاء جمع ہو گئے تھے اور پہلا ساکن تھا واؤ کو یاء سے بدل کر دیا۔ وریاء کا یاء میں ادغام کر دیا مُسْلِمِيّیٰ ہو گیا میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل کر دیا اور اَيْتُ مُسْلِمِيّیٰ وَ مَرَزَتْ بِمُسْلِمِيّیٰ۔

حل مضمون: شانژدہم۔ جمع مذکر سالم مضاف الخ، یہاں سے مصنف اعراب تقدیری بحرف کاکل بتلاتے ہیں یعنی جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس کی حالتِ رفعی تقدیری واؤ کے ساتھ ہوگی اور حالتِ نصبی و جری یائے ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگی جیسے هُنُوْلَاءِ مُسْلِمِيّیٰ یہ حالتِ رفعی کی مثال ہے هُنُوْلَاءِ مبتدا مُسْلِمِيّیٰ خبریہ اصل میں مُسْلِمُوْنِيّیٰ تھا نونِ بوجہ اضافت گر گیا مُسْلِمُوْنِيّیٰ ہو واؤ اور یا ایک کلمہ میں جمع ہوئیں پہلا ساکن تھا واؤ کو یاء کر کے یا کا یا میں ادغام کر دیا مُسْلِمِيّیٰ ہوا پھر میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا مُسْلِمِيّیٰ ہوا پس اس سے جو علامتِ رفع واؤ تھی باقی نہیں رہی لہذا اس کا اعراب بحالتِ رفع تقدیر واؤ ہوگا رَاَيْتُ مُسْلِمِيّیٰ حالتِ نصبی کی مثال ہے مَرَزَتْ بِمُسْلِمِيّیٰ حالتِ جری کی مثال ہے یہ دونوں اصل میں مُسْلِمِيْنِيّیٰ تھے نونِ بوجہ اضافت گر گیا مُسْلِمِيّیٰ ہو واؤ کی ایک کلمہ میں جمع ہوئیں یا کو یا میں ادغام کر دیا مُسْلِمِيّیٰ ہوا پس ان میں علامتِ نصب و جر جو یائے ساکن ہے باقی ہے اس کی صورت گوتینوں حالتوں میں ایک سی ہے لیکن رفع میں چونکہ واؤ نہ رہا لہذا اس حالت میں اعراب تقدیری ہوا بخلاف حالتِ نصب و جر کے کہ ان میں یا جو علامتِ نصب و جر ہے اگر چہ یا میں مدغم ہو گئی ہے لیکن وہ اپنے حال پر باقی ہے اور اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوئی لہذا ان دونوں حالتوں میں اعراب لفظی ہوگا۔

نتیجہ مفیدہ

اسم متمکن جس کو معرب بھی کہتے ہیں یہ جیسا کہ صاحبِ نحو میر نے بتایا ہے سولہ طرح کا ہوتا ہے جس طرح کا معرب ہوگا اسی طرح کا اس پر اعراب آجائے گا چنانچہ وہ معرب کلمہ اگر مفرد ہے اور مفرد میں بھی منصرف صحیح یا منصرف قائم مقام صحیح ہے یا جمع مکسر ہے تو ان تینوں قسم کا اعراب ایک ہی طرح سے آتا ہے یعنی حالتِ رفعی میں ضمہ اور نصبی میں فتح اور جری میں کسرہ اور اگر وہ معرب کلمہ مفرد غیر منصرف ہے تو اس کی حالتِ رفعی ضمہ کے ساتھ ہوگی نصبی اور جری دونوں فتح کے ساتھ ہوں گی اور اگر وہ معرب کلمہ اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہو تو ایسے کلمات کا اعراب چند شروط کے ساتھ یہ ہے کہ ان کی حالتِ رفعی واؤ کے ساتھ اور نصبی الف کے ساتھ اور جری یاء کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر وہ معرب کلمہ تشبیہ ہے تو حالتِ رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور نونِ مکسورہ اور حالتِ نصبی و جری میں یا ماقبل مفتوح اور نونِ مکسورہ ہوا کرتا ہے اور یہ ہر تشبیہ کا اعراب ہے خواہ وہ حقیقی ہو یا صوری یا معنوی اور اگر وہ معرب کلمہ جمع ہے چاہے وہ جمع حقیقی ہو یا صوری یا معنوی اس کی حالتِ رفعی واؤ ماقبل مضموم اور نونِ مفتوح کے ساتھ ہوگی اور حالتِ نصبی و جری یاء ماقبل مکسورہ اور

نون مفتوح کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر وہ معرب کلمہ ایسا ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہے یا اس کی اضافت یاہ کی طرف ہے بشرطیکہ وہ جمع مذکر سالم نہ ہو جو یاہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا۔ ایسے ہی اگر وہ معرب کلمہ اسم منقوص ہو جیسے القاضی یا الداعی تو ایسے معرب کلمہ کا اعراب حالت رفعی و جری میں تقدیری اعراب ہوگا اور نصی میں لفظی ہوگا اس تفصیل سے اعراب کا مختلف طرح ہونا سمجھ میں آ رہا ہے کہ کہیں وہ حرف کے ساتھ ہوگا کہیں حرکت کے ساتھ ہوگا اور کہیں ایک حالت کو دوسری کے تابع کر دیا ہے اور کہیں یہ اعراب لفظی ہے اور کہیں تقدیری ہے اس لئے اب ہم اعراب کی قسموں کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ چار قسمیں ہیں:

۱- ذاتی، ۲- وصفی، اعراب بالحرف کو اعراب ذاتی اور اعراب بالحرف کو اعراب وصفی کہتے ہیں دوسری تقسیم اعراب کی حقیقی حکمی کے اعتبار سے ہے اگر سب حالتوں میں اعراب الگ الگ ہے تو وہ اعراب حقیقی کہلاتا ہے اور کوئی حالت کسی کے تابع ہو تو وہ اعراب حکمی کہلاتا ہے اور تیسری تقسیم یہ ہے کہ اعراب کبھی لفظی ہوتا ہے کبھی تقدیری جو اعراب بولنے اور ادا کرنے میں آئے وہ لفظی کہلاتا ہے اور اگر صرف ریش کر لیا اور مان لیا تو وہ تقدیری کہلاتا ہے ایک اعراب وہ بھی ہے جس کو محلی کہتے ہیں بعض نے تقدیری اعراب کو ہی محلی کہہ دیا جو بالکل غلط ہے کیوں کہ اعراب تقدیری معربات میں چلتا ہے اور محلی مبیات میں چلتا ہے چنانچہ اعراب محلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ وہ ملتی کلمہ آتا ہے وہ اگر رفع کی ہے تو اس کلمہ کو مرفوع خیال کر لیا جائے گا نصب کی ہے تو منصوب سمجھ لیں گے خواہ فی نفسہ وہ کلمہ مرفوع اور منصوب نہ بھی پڑھا جا رہا ہو جیسے جاء ہولاء رأیت ہولاء میں کہ ہولاء یوں تو مبنی علی الکر ہے لیکن جاء کا قاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور رأیت کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اگرچہ پڑھنے میں مکسور ہے۔

ملاحظہ: اعراب بالحرف اعراب اصلی کہلاتا ہے اور اعراب بالحرف اعراب فرعی کہلاتا ہے۔

تقسیم اعراب کی کہانی

یاد رہے کہ نجات نے جب معرب کلمات پر اعراب تقسیم کیا تو اس کے اعراب تو چھ تھے تین اعراب بالحرف ۱- ضمہ، ۲- فتح، ۳- کسرہ اور تین اعراب بالحروف ۱- واو، ۲- الف، ۳- یاء اور لینے والے تھے نو تین مفرد تین ثنیہ تین جمع (شاید) (تین مفرد سے مراد: ۱- مفرد منصرف صحیح، ۲- مفرد منصرف قائم مقام صحیح، ۳- مفرد غیر منصرف تین ثنیہ سے مراد: ۱- ثنیہ حقیقی جیسے رجلان، ۲- ثنیہ صوری جیسے الثان و الثنتان، ۳- ثنیہ معنوی جیسے کلاور کلانا تین جمع سے مراد: ۱- جمع جمع حقیقی جیسے مسلمون، ۲- جمع صوری جیسے عشرون، ۳- جمع معنوی جیسے اولوں

جن کی تفصیل ابھی اوپر تہہ کے شروع میں آچکی ہے بہر حال لینے والوں میں سے سب سے پہلے مفرد آیا اس نے کہا کہ میں اصل ہوں کہ ثنیہ جمع میرے سے ہی بنتے ہیں اس لئے اعراب اصلی یعنی اعراب بالحرف میرا حصہ ہے اور تینوں

حکوتوں ضمنہ فتح کسرہ کو لیکر بھاگ گیا۔ اور اپنی تینوں حالتوں کے لئے ان کو طے کر لیا۔ آگے اعراب تین رہے واؤ الف یا ماٹنے والے چھ تین تشنیہ تین جمع اب اگر یہ تینوں اعراب تشنیہ کو دیں تو جمع رہ جاتی ہے اور جمع کو دیں تو تشنیہ رہ جاتا ہے اور اگر دونوں کو اکٹھا دیدیں اسے بھی اُسے بھی تو اس سے التباس ہوگا اور پہچان نہ رہے گی باہم مشورہ سے یہ طے کر دیا کہ پہلے ان دونوں کی حالت رفعی کا اعراب طے کر دیں کیوں کہ حالت رفعی عمدہ اور اصل ہوتی ہے نصی اور جری حالتیں فرغ اور فضلہ ہوتی ہیں چنانچہ تشنیہ کے لیے حالت رفعی میں الف طے کر دیا اور جمع کی حالت رفعی کے لئے واؤ رکھ دیا تشنیہ کے لئے الف اس لئے طے کیا کہ افعال میں بھی تشنیہ کے صیغوں میں حالت رفعی میں الف ہی آتا ہے جیسے یضربان تضربون اور جمع کے لیے واؤ کیوں کہ افعال میں بھی جمع کے صیغوں میں واؤ آتا ہے جیسے یضربون ، تضربون۔

اب اعراب ایک رہ گیا یعنی صرف یاء اور مانگنے والے چار ہیں تشنیہ کی حالت نصی و جری اور جمع کی حالت نصی و جری، تو مجبوراً یہ یاء تشنیہ اور جمع کی دونوں کی حالت جری کے لئے طے کر دی اصل کے موافق کیوں کہ حالت جری میں اسماء مکملہ میں بھی یاء آتی ہے اب سوال ہوا کہ جب دونوں کی حالت جری یاء سے ہوگئی تو پہچان کیسے ہوگی تشنیہ جمع کی توجو اب یہ دیا کہ یاء کے ماقبل جو حرکت دیں گے وہ الگ الگ کر دیں گے تشنیہ میں یاء کے ماقبل فتح آئے گا اور جمع میں کسرہ آئے گا فلا التباس۔

سوال - برعکس کیوں نہ کر دیا۔

جواب - تشنیہ کثیرہ ہیں کہ چار ہیں: ۱- تشنیہ مذکر غائب، ۲- تشنیہ مؤنث غائب، ۳- تشنیہ مذکر حاضر، ۴- تشنیہ مؤنث حاضر۔ اور جمع صرف دو ہیں: ۱- جمع مذکر غائب، ۲- جمع مذکر حاضر۔ رہی جمع مؤنث غائب اور جمع مؤنث حاضر یہ دونوں تو مبنی ہوتے ہیں تو کثیر کو خفیف دے دیا اور قلیل کو ثقیل دے دیا تاکہ توازن برقرار رہے تو کسرہ ثقیل ہے اس لئے وہ جمع کے لائق تھا اور فتح خفیف ہے وہ تشنیہ کے لائق تھا،

سوال - پھر تشنیہ کے نون کو کسرہ کیوں دیا اور جمع کے نون کو فتح کیوں دیا۔

جواب - تشنیہ کے نون کو کسرہ اس لئے دیا کہ تشنیہ زیادہ خفیف نہ ہو جائے اور جمع کے نون کو فتح اس لئے دیا کہ وہ زیادہ ثقیل نہ ہو جائے۔

سوال - پھر اس فرق کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ تشنیہ میں یا کے ماقبل فتح دیں اور جمع میں یاء کے ماقبل کسرہ دیں کیوں کہ دونوں کے نون کی حرکت سے ہی التباس دفع ہو رہا ہے۔

جواب - نون تشنیہ اور جمع کلمہ کے آخر میں ہمیشہ نہیں رہتا بوقت اضافت گربھی جاتا ہے اس لئے اگر یاء کے ماقبل کی حرکت میں اختلاف نہ کریں تو التباس اور خلل ہونے کا اندیشہ تھا اب نحویوں کے پاس اعراب کوئی نہ رہا اور مانگنے والے ابھی دو ہیں ۱- تشنیہ کی حالت نصی، ۲- جمع کی حالت نصی اس لئے مجبوراً ان دونوں کو ان کی حالت جری کے تابع کر دیا کہ جو اعراب تشنیہ جمع کا حالت جری میں ہے وہی انکی نصی میں بھی رہے گا۔

واوی جیسے یَغزُو اور یَرْمِیٰ اس کا رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب لفظی فتح کے ساتھ اور جزم لام کے حذف کے ساتھ جیسے هُوَ یَغزُو و یَرْمِیٰ و لَنْ یَغزُو و لَنْ یَرْمِیٰ و لَمْ یَغزُو و لَمْ یَرْمِیٰ۔ تیسرے مفرد معتل الضیٰ، اس کا رفع تقدیری ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب تقدیری فتح کے ساتھ اور جزم لام کے حذف کے ساتھ جیسے هُوَ یَرْضِیٰ و لَنْ یَرْضِیٰ اور و لَمْ یَرْضِیٰ چوتھے صحیح یا معتل۔ مذکورہ ضمیروں اور نونوں کے ساتھ ان کا رفع نون کے باقی رکھنے کے ساتھ ہوگا جیسا کہ تشبیہ میں کہے توھما یَضْرِبَانِ و یَغزُوَانِ و یَوْمِیَانِ و یَرْضِیَانِ اور جمع مذکر میں کہے توھم یَضْرِبُوْنَ و یَغزُوْنَ و یَرْمُوْنَ و یَرْضُوْنَ اور واحد مؤنث حاضر میں کہے تو انت تَضْرِبِیْنَ و تَغزِیْنَ و تَرْمِیْنَ و تَرْضِیْنَ اور نصب و جزم نون کے ختم کرنے کے ساتھ جیسا کہ تشبیہ میں کہے تو لَنْ یَضْرِبُوْا و لَنْ یَغزُوْا و لَنْ یَرْمِیْا و لَنْ یَرْضِیْا اور جمع مذکر میں کہے تو، لَنْ یَضْرِبُوْا و لَنْ یَغزُوْا و لَنْ یَرْمُوْا و لَنْ یَرْضُوْا و لَمْ یَضْرِبُوْا و لَمْ یَغزُوْا و لَمْ یَرْمُوْا و لَمْ یَرْضُوْا واحد مؤنث حاضر میں کہے تو لَنْ تَضْرِبِیْ و لَنْ تَغزِیْ و لَنْ تَرْمِیْ و لَنْ تَرْضِیْ و لَمْ تَضْرِبِیْ و لَمْ تَغزِیْ و لَمْ تَرْمِیْ و لَمْ تَرْضِیْ۔

حل مضمون: اسم معرب کا اعراب کیا ہوا کرتا ہے اس کے بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے مصنف فعل مضارع کا اعراب ذکر کرتے ہیں پھر چونکہ فعل مضارع کئی طرح کا ہوتا ہے (۱) صحیح صرف لام کلمہ کی جگہ کوئی حرف علت نہ ہو جیسے یَضْرِبُ یَنْضُرُ میں ہے اس کا اعراب اور طرح ہے (۲) مُفْعَل یعنی لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو پھر وہ حرف علت خواہ واو یا ہو جیسے یَذْعُو اور یَغزُو میں ہے یا کی ہو جیسے یَرْمِیٰ میں یا الف ہو جیسے کہ یَرْضِیٰ میں ہے

فائدہ۔ صحیح اور معتل کی اوپر والی تعریفیں نحو یوں کے یہاں ہے کیونکہ نحوی نقطہ اس آخری حرف سے بحث کرتا ہے جس پر اعراب آتا ہے لہذا اگر لام کلمہ کی جگہ حرف علت نہیں ہے تو صحیح کہلائے گا اگر اور جگہ حرف علت ہو تو معتل نہیں کہیں گے بلکہ صحیح ہی کہلائے گا اور صرفیوں کے نزدیک صحیح وہ ہے کہ فاعل کسی بھی جگہ نہ حرف علت ہو نہ ہمزہ ہو نہ مشدد حرف ہو اگر کسی بھی جگہ حرف علت ہو تو اس کو بجائے صحیح کے معتل کہا جاوے گا جیسے وَعَدَ یَسْرَ وغیرہ اور اگر ہمزہ ہوئی تو اس کو ہمزوز کہتے ہیں جیسے اَکَلَ اور حرف مشدد ہو تو اس کو مضاعف کہے ہیں جیسے مَدَّ یَمُدُّ بہر حال اگر آخر میں حرف علت نہیں ہے تو ایسے مضارع کے اعراب کی تفصیل یہ ہے کہ مضارع کے چودہ صیغے آتے ہیں جن میں سے دو صیغے یَفْعَلْنَ تَفْعَلْنَ (جمع مؤنث غائب حاضر) کو مثنیٰ ہونے کی وجہ سے الگ نکال دیا گئے بارہ صیغے رہتے ہیں جن میں سات صیغے ایسے ہیں کہ جنکے آخر میں نون بھی ہے اور ضمیر بارز مرفوع بھی ہے مثلاً چار تو تَشِیْہَ یَفْعَلْنَ تَشِیْہَ مَذْکُرَ غَائِبِ تَفْعَلْنَ تَشِیْہَ مَوْنُثِ غَائِبِ اور تَفْعَلْنَ تَشِیْہَ مَذْکُرَ حَاضِرِ تَفْعَلْنَ تَشِیْہَ مَوْنُثِ حَاضِرِ ان میں الف ضمیر بارز مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اور دو یَفْعَلُونَ تَفْعَلُونَ جمع

مذکر فاعل و حاضران میں واو ضمیر بارز مرفوع ہے اور ایک تَفْعَلَيْنِ واحد مفعول حاضر میں کی ضمیر بارز مرفوع ہے اور نون سب کے آخر میں ہے ہی ان سات صیغوں کو الگ کر دو کیونکہ ان کا اعراب کیا ہوگا اس کو مصنف چھارم صحیح یا معتل با ضماائر الخ۔ سے بیان کریں گے بہر حال اب وہ صیغے رہ گئے جن میں ضمیر بارز مرفوع اور نون اخیر میں نہیں ہوا کرتا یہ ایسے پانچ صیغے ہیں (۱) يَضْرِبُ واحد مذکر فاعل (۲) تَضْرِبُ واحد مفعول فاعل (۳) تَضْرِبُ واحد مذکر حاضر (۴) اَضْرِبُ واحد متکلم (۵) تَضْرِبُ جمع متکلم یہ پانچ صیغے اگر صحیح ہوں یعنی حرف علت خیر میں لام کلمہ کی جگہ ان میں نہ ہو تو رفعش بضمہ باشد الخ یعنی حالت رفعی ضمہ کے ساتھ ہے جیسے هُوَ يَضْرِبُ يَضْرِبُ هُوَ کی خبر ہے اور مرفوع ہے اس لئے ب پر ضمہ آ گیا۔ اور حالت نصی فتح کے ساتھ ہوگی جیسے لَنْ يَضْرِبَ لَنْ کی وجہ سے نصب کی حالت میں ہے اور ب پر فتح ہے اور حالت جزمی جزم یعنی سکون کے ساتھ ہوگی جیسے لَمْ يَضْرِبْ لَمْ کی وجہ سے حالت جزمی میں ہے اور ب ساکن ہو رہا ہے۔

دوم مفرد معتل واوی و یا فی۔ یہ مضارع صحیح کے بعد مضارع کی دوسری اور تیسری شکل ہے کہ مضارع مُفْعَل ہو اور حرف علت لام کلمہ کی جگہ واو یا یااء ہو نیز مضارع مفرد ہوتی جمع نہ ہو کیونکہ تشنیہ جمع خواہ معتل ہو یا صحیح سب کا اعراب آگے چوتھی قسم میں اکٹھا ہی آ رہا ہے۔ بہر حال جو مضارع مفرد ہو معتل ہو (اس میں پانچوں وہ صیغے داخل ہیں جن کے آخر میں ضمیر بارز مرفوع اور نون نہیں آتا ہے) ان کا اعراب حالت رفعی میں تقدیری ضمہ ہے جیسے هُوَ يَغْزُوُ یہ معتل واوی کی حالت رفعی کی مثال ہے هُوَ يَوْمِيُّ معتل یا ئی کی حالت رفعی کی مثال ہے اور لَنْ يَغْزُوُ یہ معتل واوی کی حالت نصی کی مثال ہے اور حالت نصی میں لفظی فتح ہوتا ہے لَنْ يَوْمِيُّ معتل یا ئی کی حالت نصی کی مثال ہے جس میں فتح ہوتا ہے لَمْ يَغْزُوُ یہ بلا واو کے معتل واوی جزمی کی مثال ہے وَلَمْ يَوْمِ بِلَا يَاءِ کے معتل یا ئی جزمی کی مثال ہے۔ اور حالت جزمی میں لام کلمہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان میں ہے۔

سوم مفرد معتل الفی۔ تیسری شکل معتل کی یہ ہے کہ لام کلمہ کی جگہ حرف علت الف ہو (یا در کھنا چاہئے کہ معتل الفی صرفیوں کے یہاں ہوتا ہی نہیں ہے کیونکہ جہاں کہیں ہمیں لام کلمہ کی جگہ حرف علت نظر آتا ہے وہ درحقیقت واو یا یااء سے بدلا ہوا ہوتا ہے تو معتل کی بس دو ہی قسمیں ہیں واوی یا یا ئی چنانچہ يَوْمِيُّ اصل میں يَوْمُ تفاعل مت مضارع لگنے سے واو چوتھی جگہ میں آگئی جو یااء سے بدل جاتی ہے اور پھر یااء کو ماقبل میں فتح کی وجہ سے الف بدل دیا لیکن چونکہ نحو ظاہری حالت سے بحث کرتا ہے اصل حقیقت پر نہیں جاتا اس لئے نحو یوں کے یہاں جہاں اخیر میں الف ہے خواہ وہ اصل میں واو تھا یا یااء اس کو معتل الفی کہہ دیا بہر حال جس مضارع کے آخر میں الف ہو اس کا اعراب یہ ہے کہ حالت رفعی میں تقدیری ضمہ اور نصی میں تقدیری فتح اور جزمی میں لام کلمہ ختم ہو جائے گا۔

سوال:- الف آخر میں ہونے کی حالت میں تقدیری اعراب کیوں ہوتا ہے۔

جواب:- الف کا ساکن ہونا واجب ہے اگر حرکت دیں گے تو وہ بجائے الف کے ہمزہ ہو جائیگا اس لئے مجبوراً اعراب تقدیری ہی رکھنا پڑیگا جیسے ہو یروضی حالت رفعی کی مثال ہے یہاں ہم بس مان لیں گے کہ یروضی ہو کی خبر ہونے سے حالت رفعی میں ہے اور اس کا مرفوع ہونا تقدیری ہے الف آخر میں ہونے کی وجہ سے ضمہ نہ دیکھنے میں آئے گا نہ بولنے میں آئے گا اور تم یروضی حالت جزمی کی مثال ہے کہ الف گر گیا تم کی وجہ سے بہر حال مضارع کی چار حالتیں آچکی ہیں (۱) صحیح (۲) معتل واوی (۳) معتل یائی (۴) معتل الفی، یہ تفصیل پانچ صیغوں سے متعلق اعراب کی ہے کما یبنا۔

چهارم صحیح یا معتل باضمان الخ :- یہاں سے ان سات صیغوں کا اعراب بیان کرتے ہیں جن کے آخر میں نون اور ضمیر بارز مرفوع ہو عام ہے کہ یہ سات صیغے صحیح ہوں یا معتل یعنی خواہ ان کے اخیر میں حرف صحیح ہو یا حرف علت دونوں کا اعراب ایک طرح ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ساتوں میں حالت رفعی میں نون رہے گا کیونکہ یہ نون بے نون کے صیغوں کے ضمہ کے بدلہ میں ہے لہذا جیسے پانچ صیغوں میں جو بغیر نون کے ہوتے ہیں حالت رفعی میں ضمہ آتا ہے اس طرح نون والے صیغوں میں حالت رفعی میں یہ نون ہی ضمہ کے درجہ میں ہے لہذا حالت رفعی نون کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہوگی۔ جیسے ثنیہ کی مثال هُمَا يَضْرِبَانِ وَيَغْزُونَ وَيَرْمِيَانِ وَيَرْضِيَانِ چار مثالیں علی الترتیب مضارع صحیح معتل واوی، معتل یائی، معتل الفی، کی ہیں اور جمع میں بولے گا تَهُمْ يَضْرِبُونَ وَيَغْزُونَ وَيَرْمُونَ وَيَرْضُونَ یہ بھی چاروں طرح کے مضارع کی حالت رفعی میں جمع کی مثالیں ہیں اور واحد مؤنث حاضر میں کہے گا تَوَضَّيْنِ وَتَغْزَيْنِ وَتَرْمَيْنِ وَتَرْضَيْنِ یہ چاروں طرح کے مضارع کی واحد مؤنث حاضر کی مثالیں ہیں حالت رفعی میں۔

ونصب و جزم بحذف نون :- جیسا کہ ثنیہ میں کہے تو لَنْ يَضْرِبَا وَلَنْ يَغْزُوا وَلَنْ يَرْمِيَا وَلَنْ يَرْضِيَا وَلَمْ يَضْرِبَا وَلَمْ يَغْزُوا وَلَمْ يَرْمِيَا وَلَمْ يَرْضِيَا یہ چاروں قسم کے مضارع کی حالت نصی و جزمی دونوں میں ثنیہ کی مثالیں ہیں۔ اور جمع مذکر میں کہے تو لَنْ يَضْرِبُوْا وَلَنْ يَغْزُوْا وَلَنْ يَرْمُوْا وَلَنْ يَرْضُوْا وَلَمْ يَضْرِبُوْا وَلَمْ يَغْزُوْا وَلَمْ يَرْمُوْا وَلَمْ يَرْضُوْا حالت نصی و جزمی دونوں کی چاروں قسم کے مضارع کی جمع مذکر کی مثالیں ہیں اور واحد مؤنث حاضر میں کہے تو لَنْ تَضْرِبِيْ وَلَنْ تَغْزِيْ وَلَنْ تَرْمِيْ وَلَنْ تَرْضِيْ وَلَمْ تَضْرِبِيْ وَلَمْ تَغْزِيْ وَلَمْ تَرْمِيْ وَلَمْ تَرْضِيْ واحد مؤنث حاضر کی چاروں قسم کے مضارع کی حالت نصی و جزمی کی مثالیں ہیں۔

سبق بست و چہارم

فصل - ہداں کہ عوالم اعراب بردو قسم است، لفظی و معنوی لفظی برہ قسم است حروف و افعال و اسماء و این را در سہ باب یاد کنیم انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب اول در حروف عاملہ

در دو فصل است **فصل اول** (در حروف عاملہ در اسم) و آں پنج قسم است **قسم اول** حروف جر و آل ہفتہ است با و من والی و حتی و فی و لام و زُبَّ و واو قسم و تائے قسم و عن و علی و کاف تشبیہ و مذ و منذ و حاشا و خلا و عدا این حروف در اسم روند و آخرش را بحر کنند چون **المال لیزید**۔ **دوم** - حروف مشبہ بہ فعل و آں شش است **انَّ و اَنَّ و کَانَ و لَکِنَّ و لَیْتَ و لَعَلَّ** این حروف را اکی باید منصوب و خبر مرفوع چون **انَّ زیداً قائمٌ زید را اسم ان گویند** و قائم را خبر ان ہداں کہ **انَّ و اَنَّ** حروف تحقیق است و **کَانَ** حروف تشبیہ و **لَکِنَّ** حرف استدراک و **لَیْتَ** حرف تمنی و **لَعَلَّ** حرف ترجی۔ **سوم** ما و لا المشبہتان بلیس و آں عمل لیس می کنند چنان کہ گوئی **ما زید قائماً زید اسم ما است و قائماً خبر او**۔

توجہ عبارت - جان تو کہ اعراب کے عوالم دو قسم پر ہیں لفظی اور معنوی لفظی تین قسم پر ہے (۱) حروف (۲) افعال (۳) اسماء اور ان کو تین بابوں میں بیان کریں گے ہم، انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا باب عمل کرنے والے حروف کے بیان میں

اور اس میں دو فصل ہیں، پہلی فصل اسم میں عمل کرنے والے حروف کے بیان میں اور وہ حروف پنج قسم ہیں۔ **پہلی قسم** - حروف جر اور وہ سترہ ہیں **با، من، الی، حتی، فی، لام، زُبَّ، واو** قسم، تائے قسم، عن، علی، کاف تشبیہ، مذ، منذ، حاشا، خلا، عدا، یہ حروف اسم میں داخل ہوتے ہیں اور اسکے آخر کو جر کرتے ہیں جیسے **المال لیزید**۔ **دوسری قسم** - حروف مشبہ بہ فعل اور وہ چھ ہیں۔ **انَّ، اَنَّ، کَانَ، لَکِنَّ، لَیْتَ، لَعَلَّ**۔ ان حروف کو ایک اسم چاہئے منصوب اور ایک خبر مرفوع جیسے **انَّ زیداً قائمٌ**، زید کو ان کا اسم کہتے ہیں اور **قائمٌ** کو ان کی خبر جان تو کہ **انَّ** اور **اَنَّ** حروف تحقیق ہیں اور **کَانَ** حرف تشبیہ اور **لَکِنَّ** حرف استدراک ہے اور **لَیْتَ** حرف تمنی اور **لَعَلَّ**

حرفِ ترجمی ہے۔ **قیصری قسم**۔ ایسے ما اور لا ہیں جو کس کی طرح ہیں اور وہ لیس والا عمل کرتے ہیں جیسا کہ کہے تو ما زید قائماً، زید ما کا اسم ہے اور قائماً اس کی خبر ہے۔

حل مضمون۔ عواملِ عامل کی جمع ہے جس کلمہ کی وجہ سے اعرابِ رفع نصب جر آدے اس کو عامل کہتے ہیں لفظی بمعنی لفظ والا معنوی بمعنی معنی والا۔ دونوں میں یا نسبت کی ہے جس کے معنی والے کے ہوتے ہیں، بہر حال عامل لفظی وہ ہوتا ہے جو بونے لکھنے میں آدے اور اگر صرف ذہن ذہن میں سمجھا جاوے اس کو عامل معنوی کہتے ہیں چنانچہ آئندہ تفصیل آوے گی کہ مبتدا اور خبر کا عامل معنوی ہوتا ہے کیونکہ بظاہر عبارت میں کوئی کلمہ ایسا نہیں موجود ہوتا ہے جسکو مبتدا اور خبر کا عامل کہہ دیں حالانکہ رفع ان دونوں پہ آ رہا ہے تو رفع عمل ہے اور کوئی عمل بلا عامل کے نہیں ہوا کرتا اس لئے اہل نحو نے مجبوراً یہ کہہ دیا کہ ان کا عامل معنوی ہے مبتدا خبر کو چھوڑ کر جہاں کہیں کوئی رفع یا نصب یا جر ملے گا تو وہ ضرور کسی عامل کا اثر ہوگا پھر لفظوں میں جو عامل ہوگا وہ کبھی حروف میں سے ہوتا ہے اور کبھی افعال میں سے اور کبھی اسماء میں سے، مصنف نے ہر ایک کو الگ الگ بابوں میں بیان کیا ہے جس کی وجہ سے تین باب ہو گئے۔ **باب اول در حروفِ عاملہ**، **باب دوم در عمل افعال**، **باب سوم در عمل**

اسماء عاملہ الخ۔ ان تینوں بابوں کی تفصیل کے بعد پھر نحو میر میں عامل معنوی کو بیان کریں گے۔ **فصل اول در حروف عاملہ الخ**۔ **حروف عاملہ** کی دو قسمیں ہیں (۱) حروف عاملہ در اسم (۲) حروف عاملہ در فعل۔ اول کی پانچ قسمیں ہیں (۱) حروف جر، (۲) حروف مشبہ بفعل (۳) ما ولا مشابہ بلیس (۴) لاء نفی جنس (۵) حروف نداء، اور قسم دوم کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ حروف جو فعل مضارع کو نصب کرتے ہیں (۲) وہ حروف جو فعل مضارع کو جزم کرتے ہیں۔ یہ باب اول میں جو کچھ ہے اس کا خلاصہ ہے۔ **حروف جر آن ہفتہ است الخ**۔ حرف جر کو ایک شاعر نے شعر میں بھی جمع کر دیا ہے۔ **بَاو نَا وَ كَا فْ لَامُ و وَاوْ مِنْذُ مُذْ خَلَا ، رَبِّ حَاشَا ، مِنْ ، عَدَا فِی عَنْ عَلِی ، حَتّٰی ، اِلٰی**۔

سوال۔ حروف جر کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

جواب۔ جرّ، یجرّ، جزّ، باب نصر سے بمعنی کھینچنا کیونکہ یہ حروف اپنے سے پہلے فعل یا شبہ فعل کو کھینچ کر اس اسم تک پہنچاتے ہیں جس پر یہ حروف داخل ہوتے ہوں۔ مثلاً مرزٹ بزید، میں باء حرف جر نے مرور بمعنی گذرنا کو زید تک پہنچا دیا کہ یہ گذرنا زید کے پاس کو ہوا ہے (۱) پہلا حرف جر ہے جس پر یہ داخل ہوگا اس پر زید پڑھیں گے جیسے۔ مرزٹ بزید میں زید باء کی وجہ سے مجرد ہے، یہی باء فعل لازم کو متعدی کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے **ذَهَبَ زَيْدٌ (زید چلا گیا)** پھر کہا **ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ** میں زید کو لے گیا تو باء کی وجہ سے جانے کے بجائے لے جانے کے معنی میں ہو گیا، ایسے ہی کبھی باء استعانت کے لئے بھی آتا ہے، یعنی فاعل اس اسم سے جس پر باء آ رہا ہے اپنے فعل میں مدد لیا جیسے۔ **كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ** میں نے قلم کی مدد سے لکھا، اس میں متکلم نے قلم کے ذریعہ اپنے لکھنے کے کام میں مدد لی ہے، ایسے ہی باء مقابلہ کے لئے بھی آتی ہے جیسے **اشْتَرَيْتُ الْقَلَمَ بِعِشْرِينَ رَوْبِيَّةً** میں نے قلم بیس روپے کے بدلہ میں خریدا، (۲) **مِنْ** یہ کس چیز کی شروعات کو بتانے کیسے ہوتا ہے جیسے

عَنِ الْقَوْمِ إِلَى الصَّيْدِ میں نے تیر کو کمان سے شکار کی طرف پھینکا (۱۱) غلیٰ برائے استعلاء اور اوپر کے معنی میں آتا ہے خواہ اوپر ہو حقیقہ ہو یا مجازاً جیسے زَيْدٌ عَلِيَّ الشَّقْفِ زید چھت پر ہے یہ حقیقت کی مثال ہے غَلِيٌّ الزَّيْدِ ذَيْنِ زید کے اوپر قرض ہے یعنی اس کے ذمہ ہے یہ مجاز کی مثال ہے (۱۲) كَافٌ تَشْبِيهٌ تَشْبِيهٌ کہتے ہیں کسی کو کسی جیسا بتانا جیسے زَيْدٌ كَالْأَسَدِ زید شیر جیسا ہے یعنی بہادری میں، (۱۳-۱۴) مُذٌ وَ مُنْذٌ یہ اسم بھی ہوتے ہیں اور حروف میں سے بھی جب اسم ہوں گے تو ظروف مبیہ میں سے بنتے ہیں جیسا کہ سبق چار دہم میں بیان چکا ہے اور جب حرف جر ہوتے ہیں تو کبھی تو یہ زمانہ گذشتہ میں کسی چیز کی ابتداء کو بتائیں گے کہ کب سے ہے اور اب ان کے معنی مِنْ یعنی سے کے ہوتے ہیں مثلاً ماہ شعبان میں کہو مَسَارَ أَيْتُهُ هَذَا رَجَبٍ میں نے اس کو ماہ رجب سے نہیں دیکھا تو نہ دیکھنا گذشتہ زمانہ میں ماہ رجب سے ہے اور کبھی یہ زمانہ کی ابتداء اور انتہا بتائے بغیر زمانہ حال کو بتلاتے ہیں اور اب فی کے معنی میں ہوں گے جیسے مَا رَيْتُهُ مُذْ شَهْرِنَا اِی فِی شَهْرِنَا میں نے اس کو اپنے اس مہینے میں نہیں دیکھا۔ (۱۵) حَاشَا (۱۶) خَلَا (۱۷) عَدَا ، یہ تینوں بمعنی علاوہ اور سوا کے آتے ہیں اور برائے استثناء ہوتے ہیں یعنی کسی چیز کو کسی حکم سے علیحدہ کرنے کے لئے مثلاً جَاءَ الْقَوْمَ خَلَا زَيْدٌ وَ حَاشَا عَمْرٍ وَ عَدَا بَنُكْرٍ میرے پاس لوگ آئے علاوہ زید کے اور سوائے عمرو کے اور علاوہ بکر کے یہ حرف جر بھی ہیں اور کبھی ان سے نصب بھی آتا ہے اب یہ فعل ہوں گے ضمیر ان میں پوشیدہ فاعل بنے گی۔

حروف مشبہ بالفعل، یعنی وہ چھ حرف جو فعل کی طرح ہیں۔

سوال، یہ حروف فعل جیسے کس بات میں ہیں۔

جواب، جس طرح فعل تین حرفی چار حرفی پانچ حرفی یعنی ثلاثی، رباعی خماسی ہوتے ہیں ان میں کوئی تو تین حرفی ہیں جیسے، اِنَّ، اَنَّ، اور لَيْتٌ اور کوئی چار حرفی ہے جیسے لَعَلَّ اور كَأَنَّ اور کوئی پانچ حرفی ہوتا ہے جیسے لَكِنَّ (۲) فعل کی طرح سب مبنی بر فتح ہیں (۳) جس طرح فعل متعدی کے بعد دو کلموں میں سے ایک مرفوع اور ایک منصوب ہوتا ہے اس طرح ان کے بعد بھی (۴) ہر ایک ان میں سے فعل کے معنی میں ہے جیسے اِنَّ اَنْ مَعْنَى حَقَّقْتُ وَ اَتَكَّدْتُ كَمَا مَعْنَى شَبَّهْتُ لَكِنَّ مَعْنَى اِسْتَدْرَكْتُ لَيْتَ مَعْنَى تَمَنَيْتُ اور لَعَلَّ مَعْنَى تَوَجَّيْتُ۔ ہے یہ تمام حروف مبتداء خبر والے جملہ پر داخل ہو کر ان میں سے اول کو اپنا اسم دوسرے کو اپنی خبر بنا لیتے ہیں پھر اسم منصوب ہو جائے گا خبر علیٰ حالہ مرفوع رہے گی اِنَّ وَ اَنَّ حُرُوفٌ تَحْقِيقُ الْخِ تَحْقِيقٌ کہتے ہیں کسی بات میں پختگی پیدا کرنے کو یہ دونوں حرف جملہ کے مضمون میں پختگی اور پکا پن پیدا کرنے کے لئے آتے ہیں۔

سوال۔ مضمون جملہ کے کہتے ہیں۔

جواب۔ کسی جملہ میں جو بھی بات کہی جاوے وہ اس جملہ کا مضمون کہلاتا ہے جیسے اِنَّ زَيْدًا قَاتِمٌ میں زید کا کھڑا ہونا یہ جملہ کا مضمون ہے اور مضمون جملہ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو لفظ خبر ہو اس کا مصدر نکال کر مبتداء کا مضاف بنا دو جیسے یہاں قَاتِمٌ خبر کا

مصدر قینام نکال کر مبتدا کا مضاف بنا کر قینام زید بن جاریگا بہر حال انّ انّ مبتدا کے بارے میں جو خبر ہوتی ہے اس کے اس سے جڑنے کو پختہ اور یقینی بناتا ہے کہ یقیناً زید کا کھڑا ہونا پایا گیا ہے، گانّ حرف تشبیہ ہے اردو میں گانّ کا ترجمہ گویا کہ ہے جب کسی کو کسی بات میں کسی جیسا بنانا ہوتا ہے تو یہ لفظ آتا ہے جیسے گانّ زیدن لانسڈ (گویا کہ زید شیر ہے) یعنی بہادری میں شیر کی طرح ہے۔

لکنّ حرف استدراک۔ استدراک کے اصل معنی تلافی مافات کے ہیں یعنی چھٹی ہوئی چیز کی تلافی کرنا اور اصطلاح میں کسی کلام میں جو شک و شبہ ہو اس کو لفظ لیکن سے دور کرنا مثلاً زید و عمر دونوں دوست ہیں اکٹھے ہی رہتے ہیں اکٹھے ہی جاتے ہیں تو کسی جگہ دونوں تھے کسی نے جب آ کر ذہب زیدّ کہا خود بخود ذہن میں آئے کہ جب دونوں اکٹھے آتے جاتے ہیں زید کے جانے پر عمر بھی چلا گیا ہوگا (لکنّ غمراً لّم یذہب) کہہ کر اس خیال اور وہم کا دفعیہ کر دیا کہ تانا عمر نہیں گیا جس سے ہوا ہوا وہم ختم ہو گیا۔

فیث حرف تمنی۔ کسی چیز کی آرزو اور تمنا کرنے کے لئے آتا ہے جیسے فیث الشبّاب یعود۔ کیا اچھا ہوتا کہ جوانی لوٹ آتی۔

نعل حرف توجی۔ توجی بمعنی امید اور شاید آتا ہے جیسے لعلّ غمراً غائب لگتا ہے کہ عمر نہیں ہے۔ لیث ممکن اور محال (یعنی ہو سکتے والی اور نہ ہو سکتے والی) دونوں کے لئے بولا جاتا ہے لعلّ صرف ممکن کیلئے ہی بولا جاتا ہے اسی لئے لعلّ الشبّاب یعود نہیں کہتے کہ جوانی کا لوٹنا محال ہے۔

إِنَّ أَنْ كَانَ لَيْتَ لَكِنَّ لَعْلَ ☆ ناصب اسند و رفع در خبر ضلّما و لا۔

سوم ماؤلا المشبہتان بلیس الخ۔ ما اور لا جو بلیس جیسے ہیں دو چیز میں (۱) نفی کیلئے آنے میں (۲) عمل میں کہ جو عمل بلیس کا ہے یعنی اسم کو رفع اور خبر کو نصب دینا وہی ان دونوں کا بھی ہے پھر ما تو عام ہے معرفہ اور نکرہ دونوں پر آسکتا ہے مثلاً مَا زَيْدٌ قَائِمًا اور مَا رَجُلٌ مُنْطَلِقًا دونوں ٹھیک ہے لیکن لا صرف نکرہ ہی پر آئیگا جیسے لَا رَجُلٌ أَفْضَلُ مِنْكَ، کوئی آدمی تجھ سے برتر نہیں ہے ایک فرق ما اور لا میں اور بھی ہے کہ ما سے حال کی نفی مراد ہوتی ہے اور لا سے عام نفی ہوتی ہے (ہدایۃ النحو صفحہ ۳۱)

فائدہ۔: ما اور لا کا یہ عمل چار شرطوں کے ساتھ ہے (۱) خبر مبتدا سے مقدم نہ ہو نحو مَا قَائِمٌ زَيْدٌ (۲) ما کے بعد ان زائدہ نہ ہو (لا پر ان زائدہ آتا ہی نہیں ہے) جیسے مَا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ (۳) مبتدا خبر کے بیچ میں الا نہ ہو جیسے مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ (۴) ما اور لا کے بعد خبر کا معمول نہ آ رہا ہو جیسے مَا عَمْرٌ أَزِيدُ ضَارِبٌ میں عمرو اُضارِبٌ کا مفعول بن رہا ہے لیکن وہ معمول ظرف اور جار مجرور کے علاوہ ہوں جیسے یہاں عمر اے ورنہ تو ان کا عمل باقی رہے گا جیسے فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِرٌ میں اگر عامل نہ کرتا حَاجِرُونَ واؤ سے ہوتا۔

سبق بست و پنجم

چهارم لائے نفی جنس اسمِ ایا اکثر مضاف باشد منصوب و خبرش مرفوع چون لَا غَلَامٌ
وَجُلٌ ظَرِيفٌ فِي الدَّارِ وَاگر نکرہ مفرد باشد یعنی باشد بر فتح چون لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ وَاگر بعد او معرفہ
باشد تکرار لایا معرفہ دیگر لازم باشد ولا ملغی باشد یعنی عمل نکند و آں معرفہ مرفوع باشد با ابتداء چون لَا زَيْدٌ
عِنْدِي وَلَا عَمْرُو وَاگر بعد آں لاکرہ مفرد باشد مکرر با نکرہ دیگر در پنج وجہ رواست چون لَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ
قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

ترجمہ۔ چوتھے لائے نفی جنس اسمِ ایا اکثر مضاف ہوتا ہے منصوب اور اس کی خبر مرفوع جیسے لَا غَلَامٌ رَجُلٌ ظَرِيفٌ فِي
الدَّارِ (نہیں کسی مرد کا غلام عقلمند گھر کے اندر) اور اگر نکرہ مفرد ہو یعنی ہوگا فتح پر جیسے لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ (کوئی مرد گھر میں نہیں
ہے) اور اگر اس کے بعد معرفہ ہو لایا دوبارہ لانا دوسرے معرفہ کے ساتھ ضروری ہوگا اور لایا بیکار ہوگا یعنی عمل نہیں کرے گا اور وہ
معرفہ مرفوع ہوگا مبتدا ہونے کی وجہ سے جیسے لَا زَيْدٌ عِنْدِي وَلَا عَمْرُو (نزدیک میرے پاس ہے اور نہ عمرو) اور اگر اس لایے
بعد نکرہ مفرد ہو دوبارہ لایا گیا ہو دوسرے نکرہ کے ساتھ اس میں پانچ صورتیں جائز ہیں (۱) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ حَوْلَ
اور قُوَّةَ دونوں فتح پر مبنی پڑھے جائیں گے یعنی بلاتون کے ایک زبر پڑھیں گے کیونکہ مبنی پر تون نہیں آیا کرتی، (۲) وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، دونوں پر تون ضمہ والی پڑھیں گے (۳) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اول پر ایک زبر دوسرے پر ضمہ کی
تونیں پڑھیں گے (۴) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ تیسری شکل کے بالکل الٹا کہ اول پر ضمہ کی تونیں دوسرا مبنی پر فتح یعنی ایک
زبر کے ساتھ (۵) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اول مبنی پر فتح یعنی ایک زبر کے ساتھ دوسرا فتح کی تونیں یعنی دوزبر کے ساتھ
پڑھیں گے۔

حل مضمون : لائے نفی جنس کا تسلی بخش اکثر کتابوں میں موجود نہیں ہے ان شاء اللہ ہم یہاں کوشش کریں گے کہ تسلی ہو
جائے خواہ بات میں طول ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وَاللَّهِ الْمَعِينُ :

لائے نفی جنس النخ۔ کا اسم کئی قسم کا ہوتا ہے اور سب کا اعراب الگ الگ ہے (۱) لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا (یاد
رہے کہ نصب کا لفظ معرب کے اعراب کیلئے بولا جاتا ہے اور فتح مبنی کے اعراب کیلئے تو منصوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جو
حرکت آئیگی وہ معرب والی ہوگی مبنی والی نہیں اور ایک حرکت کا آنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ مبنی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اب یہ اسم
مضاف بنے گا اور مضاف پر تونیں نہیں آیا کرتی) بہر حال لائے نفی جنس کے اسم پر نصب آئیگا جبکہ اس میں تین شرطیں موجود ہوں

(۱) لاکا اسم لاکے فوراً بعد میں ہو دونوں میں کسی چیز کا فصل نہ ہو (۲) یہ اسم نکرہ ہو معرفہ نہ ہو (۳) مضاف ہو یا مشابہ مضاف جب اکٹھی یہ تین شرطیں لاکے اسم میں موجود ہوں گی تو لاکا اسم منصوب ہوگا جیسے لا غلاماً رَجُلٍ لِبِي الدارِ (کسی مرد کا ایسا غلام نہیں جو عقلمند اور گھر کے اندر ہو یعنی گھر میں موجود غلاموں میں کسی مرد کا بھی غلام عقلمند نہیں ہے بہر حال غلام لاکا اسم ہے متصل بھی ہے نکرہ بھی مضاف بھی ہے تینوں شرطوں کے پائے جانے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا)۔

سوال: غلام مرکب اضافی ہے نکرہ کہاں ہے۔

جواب: غلام کی اضافت نکرہ کی طرف ہے معرفہ کی نہیں لہذا نکرہ ہی رہ گیا۔ لا عشرین درهماً لک۔ یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے۔

سوال: مشابہ مضاف کے کہتے ہیں۔

جواب: جو کلمہ ایسا ہو کہ جیسے مضاف اپنے مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے اور بلا مضاف الیہ کے اس کے معنی اور تصورے اور ناقص رہتے ہیں اسی طرح وہ کلمہ بھی بغیر دوسرے کلمے کے ملائے ناقص، دھورار ہتا ہے چنانچہ مثال مذکورہ میں عشرین مشابہ مضاف ہے کیونکہ صرف یوں کہہ دینا کہ میرے پاس بیس نہیں ہیں بات نہیں بنتی جب تک وہ بیس ہیں کیا اس کی وضاحت نہ کر دے کیونکہ خالی بیس ٹوپی، رومال، قلم، روپیہ، کچھ بھی ہو سکتا ہے، لہذا عشرین محتاج ہے ایسے کلمہ کا کہ جو بیس کو بتا دے کہ کیا چیز ہے چنانچہ درہما لگا کر بات کھل ہوگئی کہ وہ بیس درہم ہیں جن کو اپنے پاس نہ ہو تو بیکو تیار ہوں اول مثال میں ظریف خبر اول اور فی الدار دوسری خبر ہے اور نفی لاکے حقیقت میں خبر پر ہی مراد ہوتی ہے چنانچہ نفی غلام کی نہیں ہے بلکہ عقلمند اور گھر میں سے ہونے والوں کی ہے اگر غلام کی نفی مراد لیں تو مطلب ہوگا کہ کسی مرد کا غلام نہیں جو غلط ہے کیونکہ جب یہ مثال چلی ہے تب تو بہترے غلام باندیاں تھیں بہر حال نفی عقلمند اور گھر میں ہونے کی ہے۔

سوال: دو خبریں کیوں لائے مثال ظریف تک بھی کافی تھی۔

جواب: جھوٹ سے بچنے کے لئے کیونکہ کسی مرد کا غلام بھی عقلمند نہ ہو محال ہے اس لئے محدود کیا کہ گھر کے اندر والے مرد کے غلاموں کے عقلمند ہونے کی نفی ہے نہ کہ پوری دنیا کے اعتبار سے۔

ترکیب لا، نفي جنس غلاماً رَجُلٍ مرکب اضافی ہو کر اسم ظریف خبر اول فی الدار خبر ثانی لاء اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ منفیہ ہو گیا لا عَشْرِينَ دَرَهْمًا لَكَ، میں لانی جنس عشرین متمیز درہما متمیز متمیز، تین سے مل کر اسم بن جائیگا لک جار مجرور سے مل کر محذوف ثابت کسے متعلق ہو کر خبر لاء اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ منفیہ ہوا، فائدہ: چار مجرور ضروری فعل یا شبہ فعل سے جڑ جاتا ہے اگر عبارت میں فعل یا شبہ فعل ہو تو ٹھیک ورنہ محذوف مانتے ہیں اور محذوف فعل یا شبہ فعل عام طور سے چار لفظوں سے بنتے ہیں، کَوْنٌ، تَبُوْتُ، وَجُودٌ، حُضُورٌ۔

افعالِ عمومِ نزدِ اربابِ عقل ☆ کون است و ثبوت است و جود است و حصول

فائدہ۔ شبہ فعل سے مراد اسم فاعل اسم مفعول، اسم ظرف اسم آلہ، اسم تفضیل۔ اور صفتہ مشبہ نیز مصدر، ہیں اور ان کے علاوہ فعل ماضی سے لیکر امر و نہی تک کے صیغے نقل کہلاتے ہیں۔

دوسری صورت، ماہی جنس کے اسم کی یہ ہے کہ اس کا اسم پہلی دو شرطوں والا تو ہو مگر تیسری شرط ختم ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ رہے ہاں متصل اور نکرہ رہے اسی دوسری صورت کو صاحبِ نحو میر نے وانکر نکرہ مفرد باشد الخ۔ سے بیان کیا ہے۔

تنبیہ۔ مفرد سے مراد لائے نفی جنس کے بیان میں ایسا کلمہ ہوتا ہے جو مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو لہذا اگر لائے نفی جنس کا اسم تشبیہ جمع ہو جاوے تو کوئی بات نہیں ہے بہر حال جو کلمہ پہلی دو شرطوں والا تو ہو لیکن تیسری مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی اس میں نہ ہو تو اس کلمہ کا اعراب یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم بننے سے پہلے اس کلمہ کا حالت نصی میں جو اعراب تھا اسی پر مبنی کر دیں گے مثلاً واحد جیسے زَجُل کلمہ کا اعراب حالت نصی میں فتح ہے تو اس کا اعراب لا کے داخل ہونے کے بعد بھی یعنی لا کا اسم بننے کے بعد بھی فتح ہی ہوگا جیسے لا زَجُل فی الدار۔

سوال۔ زَجُل لا کے اسم بننے سے پہلے حالت نصی میں تھا اور منصوب تھا یعنی دو زبرد والا اب ایک زبرد والا کیوں ہے۔

جواب۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مبنی پر تنوین نہیں آتی اور اب یہ لا کا اسم بننے کے بعد مبنی ہو گیا اسلئے ایک ہی حرکت فتح پر مبنی ہوگا اور اگر وہ کلمہ جو لا کا اسم بن رہا ہے تشبیہ ہو تو حالت نصی میں تشبیہ کا اعراب یا ء ما قبل مفتوح اور نون مکسورہ تھا وہی اب بھی رہیگا اور اگر جمع لا کا اسم ہو تو اگر سوٹ سالم ہے تو مبنی علی الکرہ ہو جائیگی جیسا کہ لا کا اسم بننے سے پہلے تھی اور مبنی ہوئی وجہ سے تنوین نہ آئیگی اور اگر جمع مذکر سالم ہے تو یا ء ما قبل مکسور اور نون مفتوح اعراب رہے گا، جیسے تشبیہ کی مثال ہے لا مُسْلِمِین لَک اور جمع سوٹ سالم کی لا مُسْلِمَاتِ فی الدار جمع مذکر سالم کی لا مُسْلِمِین لَک، تیسری صورت یہ ہے کہ لا کا اسم ایسا کلمہ بنے جس میں اول دو شرطیں ختم ہیں یعنی لا کا اسم لا سے متصل ہونے کے بجائے فصل والا ہو ایسے ہی بجائے نکرہ کے معرفہ ہو پھر عام ہے کہ دونوں ہی شرطیں ایک دم ختم ہوں یا ایک ہو دوسری نہ ہو یا دوسری ہو پہلی نہ ہو جس کی اب تین شکلیں ہو گئی۔ (۱) لا کا اسم معرفہ بھی ہو مفصول ہو (۲) معرفہ ہو مفصول نہ ہو (۳) مفصول ہو معرفہ نہ پھر ان میں سے ہر ایک شکل کے ساتھ عام ہے کہ وہ مضاف بھی ہو یا نہ ہو اور تین کو دو میں گن کرنے سے چھ شکلیں بنتی ہیں ان سب شکلوں میں لا کا اسم مرفوع ہو گا شکلوں کی تفصیل مع امثلہ مندرجہ ذیل ہے۔ (۱) معرفہ بھی ہو مفصول بھی ہو مضاف بھی ہو۔ لا فِی الدَّارِ غُلامٌ زَبیدٌ ولا عمرو، (۲) معرفہ ہو مفصول نہ ہو اور مضاف ہو جیسے۔ لا غُلامٌ زَبیدٌ فی الدَّارِ ولا عمرو۔ (۳) مفصول ہو معرفہ نہ ہو اور مضاف ہو ہی جیسے۔ لا فِی الدَّارِ غُلامٌ رَجُلٌ ولا امرءٌ (۴) معرفہ بھی ہو مفصول ہو مگر مضاف نہ ہو جیسے لا فِی الدَّارِ زَبیدٌ ولا عمرو، (۵) معرفہ ہو مفصول نہ ہو اور نہ مضاف ہو جیسے۔ لا زَبیدٌ فی الدَّارِ ولا عمرو (۶) مفصول ہو معرفہ نہ ہو اور نہ مضاف ہو جیسے لا فِی الدَّارِ رَجُلٌ والا امرءٌ (۷) ان مثالوں میں جہاں اضافت نکرہ کی طرف ہے وہ نکرہ ہی بنے گا بہر حال

ان شکلوں میں لا کا اسم مرفوع بھی ہوگا اور ذیل یعنی کر رہی آئیگا۔ لا دونوں بیکار ہوں گے اور اسم و خبر مبتدا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھیں گے اول مثال کی ترکیب کو دیکھئے فی الدار خبر مقدم ہے ثابتہ کے متعلق ہو کر غلام مضاف زید معطوف علیہ و حرف عطف لا بیکار عمرو معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر غلام کا مضاف الیہ پھر مبتدا مؤخر۔

سوال۔ اس میں لا کا اسم ذیل کہاں ہوا ہے۔

جواب۔ اصل عبارت یوں ہے لا فی الدار غلام زید ولا غلام عمرو، اول کی وجہ سے دوسرے میں نہیں لائے لفظ غلام کو۔

واگر بعد آن لا تکرہ مفرد باشد مکرر با تکرہ دیگر درو پنج وجہ روا است الخ۔

یہاں سے لائے نفی جنس کے اسم کی چوتھی صورت کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لا بطور عطف مکرر آیا ہو اور اس کے بعد تکرہ مفرد (یعنی نہ مضاف ہونہ شبہ مضاف) بلا فصل کے موجود ہو جیسے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اس مثال میں لائے نفی جنس مکرر ہے ایک حول پر ہے دوسرا قوۃ پر ہے اور درمیان میں واو عاطفہ ہے اور دونوں لا کا اسم مفرد بلا فصل کے ہے بہر حال اس طرح کی مثال میں پانچ طرح پڑھ سکتے ہیں (۱) لا دونوں جگہ نفی جنس کا مان کر دونوں اسم مثنیٰ برفقہ ہوں گے یعنی حول اور قوۃ پر ایک ایک زبر پڑھیں گے کیونکہ مثنیٰ پر تثنیٰ نہیں آتی ہے پھر یہ جملہ لا حول الخ ترکیب میں ایک جملہ بھی بن سکتا ہے اور دوسری جگہ دو مانو گے تو لا حول کی خبر الا باللہ محذوف ہوگی جس پر دلیل لا قوۃ کی خبر الا باللہ بنے گی، باللہ سے پہلے دونوں جگہ ثابت محذوف ہوگا، حول بمعنی پھرنا، ہٹنا، بچنا ہے پھر کس چیز سے پھرنا ہٹنا مراد ہے؟ یہ محذوف ہے یعنی عن المعصیۃ اور قوۃ بمعنی طاقت! یعنی نہیں طاقت کس کی یہ محذوف ہے ای علی الطاعة یعنی اطاعت کی اور عبارت کمل یوں ہوگی لا حول عن المعصیۃ ثابت الا باللہ ولا قوۃ علی الطاعة ثابت الا باللہ، یعنی گناہ سے بچنا اور طاعت و فرمانبرداری کی قوت بغیر اللہ کے نہیں ہو سکتی بلا توفیق خداوندی نہ گناہ سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی نیک کام ہو سکتا ہے، اسی لئے جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہتا ہے کہ نماز کیلئے آجاؤ اور حی علی الفلاح کہتا ہے کہ کامیابی کیلئے آجاؤ تو جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنے کا حکم ہے گویا بندہ خدا کے سپرد کرتا ہے کہ معصیت سے بچاؤ اور اطاعت پر آمادگی بلا خدا کے نہیں ہو سکتی، یعنی اللہ ہی مجھے نماز کیلئے آنے کی توفیق بخشے گا، بہر حال باللہ کو ثابت محذوف کے متعلق کریں گے الا حول میں حرف حصر کی حیثیت سے آئیگا اور گویا لا حول عن المعصیۃ الا ثابت باللہ ولا قوۃ علی الطاعة الا ثابت باللہ عن المعصیۃ، حول کے متعلق ہو کر لا کا اسم اور ثابت باللہ خبر لا اپنے اسم و خبر سے ملکر معطوف علیہ واو حرف عطف علی الطاعة قوۃ کے متعلق ہو کر لا کا اسم اور ثابت باللہ خبر لا اپنے اسم و خبر سے ملکر معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر جملہ معطوف ہوا، اور اگر ایک ہی جملہ مانیں تو لا نفی جنس، حول اسم مع اپنے متعلق عن المعصیۃ کے لا کا اسم لا اپنے اسم سے ملکر معطوف علیہ واو حرف عطف لا قوۃ لا نفی جنس قوۃ اپنے متعلق علی الطاعة سے ملکر اسم لا اپنے اسم سے ملکر معطوف اور لا قوۃ کا عطف لا حول پر عطف مفرد علی المفرد بنے گا اور خبر موحودان جس سے باللہ جڑے گا محذوف مانیں

گے گویا دونوں اسم ہمزہ مبتدا کے اور موجودانِ خبر ہو کر جملہ ہو جائیگا، اور اگر موجودہ مفرد خبر مانیں جیسا کہ شرح جامی میں ہے وہ بھی چل جائے گا کیوں کہ حَوْل اور قُوَّة اگر چہ دو اسم ہیں لیکن لاشئ من ہذین الامورین موجود کی تاویل میں ہو جائے گا۔

تنبیہ بعض کتابوں میں اَلَا بِاللّٰہ سے پہلے لَا اَحَدٌ مانا ہے پھر اس کو مستثنیٰ منہ بنایا ہے جو غلط ہے کیونکہ پھر لَا اَحَدٌ لَا مَعْنٰی کے ساتھ ہونے کے بجائے بِالْاَحَدِ سے بنے جب مستثنیٰ بنانا صحیح ہوگا چنانچہ بعض نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ کی عبارت اس طرح نکالی ہے لَا حَوْلَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ وَلَا قُوَّةَ عَلٰی الطَّاعَةِ بِاَمْدَادِ اَحَدٍ اِلَّا بِاَمْدَادِ اللّٰہِ اس میں باامداد احد مستثنیٰ منہ اور باامداد اللہ مستثنیٰ بکرتابانِ محذوف کے متعلق ہو جائیں گے۔ (۲) حَوْلٌ اور قُوَّةٌ دونوں کو ضمہ کی تونین کے ساتھ پڑھیں اس وجہ سے کہ لا دونوں جگہ بمعنی الیس ہے یا لا دونوں جگہ ملغی ہو جائیگا اور حَوْلٌ و قُوَّةٌ مبتدا ہو سکی وجہ سے مرفوع ہوں گے یہ صورت ناجائز ہوتی ہے بظاہر کیونکہ لا کے اسم میں رفع اور تکریر جب ٹھیک ہے جو وہ اسم معرفہ اور مفعول دونوں ہوں یا ایک ہو ان میں سے اور یہاں نہ معرفہ ہونہ مفعول **جواب** اَبَغِيْرِ اللّٰہِ حَوْلٌ و قُوَّةٌ سوال کے جواب میں آنے کی وجہ سے خلاف قیاس یہ صورت جائز کر دی گئی تاکہ جواب اپنے سوال کے مطابق ہو جائے شرح جامی ص ۱۶۶)۔

سوال۔ حَوْلٌ اور قُوَّةٌ نکرہ ہوتے ہوئے مبتدا کیسے ہو جائیں گے۔

جواب۔ نکرہ اگر محذوف الصیغہ ہو تو مبتدا بن سکتا ہے چنانچہ حَوْلٌ کی صفت عن المعصية ہے اور قُوَّةٌ کی صفت الطاعة ہے۔
تنبیہ۔ دھیان رہے کہ لا اور اَلَا صرف حصر پیدا کرنے کیلئے ہیں باقاعدہ استثناء کے لئے نہیں در نہ اشکال ہوگا کہ اَلَا بِاللّٰہ کو خبر کہتے ہو اور مستثنیٰ بھی حالانکہ مستثنیٰ کلامِ مکمل ہونے کے بعد آتا ہے اور جملہ اسے مبتدا خبر دونوں سے ہی مکمل بنتا ہے تو استثناء کیسے صحیح ہو انیز اَلَا بِاللّٰہ مستثنیٰ فقط اس صورت میں ہے جب اس سے پہلے بِالْاَحَدِ ہو ورنہ براہِ راست خبر بنے گا نہ یہ کہ مستثنیٰ پہلے اپنے مستثنیٰ منہ سے ملے گا پھر خبر کہیں گے، پھر اس میں کوئی تضاد نہیں کہ کہیں خبر اَلَا بِاللّٰہ کو کہا اور کہیں موجود یا موجودان کو کیوں کہ یہ آپس میں متعلق اور متعلق ہیں ایک کا ذکر دوسرے کو لازم ہے اور خبر واقعہ دونوں ہی نہیں گے۔ (۳) حَوْلٌ پر ایک زبر اور قُوَّةٌ پر ضمہ کی تونین پڑھیں اب اول لائقی جنس ہوگا اور دوسرا لائقی زائدہ اور قُوَّةٌ کا مرفوع ہونا حَوْلٌ کے محل بعید پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

فائدہ : کسی بھی کلمہ کا محل بعید تو وہ ہوتا ہے جو تازہ اور جدید عامل سے پہلے اس کا محل تھا اور اب نیا عامل آنے پر جو حالت اعرابی اس کی ہوتی ہے اس کو محل قریب کہتے ہیں چنانچہ لائقی جنس لگنے سے پہلے یہ کلمات محل رفع میں سمجھے جائیں گے کیونکہ بلا الا کے مبتدا ہوں گے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے لہذا ان کا محل بعید رفع ہے اور لا کے لگنے کے بعد لائقی جنس کا اسم منیٰ برفتحہ ہوتا ہے تو محل قریب مفتوح ہوتا ہے تو ہم قُوَّةٌ کا عطف محل بعید پر کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے اس صورت میں بھی چاہے الگ الگ خبر مان کر دو جملے کر لویا بس اَلَا بِاللّٰہ کو دونوں کی خبر بنا لو پھر اَلَا بِاللّٰہ کا متعلق چاہے موجودان مان لو چاہے صرف موجودہ، کما مر

فی الصورة الاولى۔ (۴) یہ تیسری صورت کے برعکس ہے کہ اول پر ضمہ کی تئوین اور دوسرا بتی بر فتح ہو اس میں اول لا معنی لیس کہیں گے اور دوسرا لافنی جنس کے لئے ہو جائے گا۔ (۵) لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ، اول مئی بر فتح اور دوسرا منصوب معرب یعنی حَوْلَ پر ایک زبر قُوَّةَ پر دو زبر پڑھیں گے اول لا نفی جنس مانا جائے یگا اور دوسرا لا ملتی ہوگا اور قُوَّةَ کا عطف حَوْلَ کے محل قریب پر ہوگا حَوْلَ کا محل بیا و رفع ہے اور قریب مئی علی الفتح۔

سوال۔: جب قُوَّةَ کا عطف حَوْلَ کے محل قریب پر ہے تو قُوَّةَ کو بھی حَوْلَ کی طرح مئی علی الفتح ہو یعنی ایک زبر والا کے ساتھ پڑھو منصوب دو زبر کیوں پڑھتے ہیں؟

جواب۔: حَوْلَ کا مئی بر فتح ہونا اور مئی چیزوں کی طرح نہیں کہ حَوْلَ کا یہ اعراب فطری اور پیدائشی ہو جیسے کہ هُوَ لاءِ کا زبر ہے بلکہ لاءِ کی وجہ سے لاءِ کے داخل ہونے کے بعد حَوْلَ مئی بر فتح ہوا ہے تو جیسے معرب پر کسی عامل کی وجہ سے اعراب آتا ہے اس کی طرح مئی حَوْلَ کا فتح ہے تو اس میں معرب کی بو ہے اس بو کی وجہ سے اس پر معطوف ہونے والے کو معرب کا اعراب دیا ہے یعنی منصوب اور دو زبر والا کر دیا گیا تو قُوَّةَ مفتوح نہیں پڑھا جائیگا بلکہ منصوب پڑھا جائے گا۔

سوال۔: مفتوح اور منصوب میں کیا فرق ہے۔

جواب۔: مئی کے اعراب کو فتح کہتے ہیں اور معرب کے اعراب کو نصب کہتے ہیں فتح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک زبر پڑھیں گے اور نصب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دو زبر پڑھیں جائیں گے۔

سوال۔: خود حَوْلَ کو جس پر براہ راست لا داخل ہو رہا ہے اس میں یہ اعرابی بو کیوں نہ مان کر اسے منصوب اور دو زبر کے ساتھ نہ پڑھ دیا **جواب**۔: قواعد زبان کے تابع ہوتے ہیں زبان تابع نہیں ہوتی اہل عرب حَوْلَ کو مفتوح اور قُوَّةَ کو منصوب قواعد کے بننے سے پہلے ہی پڑھتے تھے تو اس کے مطابق کوئی قاعدہ تلاش کرنا تھا جس کو اہل نحو نے کھینچ کر کے آخر نکالا ہی ہے۔ لہذا ہمیں نحوین کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

سبق بست و ششم

پنجم حروف فدا و آں پنج است یا و آیا و ہیا و آئی و همزہ مفتوحہ و این حروف
مناد کی مضاف را نصب کنند چون یا عَبَدَ اللّٰہِ و مشابہ مضاف را چون یا طَالَعًا جَبَلًا و نکرہ غیر معین را
چنانکہ اَعْمَى گوید یا رَجُلًا خَذَّ بِيَدِي و منادی مفرد معرفتی باشد بر علامت رفع چون یا زَيْدٌ و یا
زَيْدَانٍ و یا مُسْلِمُونَ و یا مُوسَى و یا قَاضِيٌ بدانکہ آئی و همزہ برائے نزدیک است و آیا و
ہیا برائے دور و یا عام است۔

ترجمہ۔ پانچویں حروفِ مد اور وہ پانچ ہیں یا اور لیا اور ضیا اور آئی اور ہمزہ مفتوحہ اور یہ حروفِ منادئ مضاف کو نصب کرتے ہیں جیسے **يَا عَبْدَ اللَّهِ** (اے اللہ کے بندے) اور **مِثَابَةً مِثَابَةً** (اے پہاڑ پر چڑھنے والے) اور **كَلِمَةً غَيْرَ مَعْنَى** کو جیسا کہ اندھا آدمی کہے **يَا زُجْلًا نَحْدُ بَيْدِي** (اے رے کوئی آدمی میرا ہاتھ پکڑ لے) اور منادئ مفرد معرفتی ہوتا ہے علامتِ رفع پر جیسے **يَا زَيْدُ** (اے زید) یا **يَا زَيْدَانُ** (اے دو زیدو) یا **يَا مُسْلِمُونَ** (اے مسلمانوں) یا **يَا مُؤْمِنِي** (اے مومن) یا **يَا قَاضِي** (اے قاضی)۔ جان تو کہ اے اور ہمزہ نزدیک کے لئے ہیں اور آیا اور ہیا دور کے واسطے ہیں اور یا عام ہے۔

حل مضمون۔ حروفِ منادئ بھی اسم میں عمل کرتے ہیں جو پانچ ہیں لیکن جس اسم میں عمل کریں گے وہ کئی طرح کا ہوتا ہے (۱) مفرد معرفہ ہو یعنی دو شرطیں اس اسم میں ہوں جس کو منادئ بنایا ہے مفرد ہونا، معرفہ ہونا، مفرد۔ سے مراد یہ ہے کہ وہ مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو یعنی مرکب نہ ہو وہ مفرد مراد نہیں جس کو تشبیہ اور جمع کے مقابلہ میں بولتے ہیں اور واحد کہتے ہیں لہذا جب مفرد سے مراد وہ ہے جو مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو تو یہ تشبیہ کے خلاف نہیں اگر کوئی منادئ تشبیہ اور جمع ہے تو وہ بھی مفرد کہلائے گا بہر حال جس منادئ میں یہ دو بات ہوں کہ وہ مفرد ہو اور معرفہ ہو تو اسے منادئ کا اعراب اسی طرح ہوگا جس طرح کہ اس کا اعراب منادئ بننے سے پہلے تھا یعنی اگر وہ کلمہ واحد ہو اور صحیح ہو یعنی حرف علت اس کے آخر میں نہ ہو تو اس کا اعراب ضمہ ہوگا جیسے **يَا زَيْدُ** میں زید کو معنی علی الضمہ پڑھیں گے منادئ بن جانے کے بعد کیونکہ قبل منادئ بننے کے بھی یہی اعراب تھا اور **يَا زُجْلًا** یہ بھی منادئ مفرد معرفہ ہے لیکن **يَا زَيْدُ** قبل النداء ہی جو معرفہ ہو اس کی مثال ہے اور **يَا زُجْلًا** بعد حرف النداء معرفہ کی مثال ہے اور اگر وہ کلمہ تشبیہ ہو یا جمع تو تشبیہ میں الف ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ اور جمع میں و ماقبل مضموم اور نون مفتوحہ اعراب ہوگا جیسا کہ منادئ بننے سے پہلے بھی اس کا یہی اعراب تھا جیسے **يَا زَيْدَانُ** اور **يَا زَيْدُونَ** اور اگر منادئ اسم مقصور ہو جس کے آخر میں الف مقصورہ ہوتا ہے جیسے موسیٰ تو اس کا اعراب الف کے آخر میں ہونے کی وجہ سے تقدیری اور فرضی ہوگا جیسے **يَا مُوسَى** اور اگر منادئ اسم مقوص ہو کہ اسکے لام کلمہ کی جگہ حرف علت ہو جیسے **يَا قَاضِي**۔ سبق بسم میں اس کے بارے میں جان چکے ہو کہ حالتِ رفعی اور جری میں اس کا اعراب تقدیری ہوتا ہے تو منادئ بننے کے بعد بھی اس کی حالتِ رفعی کا اعراب تقدیری ضمہ رہے گا جیسے **يَا قَاضِي** یعنی یا کو ساکن پڑھیں گے مگر حالتِ رفعی میں ہونے کی وجہ سے اس کا ضمہ تقدیری مانا جائیگا یہ سارا اعراب منادئ کے مفرد اور معرفہ ہونے کی صورت میں ہے اب اس کے برعکس تین صورتیں منادئ کی اور نکلیں گی (۱) منادئ صرف معرفہ ہو مفرد نہ ہو (۲) منادئ صرف مفرد ہو معرفہ نہ ہو (۳) منادئ نہ مفرد نہ معرفہ نہ ہو ان میں سے ہر ایک کے اعراب کو مع مثال بیان کرتا ہوں۔ اگر اول شکل ہے کہ منادئ معرفہ ہو مگر مفرد نہ ہو اور جب مفرد نہیں تو پھر مضاف یا شبہ مضاف ضرور ہوگا مضاف اور شبہ مضاف معرفہ ہوتا ہی ہے تو اس کا اعراب منصوب ہوتا ہے۔

سوال۔ نصب معرب کے اعراب کو کہتے ہیں حالانکہ دوسری شکل میں منادئ چاہے مضاف ہو یا شبہ مضاف ہو ایک ذرا آئیگانہ کہتے ہیں۔
جواب۔ بوجہ اضافت اور اضافت کی مشابہت کے تنوین نہ آئیگی جیسے **يَا عَبْدَ اللَّهِ** یہ منادئ مضاف کی مثال ہے اور **يَا طَالِبًا**

جَبَلًا یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے ان دونوں مثالوں میں منادی معرفہ تو ہے مگر مفرد نہیں ہے۔
سوال - مشابہ مضاف کے کہتے ہیں۔

جواب - کوئی کلمہ اپنے بعد دوسرے کلمہ کا اسی طرح محتاج ہو جس طرح مضاف اپنے مضاف الیہ کا ہوتا ہے چنانچہ گذشتہ مثال طالعاً جبلاً میں طالعاً شبہ مضاف ہے کیونکہ اس کے معنی ہے چڑھنے والے کے لیکن کس چیز پہ چڑھنے والا مکان یا سیڑھی یا پہاڑ اسکے ذکر آئے بغیر بات ادھوری اور ناقص رہتی ہے جب کہلا بولا تو بات سمجھ میں آئیگی بالکل ایسے ہی جیسے خالی غلام ادھوری بات ہے جب تک مضاف الیہ نہ آیا جب زید بڑھادو گے تو سننے والے کی بے قراری ختم ہو جائیگی۔ کہ فلاں یعنی زید کا غلام ہے۔
دوسری شکل - یہ ہے کہ منادئ صرف مفرد ہونے کے معرفہ یعنی نہ مضاف ہے اور نہ شبہ مضاف اور بجائے معرفہ کے نکرہ ہو جیسے یا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي (اے کوئی آدمی میرا ہاتھ پکڑ لو) جب یہ بات اور مقولہ اندھے کے منہ سے نکلے کیونکہ اندھا بوجہ بنا پینا ہونے کے بغیر پچھانے اَلْكَلْبُ کسی سے بھی اپنے سنبھالنے کی درخواست۔ کر رہا ہے لہذا باوجود حرف ندا داخل ہونے کے رَجُلٌ پر معرفہ نہیں بنے گا اس کا اعراب بھی مثل اول شکل کے منصوب ہوتا ہے۔

تیسری شکل - یہ ہیکہ منادی نہ مفرد ہونے معرفہ ہو جس کی مثال یا طَالِعًا جَبَلًا بھی بن سکتی ہے جبکہ پہاڑ پر چڑھنے والے سے کوئی متعین شخص مراد نہ ہو اس طرح کہ بغیر پچھانے ہی آواز لگائیں "وہ پہاڑ پر چڑھنے والے" اب یہ نکرہ کے حکم میں ہو جائے گا اور جب نکرہ ہو گیا تو معرفہ نہ رہا اور چون کہ مشابہ مضاف ہے اس لئے مفرد بھی نہ رہا۔ تو یہ ایسا منادئ ہو گیا کہ نہ مفرد ہے نہ معرفہ اس کے علاوہ ایک اور مثال کتابوں میں آتی ہے یا حَسَنًا وَجَهَةً ظَرِيفًا اکہیں بھی منادئ نہ معرفہ ہے اور باوجود شبہ مضاف ہونے کے نکرہ کے حکم میں ہے۔ اور مفرد بھی نہیں ہے کیوں کہ مشابہ مضاف ہے۔

سوال - شبہ مضاف کیسے ہے۔

جواب - حَسَنًا اُدْهَوْرًا ہے جب تک اس کے بعد وہ چیز ذکر نہ کر دیں کس کے حَسَن کو تہل یا جا رہا ہے جیسے کہ یہاں پر ہے۔

سوال - یہ نکرہ کے حکم میں کیسے ہے جبکہ شبہ مضاف ہے۔

جواب - ظَرِيفًا کو نکرہ کی شکل میں لا کر اس کی صفت بنا نا دلیل ہے کہ متکلم کے نزدیک حَسَنًا وَجَهَةً سے کوئی متعین مراد نہیں ہے ورنہ صفت بشکل معرفہ الظرف بولتا۔ اسی لئے ضروری ہے کہ اگر حَسَنًا وَجَهَةً سے متعین مراد ہو تو اس کی صفت معرفہ لا دیں (کنذانی شرح الجامی)۔

فَعْنَدَ: حروف ندا کا عمل خود ہے یا یہ جس کی جگہ پہ ہے یعنی اَدْعُوْا وَغَيْرَ وَهِيَ اَلْحُ

منادئ میں عمل کرتا ہے اکہیں تین قول ہیں (۱) عندیسیویہ و جمہور نحوات اصل عامل وہ ادعو ہے جس کی جگہ یا حرف ندا آتا ہے (۱) مبر و نحوی کہتے ہیں کہ خود یا حرف ندا اپنے آپ عامل ہے (۳) ابوعلی نحوی کہتے ہیں کہ یا اسم فعل ہے جس کے معنی اَدْعُوْا کے ہیں یعنی ایسا اسم ہے جو فعل کے معنی دیتا ہے جیسے رُوِيْدًا ، بَلَدًا ، اسماء افعال اسم ہو کر فعل کے معنی دیتے ہیں۔

سبق بست و ہفتم

فصل دوم: در حروف عاملہ در فعل مضارع و آن بردو قسم است (قسم اول) حروفیکہ فعل مضارع را نصب کنند و آن چہار است اول آن چون اُرِيْدُ اَنْ تَقُوْمَ وَاَنْ يَفْعَلَ بمعنی مصدر باشد یعنی اُرِيْدُ قِيَامَكَ و بدیں سبب اور مصدر یہ گویند (دوم) لَنْ چون لَنْ يَخْرُجَ زَيْدٌ و لَنْ برائے تاکید نفی است (سوم) كُنِّي چون اَسْلَمْتُ كُنِّي اَدْخَلَ الْجَنَّةَ (چہارم) اِذْنٌ چون اِذْنٌ اَكْرِمَكَ در جواب کسیکہ گوید اَنَا اِلَيْكَ غَدًا و بدیں کہ اَنْ بعد از شش حروف مقدر باشد و فعل مضارع را نصب کند، حَتَّى، نَحْوَ مَرَرْتُ حَتَّى اَدْخَلَ الْبَلَدَ، و لام جَحَدٌ، نَحْوَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ، وَاَوْ بِحَتَّى اَلِيْ اَنْ يَأْتِيَ اَنْ، نَحْوَ لَا تَزِمَنَّكَ اَوْ تُعْطِيْنِي حَقِّي، و وَاَوْ اَلصَّرْفَ، و لام كُنِّي، و فاء، کہ در جواب شش چیز است امر، و نہی، و نفی، و استفہام، و تمنی، و عرض، و اَمْثَلُهَا مَشْهُورَةٌ۔

توجہ۔ دوسری فصل ایسے حروف کے بیان میں جو فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں اور وہ دو قسم پر ہیں (قسم اول) ایسے حروف جو کہ فعل مضارع کو نصب کرتے ہیں اور وہ چار ہیں، (۱) اَنْ جیسے اُرِيْدُ اَنْ تَقُوْمَ (چاہتا ہوں یہ کہ تو کھڑا ہو جاوے) اور اَنْ فعل کے ساتھ مصدر کے معنی میں ہو جاتا ہے یعنی اُرِيْدُ فِیْ اَمْرِكَ (چاہتا ہوں میں تیرے کھڑے ہونیکو) اور اسی وجہ سے اس کو مصدر یہ کہتے ہیں (۲) لَنْ جیسے لَنْ يَخْرُجَ زَيْدٌ (ہرگز نہیں باہر جائیگا زید) اور لَنْ نفی کی پختگی کیلئے ہے (۳) كُنِّي جیسے اَسْلَمْتُ كُنِّي اَدْخَلَ الْجَنَّةَ (مسلمان ہوا میں تاکہ جنت میں داخل ہو جاؤں) (۴) اِذْنٌ جیسے اِذْنٌ اَكْرِمَكَ (تو اکرام کروں گا میں تیرا) ایسے آدمی کے جواب میں جو کہے اَنَا اِلَيْكَ غَدًا (میں آئندہ کل تیرے پاس آؤنگا) اور جان تو کہ اَنْ چھ حروف کے بعد چھپا ہوا ہوتا ہے اور فعل مضارع کو نصب کرتا ہے (۱) حَتَّى جیسے مَرَرْتُ حَتَّى اَدْخَلَ الْبَلَدَ (گذرتا رہا میں یہاں تک کہ شہر میں اندر داخل ہو گیا میں) (۲) لَمْ جیسے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ (اللہ بالکل سزا نہ دیوے گا ان کو) (۳) اَوْ جِوَالِيْ اَنْ يَأْتِيَ اَنْ، کے معنی میں ہو جیسے لَا تَزِمَنَّكَ اَوْ تُعْطِيْنِي حَقِّي (میں چٹا رہوں گا جھکو یہاں تک کہ دے تو مجھکو میرا حق) (۴) وَاَوْ صرف کے بعد (۵) لَمْ كُنِّي کے بعد (۶) ایسے فاء کے بعد جو چھ چیزوں کے بعد آتا ہے یعنی امر، و نہی، و نفی، و استفہام، و تمنی، و عرض، اور ان کی مثالیں مشہور ہیں۔

حل مضمون: حروف عاملہ کا بیان چل رہا ہے یہاں سے ایسے حروف عاملہ کا بیان ہے جو فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں۔
سوال۔ ال نحو کو فعل سے کیا مطلب؟ وہ تو اسم معرب سے بحث کرتے ہیں۔ جواب۔ چونکہ فعل مضارع بھی اکثر صیغوں کے اعتبار سے معرب ہے اسلئے نحوی حضرات اس سے بھی بحث کرتے ہیں اور کلمہ کے آخری حرف سے مضارع میں بھی واسطہ

پڑتا ہے کہ کب مرفوع پڑھیں کب منصوب؟ یاد رہے کہ مضارع پر اگر نصب اور جزم دینے والا کوئی کلمہ نہ آوے تو وہ مرفوع ہوتا ہے اور اگر نصب دینے والا آئے تو منصوب ہوگا اور اگر جزم دینے والا آئے تو وہ مجزوم ہوگا سب سے پہلے ان حروف کو بیان کرتے ہیں جو مضارع کو نصب دیتے ہیں جو چار ہیں (اول) اُن ہے بمعنی یہ اس کا لفظی عمل یہ ہے کہ جو کلمے بغیر نون والے ہیں ان کا آخر اس سے منصوب ہوگا اور جن کے آخر میں نون اعرابی ہو ان سے نون گرا دیکر اور جن میں نون نون مٹی ہے جیسے صیغہ جمع مکتوف غائب اور حاضر ان میں اس کا کچھ بھی عمل ظاہر نہ ہوگا اور معنی عمل یہ ہے کہ یہ اُن مضارع کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے اُرِيْدُ اَنْ تَقُوْمَ (چاہتا ہوں میں کہ کھڑا ہوے تو) اسمیں اُن کی وجہ سے تَقُوْمَ فعل مصدر قِيَامَ کے معنی میں ہو جائیگا اور جو ضمیر اَنْتَ متصل اس میں پوشیدہ ہے اسکو ضمیر متصل كَ سے بدل کر قِيَامَ کا مضاف الیہ بنادیں گے اور عبارت اُرِيْدُ قِيَامَكَ ہو جائیگی۔ سوال۔ اَنْ فعل کو مصدر کے معنی میں کیوں کرتا ہے۔ جواب۔ چونکہ تَقُوْمَ اُرِيْدُ کا مفعول ہے اور مفعول اسم ہوا کرتا ہے نہ کہ فعل اس لئے مصدر کی تادیل میں کر لیتے ہیں تاکہ تقوم کا مفعول بنا دوسرے ہو سکے چنانچہ قیامک مرکب اضافی ہو کر اُرِيْدُ کا مفعول ہو جائیگا (۲) اَنْ بمعنی ہرگز، اس کا لفظی عمل تو وہی اَنْ والا ہے البتہ معنوی عمل یہ ہے کہ مضارع کو حال کے زمانہ سے نکال کر خالص مستقبل کیلئے کر دیتا ہے نیز نفی کیلئے ہوگا اور نفی بھی وہ جو متوکدہ اور پختہ ہو جیسے لَنْ يَخْرُجَ زَيْدٌ (زید ہرگز نہیں نکلے گا) (۳) كَتِيَّ بمعنی تاکہ، یہ بھی مضارع کو وہی عمل دیتا ہے جو اَنْ دیتا ہے اور یہ سب سے لئے ہوتا ہے یعنی اس سے پہلے کی عبارت اس کے مابعد کے لئے ذریعہ اور سبب ہوتی ہے جیسے اَسْلَمْتُ حَتَّى اَدْخُلَ الْجَنَّةَ (میں مسلمان ہوا تاکہ جنت میں داخل ہو جاؤں) (۴) اِذَنْ بمعنی تَبَّ اور اس وقت اس کا عمل اَنْ کی طرح ہے البتہ یہ کہ اِذَنْ جواب اور جزا کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور ہمیشہ مستقبل والے مضارع پر داخل ہوگا کیونکہ جواب و جزا زمانہ مستقبل میں پائی جانے والی چیز ہوتی ہے اس لئے جس مضارع پر یہ داخل ہوگا وہ صرف مستقبل کے لئے ہوگا۔ سوال۔ جواب جزا بننے کا کیا مطلب ہے؟ جواب۔ جیسے سوال کے بعد جواب آیا کرتا ہے اور شرط کے بعد جزا، اس طرح اِذَنْ سے پہلے والے چیز کے بعد وہ چیز آئیگی جو اِذَنْ کے بعد ہے جیسے کوئی کہے اِنَّا اَيْنَاكَ غَدًا (کہ میں کل آپ کے پاس آؤں گا) جس پر تم جواب میں کہو گے اِذَنْ اَكْرَمَكَ (تب تو میں آپ کی آؤ بھگت اور تواضع کروں گا)۔

بدانكہ - اَنْ بَعْدَ اِزْ شَشِ الْيَوْمِ - اَنْ كَبْحِي تَوْلَفُوْظُ هُوَ تَابِعٌ جِيْسَا كِهْ اُوْ رِ كْذَرَا اُوْر كَبْحِي مَقْدَرٌ - سَوَالٌ - مَقْدَرُ كَسِي كَتِي هِي - جَوَابٌ - جَوْزُ هِيْن مِيْن تُو هُوْ كَر عِبَارَت مِيْن نَدَاوِيْن بِيْر حَالِ چُوْ جَلْ مَقْدَرُ هُوَ تَابِعٌ هِي (۱) حَتَّى (بمعنی تاکہ، یہاں تک) کے بعد جیسے مَرَزْتُ حَتَّى اَدْخُلَ الْبَلَدَ (چلا میں یہاں تک کہ شہر میں اندر آ گیا) (۲) لَامٌ جَعْدُ كِهْ بَعْدَ جَعْدُ بِمَعْنَى اِنْكَارِ كَرْنَا اُوْر لَامٌ حَدَّ اس لام کو کہتے ہیں جو كَانَ مِنْفِيْهِ كِهْ بَعْدَ مَزِيْدِيْنِي كَرْنِي كِهْ لِيْنِي آوِي كِهْ جِيْسَا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ لِيُيَسِّرَ لَهُمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَفْرِوْنَ . یعنی دو شکلوں میں اللہ تعالیٰ اس امت کو عذاب نہیں دینے والے ہیں (۱) جبکہ حضور ﷺ ان میں موجود ہوں (۲) جب تک وہ استغفار کرنے والے ہوں بہر حال مَا كَانَ مِيْن لَفْظِيْنِي تَحِيْنِي لِيُعَذِّبَهُمْ مِيْن لَامِ لَا كَرَا سِي كِي تَا كِيْدَا وِر

پہنچلی کر دے کہ بالکل اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والا نہیں کہ عذاب دے جب تک آپ ﷺ ہیں یا وہ لوگ استغفار کر رہے ہیں۔ (۳) اَوْ بِمَعْنَىٰ اِلَىٰ اَنْ يَّا اِلَّا اَنْ :- یعنی ایسے آؤ کے بعد بھی جو الی اَنْ يَّا اِلَّا اَنْ کے معنی میں ہو لکن مقدر ہوتا ہے اَوْ تو صرف اَلَىٰ يَّا اِلَّا کے معنی میں ہوگا اور اس کے ساتھ جو اَنْ لگا رکھا ہے یہ وہی ہے جو مقدر ہوگا پورے الی اَنْ يَّا اِلَّا اَنْ کے معنی میں اَوْ نہیں ہوا کرتا ، تاکہ ایک اَنْ اور مان کر مکرر اَنْ نہ بن جائے۔ جیسے۔ لَا لَزْمَ لَكَ اَوْ تُعْطِيَنِي حَقِّي میں تجھے یقیناً لپٹائیں رہوں گا یہاں تک کہ یا مگر یہ کہ تو مجھ کو میرا حق دیدے اس مثال میں اَوْ کے بعد اَنْ مقدر ہے اصل عبارت اَوْ اَنْ تُعْطِيَنِي ہوگی (۴) وَاوِ الصَّرْفِ الخ. وَاوِ صرف کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوا کرتا ہے۔

سوال۔ وَاوِ صرف کس کو کہتے ہیں۔ **جواب۔** صرف کے لغوی معنی ہٹانے اور دفع کرنے کے ہیں کیونکہ جہاں یہ واؤ ہوتا ہے تو اپنے معطوف علیہ کے شروع میں آنے والی چیز کو اپنے معطوف کے اوپر آنے سے ہٹاتا اور منع کرتا ہے جیسے لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقِي وَتَأْتِي مِثْلَهُ : عَارَ عَلَيْكَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِيمًا ، (مت روک تو بری عادتوں سے اور کر رہا ہو تو انہی عادتوں کی طرح بڑی عار ہے تجھ پر جب کہ (ایسا) کرے تو) اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو بری عادتوں سے روکنا جب کہ خود انہیں جتلا ہو یہ بڑی شرم کی بات ہے اور قرآن کے خلاف ہے۔ اَتَيْنَا مُرُوءَ النَّاسِ بِالْبِرِّ وَتَسُونُ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ كَمَا تَمَّ لَوْ كُنْتُمْ كَاكْفَمٍ كَرْتُمْ هُوَ اَوْ خُودَ اَيْنِ اَبْ كُو بَهْوَلِي بِمِثْلِي هُوَ اَلَا نَكَمْ كَمَا كِتَابٍ پڑھتے ہو بہر حال و تَسَاتِي كَا وَاوِ وَاوِ صرف ہے کیونکہ یہ اپنے معطوف علیہ لَا تَنْهَ کے لا کو اپنے معطوف تَسَاتِي پر آنے سے روک رہا ہے یعنی بوجہ عطف لا کا دخول تَسَاتِي پر نہ مانیں گے ورنہ شعر کا مطلب غلط ہو جائے گا اور شاعر کا جو مقصد ہے وہ نہ رہیگا کیونکہ جب لَا تَسَاتِي پر داخل مان لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ بری عادتوں سے نہ روک اور تو ان بری عادتوں کو نہ کر رہا ہونہ کر نیکی صورت میں تو روکنا صحیح ہو جائیگا پھر عار کی کیا بات ہے ہاں خود بری عادتوں کو کرے اور دوسرے کو روکے یہ نفل ہے تَنْهَ اصل تنہی ہے نبی کا صیغہ مجزوم ہوتا ہے اس لئے الف گر گیا تنہی اَيْ بِمَعْنَى رُو كُنَّا تَسَاتِي اَتِي اَيْ تَسَاتِي اَيْ اَنَا سے بمعنی کسی چیز پر آنا اور اس کا ارتکاب کرنا عاز موصوف ہے عَظِيمٌ صفت ہے اِذَا فَعَلْتَ اَوْ رَعَلَيْكَ اَنْ كَيْجِ مِيں وزن شعر کی وجہ سے آگئے۔ بہر حال واؤ کے بعد تَسَاتِي سے پہلے اَنْ مقدر ہوگا نیز اس واؤ کا نام واؤ جمعیتہ بھی ہے کیونکہ یہ واؤ اپنے ماقبل و ما بعد کے مضمونوں کے جمع ہونے سے روکتا ہے کہ دلوں بات ایک زمانہ میں جمع نہ ہوں یعنی ایسا نہ کرو کہ وہ بھی کر لو جو واؤ سے پہلے ہے اور وہ بھی جو واؤ کے بعد ہے جیسے لَا تَسَاتِي اَكْلُ السَّمَكِ وَ تَشْرَبُ اللَّبَنَ كَمْ مَحَلِّي كَمَا اَنَا اَوْ دُو دُوہ پینا ایک ساتھ منع ہے۔ **سوال۔** اس واؤ کے بعد اَنْ کیوں مقدر ہوتا ہے۔ **جواب۔** واؤ سے پہلے جملہ انشائیہ ہوتا ہے اور واؤ کے بعد جملہ خبریہ ان کا عطف آپس میں صحیح کرنے کے لئے (کیونکہ جملہ خبریہ کا عطف انشائیہ پر ناجائز ہے) اَنْ مقدر مانا جاتا ہے تاکہ اَنْ کی وجہ سے فعل مصدر ہو جائے اور پھر اس مصدر کا عطف اس مصدر پر کر دیں جو واؤ سے پہلے جملہ انشائیہ سے بنایا جائے گا مثلاً مثال مذکور میں اَكْلُ السَّمَكِ اَوْ شَرْبُ اللَّبَنِ مصدر بنا لیں گے تاکہ آپس میں ان کا عطف درست ہو جائے چنانچہ لَا تَسَاتِي اَكْلُ السَّمَكِ الخ. جملہ لَا يَجْتَمِعُ بِنَكِ اَكْلُ السَّمَكِ وَ شَرْبُ اللَّبَنِ کے معنی میں

بن جائیگا کہ تجھ سے مچھلی کھانا اور دودھ کا پینا ایک ساتھ نہ پایا جانا چاہئے۔

فائدہ۔ واؤ الصرف کے بعد اُن جب مقدر مانا جائیگا جب دو بات اور شرطیں موجود ہوں (۱) واؤ کے ماقبل اور مابعد کے جملوں کے مضمون کا زمانہ ایک ہو یعنی واؤ صرف سے پہلے جو بات کہی گئی وہ اور جو واؤ کے بعد کہی گئی دونوں ایک زمانہ میں پائی جائیں (۲) یہ واؤ صرف چھ چیزوں میں سے کسی ایک کے بعد آدے وہ چھ یہ ہیں امر، ونہی، نفی، واستفہام، تمنی، و عرض، ان چھ میں سے ہر ایک کے بعد آسکی مثالیں ہی ترتیب یہ ہیں (۱) امر کے بعد جیسے زُرْبِي وَ اَكْرِمَكَ (۲) نفی کے بعد لا تَأْكُلِ السَّمَكِ وَ تَشْرَبِ اللَّبَنَ (۳) نفی کے بعد مَا قَاتَيْنَا وَ نَحَدَّثُنَا نہیں آتا تو ہمارے پاس جو تو ہم سے بات کر لیا کرے (۳) استفہام کے بعد جیسے۔ هَلْ عِنْدَكَ مَاءٌ وَ اَشْرَبْتَهُ (۵) تمنی کی مثال لَيْتَ لِي مَالًا وَ اَنْفَقَهُ (۶) عرض کی مثال اَلَا تَنْزِلُ بِنَا وَ تُصِيبُ خَيْرًا ان چھ مثالوں میں واؤ سے پہلے جملہ انشائیہ ہے بعد کا خبر یہ ہے ان کا عطف صحیح کرنے کیلئے واؤ کے بعد ان مقدر ہوگا اور واؤ کے بعد کا فعل بتا دیل مصدر ہو کر واؤ کے ماقبل کے جملہ سے بنے مصدر پر معطوف ہو جائیگا اور جیسا جملہ ہوگا مثبت یا منفی ویسے ہی عبارت نکالیں گے مثلاً زُرْبِي وَ اَكْرِمَكَ کی عبارت لِتَجْتَمِعَ مِنْكَ الزِّيَارَةُ وَ الْاِكْرَامُ مِنِّي یعنی تیری طرف سے ملاقات ہو جاوے تو میری طرف سے اکرام اور لا تاكل السمك و تشرب اللبن کی عبارت منفی ہوگی ای لا يَجْتَمِعُ مِنْكَ اَكْلُ السَّمَكِ وَ شُرْبُ اللَّبَنِ (تیری طرف سے مچھلی کھانا اور دودھ پینا اکٹھا نہ ہونا چاہئے) گویا کہ واؤ بمعنی مصاحبت ہوگا اور دو چیزوں کے اجتماع اور عدم اجتماع کے چاہے جانے کو ظاہر کرے گا چونکہ واؤ اصل عطف کیلئے ہوتا ہے مگر یہاں مصاحبت کے معنی کیلئے ہے اسی لئے بعض نے واؤ الصرف کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ یہ واؤ کو وضعی اور اصلی معنی مطلق جمع سے مصاحبت کی طرف پھیر رہا ہے اس لئے واؤ الصرف کہلاتا ہے۔ (۵) لام تھی وہ لام کہلاتا ہے جو کی سیبہ کے معنی میں آتا ہے یعنی یعنی تھی ہوگا اور اپنے ماقبل کو اپنے مابعد کے لئے سبب ہونا ظاہر کرے گا جیسے اَسْلَمْتُ لِاَدْخُلَ الْجَنَّةَ میں لام تھی ہے اور اسلام لانا دخول جنت کا ذریعہ ہے لام جحد اور لام تھی صورتاً تو ایک ہوتے ہیں لیکن لام جحد کا ان منفیہ کے بعد ملے گا، تَحْمَا مَرًا مِثَالُهُ، لام تھی کیلئے یہ ضروری نہیں دوسرے لام تھی علت اور سبب کے لئے ہوتا ہے اگر کلام سے گر گیا تو مطلب گڑبڑ ہو جائیگا لام جحد میں مطلب خلل میں نہیں پڑے گا کیونکہ نفی تو باقی رہے گی البتہ نفی کی تاکید اور چٹنگی نہیں بنے گی۔

وفا کہ در جواب شنش چیز الخ یعنی اس فاء کے بعد بھی اُن مقدر ہوتا ہے جو فاء دو باتوں والا ہو (۱) فاء کا ماقبل اسکے مابعد کے لئے سبب ہو (۲) فاء چھ چیزوں امر، ونہی، نفی، واستفہام، تمنی، و عرض، کے بعد آ کر ان کا جواب یا جزا بنے اس فاء کے بعد اُن مقدر ماننے کی وجہ وہی ہے جو واؤ میں گذری ہے کہ جملہ خبریہ کا انشائیہ پر عطف صحیح ہو سکے اور فاء کی مثال چھ کی چھ بعینہ وہی ہیں جو واؤ کی آپچی ہے صرف واؤ کی جگہ فاء رکھنا ہے۔ (۱) امر زُرْبِي فَ اَكْرِمَكَ اسکی اصل عبارت یوں ہے لَيْسَ مِنْكَ زِيَارَةٌ فَ اِكْرَامٌ مِنِّي (۲) نفی لَا تَشْرَبُ مِثَالُهُ فَ اَصْرَبُ اَي لَا يَكُنْ مِنْكَ شَرْبٌ فَضْرَبٌ مِنِّي (۳) نفی۔ مَا

تَأْتِينَا فَتَحْلِفْنَا اِي لَيْسَ مِنْكَ اِتْيَانٌ فَتَحْلِفُكَ اِي اِنَّا يَعْنِي تِيرِي طَرَفٍ سَے آنا نھیں ہوتا جو تیرا بات کرنا ہم سے ہو جاوے، یعنی آیا کرتا کہ تیری ہم سے بات ہوا کرے (۴) اسْتَقْبَامٌ، هَلْ عِنْدَكَ مَاءٌ فَا شَرَبْتَهُ اِي هَلْ يَكُونُ مِنْكُمْ مَاءٌ شَرِبْتُ مِئِي كِيَا تہاری طرف سے پانی ہو جائے گا تاکہ میرا پانی ہو جائے (۵) تَمْنِي، لَيْتَ لِي مَا لَا فَا نَبْفَقَهُ اِي لَيْتَ لِي ثَبُوتٌ مَا لِي فَا نَفَا قِي مِئِي كِيَا اچھا ہوتا کہ میرے لئے مال ہو جائے جس پر میرا خرچ کرنا ہو جاوے (۶) عَرْضٌ، جِيسَ اَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتَنْصِيْبُ خَيْرًا اِي اَلَا يَكُونُ مِنْكَ نَزْوُلٌ فَا صَابَةٌ خَيْرٌ مِئِي يَعْنِي تِيرِي طَرَفٍ سَے آنا كِيوں نھیں ہوتا جو تجھے میری طرف سے بھلائی پہنچ جائے یعنی آیا کرتا کہ میری بھلائی تجھے مل سکے ان سب مثالوں میں فاء سبب ہے اور فاء کا ما قبل ما بعد کیلئے سبب ہے اور جس طرح شرط پر جزا یا سوال پر جواب مرتب ہوتا ہے اسی طرح فاء کے ما قبل پر اسکے ما بعد مرتب ہوگا چنانچہ اول مثال میں زیارت پر اکرام اور دوسری میں گالی پر پٹائی اور تیسری میں آنے پر بات چیت اور چوتھی میں پانی ہونے پر اس کا پینا اور پانچویں میں مال ہونے پر خرچ کرنا اور چھٹی میں آنے پر خیر کو پہنچانا پایا جائیگا۔ تنبیہ۔ آپ نے جب یہ جان لیا کہ واو الصرف اور فاء دونوں کے بعد آن مقدر ماننے کے لئے ان سے پہلے چھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے تو بہتر تھا کہ صاحب نحو میر واو الصرف اور فاء دونوں کو ایک جگہ ذکر کرتے درمیان میں لام گسی آنے کے بجائے واو الصرف سے پہلے اسکا ذکر بہتر تھا اور ممکن ہے کہ کاتب سے یہ غلطی ہو گئی ہو۔

سبق بست و ہشتم

قسم دوم حروفیکہ فعل مضارع را بجزم کنند دآں پنج است لم، و لَمَّا و لَامٌ
 اَمْرٌ و لَائِ نَهِي و اِنْ شَرْطِيَه چوں لَمْ يَنْصُرْ و لَمَّا يَنْصُرْ و لَيْنَصُرْ و لَا تَنْصُرْ و اِنْ تَنْصُرْ اَنْصُرْ
 بدانکہ اِنْ در دو جملہ رود چوں اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ جملہ اول را شرط گویند و جملہ دوم را جزا و اِنْ
 برائے مستقبل است اگر چہ در ماضی رود چوں اِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ و اِنْبِجَا جَزَمَ تَقْدِيرِي بُوْدُ زِيْرَا كِه
 ماضی معرب نیست و بدانکہ چوں جزائے شرط جملہ اسمیہ باشد یا امر یا نہی یا دعا فادر جزا آوردن لازم بود
 چنانکہ گوئی اِنْ تَأْتِينِي فَالْتِ مُكْرَمٌ و اِنْ رَأَيْتَ زَيْدًا فَالْكِرْمَةُ و اِنْ اَتَاكَ عَمْرٌ فَلَا تُهِنُهُ و اِنْ
 اَكْرَمْتَنِي . فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا .

ترجمہ۔ دوسری قسم : جو حروف کہ فعل مضارع کو جزم کرتے ہیں اور وہ پانچ ہیں۔ لَمْ
 ، لَمَّا ، اَمْرٌ ، لَائِ نَهِي ، اِنْ شَرْطِيَه ، جِيسَ لَمْ يَنْصُرْ اور لَمَّا يَنْصُرْ اور لَيْنَصُرْ اور لَا تَنْصُرْ اور اِنْ تَنْصُرْ اَنْصُرْ
 . جان تو کہ اِنْ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے جِيسَ اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ اول جملہ کو شرط کہتے ہیں اور دوسرے جملہ کو جزا اور اِنْ

مستقبل کے لئے ہے اگرچہ ماضی پہ داخل ہو جیسے **إِنْ ضَرَبْتَ ضَرْبًا** اور یہاں جزم تقدیری ہوتا ہے کیونکہ ماضی معرب نہیں ہے اور جان تو کہ جب شرط کی جزا جملہ اسمیہ ہو یا امر یا نہی، یا دعاء، یا اسکی جزاء میں لانا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ بولے قرآن **تَأْتِيَنَّ فَأَنْتَ مُكْرَمٌ** (اگر تو میرے پاس آئے گا تو تو عزت کیا جائیگا) (یا خاطر تواضع کیا جائیگا) **وَإِنْ زَأَيْتَ زَيْدًا فَآخُورٌ** اور اگر تو زید کو دیکھے تو اسکی عزت اور آؤ بھگت کرے **وَإِنْ آتَاكَ عَمْرٌ و فَهَلَا تُهِنُّهُ** اگر عرد تیرے پاس آئیگا تو اسکی تو ہین مت کرنا **وَإِنْ آخُورْتَنِي فَبِعِزَّتِكَ اللَّهُ خَيْرٌ** اگر تو میرا اکرام کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے اچھا بدلہ دے گا

حل جملت - حروف جازمہ پانچ ہیں **لَمَ ، لِمَا ، لَامِ ، لَاءِ ، نَهْيِ ، اِنْ شَرْطِيهِ ، اِنْ** میں سے **لَمَ** اور **لَمَّا** دونوں لٹی کے معنی دیتے ہیں لیکن **لَمَ** سنی گزشتہ تمام وقت کی لٹی نہیں ہوتی جبکہ **لَمَّا** میں گزشتہ سے بولنے کے وقت تک کی لٹی سراد ہوتی ہے جیسے **لَمَ يَنْصُرْ زَيْدٌ** زید نے مدد نہیں کی اس میں یہ ظاہر نہیں ہے کہ کب مدد نہیں کی، بخلاف **لَمَّا يَنْصُرْ زَيْدٌ** اس کا ترجمہ ہوگا زید نے اب تک مدد نہیں کی یعنی تکلم کے بولنے تک مدد نہیں پائی گئی گزشتہ زمانہ سے لیکر یہ دونوں لفظاً تو مضارع کو جزم دیتے ہیں اور معنی مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیں گے کہ ترجمہ مضارع کا ماضی والا کرنا ہوگا ایک فرق دونوں میں یہ بھی ہے کہ **لَمَ** کا فعل حذف نہیں کر سکتے جبکہ **لَمَّا** کا حذف کرنا جائز ہے چنانچہ **لَمَ نَدِمَ زَيْدٌ** و **لَمَّا** کہہ سکتے ہیں (جو اصل میں **وَلَمَّا نَبَغَهُ النَّدَمَ** بنے گا) لیکن **نَدِمَ زَيْدٌ** و **لَمَ** نہیں کہا جاسکتا کبھی **لَمَّا** کے معنی میں آتا ہے نحو **اِنْ كَلَّمْتَهُ لَمَّا جَمِيعٌ لَدُنَّا** **مُحَضَّرُونَ**۔ **لَامِ** امر - وہ ہے جس سے کام کو طلب کیا جاوے جیسے **لِيَنْصُرَ** اسے مدد کرنی چاہئے اور یہ مکسور ہوا کرتا ہے لیکن اگر اس سے پہلے **وَاَوْعَاطِفَهُ** یا **فَاَمَّا يَأْتُمُ** آجائے تو ساکن بھی ہو جاتا ہے جیسے **فَمَنْ شَاءَ فَلْيُتَوِّ مِنْ** اور **لَمَ** لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ و **لْيُؤْفُوا** **نُدُورَهُمْ**۔ اس **لَامِ** کا ترجمہ چاہئے ہوتا ہے۔ **لَاءِ** نہی - وہ ہے جس سے کام کے چھوڑنے کو طلب کیا جاوے جیسے **لَا تَكْذِبْ** جھوٹ مت بول!

اِنْ شَرْطِيهِ - بمعنی اگر اس کے بعد دو جملے ہوتے ہیں اول کو شرط دوسرے کو جزا کہتے ہیں پہلا جملہ ہمیشہ فعلیہ ہوگا دوسرا اسمیہ اور فعلیہ کوئی سا بھی ہو سکتا ہے جیسے **اِنْ ضَرَبْتَ ضَرْبًا** اگر تو مارے گا تو میں ماروں گا **اِنْ** دو کام کرتا ہے (۱) لفظی عمل تو جزم دیتا ہے اور معنوی کام یہ ہے کہ مستقبل کے معنی میں کر دیا لیکن ماضی پہ داخل ہوگا اس کا جزم دیکھے گا نہیں محض فرضی اور فرضی ہوگا کیونکہ ماضی مبنی ہوتی ہے جسکا اولنا بدلنا نہیں ہوا کرتا البتہ مضارع میں اسکا جزم ظاہر ہوگا جبکہ مضارع ہی شرط و جزاء دونوں ہو یا مضارع صرف شرط بنے اور اگر ماضی شرط ہوگی اور مضارع جزا بن جاوے جیسے **اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرَبْتُ** میں تو ایسے مضارع میں رفع اور جزم دونوں درست ہیں۔ **اِنْ تَأْتِيَنَّ فَأَنْتَ مُكْرَمٌ** یہ جملہ اسمیہ کے جزا بننے کی مثال ہے جس پر فاء داخل ہوگا ترکیب یہ ہوگی **اِنْ** حرف شرط **تَأْتِيَنَّ** واحد مذکر حاضر مضارع کا **أَنْتَ** اس میں پوشیدہ فاعل **نُونِ** وقایہ می **مُكْرَمٌ** مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر شرط ہو جائے گا **فَ** جزا اسمیہ **أَنْتَ** مبتدأ **مُكْرَمٌ** خبر مبتدأ خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر جزا شرط اپنی جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزا اسمیہ ہو۔ **وَإِنْ زَأَيْتَ زَيْدًا فَآخُورٌ** : یہ امر پر **فَ** جزا اسمیہ کے داخل ہونے کی مثال ہے اس میں **زَأَيْتَ** زید فعل فاعل مفعول

ہے بل کہ شرطاً اگر مکمل فعل امر اپنے فاعل انک پوشیدہ اورہ مفعول بہ سے ملکر جملہ انشائیہ ہو کر جزا بن جائے گا پھر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو جائے گا۔ **وَإِنْ أَنَاكَ عَمْرٌ فَلَا تَهِنَنَّ**۔ یہ بھی پرف جزائیہ کے داخل ہونے کی مثال ہے اتنا فعل ک مفعول بہ عَمْرٌ فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط جزائیہ **لَا تَهِنَنَّ** کا واحد حاضر مع فاعل مفعول بہ سے ملکر جزاء شرط اپنی جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ **وَإِنْ أَكْرَمْتَنِي فَبِجْزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا** یہ دعاء پرف جزائیہ داخل ہونے کی مثال ہے ان حرف شرطاً اگر مکمل فعل با فاعل تون و قایہ کی مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ سے ملکر شرط جزائیہ **بِجْزَاكَ** ماضی واحد غائب ک مفعول بہ اللہ فاعل خیراً دوسرا مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے ملکر جزاء شرط جزا سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو جائے گا۔

سبق بست و نهم

باب دوم در عمل افعال

بدانکہ ہر فعل غیر عامل نیست و افعال در اعمال برو گوئی است **قسم اول معروف** بدانکہ فعل معروف خواہ لازم باشد یا متعدی فاعل را بر رفع کند چوں **قَامَ زَيْدٌ** و **ضَرَبَ عَمْرٌ** و شش اسم را نصب کند **اول مفعول مطلق** را چوں **قَامَ زَيْدٌ قِيَامًا** و **ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا** **دوم مفعول** **فِيهِ** را چوں **ضَمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** و **جَلَسْتُ فَوْقَكَ** **سوم مفعول** **مَعَهُ** را چوں **جَاءَ الْبُرْدُ وَالْجُبَابُ** ای **مَعَ الْجُبَابِ** **چهارم مفعول** **لَهُ** را چوں **قُمْتُ إِكْرَامًا** **لِزَيْدٍ** و **ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا** **پنجم حال** را چوں **جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا** **ششم تمیز** را وقتیکہ در نسبت فعل با فاعل ابہامی باشد چوں **طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا** **اسما فعل متعدی** مفعول بہ را نصب کند چوں **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا** **و ایں عمل فعل لازم را نباشد۔**

ترجمہ: دوسرا باب افعال کے عمل کے بیان میں جان تو کہ کوئی فعل غیر عامل نہیں ہے اور افعال عمل دینے میں دو قسم پر ہیں **پہلی قسم معروف** جان تو کہ فعل معروف چاہے لازم ہو یا متعدی فاعل کو رفع کرتا ہے جیسے **قَامَ زَيْدٌ** و **ضَرَبَ عَمْرٌ** اور چھ اسم کو نصب کرتا ہے **اول مفعول مطلق** کو جیسے **قَامَ زَيْدٌ قِيَامًا** و **ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا** **کھڑا ہے** **زید** **کھڑا ہونا** اور **مارا** **زید** نے **مارنا** **دوم۔ مفعول** **فِيهِ** کو جیسے **ضَمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** میں نے جمعہ کے روز روزہ رکھا و **جَلَسْتُ فَوْقَكَ** اور میں تیرے اوپر بیٹھا۔ **سوم۔ مفعول** **مَعَهُ** کو جیسے **جَاءَ الْبُرْدُ وَالْجُبَابُ** ای **مَعَ الْجُبَابِ** آئی سردی چوں سمیت یعنی **مخچوں کے۔ چھارم۔ مفعول** **لَهُ** کو جیسے **قُمْتُ إِكْرَامًا** **لِزَيْدٍ** اٹھا میں اکرام کے لئے **زید** کے اور **ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا** **مارا**

میں نے اس کو سلیقہ مند بنانے کے لئے۔ **پنجم۔ حال** کو جیسے جَاءَ زَيْدٌ زَاكِبًا آیا زید سوار ہونے کی حالت میں۔ **ششم۔ تمییز** کو جس وقت کہ فعل کے جوڑنے میں فاعل کے ساتھ کوئی پوشیدگی رہے جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا زید بڑھیا ہے اچھا ہے مزاج کے اعتبار سے **بہر حال فعل متعدی مفعول بہ کو نصب کرنا ہے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا** اور یہ عمل فعل لازم کا نہیں ہوگا۔

حل مضمون۔ یہاں سے حروف عالمہ سے فارغ ہونے کے بعد افعال عالمہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ **سادہ** کہ **ہیج فعل الف۔** جس فعل کی سب گردانیں آتی ہو ماضی مضارع امر نہی کی اس کو **فعل متصرف** کہتے ہیں یعنی گردان والے فعل اور اگر

صرف ماضی یا صرف ماضی مضارع کی گردان آتی ہے تو ایسے فعل کو **غیر متصرف** کہتے ہیں جیسے، عَسَى، كَانَتْ، اِيَسَى ہی جو فعل فاعل پر مکمل ہو جائے آگے خبر کا محتاج نہ ہو تو **فعل قائم** کہلاتا ہے جیسے **كَانَ مَطَرٌ** بارش ہوئی۔ اور اگر خبر کا محتاج ہو تو وہ

فعل ناقص کہلاتا ہے جیسے **تَكَانَ صَارَ** بہر حال افعال عمل دینے کے اعتبار سے دو طرح کے ہیں۔ (۱) **معروف فعل** معروف اس کو کہتے ہیں کہ جس کا فاعل اور کرنے والا ذکر کر دیا جائے چاہے اسم ظاہر کی شکل میں ہو وہ فاعل یا اسم ضمیر کی شکل میں

جیسے **ضَرَبَ زَيْدٌ بِمَا أَكْمَلَ خَالِدٌ** زید نے مارا خالد نے کھالیا اس میں کھانے اور مارنے جو دو فعل ہیں ان کا فاعل بھی زید اور خالد ذکر کر رکھے ہیں اسم ضمیر کی شکل میں فاعل کے ذکر کرنے کی مثال ہے **جَاءَ زَيْدٌ وَذَهَبَ** کہ زید آ کر چلا گیا اس میں زید فاعل

ہے اسم ظاہر کی شکل میں اور **ذَهَبَ** کا فاعل بھی معلوم ہے مگر اسم ضمیر کی شکل میں یعنی **هُوَ** جس سے مراد زید ہی ہے بہر حال **فعل معروف** کی تعریف سے فعل مجہول خود سمجھ میں آ گیا کہ کسے کہتے ہیں یعنی جب کسی فعل کا فاعل بتایا اور ذکر نہ کیا جائے تو وہ **فعل**

مجہول کہلاتا ہے جیسے **ضَرَبَ عَمْرٌ** عمر کی پٹائی کر دی گئی کس نے کی اس کا ذکر نہیں ہے تو یہ **مجہول** کہلائے گا ایسے ہی **أَكْبَلَ الرَّغِيْفُ** ردئی کھالی گئی مگر کس نے کھائی فاعل نہیں بتایا تو **ضَرَبَ** اور **أَكْبَلَ** فعل **مجہول** ہو گئے۔ **خواہ لازم**

باشد یا متعدی، فعل لازم۔ وہ ہے کہ اس کے وجود میں آنے کے لئے تنہا فاعل کافی ہو سکے کسی اور کی آگے ضرورت نہ رہے جیسے کھڑا ہونا بیٹھنا، سونا یہ تینوں کام انجام پائے جاسکتے ہیں تنہا فاعل ہی سے کھڑے ہونے اور بیٹھنے اور سونے میں وہ اور کا

محتاج نہیں ہے خود بخود اپنے آپ ہی وہ کھڑا ہو سکتا ہے بیٹھ سکتا ہے لیکن مارنا تنہا آپ نہیں ہو سکتا جب تک وہ نہ ہو جس کو مارے ایسے ہی کھانا جب ہوگا جب وہ چیز بھی ہو جس کو کھایگا تو جن افعال اور کاموں کے وجود میں آنے کے لئے علاوہ فاعل کے

کسی اور آدمی یا چیز کی ضرورت پڑے ان افعال کو **متعدی** کہتے ہیں چنانچہ ہنستا، رونا، جاگنا، بیمار ہونا، مرنا، سب فعل لازم ہیں اور لکھنا پڑھنا دیکھنا بلانا یہ فعل **متعدی** ہیں کہ جس چیز کو لکھے گا پڑھے گا یا دیکھے گا یا بلائے گا وہ جب تک نہ ہوں گے لکھتا پڑھتا بلاتا نہیں

ہو سکے گا۔ اسی بات کو اہل نحو یوں کہتے ہیں کہ جس فعل میں علاوہ فاعل کے مفعول بہ کی بھی ضرورت ہو تو وہ **متعدی** ہے ورنہ لازم ہے۔ **لازم اور متعدی کی وجہ تسمیہ۔** یہ ہے کہ **لَزِمٌ يَلْزِمُ لَزُوْمًا** کے معنی چمٹنے کے آتے ہیں کیونکہ فعل لازم

اپنے فاعل ہی کو چمٹا رہتا ہے اس سے گذر کر آگے مفعول بہ تک نہیں جاتا اس لئے فعل لازم کہلایا اور **متعدی۔ تَعَدَّى** بتعدی

تَعْدِيًّا سے بمعنی آگے بڑھنا گذرنا کیوں کہ فعل متعدی اپنے فاعل سے گذر کر آگے مفعول بہ تک چلا جاتا ہے اسلئے متعدی کہلا یا قَامَ زَيْدٌ وَ ضَرَبَ زَيْدٌ اول فعل لازم کی دوسری فعل متعدی کی مثال ہے تو فعل معروف چاہے لازم ہو چاہے متعدی یہ دونوں اپنے فاعل کو رفع کرتے ہیں۔۔۔ **وَشَفَّ اسْمٌ وَ ابْنَصِبَ الْفِعْلُ**۔ یعنی فعل معروف کوئی سا ہو لازم یا متعدی یہ دونوں فاعل کو رفع کریں گے اور چھ اسموں کو نصب کریں گے (۱) مفعول مطلق (۲) مفعول فیہ (۳) مفعول معہ (۴) مفعول لہ (۵) حال (۶) تمیزان کی سب کی تعریف آگے آئیگی اگلے سبق میں، بہر حال فعل متعدی فعل لازم والا عمل تو اس کا ہو گا ہی مزید اس کا عمل یہ ہے کہ ان چھ اسموں کے علاوہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے فعل لازم کا چونکہ مفعول بہ ہوتا ہی نہیں اس لئے مفعول بہ میں اس کا عمل کیسے ہو سکتا ہے۔

(۱) مفعول مطلق کی مثال قَامَ زَيْدٌ قِيَامًا اور ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا ان میں قَامَ فعل لازم ہے جس کا مفعول مطلق قِيَامًا بن رہا ہے اور ضَرَبَ فعل متعدی ہے جس کا مفعول مطلق ضَرْبًا ہے (۲) مفعول فیہ کی مثال ضَمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ جَلَسْتُ فَوْقَكَ چونکہ مفعول فیہ کہتے ہیں اس جگہ یا وقت کو جس میں وہ کام ہوا تو یَوْمَ الْجُمُعَةِ وقت کی مثال ہے کہ روزہ جمعہ کے دن ہوا اور فَوْقَكَ جگہ کی مثال ہے کہ بیٹھنا تیرے اوپر ہوا، جس لفظ سے جگہ بتلاتے ہیں اس کو ظرف مکان اور جس سے وقت بتلاتے ہیں اس کو ظرف زمان کہتے ہیں، مصنف نے مفعول فیہ اور باقی پانچ اسموں کی فعل متعدی کی مثالیں صرف مفعول مطلق اور مفعول لہ کی دی ہیں باقی چھوڑ دیں تاکہ مبتدی کا ذہن زیادہ مثالوں سے الجھن میں نہ پڑے۔ (۳) مفعول معہ۔ سردی چرخوں سمیت آئی یہ جَاءَ الْبُرْدُ وَ الْجُبَابُ کا ترجمہ ہے یعنی سردی جب آتی ہے تو جتے بھی اس کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں پہننے کیلئے اس میں الجبات سے پہلے جو داؤ ہے یہ مع اور ساتھ کے معنی میں ہے تو مفعول معہ وہ ہے جس کے ساتھ اور سمیت کوئی کام ہوا ہو جیسا کہ یہاں سردی کا آنا مع جتوں کے ہوا ہے۔

سوال۔ الجباب مفعول معہ ہے جو منصوب ہوتا ہے حالانکہ یہ مجرور ہے۔ **جواب**۔ یہ جمع مؤنث سالم ہے جسکی حالت نصی بوجہ جری کے تابع ہونے کے جر کے ساتھ ہوتی ہے لہذا بظاہر مجرور ہے لیکن فی الحقیقہ منصوب ہی ہے۔ (۴) مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو جیسے قُمْتُ إِكْرَامًا لِزَيْدٍ میرا کھڑا ہونا اس وجہ سے ہوا کہ زید کا اکرام کرنا تھا لِزَيْدٍ متعلق اکرام کے ہو کر قُمْتُ کا مفعول لہ بن جائیگا اور فعل متعدی کے مفعول لہ ہونگی مثال ضَرَبْتُ نَادِيًا ہے کہ ادب سلیقہ پیدا کرنے کے لئے مارنا ہوا اس میں ضمیر مفعول بہ اور نَادِيًا مفعول لہ ہو جائیگا (۵) حال وہ ہے کہ جو کسی کی حالت بیان کرے جیسے جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا کہ زید سوار ہو کر یا سوار ہوئیگی حالت میں آیا اس میں رَاكِبًا زید کی حالت جو درحقیقت اس کے آنیگی حالت ہے یعنی کہنے میں تو رَاكِبًا زید کا حال ہے مگر حقیقت میں جَاءَ کا حال ہے لیکن جَاءَ جُزْرًا ہے زید سے اور پھر جَاءَ سے جُزْرًا ہے رَاكِبًا اور دوست کا دوست دوست ہوتا ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ رَاكِبًا زید کا بھی حال ہے کیونکہ آنا حال بنا زید کا اور آنے کا حال بنا

راکبا تو پھر راکب کا حال ہو ہی جائے گا اور یہ اس لئے کہ رہے ہیں راکبا اور ماشیا (یعنی سوار اور پیدل ہو کر) یہ دو قسمیں زید کی نہیں ہیں بلکہ آنے کی ہیں لہذا ہم - (۶) تمیز، بمعنی مجد اور الگ کرنا، کیونکہ تمیز اپنے تمیز کے ابہام اور خفا کو دور کر دیتی ہے پھر تمیز جس چیز کا ابہام دور کرے گی یعنی اس کا تمیز دو قسم پر ہے (۱) **مميز مفرد** ہو جیسے تم کہ **عندی و عطل** (رطل چالیس تولہ یعنی آٹھ چھٹا تک ہوتا ہے) تو رطل کتنا ہوتا ہے یہ تو معلوم ہے کہ آٹھ چھٹا تک یعنی آدھا کلو جس برتن میں آجائے اس کو کہتے ہیں لیکن وہ ہے کس چیز کا بھرا ہوا اس میں ابہام ہے نہ معلوم تیل کا وہ ایک رطل یا گھی کا یا دودھ کا خالی اتنا کہہ دینا کہ میرے پاس ایک لیٹر ہے کافی نہیں جب تک آگے زیناً یا لبتاً یا سمناً (زیتون کا یا دودھ کا یا گھی کا) بول کر وضاحت نہ کرو گے جب تم رطل کے بعد زیناً لبتاً وغیرہ کہہ دو گے تو ابہام ختم ہو جائے گا۔ (۲) **مميز نسبت** ہو نسبت بمعنی تعلق اور جوڑ ہے جب ایک چیز کو دوسرے سے جوڑیں گے تو جس کو جوڑا اس کو منسوب اور جس سے جوڑا اس کو منسوب الیہ کہتے ہیں اور ان کے آپس میں جوڑنے کو نسبت بولتے ہیں تو بعض دفعہ جب ہم کسی چیز کو کسی سے جوڑتے ہیں تو یوں وقت رہتی ہے کہ اس نے جو اس کو اس سے جوڑا تو کس اعتبار سے جوڑا کیونکہ وہ جزا مختلف طریقے سے ہو سکتا تھا کیا پتہ کس چیز کو ذہن میں رکھ کر جوڑا جوڑ دیا ہو مثلاً تم زید کو اچھا کہو تو اس کو اچھا کہنا کئی اعتبار سے ہو سکتا ہے ایسے ہی تم زید کو برا کہو تو برا ہونے کو جو زید سے جوڑو گے اس میں ابہام ہے کیونکہ یہ کہنا کہ زید برا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس لئے برا ہو کہ چور ہے یا اس لئے کہ زانی ہے یا اس لئے کہ وہ شرابی ہے یا اس لئے کہ وہ ظالم ہے تو تم کہو گے **بنفس زید سارفاً یا ظالماً یا زانیاً** وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اچھا کہو گے زید کو تو وہ بھی مختلف لحاظ رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ بڑھیا مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ پڑوس کے اعتبار سے اچھا ہو ہو سکتا ہے کہ علم اور پڑھنے لکھنے میں اچھا ہو تو جب تم **طاب زید** کہو کہ زید اچھا ہے اس کے اس اچھائی کی وضاحت کی ضرورت رہے گی کہ وہ جو اراداً (پڑوس کے اعتبار سے) نفساً (مزاج کے اعتبار سے) علماً (علم کے اعتبار سے) کس لحاظ سے اچھا ہے تو جب **طاب زید** نفساً بات واضح ہو گئی کہ وہ اپنے مزاج و اخلاق کے اعتبار سے بڑھیا ہے تو یہاں طاب فعل کو زید اس کے فاعل سے جوڑنے اور نسبت کرنے میں جو ابہام آیا تھا نفساً نے اس کو دور کر دیا بہر حال صاحب نحو میر نے دوسری قسم کی تمیز جو نسبت سے ابہام دور کرتی ہے کا ذکر کیا ہے اور جو مفرد سے ابہام دور کرتی ہے جس کی مثال **عندی رطل زیناً** آچکی ہے بیان نہیں کی آگے سبق ہی ام (تیسویں) مفرد سے ابہام دور کرنے کا ذکر مع مثالوں کے آ رہا ہے۔ پھر یاد رہے کہ تمیز میں عمل کرنی والی چیز اول قسم میں تو وہ مفرد ہے جس کا ابہام دور کیا ہے یعنی تمیز کو نصب اپنے تمیز (جو مفرد) سے ہی آئیگا لیکن دوسری قسم میں فعل موجود ہے اسی سے تمیز کا نصب مانا جائے گا۔ پھر یہ مفرد جس سے نصب آیا اور تمیز کا **متمیز** کہلا یا اسم تام کہلاتا ہے اسم تام کو اسم تام کہنے کی وجہ باپ سوم در اسماء عالمہ کی دسویں قسم **اسم تام کو تمیز** یا **بنصب کند** کے تحت ان شاء اللہ آ رہی ہے۔ **فائدہ**۔ تمیز کی پہچان یہ ہے کہ اس کا اپنے متمیز کی جگہ آنا صحیح بنتا ہو جیسے **طاب نفس زید یا عندی رطل زینت** کہہ سکتے ہیں۔

سبق سی ام (تیسواں)

فصل بدانکہ فاعل اسمیت کہ پیش ازوے فعلی باشد سند بدان اسم بر طریق قیام فعل بدان اسم چون زید در **ضَرَبَ زَيْدٌ وَمَفْعُولٌ مَطْلُوقٌ** مصدریت کہ واقع شود بعد از فعلی و آن مصدر بمعنی آن فعل باشد چون **ضَرَبًا** در **ضَرَبْتُ ضَرَبًا وَقِيَامًا** در **قُمْتُ قِيَامًا** و **مَفْعُولٌ فِيهِ** اسمیت کہ فعل مذکور در واقع شود اورا ظرف گویند و ظرف بر دو گونه است ظرف زمان چون **يَوْمٌ** در **صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** و ظرف مکان چون **عِنْدَ** در **جَلَسْتُ عِنْدَكَ** و **مَفْعُولٌ مَعَهُ** اسمیت کہ مذکور باشد بعد و او بمعنی مع چون **وَالجُبَاتِ** در **جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَاتِ** ای **مَعَ الْجُبَاتِ** و **مَفْعُولٌ لَهُ** اسمیت کہ دلالت کند بر چیزے کہ سبب فعل مذکور باشد چون **اِكْرَامًا** در **قُمْتُ اِكْرَامًا لِزَيْدٍ** و **حَالٌ اسْمِي** است نکرہ کہ دلالت کند بر بیانات فاعل چون **رَاكِبًا** در **جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا** یا بر بیانات مفعول چون **مَشْدُودًا** در **ضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا** یا بر بیانات هر دو چون **رَاكِبِيْنِ** در **لَقِيْتُ زَيْدًا رَاكِبِيْنِ** و فاعل مفعول را ذوالحال گویند و آن غالباً معرفہ باشد و اگر نکرہ باشد حال را مقدم دارند چون **جَاءَ نَبِيٌّ رَاكِبًا رَجُلٌ** و حال جملہ نیز باشد چنانچہ **رَايْتُ الْاَمِيْرَ وَهُوَ رَاكِبٌ**.

ترجمہ عبارت - جان تو کہ فاعل ایسا اسم ہے کہ اس سے پہلے ایک فعل ہو جڑ رہا ہو وہ فعل اس اسم کے ساتھ فعل کے قائم ہونے کے طریقے پر اس اسم کے ساتھ جیسے زید ہے **ضَرَبَ زَيْدٌ** میں اور **مَفْعُولٌ مَطْلُوقٌ** ایسا مصدر ہے کہ جو اوے کسی فعل کے بعد اور وہ مصدر اسی فعل کے معنی میں ہو جیسے **ضَرَبًا** ہے **ضَرَبْتُ ضَرَبًا** میں و **قِيَامًا** ہے **قُمْتُ قِيَامًا** میں اور **مَفْعُولٌ فِيهِ** ایسا اسم ہے کہ (اس سے پہلے) ذکر کیا ہو فعل اس میں پایا جاوے اور اس کو ظرف کہتے ہیں اور طرف دو قسم پر ہے **ظرف زمان** جیسے **يَوْمٌ** ہے **صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ** میں اور **ظرف مکان** جیسے **عِنْدَكَ** ہے **جَلَسْتُ عِنْدَكَ** میں اور **مَفْعُولٌ مَعَهُ** ایسا اسم ہے کہ جو ذکر کیا گیا ہو ایسے واؤ کے بعد جو مع کے معنی میں ہو جیسے **وَالجُبَاتِ** ہے **جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَاتِ** ای **مَعَ الْجُبَاتِ** میں اور **مَفْعُولٌ لَهُ** ایسا اسم ہے کہ بتلائے ایسی چیز کو کہ جو فعل مذکور کی وجہ ہو جیسے **اِكْرَامًا** ہے **قُمْتُ اِكْرَامًا لِزَيْدٍ** میں اور حال ایسا اسم ہے کہ نکرہ ہو بتلاتا ہو فاعل کی حالتوں کو جیسے **رَاكِبًا** ہے **جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا** میں یا مفعول کی حالتوں کو جیسے **مَشْدُودًا** ہے **ضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا** (مارا میں نے زید کو باندھ کر) میں یا دونوں کی حالتوں کو جیسے **رَاكِبِيْنِ** ہے **لَقِيْتُ زَيْدًا رَاكِبِيْنِ** میں (ملا میں زید سے دریاں حالیہ ہم دونوں سوار تھے) میں اور فاعل اور مفعول کو ذوالحال کہتے ہیں اور وہ یعنی ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور اگر (کبھی) نکرہ ہوتا ہے تو حال کو پہلے رکھتے ہیں جیسے **جَاءَ نَبِيٌّ رَاكِبًا رَجُلٌ**

(آیا میرے پاس سوار ہو کر ایک مرد) اور حال جملہ بھی ہوتا ہے جیسے زَائِبُ الْأَيْسَرِ وَهُوَ أَرَاكِبٌ (دیکھا میں نے بادشاہ کو دریاں حالیکہ وہ سوار تھا)

حل مضمون

فاعل اسمیت النخ: فاعل کی تعریف کر رہے ہیں کہ فاعل ایسا اسم ہے کہ جس سے پہلے کوئی فعل ہو اور وہ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو اسم کو فاعل مجازاً کہہ دیا کیونکہ حقیقت میں اسم کا مستثنیٰ فاعل بنتا ہے نہ کہ خود وہ اسم جیسے زید اسم ہے مگر اس سے ذت زید مراد ہے خود زید، د سے مرکب لفظ یا اسم مراد نہیں ہے، بہر حال فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں جہاں فعل فاعل ہوں گے وہاں وہ فعل اس فاعل سے جڑے گا یا وہ فاعل اس فعل کا کرنے والا سمجھا جائے گا لیکن فعل کے اپنے فاعل کے ساتھ جڑنے کی دو شکلیں ہیں (۱) بر طریق قیام۔ (۲) بر طریق صدور، فعل لازم میں تو یہ جڑنا اپنے فاعل کے ساتھ بر طریق قیام ہوگا اور فعل متعدی میں بر طریق صدور ہوگا۔ سوال بر طریق قیام اور بر طریق صدور کا کیا مطلب ہے؟ جواب قیام کے معنی ہیں ٹھہرنا ٹھہرنا اور صدور کے معنی ہیں نکلنا اگر فعل اپنے فاعل ہی کے ساتھ قائم کیا ٹھہر گیا آگے نہ بڑھا جیسے مَاتَ یا مَرَضَ یا نَامَ زَيْدٌ کہ زید مر گیا یا بیمار ہو گیا یا سو گیا ان میں موت، بیماری اور سونا، مرنے والے بیمار ہونے والے اور سونے والے کے ساتھ قائم اور تھا ہوا ہے آگے کسی اور کی طرف نہیں بڑھے تو یہاں یہ چیزیں اپنے فاعل کے ساتھ بر طریق قیام پائی جا رہی ہیں اور یہ ایسا ان فعلوں میں ہوتا ہے جو لازم ہوں اور مفعول بہ کے محتاج نہیں اور اگر وہ فعل یا کام فاعل سے نکل کر آگے کسی اور چیز یا شخص تک پہنچے تو اس کو بر طریق صدور کہیں گے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا یا أَكَلَّ زَيْدٌ رَغِيْفًا (زید نے روٹی کو کھایا) تو مارنا اور کھانا زید سے نکل کر عمر اور روٹی پر پڑ رہے ہیں اور یہ ان فعلوں میں ہوگا جو متعدی ہوتے ہیں **مفعول مطلق** وہ مصدر کہلاتا ہے جو کسی فعل کے بعد آوے اور ہو بھی اسی فعل کے معنی میں جس کے بعد آ رہا ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا مِثْلَ ضَرْبِ مَرِيءٍ اور اپنے سے پہلے فعل ضَرَبْتُ ہی کے معنی میں ہے، لہذا اس کو مفعول مطلق کہیں گے سوال ضَرْبًا مِثْلَ ضَرْبِ مَرِيءٍ فعل کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ فعل سے تو بیک وقت تین چیزیں سمجھ میں آتی ہے (۱) مصدری معنی یعنی مارنا یا پڑھنا لکھنا جو اصل مصدر کے معنی ہوتے ہیں جس سے فعل بنتا تو ہر فعل میں ایک تو اپنے مصدر کے معنی ہوتے ہیں چنانچہ ضَرَبْتُ مِثْلَ ضَرْبِ مَرِيءٍ والے مار کے معنی موجود ہیں (۲) ہر فعل میں زمانہ بھی ہوتا ہے فعل ماضی ہوا تو ماضی کا زمانہ سمجھ میں آئے گا اور فعل مضارع ہوا تو مستقبل یا حال کا زمانہ سمجھ میں آئے گا، چنانچہ یہاں ضَرَبْتُ مِثْلَ ضَرْبِ مَرِيءٍ میں ماضی کا زمانہ ہے کہ یہ مار ہو چکی ہے (۳) ہر فعل اور کام کے لئے کسی نہ کسی فاعل سے جڑنا ضروری ہے جس کو نسبت **الی فاعل** ماکتے ہیں تو یہاں بھی مار شکلم سے جڑی ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مفعول مطلق میں مصدر اپنے فعل کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے کیوں کہ مصدر تو صرف معنی مصدری یعنی مار کو بتلا رہا ہے اس میں زمانہ یا کسی فاعل سے جڑنا اس کا تو تصور بھی نہیں ہوتا جواب مفعول مطلق میں مصدر کا اپنے سے پہلے فعل کے معنی میں ہونے کا مطلب صرف اس جز یعنی معنی مصدری کے اعتبار سے مراد ہے تینوں اجزاء کے اعتبار سے نہیں ہے

فُتِحَ قِيَامًا مِّنْ قِيَامًا مَّصْدَرًا وَفُتِحَ فِعْلٌ دُونَ مَكْرَمًا هُوَ نَزَلُ كَمَا فِي مَعْنَى فِي بَيْنِ بَعْدَ اِنْ فَعَلِي . اس قید سے اس مصدر کو نکال دیا جو کسی فعل کے بعد نہ آوے، کیونکہ وہ مفعول مطلق نہیں کہلائے گا جیسے الضَرْبُ وَاقِعٌ عَلَيَّ زَيْدٌ میں پھر یاد رہے کہ مفعول بننے والا مصدر اپنے سے پہلے فعل کے معنی میں ہونا شرط ہے اگر لفظوں یا باب کے اعتبار سے فعل سے الگ ہو گیا تب بھی وہ مفعول مطلق ہی کہلائے گا لفظوں میں الگ ہونے کی مثال قَعَدْتُ جُلُوسًا (بیٹھا میں بیٹھنا) قَعُوذٌ اور جُلُوسٌ دونوں ہم معنی ہیں بمعنی بیٹھنا، اور باب کے اعتبار سے الگ ہونے کی مثال نَبَتْ اللّٰهُ بَنَاتًا اِذَا اِغْتَابَ اِذَا اَنْتَبَتْ . کا باب اَفْعَال ہے اور نَبَاتٌ سَمَّاؤِيٌّ مَجْرُودٌ نَصْرٌ يَنْصُرُ نَصْرًا سے ہے لیکن اِنْبَاتٌ اور نَبَاتٌ دونوں کے معنی اُغْنَى کے ہیں لہذا مفعول مطلق ہونا درست ہے۔

فائدہ: مفعول مطلق تین فائدوں کے لئے ہوتا ہے (۱) تاکید (۲) نوع (۳) عدد، جب مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے تو وہ اپنے حال پر مصدر ہی رہے گا کسی اور وزن پر کرنا کی ضرورت نہیں ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا اس نے مارا ہے مارا یعنی واقعی مارا ہے اور عربی میں جب کوئی کسی کی بات کو یوں ہی سمجھے یقین نہ کرے تو اسے دو دفعہ کہہ کر پکا کیا جاتا ہے اور یقین دلایا جاتا ہے اس لئے مار کا ذکر دو دفعہ کیا گیا کہ یقیناً یہ فعل اور کام مار والا ہوا ہے، اور **مفعول مطلق** نوعی وہ کہلاتا ہے جو فعل کو کسی کی طرح کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے یعنی ہیئت اور نوع کو ظاہر کرے اس قسم کے مفعول مطلق کو فِعْلَةٌ کے وزن پر لایا کرتے ہیں جیسے مَشَى مَشْيًا الْمَشْتَالِ . وہ نیکو کی چال چلا ایسے ہی جَلَسَ جَلْسَةً الْقَارِيءِ وہ قاری صاحب کی طرح بیٹھا اور **مفعول عددی** کو فِعْلَةٌ کے وزن پر لاتے ہیں یعنی فتح القام اور مفعول عددی کو اسم مَرَّةً بھی کہتے ہیں جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبَةً میں نے ایک پٹائی کی یا ضَرَبْتُ ضَرْبَتَيْنِ میں نے دو پٹائیاں کی ایسے ہی جَلَسْتُ جَلْسَةً میں ایک نشست بیٹھایا جَلَسْتَيْنِ میں دو نشست بیٹھا، یاد رہے کہ مفعول مطلق تاکید میں میں مثل مفعول مطلق عددی اور نوعی کے تفسیر جمع نہیں کیا کرتا **مفعول** فیہ اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی کام ہوا ہو مفعول فیہ کا دوسرا نام ظرف بھی ہے جس کی دو قسمیں ہیں (۱) **ظرف زمان** (۲) **ظرف مکان**، ظرف بمعنی برتن چونکہ جس وقت یا جس جگہ میں کوئی کام ہوا گویا وہ جگہ یا وقت اس فعل اور کام کے لئے مثل برتن کے ہو گئی فعل سے اصطلاحی فعل یعنی صیغہ اور کلمہ مراد نہیں ہے بلکہ فعل لغوی یعنی کام مراد ہے **فعل** مذکور کی قید سے ایسے اسماء زمان و مکان نکل جاویں گے جن سے پہلے فعل ذکر نہ کیا گیا ہو جسے يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ کہ جمع کا دن شاندار دن ہے تو يَوْمُ الْجُمُعَةِ اس مثال میں مبتدا ہے۔

اصطلاحی مفعول فیہ نہ بنے گا کیونکہ فعل مذکور کے بعد نہیں ہے ہاں چونکہ يَوْمُ الْجُمُعَةِ زمانہ ہے جس میں کوئی نہ کوئی کام ضرور کیا گیا ہو گا اس لحاظ سے ظرف زمان کہلایا جاسکتا ہے۔

مفعول معہ: وہ اسم ہے کہ جو ایسے واؤ کے بعد لایا جاوے جو مع اور ساتھ کے معنی میں ہو، جیسے جَاءَ الْهَرْدُ وَالْجُبَابُ پھر واؤ بمعنی مع کے بعد جو چیز آوے گی یعنی مفعول معہ کہی تو اس کو فاعل کے ساتھ لگایا جاتا ہے کہ جیسا اسی مثال میں اور کہی

مفعول بہ کے ساتھ لگایا جاتا ہے، جیسے کہیں گفناک و زیندا دوہم کہ تجھ کو مع زید کے ایک درہم بہت ہے تو اس میں زیندا مفعول معہ کو ک ضمیر جو مفعول بہ ہے کے ساتھ لگایا ہے یعنی کبھی مفعول معہ صاحب، اور ساتھی بنے گا فاعل کا اور کبھی مفعول بہ کا، بعد از واو کہہ کر ان اسموں کو نکالنا ہے جن کو واو بمعنی مع کے علاوہ کسی اور سے ساتھی بنا گیا ہو مثلاً مع سے جیسے جنٹ مع زیند کہ اس میں زیند کو مفعول معہ نہیں کہیں گے ایسے ہی واو اور فاء کے بعد جیسے جَاءَ زیند و عَمَرُو یا زیند فَعَمَرُو ان میں واو اور فاء کے بعد واو لے کر مفعول معہ نہیں کہیں گے بہر حال مفعول معہ کبھی تو فاعل کا مصاحب ہوگا یعنی وہ کام فاعل اور مفعول معہ دونوں سے ہوا جیسے آنا سردی اور جنوں دونوں کا ہوا اور کبھی مفعول بہ کا مصاحب ہوگا یعنی دونوں پر وہ فعل واقع ہوگا جیسے مخاطب اور زید دونوں کو ایک درہم کاٹی ہوگا۔

مفعول لہ: وہ ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی کام ہوا، جیسے فُنْتُ اِكْرَامًا لِزَيْدٍ میں کھڑا ہونا اکرام کی وجہ سے ہوا پھر کبھی مفعول لہ حاصل کرنے کے لئے وہ کام کیا جاتا ہے جیسے ضَرَبْتُهُ تَادِيَةً سَلِقَةً پيدا کرنے کے لئے جو مفعول لہ ہے مار کی گئی اور کبھی مفعول لہ موجود ہونے کی وجہ سے وہ فعل وجود میں آیا جیسے قَعْدَبَ عَنِ الْحَوْبِ جُبْنَا میں لڑائی سے بوجہ بزدلی کے بیٹھ گیا یعنی بزدلی موجود ہونے کی وجہ سے جو مفعول لہ ہے یعنی فعل بڈ کو رکھنا سبب ہے قعود اور بیٹھنا پایا گیا۔

حال: وہ ہے جو کسی کی حالت کو بیان کرے پھر جس کی حالت کو بیان کرے جس کو ذوالحال (حال والا) کہیں گے کبھی وہ فاعل ہوگا کبھی مفعول بہ اور کبھی دونوں جیسے جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا فاعل کی حالت بیان کرنے کی مثال ہے کہ زید ذوالحال رَاكِبًا حال ذوالحال حال سے مل کر جاء کا فاعل ہو کر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، اور ضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا مفعول کی حالت بیان کرنے کی مثال ہے کہ زید جو مفعول بہ ہے جب اس کی پٹائی ہوئی تو وہ بندھا ہوا تھا اس میں زید ذوالحال اپنے مشدودًا حال سے مل کر مفعول بہ ہو جائے گا، اور لَقِيْتُ زَيْدًا رَاكِبِينَ فاعل و مفعول دونوں کی حالت بیان کرنے کے لئے کہ متکلم کی زید سے ملاقات اس حال میں ہوئی کہ دونوں ہی سوار تھے ضمیر اور زید دونوں پہلے ذوالحال ہوں گے اور پھر اپنے حال رَاكِبِينَ سے مل کر لَقِيْتُ فعل کے فاعل اور مفعول بہ بنیں گے پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، ذوالحال ذوالحال یعنی حال بہت سی حالت صفت جس کی حال بیان کی جاتی ہے اس کو ذوالحال کہتے ہیں، کیونکہ وہ حال والا ہوتا ہے اور جس لفظ سے حالت بیان کریں اس کو حال کہتے ہیں **وَأَنْ غَالِبًا مَعْرِفَهُ بَأْسُهُ** ذوالحال کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ اکثر اور غالباً معرفہ ہوتا ہے اگر کبھی کمرہ ہوگا تو اب حال بجائے مؤخر کے مقدم لانا ہوگا۔

سوال کمرہ کی صورت میں ذوالحال حال کی ترتیب کیوں بدلدی۔

جواب جب حال ایسے ذوالحال کی حال بیان کرے گا جو حالت نصی میں ہو جیسے رَاكِبٌ رَجُلًا رَاكِبًا کہ اس میں رَجُلًا ذوالحال ہے اور بوجہ مفعول بہ ہونے کے منصوب ہے تو اب ان میں ذوالحال حال اور چاہے موصوف صفت دونوں ترکیبیں درست ہیں تو پید نہ چلتا کہ ذوالحال حال بنا لیں یا موصوف صفت اس لئے پہچان رکھنے کے لئے ترتیب بدل دی، کیونکہ بدن ہوئی

ترتیب میں پھر موصوف مفت کی ترکیب نہیں چلی گی، کیونکہ مفت اپنے موصوف سے پہلے نہیں آتی ہے۔

سوال پھر حالت نصی کے علاوہ حال اپنی ترتیبی حالت پر بعد میں ذوالحال کے رہنا چاہئے تھا۔

جواب التباس تو واقعی صرف حالت نصی میں ہی ہوتا ہے، کیونکہ حالت رفعی و جری میں حال منصوب ہوگا اور ذوالحال مرفوع و مجرور جس میں موصوف مفت بننے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ہمیشہ ایک ہونا ضروری ہے تو اس میں اپنی ترتیب رہتے ہوئے بھی التباس نہ تھا لیکن آسانی کے لئے سب حالتوں کا ایک ہی حکم کر دیا کہ جب حال نکرہ ہوگا تو ذوالحال سے مقدم رہے گا، و حال جملہ نیز باشد حال مفرد بھی تثنیہ بھی ہوتا ہے جمع بھی اور جملہ بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ خبر یہ ہو پھر خبر یہ چاہے اسمیہ ہو جائے یا فعلیہ اسمیہ کی مثال کتاب میں ہے وَ اَيْتُ الْاَمِيْنِ وَ هُوَ رَاكِبٌ میں نے بادشاہ کو دیکھا در اس حالانکہ وہ سوار تھا اس میں ہو مبتدو اکب خبر پھر جملہ ہو کر حال ہے اور اس سے پہلے واو حالیہ کہلاتا ہے فعلیہ کی مثال ہے جَاءَ زَيْدٌ يَضْحَكُ زَيْدٌ يَضْحَكُ زَيْدٌ يَضْحَكُ فعل فاعل سے مل کر جملہ ہو کر حال ہے زید کا جب حال جملہ بنے تو جملہ چونکہ مستقل ہوتا ہے تو ما قبل ذوالحال سے رابطہ کے لئے اب واو اور ضمیر دونوں یا صرف واو لایا جاتا ہے یہ تو جملہ اسمیہ میں ہوگا اور جملہ فعلیہ میں اگر مضارع مثبت ہو تو فقط ضمیر لانی ہوگی اور اگر مضارع منفی ہو یا ماضی خواہ مثبت یا منفی تو واو اور ضمیر یا کوئی ایک لاتے ہیں۔

فائدہ: حال جس طرح فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے کبھی ان کے متعلق کی حالت بیان کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے ضَرْبْتُ زَيْدًا فَأَيْتًا اَهُوْكَ (مارا میں نے زید کو جب کہ اس کا لبا اکھڑا تھا)

سبق سی و یکم

و تَمِيْزُ اَسْمِيْتُ كَمَا رَفَعْتُ اِبْهَامَ كُنْدَا زَعْدُ چوں عِنْدِيْ اَحَدَ عَشَرَ دَرْهَمًا يَا زَوْزَنُ چوں عِنْدِيْ
رِطْلٌ زَيْتًا يَا زَكِيْلُ چوں عِنْدِيْ قَفِيْزَانُ بُرًّا يَا اَزْمَا حَتُّ چوں مَا فِي السَّمَا ءِ قَدْرُ رَا حِيَةٍ
سَخَابًا وَ مَضْعُوْلٌ بِهٖ اَسْمِيْتُ كَمَا فَعَلْتُ فَاَعْلٌ بِرَوَاقِعِ شُوْدِ چوں ضَرْبُ زَيْدٌ عَمْرُوًّا هَدَا نَكْرًا اِيْسُ هَمَّ
منصوبات بعد از تمامی جملہ باشد و جملہ بفعال و فاعل تمام شود بدیں سبب گویند کہ الْمَنْصُوْبُ فَضْلَةٌ.

ترجمہ عبارت - اور تمیز ایسا اسم ہے کہ جو ابہام کا دفعیہ کرتا ہے کتنی سے جیسے عِنْدِيْ اَحَدَ عَشَرَ دَرْهَمًا یا قول سے جیسے عِنْدِيْ رِطْلٌ زَيْتًا (میرے پاس ایک رطل ہے زیتون تیل کا) یا ناپ سے جیسے عِنْدِيْ قَفِيْزَانُ بُرًّا جیسے (میرے پاس دو قفیز ہیں گیہوں کے) یا پیمائش سے جیسے مَا فِي السَّمَا ءِ قَدْرُ رَا حِيَةٍ سَخَابًا (آسمان میں ہتھیلی کے برابر بھی بادل نہیں ہے) اور مضعول بہ ایسا اسم ہے کہ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو جیسے ضَرْبُ زَيْدًا عَمْرُوًّا زید نے عمرو کی پٹائی کی جان لو کہ یہ سب

منصوبات جملہ کے مکمل ہونے کے بعد آتے ہیں اور جملہ فعلِ فاعل سے مکمل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ منصوبات (جملہ سے) فالتو چیز ہے۔

حل مضمون۔ یہاں سے تمییز کا بیان ہے کہ جو ابہام اور گول مول پنے کو دور کرے پھر جس کا ابہام دور کرے اس کو **مُمَيِّز** بصیغہ اسمِ مفعول کہتے ہیں اور جو ابہام کو دور کرے اس کو **مُمَيِّز** بکسر الیاء بصیغہ اسمِ فاعل یا تمییز (مصدر تفعیل کے وزن پر) کہتے ہیں پھر جس کا ابہام دور کیا جاتا ہے یعنی **مُمَيِّز** کی دو قسم ہیں یا تو **مُمَيِّز** مفعول ہوگا، یا **مُمَيِّز** مفعول۔

سوال مفرد غیر مفرد کا مطلب کیا ہے۔

جواب تمییز کے بیان میں **مفعول** سے مراد یہ ہے کہ جملہ یا شبہ جملہ یا مضاف نہ ہو یعنی جس کا ابہام دور کر رہے ہو یعنی **مُمَيِّز** وہ نسبت نہ ہو جو جملہ یا شبہ جملہ یا مضاف الیہ میں پائی جاتی ہے، کیونکہ جملہ یا شبہ جملہ میں فعل کی فاعل کی طرف نسبت میں جو ابہام ہے یا مضاف کی نسبت میں مضاف الیہ سے جو ابہام ہے اسی قسم کے ابہام کا نام **مُمَيِّز** مفعول کا ابہام کہلائے گا، کیونکہ نسبت نام ہے دو چیزوں کے آپسی تعلق کا جو مرکبات میں ہی ہوتی ہے خواہ وہ مرکب تام ہو جیسے جملہ یا شبہ جملہ یا مرکب ناقص ہو جیسے کہ مرکب اضافی طاب زید نفساً جملہ میں ابہام کی مثال ہے زید الفضل اب یہ شبہ جملہ میں ابہام کی ہے اور **أَعْبَجَنِي** **طَبِيئَةُ نَفْسًا** مضاف مضاف الیہ میں ابہام کی مثال ہے، اور **مفعول** کا ابہام یہ ہے کہ اس میں جو چیز ساتی ہے یا بھری جاتی ہے اس کا پتہ نہیں ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور کس چیز سے بھری ہوتی ہے، بہر حال **مفعول** یا یوں کہو کہ نسبت کے ابہام کا ذکر اور اس کی مثال سبق بست و نهم میں آچکی تھی، اب یہاں مصنف **مفعول** کے ابہام دور کرنے والی تمییز کا بیان کر رہے ہیں، پھر **مفعول** سے ابہام دور کرنا یا تو **مقدار** سے ہوگا یا **مقدار** سے۔

سوال مقدار اور غیر مقدار کا کیا مطلب ہے۔

جواب مقدار کہتے ہیں جس سے کسی چیز کا ناپ یا تول یا عدد یا اندازہ معلوم ہو جائے **مقدار** اسمِ اکہ ہے **أَيْقَدَرُ** بہ الشئ جس سے کسی چیز کا اندازہ کیا جاوے اس کو **مقدار** کہتے ہیں لیکن اب زبردست **اعتراض** یہ ہے کہ مقدار کی جو مثالیں ہیں **مَثَلًا عِنْدِي أَحَدٌ عَشَرَ دِرْهَمًا** اور **عِنْدِي دِرْهَمٌ زَيْنًا** اور **عِنْدِي قَفِيْزَانِ بُرًّا** ان سب کے اندر ابہام مقدار میں تو ہے نہیں، کیونکہ **أَحَدٌ عَشَرَ** اور **دِرْهَمٌ** اور **قَفِيْزَانِ** مقدار کو بتا رہے ہیں اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اول مثال میں گیارہ دوسری میں ایک رطل اور تیسری میں دو قفیز اس کے پاس ہیں اور ابہام اول مثال میں اس میں ہے کہ وہ گیارہ ہے کیا چیز اسی طرح دوسری میں مقدار تو معلوم ہے کہ ایک رطل ہے لیکن وہ رطل ہے کس چیز کا اس کا پتہ نہیں تھا **زَيْنًا** سے اس کا پتہ کرا کے ابہام دور کیا ہے تو تمہارا یہ کہنا کہ مصنف یہاں سے مقدار کے ابہام دور کرنے کی مثالیں ذکر کر رہے ہیں کیسے درست ہے **جواب** مقدار سے مراد یہاں **مُقَدَّرٌ** بصیغہ اسمِ مفعول ہے یعنی جس کی مقدار بتائی گئی یا جس کا اندازہ بتایا گیا ہے تو **عِنْدِي أَحَدٌ عَشَرَ دِرْهَمًا** میں مقدار تو معلوم ہے کہ گیارہ ہے لیکن کس کی مقدار ہے گیارہ وہ مجہول اور مبہم ہے پھر **دِرْهَمًا** سے طے کر دیا کہ وہ گیارہ

عدد والی چیز درہم ہے ایسے ہی عندی و رطل زینا میں مقدار تو معلوم ہے کہ ایک رطل ہے لیکن کس چیز کا ہے یہ رطل اور کس کی مقدار ایک رطل ہتائی جا رہی ہے وہ مبہم ہے جس کو زینتا سے دفع کیا ہے بہر حال چیزوں کی مقدار جاننے کے مختلف طریقے ہیں:

(۱) بذریعہ عدد یعنی گن کر۔

(۲) بذریعہ وزن یعنی تول کر جیسے کلور پلن آدھی کلو کا ہوتا ہے، کیونکہ رطل کی مقدار ۴۰۰ تولہ لکھی ہے اور پہلے زمانہ میں اتنی تولہ کا سیر پکا ہوتا تھا جس کو کلو کہا جاتا تھا تو اس حساب سے رطل آدھی کلو کے وزن کو کہتے ہیں اور من بمعنی سیر اور سیر بھی پکا جو اس تولہ کا ہوتا ہے تو منوان تثنیہ ہے یعنی دو من اور دو سیر اب منوان سیدھا دو کلو کا وزن بن گیا بہر حال رطل اور منوان دونوں وزن اور تول کی مثالیں ہیں۔

(۳) بذریعہ کیل یعنی ناپ کر جیسے پاؤ آدھا کلو دو دھ یا تیل ناپ کر لیتے ہیں بہر حال قفیز بارہ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع پونے دو کلو کا، کیوں کہ قطرہ جو دیا جاتا ہے وہ ایک صاع ہوتا ہے جو تقریباً پونے دو کلو بنتا ہے اس لحاظ سے بارہ صاع تقریباً ۴۱ کلو کا ہوتا ہے دو قفیز ۴۲ کلو کے ہو جائیں گے یہ صرف تقریبی وزن ہے ورنہ تحقیقی اس سے کم بنے گا کیونکہ صاع کی یہ مقدار جو صدقہ الفطر میں ہے اور دی جاتی ہے محض تقریبی ہے نہ کہ تحقیقی بہر حال قفیز ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپ کر دیا جاتا ہے تو عندی قفیزان میں مقدار تو طے ہے کہ دو قفیز ہیں لیکن کس چیز کے ہیں یہ دو قفیز چاول کے یا گندم یا اور کسی چیز کے اس میں ابہام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کہہ دیا کرتے ہیں میرے پاس دو بوریاں ہیں لیکن کہیں کی اس میں ابہام ہے جب اس کے بعد کہا چاول یا گندم کی تو ابہام ختم ہو گیا۔

(۴) بذریعہ مساحت ناپ کر پھر ناپ کبھی تو برتن سے ہوتا ہے جس کو کیل کہتے ہیں اور کبھی گز فیتا یا ہاتھ سے یہاں دوسرے والا ناپ مراد ہے اس کی مثال ہے عندی ذراع ثونا کہ میرے پاس ایک ہاتھ کپڑا ہے یا ما فی السماء قدر راحة محاباً کہ آسمان میں ہتھیلی کے برابر بھی بادل نہیں ہے، ذراع کہنی سے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کے اخیر تک کو کہتے ہیں۔

(۵) بذریعہ مقیاس یعنی محض انکل اور اندازہ سے کسی چیز کی مقدار معلوم کرنا اس کو مقیاس کہتے ہیں جیسے غلّی العُمریة مثلھا زُبُندا کھجور پر اسی کے برابر کھن ہے زُبُندا بضم الزاء و سکون الہاء کھن جب یہ کہا کہ کھجور پر اسی کے برابر ہے تو ابہام ہوا کہ کھجور پر اسی کے برابر کیا ہے اس ابہام کو دور کیا کہ وہ کھن ہے۔

بہر حال مقدار کی پانچ قسمیں ہو گئی ہیں (۱) عدد (۲) وزن (۳) کیل (۴) مساحت (۵) مقیاس ان پانچوں سے یہاں اسم مفعول کے معنی لینے ہوں گے یعنی معدود اور موزون اور مکیل اور ممسوح اور مقیس کیونکہ ابہام بجائے عدد کے معدود میں اور بجائے وزن کے موزون میں اور بجائے کیل کے مکیل میں اور بجائے مساحت کے ممسوح میں اور بجائے مقیاس کے مقیس میں ہے بہر حال مقدار سے ابہام دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز سے ابہام دور کرے جو مقدار کی پانچ قسموں میں سے کسی مقدار کو بتلاتی اور ظاہر کرتی ہے اور ابہام ایسی چیز سے دور کیا جن سے مقدار کا کوئی پتہ نہیں چلتا تو وہ

غیو مقدار سے ابہام دور کرنا کہلائے گا جیسے عندی خاتمہ حدیثا میرے پاس انگوٹھی ہے لیکن چاندی کی یا سونے کی یا لوہے کی ابہام تھا جس کو حدیثاً سے ختم کر دیا، پھر یاد رہے کہ مضر غیو مقدار کی تمیز یہ منصوب مفرد ہے لیکن عام طور سے مجرور مضاف الیہ ہی تمیز آیا کرتی ہے جیسے عندی خاتمہ حدید میرے پاس لوہے کی انگوٹھی ہے **مفعول بہ اسمیست** جس کے ساتھ وہ کام ہوایا جس کے ساتھ پایا گیا ہو اس کو مفعول بہ کہتے ہیں جیسے **ضربَ زیند الشای زید نے چائے پی یہ پینا چائے کا ہوا لہذا چائے مفعول بہ کہلائے گا کیونکہ پینا اسی پر واقع ہوا ہے اسی طرح **کتبَ زیند رسالة زید نے ایک خط لکھا یہ لکھنا خط کا ہوا لہذا خط مفعول بہ ہے۔****

بدانکہ این همه: فضلة بفتح الباء فالتو اور زائد چیز کو کہتے ہیں فعل فاعل کے علاوہ جتنے مفعول ہیں خواہ وہ مفعول مطلق ہو یا بہ ہو یا لہ یا معہ یا فیہ یا حال یا تمیز یا مستثنیٰ یہ سب اصل جملہ سے فالتو شمار کئے جاتے ہیں اور سب کے سب منصوب ہوتے ہیں اسی لئے کسی بھی جملہ میں فعل کے بعد فاعل یا نائب فاعل کو رفع دے کر باقی سب چیزوں کو منصوب پڑھو کسی جھجک کی ضرورت نہیں ہے بس نائب فاعل اور فاعل کا دھیان رکھو کہ ان کو رفع آجائے **سوال** فعل فاعل کے علاوہ اور چیزوں کو فالتو کیوں بتا دیا جواب جملہ چاہئے فعلیہ ہو اور چاہے اسمیہ **متکلم** اور **سامع** کے پیش نظر دونوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ کیا کام ہو اور کس نے کیا اور کیا خبر ہے اور کس کے متعلق ہے اول جملہ فعلیہ میں ہوتا ہے اور دوسری بات اسمیہ میں ہوتی ہے تو جب کسی نے دونوں چیزیں بتلا دیں اصل مقصود حاصل ہو گیا کہ فلاں کام فلاں نے کیا اور فلاں خبر فلاں سے متعلق ہے، اب یہ کہ وہ کام کب کیا اور کہاں کیا (یعنی مفعول فیہ کا ذکر) اور کس حال میں کیا (یعنی حال کا ذکر) اور کس کے ساتھ کیا (یعنی مفعول معہ کا ذکر) اور وہ کام کس پر واقع ہوا (یعنی مفعول بہ کا ذکر) اور کس وجہ سے وہ کام کیا (یعنی مفعول لہ) وغیرہ سب چیزیں مقصود بالذات بہت کم ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ کبھی کبھار مقصود ہوگئی تو ہوگیں ورنہ عام طور سے زیادتی فائدہ کے لئے ان کو لایا جاتا ہے اصل مقصود مستند اور مستند الیہ سے حاصل ہو جاتا ہے جملہ اسمیہ میں مبتدا مستند الیہ خبر مستند کہلاتی ہے اور جملہ فعلیہ میں فعل مستند فاعل مستند الیہ کہلاتا ہے۔

سبق سی و دوم

فصل بدانکہ فاعل بردو قسم است مظهر چوں **ضربَ زیند** و مضمربا رز چوں **ضربتُ** مستتر یعنی پوشیدہ چوں **زیند** **ضربَ** کہ فاعل **ضربَ** **هو** است در **ضربَ** مستتر بدانکہ چوں فاعل مؤنث حقیقی باشد یا ضمیر مؤنث علامت تانیث در فعل لازم باشد چوں **قامتُ** **هنتُ** و **هنتُ** **قامتُ** **ای** ہی و در مظهر مؤنث غیر حقیقی و در مظهر جمع تکسیر دو وجہ رد باشد چوں **طلع الشمس** و **طلعت الشمس** و **قال الرجال** و **قالت الرجال** قسم دوم مجہول بدانکہ فعل مجہول بجائے فاعل مفعول بہ برابر رفع کند

وَبَاتِي رَيْصِب كَنْدِ چوں ضَرْبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ تَادِيئًا
وَالْخَشْبَةَ وَفَعْلٌ مَجْهُولٌ رَا فَعْلٌ مَالِمٌ يَسْمُ فَاعِلُهُ كَوَيْدٌ۔

ترجمہ عبارت - جان تو کہ فاعل دو قسم پر ہے (۱) اسم ظاہر جیسے ضَرْبَ زَيْدٌ (۲) اور ضمیر بارز جیسے ضَرْبَتْ اور مستتر یعنی چھپی ہوئی جیسے زَيْدٌ ضَرْبَ کہ ضَرْبَ کا فاعل ہو ہے ضَرْبَ میں پوشیدہ جان تو کہ جب فاعل مؤنث حقیقی ہو یا ضمیر مؤنث ہو تو مؤنث ہونے کی علامت فعل میں ضروری ہوگی جیسے قَامَتْ هُنْدٌ اور هُنْدٌ قَامَتْ یعنی ہی اور اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی میں اور اسم ظاہر جمع کسیر میں دو صورت جاتے ہیں جیسے طَلَعَ الشَّمْسُ وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ الرَّجَالُ وَقَالَتِ الرَّجَالُ، دوسری قسم فعل مجہول ہے جو بجائے فاعل کے مفعول بہ کو رفع کرتا ہے اور باقی کو نصب جیسے ضَرْبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ تَادِيئًا وَالْخَشْبَةَ (مارا گیا زید جمعہ کے روز بادشاہ کے آگے سخت مارا جانا اس کے گھر میں تہذیب و سلیقہ سکھانے کے لیے ڈنڈے کے ساتھ) اور فعل مجہول کو فعل مَالِمٌ يَسْمُ فَاعِلُهُ کہتے ہیں اور اس کے مرفوع (نائب فاعل) کو مَفْعُولٌ صَانِمٌ يُسْمُ فَاعِلُهُ کہتے ہیں۔

حل مضمون - فاعل جو بنے گا تین طرح کا ہوتا ہے کبھی تو اسم ظاہر بنتا ہے جیسے خَرَجَ زَيْدٌ يَذْهَبُ زَيْدٌ اور کبھی فاعل ضمیر ہوتی ہے پھر ضمیر ایک بارز ہوتی ہے ایک مستتر سوال بارز اور مستتر کہتے ہیں جو اب جو ضمیر فعل کے ساتھ مل کر آوے اور ظاہری وجود بھی رکھتی ہو کہ بولنے پڑھنے میں لکھنے میں آتی ہو جیسے ضَرْبَتْ ضَرْبَتْ وغیرہ میں تاء مضموم اور تاء مفتوح فاعل بننے کے ساتھ ادائیگی اور اپنے وجود کے ساتھ موجود ہے اور جو ضمیر فعل کے اندر مانی جائے اور ذہن ذہن میں اس کو سمجھا جاوے اس کو مستتر کہتے ہیں جیسے زَيْدٌ ضَرْبَ میں زید مبتدا ہے اس کو فاعل نہیں کہہ سکتے جب تک کہ یہ ضَرْبَ سے مقدم ہے اور ضَرْبَ فعل ہے اس میں ایک ضمیر مان رکھی ہے جو زید کی طرف لڑنے کی اور وہ هُوَ ہے بہر حال ضَرْبَ کے اندر فاعل بننے والی چیز اس میں چھپی ہوئی ضمیر هُوَ ہے جس کو ضمیر مستتر کہیں گے۔

سوال - زَيْدٌ ضَرْبَ میں زید کو ضَرْبَ کا فاعل کیوں نہیں ہا سکتے الگ سے ضَرْبَ میں ہوا مان کر اس کو فاعل بنانے کی مجبوری کیوں ہے۔

جواب - فاعل اپنے فعل سے پہلے نہیں آتا کیونکہ فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اس کا یہ عمل سیدھی ترتیب پر کہ فاعل فعل ہی کے بعد آوے کارگر ہے معمول کے اپنے عامل سے مقدم ہونے کی صورت میں عمل باطل ہو جاتا ہے لہذا ضَرْبَ کا عمل زید کے بجائے اس ضمیر میں ہے جو ضَرْبَ میں پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل ہے اور زید کا مرفوع ہونا بوجہ مبتدا ہونے کے ہوگا۔

بدانکہ چوں فاعل مؤنث حقیقی الخ: یہاں سے فعل اور فاعل کے آپس میں ایک دوسرے کے ذکر و مؤنث ہونے میں مطابق ہونے کو بتلاتے ہیں کہ دو صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا ضروری رہے گا (۱) فاعل مؤنث حقیقی ہو، مؤنث حقیقی وہ ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی نہ حیوان ہو جیسے عورت کے مقابلہ میں مرد اور گھوڑی کے مقابلہ میں گھوڑا یا اونٹنی کے

مقابلہ میں اونٹ تو جب فاعل ایسا مؤنث بنے گا تو فعل بھی مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے قَامَتْ خَدِيْجَةُ کہ خدیجہ کھڑی ہے یا اَکَلَتْ زَيْنَبٌ زینب نے کھالیا (۲) فاعل ایسی ضمیر ہو جو مؤنث حقیقی کی طرف لوٹتی ہو جیسے هِنْدٌ قَامَتْ هِنْدٌ عورت کا نام ہے عام طور سے مردانہ مثال کے لئے زید و بکر کو لایا جاتا ہے اور زنانہ مثال کے لئے کتابوں میں هِنْدٌ کو لایا جاتا ہے اسی لئے ہند عورتوں کے لئے علم جنس ہے جیسا کہ مردوں کے لئے زید اور بکر علم جنس ہیں، بہر حال یہ مؤنث حقیقی ہے قَامَتْ کی ضمیر جو اس میں پوشیدہ ہے یعنی ہی اسی ہند کی طرف لوٹے گی اور یہاں ہند کو قامت کا فاعل نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ مبتدا ہے اور قامت کا فاعل اس کے اندر کی ضمیر مستتر کو بنایا جائے گا ہند کی قامت کا فاعل کیوں نہیں بنا سکتے ابھی پیچھے وجہ آچکی ہے۔

فائدہ: مؤنث کی طرف لوٹنے والی ضمیر اگر فاعل بنے تو فعل کا مؤنث آنا ضروری ہے یہ مؤنث حقیقی کی طرف لوٹنے والی ضمیر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ غیر مؤنث حقیقی کی طرف جو ضمیر لوٹتی ہے اس کا فعل بھی مؤنث ہونا ضروری ہے جیسے الشَّمْسُ طَلَعَتْ میں طَلَعَتْ کی ضمیر کا مرجع مؤنث غیر حقیقی ہے اور فعل مؤنث آ رہا ہے اور آئے گا، سوال ان تین صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا کیوں واجب ہے **جواب** اسم ظاہر مؤنث حقیقی کے فاعل ہونے کی صورت میں تو اس لئے کہ فاعل لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے مؤنث ہے تو تانیف میں انتہائی طاقتور ہونے کی وجہ سے اپنے فعل تک کو مؤنث آنے پر مجبور کر دیا سوال لفظ و معنی مؤنث کس طرح **جواب** چونکہ جو لفظ مؤنث ذات پر بوجاتا ہے وہ مؤنث ہی ہوتا ہے جیسے اُخْتُ بِنْتُ اُمِّ یہ لفظ مؤنث بن گئے مؤنثوں پر بولے جانے کی وجہ سے اور معنی اس لئے کہ ان لفظوں سے جن ذاتوں کو مراد لیا گیا وہ سب مؤنث ہیں ہی اور معنی کہتے ہیں کہ کسی لفظ سے جو مراد لیا جائے وہی اس کے معنی ہیں اور مؤنث حقیقی اور غیر حقیقی کی ضمیر کے فاعل ہونے کے وقت فعل کا مؤنث لانا اس لئے واجب ہے کہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع اور مصداق مؤنث ہو رہے ہیں لہذا فعل بھی مؤنث لایا جاوے گا، تاکہ فعل ہی سے فاعل کے مؤنث ہونے کا علم ہو جاوے ورنہ فاعل کے مذکر ہونے کا اشتباہ بھی لگ سکتا ہے۔

و در مظهر مؤنث غیر حقیقی الخ: اسم ظاہر مؤنث حقیقی اور اس کی ضمیر کے حکم کو بیان کر دیا ہے کہ ان کا فعل مؤنث آئے گا نیز مؤنث غیر حقیقی کی ضمیر کا حکم بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جو ضمیر مؤنث غیر حقیقی کے لئے ہو اس کا فعل بھی مؤنث ہونا ضروری ہے اب چوتھی شکل یہ باقی ہے کہ فاعل خود مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر ہو تو اس کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جب فاعل ایسا اسم ظاہر بنے جس سے ایسی چیز مراد ہو جو مؤنث غیر حقیقی ہے تو اس کا فعل دونوں طرح لانا جائز ہے مذکر بھی اور مؤنث بھی چنانچہ الشمس جو مؤنث غیر حقیقی ہے اور اسم ظاہر ہے کا فعل چاہے مذکر لے آؤ اور چاہے مؤنث طلعت الشمس بھی کہنا درست ہے اور طلعت الشمس بھی ٹھیک ہے، یہی حکم ہے اسم ظاہر جمع تکسیر کا جمع تکسیر جس کا واحد کا وزن جمع بنانے کے بعد جوں کاتوں باقی نہ رہے جیسے رَجُلٌ سے رَجَالٌ ایسی جمع تکسیر جب کہ وہ اسم ظاہر ہو نہ کہ اس کی ضمیر جو جمع تکسیر کی طرف لوٹ رہی ہو تو اس میں بھی فعل مذکر مؤنث دونوں طرح لانا ٹھیک ہے قَالَ الرَّجَالُ اَوْ قَالَتِ الرَّجَالُ (مردوں نے کہا دونوں کا ترجمہ یہی ہوگا) دونوں کہہ سکتے ہیں ان دو شکلوں کے علاوہ تیسری شکل اور بھی ہے جس میں فعل کو مذکر مؤنث دونوں لانا جائز ہے

اور وہ ہے کہ فاعل ہو تو مؤنث حقیقی لیکن فعل فاعل کے بیچ میں فصل اور جدائی کا کلمہ آپ جیسے خَضَرَتْ فِی الْقَرْيَةِ امْرَاَةٌ کہ ہستی میں ایک عورت آئی اس میں خَضَرَتْ فِی الْقَرْيَةِ امْرَاَةٌ بھی درست ہے، اور اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی میں جب بلا فصل کے ہی فعل کو مؤنث اور مذکر دونوں لایا جاسکتا ہے تو فصل کی صورت میں بدرجہ والی اختیار ہے جیسے طَلَعَتِ الْيَوْمَ الشَّمْسُ اور طَلَعِ الْيَوْمَ الشَّمْسُ دونوں ٹھیک ہے۔ بہر حال تین صورتوں میں فعل مؤنث اور مذکر دونوں لائے جاسکتے ہیں (۱) فاعل جب اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی ہو جیسے طَلَعِ الشَّمْسُ وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ (۲) جمع تکسیر کے فاعل ہونے کی صورت میں بھی دونوں ہاتھیں درست ہے جیسے قَالَ الرَّجَالُ قَالَتِ الرَّجَالُ (۳) فعل اور فاعل کے درمیان جب فصل موجود ہو جیسے خَضَرَ الْقَاضِي امْرَاَةٌ اور خَضَرَتِ الْقَاضِي امْرَاَةٌ (کہ عورت قاضی کے پاس آئی) لیکن اب ایک اعتراض ہوتا ہے کہ مؤنث حقیقی اسم ظاہر کے فاعل ہونے کی صورت میں جب فعل کا مؤنث لانا ضروری ہے تو قرآن میں وَقَالَتْ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِينَةِ کے اندر نِسْوَةٌ اسم ظاہر مؤنث حقیقی کے ساتھ قَالَ فعل مذکر کیوں آیا ہے قَالَتْ کیوں نہ کہ جواب نِسْوَةٌ مؤنث حقیقی تو ہے لیکن مفرد کے بجائے جمع ہے اور جمع مؤنث حقیقی کا حکم مفرد مؤنث حقیقی سے الگ ہے سوال وہ کیا ہے جواب مؤنث حقیقی اگر جمع ہو تو اس کا فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح لانا جائز ہے، اب ذیل میں وہ سب صورتیں بیان کرتے ہیں جن میں فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح لانا درست ہے ان میں سے تین شکلیں تو وہ ہی ہیں جو ابھی پیچھے آچکی ہیں (۱) کہ فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو (۲) فاعل جمع تکسیر ہو (۳) فعل فاعل میں فصل آ رہا ہو، چوتھی صورت یہ ہے کہ فاعل جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی اور جمع ہو پھر جمع مذکر سالم کے علاوہ اور جمع عام ہے چاہے وہ جمع مؤنث سالم ہو یا جمع تکسیر ہو پھر جمع تکسیر میں بھی چاہے حقیقی مؤنث جمع تکسیر ہو جیسے نِسْوَةٌ یا مجازی مؤنث جمع تکسیر ہو جیسے ذُوْزُ جو دار مؤنث سماعی کی جمع ہے یا مذکر حقیقی جمع تکسیر ہو جیسے رَجَالٌ یا مذکر مجازی جمع تکسیر ہو جیسے اِتِّسَامٌ یوم کی جمع تو ان پانچوں قسم کی جمع میں فعل کے اندر تاہ مؤنث لانا اور چھوڑنا دونوں جائز ہے بہر حال مذکورہ کلام سے سمجھ میں آ گیا ہے کہ جمع تکسیر چاہے عقلاء کے لئے ہو مذکر ہو یا مؤنث جیسے نِسَاءٌ اور رَجَالٌ یا غیر عقلاء کے لئے مذکر ہو و مؤنث جیسے ذُوْزُ اور اِتِّسَامٌ اور ایسے ہی جمع مؤنث سالم ان سب کے فاعل ہونے کی صورت فعل کی تانیث اور تذکیر دونوں کی گنجائش ہے اسی سے وَقَالَتْ نِسْوَةٌ کا جواب بھی نکل آیا یہ تفصیل خود ان کے اپنے فاعل بننے کی صورت میں ہے لیکن اگر ان مذکورہ صورتوں میں ان کی ضمیر فاعل بنے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ ضمیر ایسی جمع تکسیر کی ہے جو مذکر عاقل ہے تو اس میں فعل واحد مؤنث اور جمع مذکر دونوں لانا درست ہے جیسے الرَّجَالُ بَجَاءَتْ اور الرَّجَالُ بَجَاءُ وَدُونِی کہہ سکتے ہیں واحد مؤنث تو اس لئے کہ یہ جمع مذکر عاقل لفظ جَمَاعَةٌ کی تاویل میں ہوگا اور جمع مذکر اس لئے کہ جمع مذکر عاقل کے افراد کے لئے واو آتا ہے جیسا کہ جمع مذکر سالم میں بھی واو آتا ہے، اور اگر وہ ضمیر ایسی جمع تکسیر کی طرف لوٹی ہے جو جمع مؤنث ہو خواہ مؤنث حقیقی ہو جیسے نِسَاءٌ یا مؤنث سماعی ہو جیسے غُبُونٌ (غبن کی جمع) یا جمع مذکر غیر عاقل ہو جیسے اِتِّسَامٌ تو ان تینوں صورتوں میں فعل واحد مؤنث اور جمع مؤنث دونوں لاسکتے ہیں چنانچہ مثلاً النِّسَاءُ لَقُلَّتْ اور هُنَّ ایسے المَعْيُونُ بَجَرَتْ اور بَجَرْنَ اور الاِیَّامُ مَضَتْ اور

مَضْمُونِ دُوْنُوں کہنا ٹھیک ہے۔

سوال: ان تینوں صورتوں میں دونوں فعل لانا کیوں درست ہوا جواب جمع مؤنث خولہ حقیقی ہو یا سماعی مؤنث کی ضمیر اگر نساء کی طرف بتا دیل جماعۃ ہے تو واحد مؤنث فعل عقل کا تقاضہ ہے ہی اور اگر نساء سے عورتوں کے افراد مراد لیا جاوے تو جمع مؤنث کا صیغہ جنون لگانے سے بتایا گیا مطابق عقل ہے کیونکہ نون جمع مؤنث کے لئے وضع ہوا ہی ہے اور اگر جمع مذکر غیر عاقل ہے جیسے ایام تو چونکہ اس کا مذکر ہونا رجال جیسے مذکر ہونا نہیں ہے کیونکہ حقیقی مذکر تو وہ ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مادہ یا پیشاب گاہ والی چیز ہو تو اس کے اصلی مذکر نہ ہونے سے اس کو بھی مؤنث کا درجہ دیدیا اور بتا دیل جماعۃ اس کا فعل واحد مؤنث اور افراد مراد ہونے کی صورت میں جمع مؤنث فعل لانا ٹھیک ہوگا، بعض علماء نحوین جیسے رضی اور صاحب حواشی ہندیہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ جمع مؤنث کا نون اصل تو جمع مؤنث غیر عقلاء کے لئے وضع ہے جیسے الاِیامُ مَضْمُونِ یا اَحْسَلُوْنَ کہتے ہیں پھر جمع مؤنث عقلاء کے لئے بھی یہ استعمال ہونے لگا جیسے النساءُ ذَهَبْنَ (عورتیں چلی گئیں) سوال عقلاء کو غیر عقلاء کے تابع کیسے کر دیا جواب حقیقت میں عورتیں اور خواتین غیر عقلاء ہی کے درجہ میں ہیں اپنی عقلی کی کمی وجہ سے اسی لئے شریعت نے دو عورتوں کو ایک گواہ کا درجہ دیا جس کی وجہ قرآن نے یہ بتائی ہے کہ اگر ایک بھول جاوے تو دوسری یا دو دلا دے تو دو عورتیں مل کر جب ایک گواہ بنتا ہے نیز حدیث میں ہے هُنَّ نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالْذِّمَنِ کہ عورتوں کا دین بھی کم اور عقل بھی کم ہے عقل کم ہونا تو اس وجہ سے کہ انہیں بھول ہوتی ہے اور دوسرے بحث و مباحثہ میں کھل کر گفتگو ان کے بس سے باہر ہے کما قال تعالیٰ اَوْفَنُ يُنْسَلُ فِي الْحَلِيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرِ مَبِينٍ اور دین میں کم ہونا بھی ظاہر کہ جمعہ جماعت عیدین جہاد اور حالت حیض میں نماز قرآن سے محروم رہتی ہیں، اب رہا مسئلہ جمع مذکر سالم کا کہ جب یہ فاعل بنے تو کیر فعل آئے گا اور اس کی ضمیر فاعل بنے تو کیرا فعل لاویں گے جواب جب جمع مذکر سالم فاعل بنے گا تو فعل ہمیشہ واحد مذکر لایا جائے گا، کیونکہ اسم ظاہر کے فاعل ہونے کی صورت میں فعل واحد ہی آتا ہے جیسے جَاءَ الزَّيْدُونَ اور چونکہ مذکر ہے تو فعل کے مؤنث ہونے کا کوئی جواز ہے ہی نہیں، اور جب اس کی ضمیر فاعل بنے تب بھی جمع مذکر غائب کا صیغہ آتا ہے مؤنث واحد نہیں لاسکتے چنانچہ الزَّيْدُونَ جَاءَ وَ اُتِيكَ ہے نہ کہ الزَّيْدُونَ جَاءَتْ، اور او جمع مذکر عاقلوں کے لئے ہی وضع ہے۔

بدانکہ فعل مجہول بجائے فاعل مفعول بہ بنصب کند الخ: فعل مجہول کا عمل بیان کر رہے ہیں (فعل محروف کا عمل اس باب کے شروع میں بیان ہو چکا ہے) یاد رہے کہ فعل مجہول ہمیشہ ایسے فعل سے بنتا ہے جو متعدی ہو جیسے ضَرَبَ، سَمِعَ، تَعَسَّلَ اور جو فعل لازم ہو جیسے ضَحِكَ یا نَامَ ان سے فعل مجہول نہیں بنے گا وجہ اس کی ظاہر ہے کہ فعل مجہول میں فاعل کے بجائے مفعول بہ کو رفع دیا جاتا ہے اور مفعول بہ کو فاعل کی جگہ میں رکھا جاتا ہے اور یہ مفعول بہ کا فاعل کی جگہ میں رکھا جانا فعل متعدی میں ہی ہو سکتا ہے فعل مجہول کا مفعول بہ ہونا ہی نہیں ہے تو کس کو رکھیں گے پھر ہر فعل کے لئے فاعل ہونا تو ضروری ہے بغیر فاعل کوئی فعل وجود میں نہیں آسکتا تو فعل مجہول وہ نہیں ہے کہ اس کا فاعل ہی نہ ہو بلکہ فاعل تو ہوگا البتہ کسی مصححت

سے اس کا ذکر چھوڑ دیں گے مثلاً جس کی پٹائی کی گئی وہ خاص اپنا آدمی ہے اس کو پیٹے جانے کا ذکر اہم ہے قطع نظر اس سے کہ کس نے مارا ہے بہر حال فعل مجہول اس مفعول بہ کو جو فاعل کی جگہ میں آیا ہے رفع دے گا باقی جو اور ہیں خواہ کوئی سا بھی مفعول ہو یا حال تمیز ہو سب کو نصب دیتا ہے جیسے ضَرِبَ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ امام الامير ضَرَبْنَا شَدِيدًا فِي دَارِهِ تَادِيَةً وَالْخَشْبَةَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ جو مفعول بہ ہے جس پر مار واقع ہوئی کو فاعل کی جگہ میں رکھ کر نائب فاعل بنا دیا اور مرفوع کر دیا اور باقی یَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول فیہ زمان اور امام الامير مفعول فیہ مکان اور ضَرَبْنَا شَدِيدًا موصوف صفت ہو کر مفعول مطلق فی دَارِهِ ظرف مکان تَادِيَةً مفعول لہ والخشبۃ مفعول معہ سب کو نصب کر رہا ہے، جو مفعول بہ فاعل کا نائب ہوتا ہے اس کو نائب فاعل قائم مقام فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہ سب کہا جاتا ہے اور جس فعل میں ایسا ہوا کہ اس کے فاعل کو ہٹا کر اس کے مفعول بہ کو اس کی جگہ رکھا اس کو فعل مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں اور فعل مجہول بھی کہتے ہیں، فعل مالم یسم فاعلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لَمْ یَسْمُ، لَمْ یُذْکَرْ کے معنی میں ہے اور صلت سے مراد مفعول ہے یعنی ایسے مفعول کا فعل کہ جس مفعول کا فاعل نہ ذکر کیا گیا ہو سوال فاعل تو فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مفعول کا جواب مفعول کا فاعل کہنا اس وجہ سے درست ہے کہ جیسے وہ فعل کا فاعل ہے مفعول بہ کا بھی تو ہے کیونکہ مفعول بہ پر جو اثر آیا ہے وہ اسی فاعل کا تو ہے لہذا دونوں کا فاعل ہونا درست ہے نیز مفعول بہ اور فاعل دونوں فعل کے دوست ہیں اور دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے لہذا جب فاعل فعل کا دوست ہو تو مفعول بہ کا بھی ہو گیا فعل کے واسطے سے لہذا مفعول بہ کا فاعل کہنا درست رہا۔

سبق سی وسوم

فصل بدانکہ فعل متعدی بر چہارم قسم است اول متعدی بیک مفعول چوں ضَرَبَ زَيْدًا عَمْرًا دوم متعدی بدو مفعول کہ اقتصار بر یک مفعول روا باشد چوں اَعْطَى وَ اَنْجَحِدُور معنی او باشد چوں اَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا وَ اِنْجَحَيْتُ زَيْدًا نِيز جاز است سوم متعدی بدو مفعول کہ اقتصار بر یک مفعول روا باشد و این در افعال قلوب است چوں عَلِمْتُ وَ ظَنَنْتُ وَ حَسِبْتُ وَ خَلْتُ وَ زَعَمْتُ وَ رَأَيْتُ وَ وَجَدْتُ چوں عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَ ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا چہارم متعدی بسہ مفعول چوں اَعْلَمَ وَ اَرَى وَ اَنْبَا وَ اَخْبَرَ وَ خَبَرَ وَ نَبَأَ وَ حَدَّثَ چوں اَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْدًا عَمْرًا فَاضِلًا بدانکہ این ہمہ مفعولات مفعول بہ اند و مفعول دوم در باب عَلِمْتُ وَ مفعول سوم در باب اَعْلَمْتُ وَ مفعول لہ و مفعول معہ را بجائے فاعل نتوانند نہاد و دیگر ہارا شاید در باب اَعْطَيْتُ مفعول اول بمفعول مالم یسم فاعلہ لائق تر باشد از مفعول دوم۔

ترجمہ عبارت - جان تو کہ فعل متعدی چہارم قسم پر ہے اول متعدی ایک مفعول کے ساتھ جیسے ضَرَبَ زَيْدًا عَمْرًا دوسرے متعدی ایسے دو مفعول کے ساتھ کہ (جن سے) ایک مفعول پر اکتفاء جائز ہے جیسے اَعْطَى اور جو بھی (فعل) اس کے معنی میں ہو جیسے اَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا (میں نے زید کو درہم دیا) اور اس جگہ (یعنی باب اعطیت میں) اَعْطَيْتُ زَيْدًا بھی جائز ہے قیسوں کے ساتھ ایسے دو مفعول کے ساتھ کہ بس کرنا (یعنی ٹھیرنا اور رکنا) ایک مفعول پر جائز نہ ہو، اور یہ بات انعامِ قلوب میں (ہوتی) ہے جیسے عَلِمْتُ (جان لیا میں نے) ظَنَنْتُ (گمان کیا میں نے) حَسِبْتُ خَلْتُ وَعَمْتُ (تینوں بمعنی خیال اور گمان کیا میں نے) رَأَيْتُ وَوَجَدْتُ (دیکھا اور محسوس کیا میں نے) جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا فَاصِلًا (جان لیا میں نے کہ زید فاضل یعنی پڑھا لکھا ہے) اور ظَنَنْتُ زَيْدًا غَالِمًا (گمان کیا میں نے زید کو عالم یعنی مولوی صاحب یا پڑھا لکھا) چوتھے متعدی تین مفعول کے ساتھ جیسے اَعْلَمَ (جنواریا یا بتلواریا) اَرَبِي (دکھلا دیا) اَنْبَاً اَخْبَرَ خَيْرًا نَبَأًا حَدَّثَ (سب بمعنی بتلواریا یا جنواریا) اَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْدًا عَمْرًا فَاصِلًا جنواریا اللہ تعالیٰ نے زید کو کہ عمر فاضل (پڑھا لکھا ہے) ہے، جان تو کہ یہ سب مفعولات مفعول بہ ہیں اور مفعول دوم باب علمت کے اندر اور تیسرا مفعول باب اَعْلَمْتُ کے اندر اور مفعول پہ اور مفعول مع کو فاعل کی جگہ میں نہیں رکھ سکتے ہیں اور دوسرے مفعولوں کے لئے (یہ رکھنا) لائق اور مناسب ہے اور باب اَعْطَيْتُ میں مفعول اول مفعول مالم یسم فاعله (یعنی نائب فاعل) بننے کے زیادہ لائق ہے بمقابلہ دوسرے مفعول کے۔

حل مضمون - فعل متعدی چونکہ وہ ہوتا ہے جسے مفعول بہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر کسی فعل کو ایک مفعول بہ چاہتا ہے کسی کو دو اور کسی کو تین اس لئے اب یہاں سے یہی بتاتے ہیں کہ مفعول بہ چاہنے کے اعتبار سے فعل متعدی کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صرف ایک مفعول بہ چاہتا ہے جیسے ضَرَبَ زَيْدًا عَمْرًا زید نے عمرو کو مارا۔

(۲) فعل کو دو مفعول کی ضرورت رہے پھر فعل کو جن دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی وہ دو طرح کے ہیں ایک تو یہ کہ وہ دو مفعول ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کر سکتے ہوں یعنی ایک ذکر کر دیں اور ایک چھوڑ دیں یا ایسے ہوں کہ ان میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہ کر سکتے ہوں بلکہ دونوں ہی ذکر کرنے ضروری ہوں گے اگر اول صورت ہے تو یہ فعل متعدی کی دوسری قسم ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ فعل متعدی کی تیسری قسم بن جائیگی۔

سوال - اس کی پہچان کیا ہے کہ بعض جگہ تو دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفاء درست ہوگا اور بعض جگہ نہیں۔

جواب - جہاں دو مفعول ایسے ہوں کہ دونوں کا مصداق الگ الگ ہو یعنی وہ دونوں لفظ ایک ہی ذات پر نہ بولے جاسکتے ہوں اور دونوں سے مراد الگ الگ چیز ہو جیسے اَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا میں زید اور درہم ایسے ہی دو مفعول ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے پر بولنا ٹھیک نہیں نہ زید کو درہم پر اور نہ درہم کو زید پر اور دونوں کے معنی اور مصداق الگ الگ ہیں اور ان میں

آپس میں تباہی اور افتراق ہے تو اس طرح کے دو مفعول جہاں آئیں گے وہاں بغیر ایک دوسرے کے تنہا کو بھی لاسکتے ہیں چنانچہ اعطیتُ زیدًا بغیر درہمًا کے اور اعطیتُ درہمًا بغیر زیدًا کے یوں اور درست ہے اور یہ اس طرح کے دو مفعول جن میں مغایرت ہوتی ہے باب اعطیتُ کے مفعول کہلاتے ہیں اور جس جگہ فعل کے بعد آنے والے دو مفعول ایسے ہوں کہ ان میں اجتماع ہو سکتا ہے اور دونوں ایک ذات پر بولے جاسکتے ہوں جیسے عَلِمْتُ زیدًا فاضلاً میں نے زید کو فاضل یعنی پڑھا لکھا یقین کیا تو اس میں زید اور فاضل دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے خود جو زید ہے وہی فاضل ہے اور ایسے ہی اس کا برعکس کہ جو فاضل ہے وہی زید ہے زید اور درہم کی طرح نہیں کہ زید سے ایک شخص مراد تھا درہم سے چاندی کا روپیہ بہر حال جن دو مفعولوں میں مغایرت نہ ہو اور اکٹھے ایک ذات پر ان کو بولا جاسکتا ہو ایسے دو مفعولوں کو باب علمتُ کے مفعول کہتے ہیں یاد رہے کہ باب علمتُ سے مراد علمتُ کی لائن کے سب وہ فعل مراد ہیں جن کے بعد ایسے دو مفعول آتے ہیں جن کا حذف اور ذکر بغیر ایک دوسرے کے ناجائز ہو چنانچہ ظَنَنْتُ حَسِبْتُ خَلْتُ زَعَمْتُ سب باب علمتُ میں داخل ہیں جیسا کہ باب اعطیتُ میں تمام وہ فعل داخل ہوں گے جن کے بعد ایسے دو مفعول آئے کہ ان میں کسی ایک کا حذف یا ذکر بغیر دوسرے کے جائز ہو۔

سوال۔ باب اعطیتُ میں کسی ایک مفعول کا حذف یا ذکر بغیر دوسرے کے کیوں ناجائز نہیں اور باب علمتُ میں کیوں ناجائز ہے۔

جواب۔ باب علمتُ میں دونوں مفعول اپنے مفعول بہ بننے سے پہلے دراصل مبتدا اور خبر تھے چنانچہ زیدٌ فاضلٌ جملہ کی شکل میں تھے مفعول بہ بننے پر دونوں منصوب ہو گئے اور جملہ میں مقصود بالذات اس کا مضمون ہوتا ہے کسی بھی جملہ میں جو کچھ کہہ جاوے وہ اس کا مضمون کہلاتا ہے چنانچہ زیدٌ فاضلٌ میں ہمیں زید کے فضل اور پڑھے لکھے ہونے یا اس کے قابل ہونے کا ذکر ہے، اور جب بھی کسی جملہ کا مضمون نکالنا ہے تو خبر کو مصدر بنا کر مبتدا کا مضاف بنا دو اور خود مبتدا کو مضاف الیہ جیسے یہاں فضلٌ زیدٌ عبارت ہو جائے گی تو بتانا ہے کہ باب علمتُ کے دو مفعول دراصل مبتدا اور خبر اور جملہ تھے اور جملہ سے مقصود مضمون جملہ ہوتا ہے اور مضمون جملہ مضاف اور مضاف الیہ سے تیار ہوتا ہے اور اسی مضمون جملہ کو درحقیقت مقصود خیال کیا جاتا ہے گویا علمتُ زیدًا فاضلاً کہنے والا حقیقت میں عَلِمْتُ فَضْلَ زَيْدٍ کہہ رہا ہے تو اب اگر فَضْلَ زَيْدٍ میں سے کسی ایک کو حذف کریں تو یہ کلمہ کے جزء کو حذف کرنا لازم آئے گا چنانچہ عَلِمْتُ فَضْلَ كُھو بغیر زید کے تو یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ کس کا فضل اور کس کی قابلیت جانی اور اگر عَلِمْتُ زَيْدٍ کہو تو مضاف نہ ہونے سے پتہ نہیں چلتا کہ زید کا کیا جانا اس لئے باب علمتُ کے دو مفعول ایسے ہیں کہ بغیر ایک دوسرے کے نقص اور کمی رہ جائے گی ہاں اگر قرینہ اور اتنا پتہ ہو کہ کیا جانا اور یقین کیا تو پھر دونوں ہی مفعول حذف کر سکتے ہیں، رہا باب اعطیتُ اس میں ایک مفعول دوسرے کا محتاج نہیں جسے چاہے ذکر کر لو جسے چاہے حذف کر لو فائدہ حاصل ہو ہی جائے گا جیسے اعطیتُ زیدًا میں زید کو دینے کا پتہ چل گیا کیا دیا یہ معلوم نہ ہو اور اعطیتُ درہمًا میں کیا دیا اس کو تو جان لیا

لیکن کسے دیا یہ رہ گیا لیکن فائدہ تو دونوں صورتوں میں حاصل ہو ہی گیا۔ کہ کسی چیز کا دینا یا کسی کو دینا پایا گیا۔
فائدہ: ۱- عَلِمْتُ اور اس کے ساتھی تمام افعال ظَنَنْتُ خَلْتُ وغیرہ ان کا دوسرا نام افعالِ قلوب بھی ہے کیونکہ جن کاموں کا تعلق دل سے ہو جیسے یقین کرنا گمان کرنا خیال کرنا یہ سب دل کے کام ہیں باقی چلنا رونا مارنا کھانا بیٹھنا لکھنا وغیرہ سب کام پیروں اور منہ اور ہاتھ اور سرین وغیرہ اعضاء کے ہیں تو جو کام بذریعہ اعضاء ہوں ان کا نام رکھا ہے افعالِ جوارح یعنی اعضاء کے کام جوارح، جارحہ کی جمع بمعنی عضو انسانی ہاتھ وغیرہ اور جو کام دل کے واسطے سے ہوں ان کو افعالِ قلوب کہتے ہیں۔

فائدہ: ۲- عَلِمْتُ رَأَيْتُ وَجَدْتُ تینوں یقین کے لئے آتے ہیں عَلِمْتُ بمعنی جاننا و یقینہ بمعنی دیکھنا یعنی بذریعہ قلب اور وَجَدْتُ بمعنی پانا محسوس کرنا جیسے بھوک پیاس محسوس کی جاتی ہے فَطَنْتُ خَلْتُ حَسِبْتُ بمعنی گمان اور خیال کرنا یہ بجائے یقین کے صرف ظن کے لئے آتے ہیں اور زعمتُ مشترک ہے یقین اور ظن (گمان) دونوں کے لئے آتے ہیں اور ان افعالِ قلوب کا ایک نام افعالِ الشکِّ وَالْيَقِينِ بھی ہے۔

فائدہ: ۳- اگر ہم کسی چیز کے بارے میں مثلاً زید کا آنا نہ آنا اس کا مولوی ہونا نہ ہونا اس میں ہمارا دونوں طرف ذہن جاتا ہو تو اسے شک کہتے ہیں اور اگر ذہن کسی چیز کے بارے میں ایک طرف زیادہ جاتا ہو ایک طرف کم تو جدھر زیادہ جاتا ہے اسے ظن کہتے ہیں اور جدھر کم جاتا ہو تو اسے وہم اور خیال کہتے ہیں اور اگر ہمیں ایک جھٹکا پکاپیتہ ہو مثلاً آئے گا ہی یا پتہ ہو کہ آئے گا ہی نہیں تو اسے یقین کہتے ہیں۔

(۴) متعدی بسہ مفعول: کچھ فعل متعدی ایسے ہیں جن کے تین مفعول بہ آتے ہیں جیسے اَعْلَمَ اُری بمعنی جنوادی یا بتلوادی اور دکھلا دیا جیسے اَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْدًا عَمْرًا فَاضِلًا بتلوادی اللہ نے زید کو کہ عمر و فاضل ہے اُری زَيْدًا عَمْرًا وَ اِخَالِدًا عَالِمًا دکھلا دیا زید نے عمر کو کہ خالد عالم (مولوی) ہے اُنْبَاً اَخْبَرَ خُبْرًا نَبَأًا حَدَّثَ (سب بمعنی خبر دینا، بتلوادی یا بتلادینا ہیں) اَعْلَمَ فعل اللّٰهُ فاعل زَيْدًا مفعول اول عَمْرًا وَ اِخَالِدًا مفعول ثانی فَاضِلًا مفعول ثالث پھر جملہ فعلیہ ہو جائے گا یاد رہے کہ تینوں مفعول، مفعول بہ ہی کہلائیں گے۔

ومفعول دوم در باب علمت: چونکہ فعل متعدی وہ ہوتا ہے جس کو مفعول بہ چاہتا ہے پھر کبھی مفعول بہ کو فاعل کی جگہ میں رکھ کر نائب فاعل بنا دیتے ہیں اس لئے اب یہاں تفصیل بتاتے ہیں کہ آیا ہر پہلے دوسرے تیسرے کسی بھی نمبر پر آنے والے مفعول بہ کو نائب فاعل بنا سکتے ہیں؟ نیز بہتر کس مفعول بہ کو فاعل کی جگہ رکھنا ہے اول کو یا دوسرے کو چنانچہ فرماتے ہیں کہ بابِ عَلِمْتُ کے اندر دوسرا مفعول اور بابِ اَعْلَمْتُ میں تیسرے مفعول پہ کو نیز مفعول لہ اور مفعول معہ کو فاعل کی جگہ نہیں رکھ سکتے یعنی نائب فاعل نہیں بنا سکتے سوال ان چاروں کو نائب فاعل بنانا کیوں منع ہے جواب بابِ علمت کے دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنانا تو اس لئے ناجائز ہے کہ بابِ علمت کے دونوں مفعول اپنے مفعول بننے سے پہلے

سبق سی و چہارم

افعال ناقصہ کا بیان

فصل بدانکہ افعال ناقصہ ہفدہ اند کَانَ وَصَارَ وَظَلَّ وَبَاتَ وَاصْبَحَ وَأَضْحَى وَأَمْسَى وَعَادَ وَأَضَّ وَغَدَا وَرَاحَ وَمَازَالَ وَمَا نَفَكَ وَمَا بَرِحَ وَمَا قَبِيَ وَمَا دَامَ وَلَيْسَ ایں افعال بفاعل تنہا تمام نشوند محتاج باشند بخبرے بدیں سبب کہ نہا را ناقصہ گویند و در جملہ اسمیہ روند و مسند الیہ را برفع کنند و مسند را نصب چوں کَانَ زَيْدٌ قَائِمًا و مرفوع را اسم کَانَ گویند و منصوب را خبر کَانَ و باقی را بریں قیاس کن بدانکہ بعضے احوال بفاعل تنہا تمام نشوند چوں کَانَ مَطَرٌ شَدَّ بَارًا بمعنی جَصَلَ و اورا کَانَ تامہ گویند و کَانَ زائده نیز باشد

توجہ - جان تو کہ افعال ناقصہ سترہ کا ہیں کَانَ سے لیس تک یہ افعال تنہا فاعل پر مکمل نہیں ہوتے اور محتاج ہوتے ہیں ایک خبر کے اسی وجہ سے ان کو ناقصہ کہتے ہیں اور جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مسند الیہ کو رفع کرتے ہیں اور مسند کو نصب جیسے کَانَ زَيْدٌ قَائِمًا اور مرفوع کو کَانَ کا اسم کہتے ہیں اور منصوب کو کَانَ کی خبر اور باقی کا اسی پر اندازہ کر جان تو کہ (یہ افعال ناقصہ بعض حالات میں تنہا فاعل پر مکمل ہو جاتے ہیں جیسے کَانَ مَطَرٌ بارش ہوگئی اس میں کَانَ حَصَلَ کے معنی میں ہے اور اس کو کَانَ تامہ کہتے ہیں اور کَانَ زائده بھی ہوتا ہے۔

حل مضمون - افعال ناقصہ کا کام خالی فاعل سے نہیں چلتا اور خبر کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے ان کو ناقصہ کہا گیا ہے مثلاً تم نے کہا کَانَ زَيْدٌ کہ زید ہے لیکن کیا ہے یہ معلوم نہیں ہو جب کہا غَالِمًا کہ عالم ہے اب بات پوری ہوگی ایسے ظَلَّ زَيْدٌ کہ زید دن بھر رہا، لیکن کیا رہا یہ معلوم نہیں ہو جب کہا خَبْرًا کہ

صَائِمًا کہ روزہ دار رہا اب بات مکمل ہوگئی سننے والا بھی مطمئن ہو اور کہنے والے کا چپ رہنا بھی درست ہوا۔

افعال ناقصہ کے بعد جو اسم اور خبر آتے ہیں وہ درحقیقت جملہ اسمیہ ہوتے ہیں جن پر افعال ناقصہ داخل ہو کر اپنا عمل ڈال دیتے ہیں چنانچہ کَانَ زَيْدٌ عَالِمًا میں کَانَ زَيْدٌ عَالِمٌ پر داخل ہو کر اپنا عمل یہ دکھلا رہا ہے کہ اول کو مرفوع اور دوسرے کو منصوب کر دیا۔

سوال: افعال ناقصہ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہو رہے ہیں تو جملہ اسمیہ کے دونوں جزوں کو مبتدا اور خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہی کیوں نہ رہنے دیا لگ سے دوسرا عمل کیوں دے رہے ہو۔

جواب جملہ اسمیہ پر افعال ناقصہ داخل ہونے کے بعد اب افعال ناقصہ کا ہی عمل چلے گا کیونکہ اب اسی کے تابع ہو گئے اور جملہ کا اول جزء ان افعال ناقصہ کا اسم ہونے کی وجہ سے بمنزلہ فاعل کے ہو گیا جو مرفوع ہوتا ہے اور خبر بمنزلہ مفعول بہ کے ہو گئی اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے لہذا یہ افعال ناقصہ فعل متعدی کے مشابہ ہو گئے اور فعل متعدی اپنے فاعل کو رفع کرتا ہے اور مفعول بہ کو نصب تو اسی طرح ان کا بھی عمل کر دیا گیا۔

افعال ناقصہ اور دیگر افعال تامہ میں فرق: افعال ناقصہ کے علاوہ جتنے افعال ہیں ان سب میں خود اپنی سے نکل چیز یعنی مصدر کو ثابت کیا جاتا ہے مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ میں زید کے لئے اسی ضَرَبَ اور مار کو ثابت کیا جا رہا ہے جو ضَرَبَ سے سمجھ میں آرہا ہے لیکن افعال ناقصہ میں جس بات اور صفت کو ان کے اسم کے لئے ثابت کیا جاتا ہے وہ خود افعال ناقصہ سے نکل ہوئی نہیں ہوتی ہے بلکہ ان سے الگ ہوتی ہے چنانچہ كَانَ زَيْدٌ عَالِمًا میں زید کے لئے كَانَ فعل ناقص سے جو کون اور ہونے کی صفت اور مصدر سمجھ میں آتا ہے اس کو زید کے لئے ثابت نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ الگ سے دوسری صفت عالم ہونے کو ثابت کیا جا رہا ہے اور تمام افعال ناقصہ میں یہی بات ہوتی ہے اسی لئے افعال ناقصہ کا فائدہ نحو کی کتابوں میں (هِيَ أفعالٌ وَضَعْتُ لِتَقْرِيرِ الْفَاعِلِ عَلَى صِفَةٍ غَيْرِ صِفَةِ مَصْدَرِهَا) کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے یعنی افعال ناقصہ ایسے افعال ہیں جن کو اسلئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فاعل کے لئے اس صفت کو ثابت کریں جو ان کے مصدر سے الگ صفت ہو۔

افعال ناقصہ کا فائدہ: سوال: جب خود افعال ناقصہ اپنے اسم کے لئے ثابت نہیں ہوتے بلکہ الگ سے خبر کی صورت میں جو صفت ہے اس کو ثابت کیا جاتا ہے تو پھر یہ افعال کس فائدہ کی خاطر لائے جاتے ہیں۔

جواب: لافادۃ نسبتہا حکم معنا یعنی تمام افعال ناقصہ اپنے معنی رکھتے ہیں جیسے صار میں انتقال کے معنی ہیں مادام میں دوام اور بیشک کے معنی ہیں کان میں کون اور حصول کے معنی ہیں لیس میں نفی اور نہ ہونے کے معنی ہیں افسی میں مساور شام کے معنی ہیں اضحیٰ میں ضحیٰ اور چاشت کے معنی ہیں تو جب یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوں گے تو اس جملہ اسمیہ کے دو جزوں مبتدا اور خبر (جن کو افعال ناقصہ میں اسم اور خبر کہتے ہیں) کے درمیان کی نسبت اور تعلق پر اپنے معنی کا حکم اور اثر ڈالیں گے یعنی افعال ناقصہ کے اسم و خبر میں جو تعلق ہے وہ اس طرح کا ہے جس طرح افعال ناقصہ کے معنی بتلا رہے ہیں مثلاً افسیٰ زَيْدٌ حَزِينًا میں افسیٰ شام کے معنی اپنے اندر رکھتا ہے جو زَيْدٌ حَزِينٌ کے تعلق کو بتا رہا ہے کہ زید کا یہ غمگین رہنا فقط وقت شام میں رہا ہے اس سے زیادہ نہیں اور افسیٰ زَيْدٌ حَزِينًا کا ترجمہ یوں کریں گے کہ زید شام بھر میں یعنی پوری شام غمگین رہا دراصل مساء زوال سے غروب تک کا وقت ہے تو اگر زَيْدٌ حَزِينٌ کے ساتھ افسیٰ فعل ناقصہ نہ ہوتا تو پتہ نہ چلتا کہ زید کا غمگین رہنا کتنے وقت تک ہے، اسی لئے كَانَ زَيْدٌ عَالِمًا میں لفظ كَانِ کا یہ تعلق مطلق رہے گا، بہر حال افعال ناقصہ جملہ میں ایک نئے معنی اور نئی جان پیدا کرتے ہیں اور یہی ان کا فائدہ ہے كَانِ لَيْسَ جب کسی جملہ پر داخل ہوں گے تو ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کے ذریعہ ثبوت اور نفی حال زمانہ کی مراد ہوگی یا مطلق رہے گی جس میں صحیح بات یہ ہے کہ قرینہ پر مدار ہے اگر ثبوت نفی

پورے زمانہ پر محیط ہونے کے قابل ہے تو وہ مراد لیں گے جیسے کان اللہ علیہما حکیمًا میں اللہ کا علیم و حکیم ہونا پچھلے سارے اور اگلے تمام زمانوں میں ہے لہذا مطلق ثبوت مراد ہوگا اور کان زید شائبًا میں زید کا جوان ہونا صرف زمانہ جوانی تک مانا جاسکتا ہے بعد میں نہیں اس لئے اس کا ترجمہ زید جوان تھا یا رہا ہے ہوگا اور اگر ابھی تک جوانی کا زمانہ چل رہا ہے تو پھر ہے سے بھی ترجمہ درست ہوگا، اصل بات قرینہ اور آتے پتے کی ہے، ایسے ہی صار انتقال کے معنی دیتا ہے جب یہ کسی جملہ پر داخل ہوگا مثلاً صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا تو بتلائے گا کہ غنی خبر زید کے لئے اب ہوئی ہے پہلے وہ فقیر تھا کیونکہ صَارَ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کی خبر دیتا ہے کہ زید فقیر سے اب غنی ہو گیا، اسی طرح اور افعال ناقصہ کے معنی کا حال سمجھو۔

افعال ناقصہ کے معنی و ترجمہ

(۱) كَانَ كَوْنٌ مصدر سے قال يقول کے وزن پر ہوتا جیسے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، كَانَ زمانہ حال اور مستقبل نیز دوام و استمراری سب کے لئے آتا ہے حسب موقعہ ترجمہ کیا جاوے گا چنانچہ مصباح اللغات میں کون مادہ کے تحت امثله کا ذکر موجود ہے كَانَ ناقصہ ہونے کے ساتھ تامہ زائدہ اور بمعنی صار بھی آتا ہے تامہ کی مثال كَانَ الْمَطَرُ بَارِشًا ہوئی یا كُنْ فَيَكُونُ کہ ہو پس وہ ہو جاتا ہے جہاں کان ناعل پر رک جائے آگے خبر نہ لاوے وہ كَانَ تامہ ہوتا ہے كَانَ زائدہ وہ جس کے ہٹانے کے بعد عبارت کا مطلب خراب نہ ہو علی حالہ صحیح رہے جیسے قرآن میں ہے مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا اس آیت میں كَانَ کے ہٹانے کے بعد بھی معنی صحیح رہتے ہیں، ترجمہ آیت یہ ہے ہم کیسے بات کریں اس سے جو ہنڈولہ یا جھولے میں ہے بچپن کی حالت میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنی والدہ مریم سے با باپ کے خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے تو لوگوں نے ان کو زنا کار بدکار کہنا شروع کیا جس پر حضرت مریم نے کہا کہ میرے اس بچہ سے بات کر لو تو حیرت سے کہنے لگے كَيْفَ نَكَلِمَ اِلٰحٍ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی حال میں بولنا شروع کیا قال انی عبد اللہ الخ كَانَ بمعنی صار کی مثال ہے كَانَ زَيْدٌ غَنِيًّا کہ زید مالدار ہو گیا یعنی فقیری سے غناء میں آ گیا۔

(۲) صَارَ بَصِيْرٌ صَبِيْرًا مثل بَاعَ يَبِيْعُ بَيْعًا ض سے بمعنی لوٹنا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنا جیسے صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا زید مالدار بن گیا۔

(۳) ظَلَّ يَظْلُ ظُلًّا جیسے مَسَّ يَمَسُّ مَسًّا میں باب سَمِعَ سے دن بھر کسی حالت پر رہنا جیسے ظَلَّ زَيْدٌ صَائِمًا زید پورے دن روزہ دار رہا، اور صَارَ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے ظَلَّ زَيْدٌ غَنِيًّا کہ زید مالدار ہو گیا، زید دن بھر مالدار رہا یہاں ترجمہ نہیں ہوگا۔

(۴) بَاتَ يَبِيْتُ بَيْتًا وَبَيْتُوْتُهُ رَاتٍ بھر کسی حالت پر رہنا جیسے بَاتَ زَيْدٌ نَائِمًا زید رات بھر سوتا رہا اور یہ صَارَ کے معنی

یعنی مفعول فیہ بنا کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال میں اِجْلِسْ کا مفعول فیہ ہے یہی وجہ ہے کہ مادام سے پہلے جملہ ہونا ضروری ہے بغیر اس جملہ کے آئے مادام اپنے اسم و خبر سمیت بھی ناقص ہی رہتا رہے گا وجہ ظاہر ہے کہ یہ پورا جملہ مفعول فیہ کا درجہ اختیار کر گیا اور خالی مفعول فیہ کلام نہیں بنتا جب تک اس سے قبل کوئی ایسا جملہ نہ آوے جو فعل فاعل ہو جاوے جیسا کہ یہاں اِجْلِسْ ہے۔

مادام کا فائدہ: دراصل مادام کسی کام کی حد بندی کے لئے آتا ہے کہ فلاں کام جب تک ہوگا جب تک کہ میری خبر کا تعلق اپنے مبتدا سے رہتا رہے گا چنانچہ مثال گذشتہ میں مخاطب کو بیٹھنے کے لئے کہا ہے جب تک زید کا بیٹھنا رہے گا یہ بیٹھنا جب تک زید سے جڑا ہے اے مخاطب تم بھی اپنا بیٹھنا جاری رکھو۔

لیس بمعنی نہیں آتا ہے اس سے حال کی نفی ہوتی ہے یا مطلق دونوں ہی قول ہیں لیس اصل ہی کے کسرہ سے تھا تخفیف کے لئے کسرہ گرا دیا اور جزم آ گیا۔

سبق سی و پنجم

افعال مقاربه کا بیان

فصل - بدانکہ افعال مقاربه چار است عَسَى و كَرَبَ و اَوْشَكَ و اِیْنَ افعال در جملہ اسمیہ روند چوں کان اسم را بر فتح کنند و خبر را بصب الا آنکہ خبر لہ نہا فعل مضارع باشد با اَنْ چوں عَسَى زَيْدٌ اَنْ يَخْرُجَ یا بے اَنْ چوں عَسَى زَيْدٌ يَخْرُجُ و شاید کہ فعل مضارع با اَنْ فاعل عَسَى باشد و اِحتیاجٌ بـخبر نفیہ چوں عَسَى اَنْ يَخْرُجَ زَيْدٌ در محل رفع بمعنی مصدر۔

ترجمہ - جان تو کہ افعال مقاربه چار ہیں عَسَى اور كَرَبَ اور اَوْشَكَ اور یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں کان کی طرح اسم کو رفع کرتے ہیں اور خبر کو نصب مگر یہ کہ اِنْ کی خبر فعل مضارع ہوگی اَنْ کے ساتھ جیسے عَسَى زَيْدٌ اَنْ يَخْرُجَ (زید کے باہر نکلنے کی توقع ہے) یا بغیر اَنْ کے جیسے عَسَى زَيْدٌ يَخْرُجُ اور ہو سکتا ہے کہ فعل مضارع اَنْ سمیت عَسَى کا فاعل ہو جائے اور خبر کے ضرورت نہ پڑے جیسے عَسَى اَنْ يَخْرُجَ زَيْدٌ محل رفع میں ہوگا مصدر کے معنی میں ہو کر۔

حل مضمون - مُقَارَبَہ باب مفاعلة کا مصدر ہے بمعنی قریب ہونا اصطلاح میں افعال مقاربه ان افعال کو کہتے ہیں جو یہ بتلاتے ہیں کہ خبر کا حصول فاعل کے لئے ہونا والا ہے یعنی خبر اپنے فاعل کے لئے قریب الحصول ہے، اور یہ سات فعل ہیں افعال مقاربه میں یہ طے ہوتا ہے کہ وہ کام فاعل سے جڑا نہیں ہے بلکہ جڑنے کے قریب ہے پھر یہ قریب الحصول ہونا تین طرح کا ہے (۱) خبر کے اپنے فاعل کے ساتھ عنقریب پائے جانے کی امید ہو یعنی صرف امید ہو یقین نہ ہو کہ خبر اپنے فاعل کے ساتھ پائی

جانے والی ہے جیسے عَسَى زید ان یخرج کہ امید ہے زید باہر آوے تو زید کا نکلنا اور باہر آنا بطور امید بتایا جا رہا ہے اور وقوع ظاہر کی جارہی ہے (۲) خبر کے حصول کے قرب کو اپنے فاعل کے لئے متکلم بطور یقین بتایا جاوے جیسے کا ذی زید ان یجسی زید آنے ہی والا ہے یعنی اس کا آنا ہونے ہی والا ہے جب متکلم یہ یقین ہو کہ زید آنے والا ہے، (۳) یہ بتلاوے کہ خبر کا اپنے فاعل کے ساتھ پایا جانا شروع ہونے والا ہے یعنی فاعل اس کام میں عنقریب لگ جائے گا جس کی اس کے متعلق خبر دے رہے ہیں گویا اس کام میں شروع تو نہیں ہوا لیکن اس کے آثار و علامات دیکھ کر ہی حکم لگا دیا کہ شروع ہو گیا مثلاً گیند بلا اٹھا کر چلتے ہوئے جب طلبہ کو دیکھا تو کہا أَخَذَ الطَّلَابُ يَلْعَبُونَ کہ طلبہ نے کھیلنا شروع کر دیا ایسے ہی طَفِيقُ زَيْدٍ يَلْعَبُ کہ زید نے کھیلنا شروع کر دیا جب کہ وہ کھیل کے لئے سامان اٹھا کر چلے، بقول صاحب شرح جامی دُنُوْا اور قرب تین طرح کا ہوتا ہے: (۱) دُنُوْا زَجَا۔ (۲) دُنُوْا حُصُول۔ (۳) دُنُوْا اخذ و شروع۔

اول قربت بتانے کے لئے عَسَى آتا ہے اور دوسری قربت بتانے کے لئے كَادَ آتا ہے اور تیسرے والی قربت بتانے کے لئے پانچ لفظ آتے ہیں كَرَبٌ، اَوْشَكَ، جَعَلَ طَفِيقٌ اَخَذَ ان سب کا ترجمہ لگا سے ہوگا جیسے قرآن میں ہے وَطَفِيقًا بِنُحَيْفَانَ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ کہ حضرت آدم حوالہ اپنے اوپر جنت کے پتے لپٹنے لگے جب کہ وہ مثلاً لپٹنے کے لئے پتے توڑنے لگ گئے ہوں۔

نوٹ - اول قربت میں فقط امید ہوتی ہے نہ کہ جزم اور دوسری دو قربتوں میں گو دونوں ہی میں جزم اور یقین ہے لیکن تیسری قربت بوجہ آثار اور علامات پائے جانے کے نسبت دوسری قربت کے جو کاذب سے حاصل ہوتی ہے زیادہ پختہ ہے۔

عَسَى زَيْدٌ اَنْ يَخْرُجَ اس کی ترکیب عَسَى فعل زَيْدٌ اس کا اسم اَنْ ناصبہ یخرج فعل مضارع جس میں ہو ضمیر جو زید کی طرف لوٹے گی فاعل ہے گی فعل فاعل سے ملکر عَسَى کی خبر ہو جائے گی عَسَى اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ انشائیہ ہو جائے گا،

سوال جملہ انشائیہ کیوں کہا جاوے چونکہ عَسَى بمعنی امید ہے مثل لَعَلَّ اور جیسے لَعَلَّ امید کی انشاء اور اظہار کے لئے ہوتا ہے یہ عَسَى بھی یہاں وہی معنی دے رہا ہے تو جب لَعَلَّ لگنے سے جملہ انشائیہ بن جاتا ہے تو جو لَعَلَّ کے معنی میں ہوگا وہ بھی انشائیہ ہی بنے گا۔ افعال مقاربہ بھی افعال ناقصہ کی طرح اسم و خبر دونوں کے محتاج ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ افعال مقاربہ کی خبر ہمیشہ فعل مضارع ہوگی پھر یہ فعل مضارع چاہے اُن کے ساتھ: یا بغیر اُن کے و شاید کہ فعل مضارع با اُن فاعل عَسَى الخ ابھی گذشتہ صورت آچکی ہے کہ زید عَسَى کا اسم اور ان یخرج خبر ہو جاوے یہاں سے ایک صورت یہ بتاتے ہیں کہ عَسَى کو خبر کی ضرورت نہ پڑے اور اب عَسَى تامہ کہلائے گا اس طرح کہ ان یخرج فعل زَيْدٌ ان یخرج کا فاعل فعل فاعل سے مل کر پھر عَسَى کا فاعل ہو جائے۔

سوال: فاعل تو مفرد ہوتا ہے اور یہاں جملہ بن رہا ہے۔

جواب: ان یخرج زید مفرد کے درجہ میں ہے کیونکہ ان یخرج ان مصدر یہ کیوجہ سے خروج مصدر کے معنی میں کر کے زید

کو اس کا مضاف الیہ بنادیں گے اور خسروج زید بن کرفاعل بنا صحیح ہو جائے گا اور اب ان سے خسروج زید محل رفع میں ہو جائے گا، کیونکہ اب فاعل کہلائے گا اور پہلی صورت میں محل نصب میں تھا غسنی کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

سبق سی و ششم

افعال مدح و ذم کا بیان

فصل - بدانکہ افعال مدح و ذم چہار است نِعْمَ وَحَبْدًا برائے مدح و بُسًا وَسَاءً برائے ذم و ہرچہ مابعد فاعل باشد آن را مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم گویند و شرط آنست کہ فاعل معرف بہ لام باشد چون نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ یا مضاف بسوئے معرف بہ لام باشد چون نِعْمَ صَاحِبُ الْقَوْمِ زَيْدٌ یا ضمیر مستتر مُصَيِّرٌ بَنَكْرَهٍ منصوبہ چون نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ فاعل نِعْمَ هُوَ است مسترور نِعْمَ وَرَجُلًا منصوب است بر تمیز زیرا کہ هُوَ مبہم است وَحَبْدًا زَيْدٌ حَبٌّ فعل مدح است و ذافاعل او وَزَيْدٌ مخصوص بالمدح وہم چنین بُسًا الرَّجُلُ زَيْدٌ وَسَاءَ الرَّجُلُ عَمْرُو۔

ترجمہ - جان تو کہ تعریف اور برائی کے افعال چار ہیں نِعْمَ اور حَبْدًا تعریف کے واسطے ہیں اور بُسًا اور سَاءً برائی کے واسطے ہیں اور جو کچھ (ان کے) فاعل کے بعد ہوگا اس کو مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کہتے ہیں اور شرط وہ ہے کہ فاعل معرف باللام ہو جیسے نعم الرجل زید (لا زید بہترین مرد ہے) یا مضاف ہو معرف باللام والے کی طرف جیسے نعم صاحب القوم زید (زید قوم کا بہترین چودھری ہے) یا ایسی ضمیر جو مستتر ہو تمیز لائی گئی ہو بکنرہ منصوبہ کے ساتھ جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ (زید بہترین مرد ہے) نِعْمَ کا فاعل ہو ہے نِعْمَ میں چھپا ہوا اور رَجُلًا منصوب ہے تمیز کی بنا پر کیونکہ ہُوَ مبہم ہے اور حَبْدًا زَيْدٌ، حَبٌّ فعل مدح ہے اور ذافاعل اس کا فاعل اور زَيْدٌ مخصوص بالمدح اور ایسے ہی بُسًا الرَّجُلُ زَيْدٌ اور سَاءَ الرَّجُلُ عَمْرُو۔

حل مضمون - مَذْحُ بمعنی تعریف کرنا ف سے ذم ن سے بمعنی برائی کرنا یا برا کہنا، اصطلاح میں افعال مدح و ذم وہ کہلاتے ہیں جن کے ذریعہ کسی کی اچھائی یا برائی کو وجود میں لایا جاوے نہ یہ کہ ان کے ذریعہ کسی کی مدح و ذم کی خبر دی جائے جیسے نعم الرجل زید (زید اچھا آدمی ہے) سوال مدحتہ میں نے اس کی تعریف کی اور ذممتہ میں نے اس کی برائی کی ان دونوں فعلوں سے بھی تو تعریف ہو رہی ہے، اور برائی ہو رہی ہے ان کو افعال مدح و ذم کہنا چاہئے **جواب** افعال مدح و ذم سے وہ افعال مراد ہیں جن سے مدح اور ذم بطور انشاء سمجھ میں آتی ہونکہ بطور خبر۔

سوال بطور انشاء کا کیا مطلب؟

جواب انشاء کے معنی ہیں پیدا کرنا کسی چیز کو فی الحال عدم سے وجود میں لانا تو افعال مدح و ذم سے تعریف یا برائی کو فی الحال عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے اور مذمّۃ اور ذمّۃ ان میں تعریف برائی کی خبر تو ہے مگر انشاء نہیں ہے کہ فی الحال ہی وجود میں لا کر وہ تعریف یا برائی کی جارہی ہو اسی لئے کہ ان افعال مدح و ذم میں گذشتہ خبر کے بجائے ابھی وجود میں لایا جاتا ہے اور انشاء کے معنی ان میں ہوتے ہیں ان سے بننے والے جملے جملہ انشاء یہ کہلائیں گے،

ہاں ایک **جواب**: یہ ہے کہ افعال مدح و ذم سے مراد یہاں اصطلاحی افعال و ذم ہیں یعنی جو وضع ہی اس لئے ہوئے ہوں کہ ان سے کسی کی مدح و ذم کا اظہار کیا جائے گا ہر وہ فعل مراد نہیں جو لغت بھی مدح اور ذم کے معنی رکھتا ہو اور اصطلاحی افعال مدح و ذم کے وہ عندالخواجین نعم اور حبت اور بنس ساء ہیں۔

سوال اصطلاحی افعال مدح و ذم اور لغوی افعال مدح و ذم میں کیا فرق ہے۔

جواب: اول تو غیر مصرف ہیں یعنی ان کی گردان ماضی مضارع امر و نہی کی عام افعال کی طرح نہیں آتی ہے اور لغوی عام افعال گردانوں والے ہوتے ہیں۔

نعم یہ دراصل نعم فتح النون و کسر العین پھر عین کا کسرہ ماقبل نون کو دیکر عین ساکن کر دیا برائے تخفیف بنس بھی فتح الباء و کسرہ الہمزہ تھا اس میں باء کا کسرہ ماقبل کو دیکر ہمزہ ساکن کر دی ہے۔

نعم کے معنی بہترین، عمدہ، اچھے کے ہیں اور یہی معنی حبتا کے ہیں اور بنس کے معنی خراب، برا، اور بیکار کے ہیں اور یہی معنی ساء کے ہوں گے و فعل برائی کے اظہار کے لئے اور دو ہی اچھائی کے اظہار کے لئے جیسے نعم الرجل زیند (زیدا چھا مرد ہے) اور بنس الرجل خالد (خالد برا مرد ہے)

نعم کے بعد دو کلمے آتے ہیں اول کونعم کا فاعل کہتے ہیں اور دوسرے کو مخصوص بالمدح ایسے ہی بنس اور ساء میں اول کو ان کا فاعل اور دوسرے کو مخصوص بالذم کہتے ہیں لیکن حبتا کے بعد صرف ایک ہی کلمہ ہوگا جو مخصوص بالمدح کہلائے گا اب رہا سوال حبتا کے فاعل کا تو وہ لفظ ذی ہی بنے گا۔

سوال: مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کا کیا مطلب ہے۔

جواب: نعم الرجل زیند اور بنس الرجل خالد یہ جملے دراصل ابہام اور تفسیر پر مشتمل ہیں کیونکہ نعم اور بنس کہنے سے صرف یہ معلوم ہوا کہ اچھا ہے یا خراب ہے پھر جب کہا الرجل تو کچھ تخصیص ہوگئی یعنی جسے ہم اچھا یا برا کہہ رہے ہیں وہ کوئی مرد ہے۔

سوال الرجل معرف باللام ہے جس سے مخصوص مرد مراد ہونا چاہئے اور تم کہتے ہو کہ کوئی مرد ہونے کا علم ہوا۔

جواب یہ الف لام عہد و ذنی کا ہے جو نکرہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے کیونکہ الف لام عہد و ذنی جہاں ہوتا ہے اس کے مدخول سے ایسی ماہیت مراد ہوتی ہے جو کسی فرد غیر معین کے اندر پائی جارہی ہو جیسے انسی اخاف ان یا کله الذئب میں حضرت یعقوب علیہ

السلام نے جس بھیڑیے کھانے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ متعین نہ تھا البتہ ماہیت متعین تھی کہ میرے یوسف کو بھیڑیے جیسی ماہیت کا چالور کھائے گا اگر کھائے گا اور یہ اس لئے کہ اس علاقہ میں بھیڑیے زیادہ ہوتے ہوں گے مگر وہ فرد طے نہیں بھیڑیوں میں سے کوئی بھی بھیڑیا ہو سکتا ہے جس کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے اسی لئے آیت کا ترجمہ نکرہ والا ہوگا کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھالے، بہر حال الرجل سے کچھ وضاحت ہوئی لیکن اب بھی ابہام ہے کہ آخر وہ کون مرد ہے جسے اچھا کہہ رہے ہیں تو تم نے تیسرے نمبر پر زید بول کر اس اچھے ہونے کی تعریف کے ساتھ مخصوص اور متعین ہونے والے آدمی کا نام ہی لے دیا کہ وہ زید ہے تو افعال مدح و ذم میں ایک دم سے اچھا اور خراب ہونے والے کا نام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ اول نِعْمَ کہا پھر کہا الرجل کہ وہ کوئی مرد ہے پھر کہا زید کہ وہ زید ہے تو گویا برائی اور تعریف کے ساتھ مخصوص کا ذکر سب سے بعد میں کرتے ہیں اس لئے اس بعد میں آنے والے کالقب مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم ہوا۔

سوال اس طرح ترس ترس کے اچھا اور خراب بتانے میں کیا فائدہ۔

جواب کوئی بھی چیز جب رک رک کے بتائیں گے تو وہ ادفع فی انفس اور دلنشین ہو جاتی ہے کیونکہ انتظار کے بعد جس چیز کو سنے گا ذہنک سے سنے گا اور دل میں اتر جائیگی اور یاد بھی رہے گی۔

نعم الرجل زید کی ترکیب اس طرح کہ نعم فعل مدح الرجل فاعل فعل فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم زید مبتدأ مؤخر مبتدأ خبر مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا، (۲) نعم الرجل فاعل فعل فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ مدحیہ انشائیہ ہو جائے گا اور زید ہو محذوف کی خبر بنے گی اور زید اپنے مبتدأ سے ملکر جملہ اسمیہ ہو جائے گا اول ترکیب کے لحاظ سے ایک جملہ دوسرے کے لحاظ سے دو جملے ہوں گے۔

سوال دوسری ترکیب میں حق کہاں سے محذوف مانا۔

جواب حق محذوف ماننے کا یہاں قرینہ موجود ہے کیونکہ جب کسی نے نعم الرجل کہا کہ کوئی مرد بڑھیا ہے؟؟ سو اس ہوا مَنْ هُوَ کہ وہ کون ہے؟ جواب آیا ہو زید کہ وہ زید ہے تو سوال مقدر میں هو آنے سے جواب میں ختم کر دیا اور صرف زید ہے کہہ دیا گیا، یہ دو ترکیب نعم اور بنس اور ساء جہذا چاروں میں جاری ہوں گی۔

پھر فاعل اور مخصوص بالمدح کے لئے ایسے ہی فاعل اور مخصوص بالذم کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں واحد ثننیہ جمع نیز مذکر مؤنث ہونے میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں اور یہ اس لئے کہ فاعل اور مخصوص سے مراد ایک ہی ذات ہوتی ہے اور دونوں کا مصداق ایک ہے چنانچہ جوا الرجل ہے وہی زید ہے اور جو زید ہے وہی الرجل ہے، البتہ خود نعم اور بنس اور ساء ان تینوں اور ان کے فاعل میں صرف مذکر مؤنث ہونے میں مطابقت ضروری ہے فقط جیسے مرد کے لئے نعم الرجل زید عورت کے لئے نِعْمَتِ الْمَرْءِ فَاطِمَةُ بولیں گے، اور جہذا میں ان اوپر کی چیزوں میں مطابقت نہیں ہوا کرتی ہے چنانچہ ذوالفاعل اسی حالت پر ہے گا چاہے مخصوص واحد ہو یا ثننیہ ہو یا جمع ہو مذکر ہو یا مؤنث ایسے ہی خود ذال اور حسب میں مطابقت کی ضرورت نہیں ہے،

مرد ہو یا عورت جدا مذکر و مؤنث واحد و ثنیہ جمع سب کے لئے اور سب استعمالات میں اسی طرح بولا جائے گا، چنانچہ جبذا الرجل زید اور جبذا المرأة فاطمہ بولیں گے۔

افعال مدح و ذم کے فاعل کے لئے قین شرطیں ہیں: یہ تین شرطیں جبذا کو چھوڑ کر ہیں کیونکہ اس میں ذی ہا قاعل ہوتا ہے جس کے لئے کوئی شرط نہیں ہاں باقی نعم بنس اور مساء ان تین کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) ان کا فاعل معرف باللام ہو جیسے نعم الرجل زید (۲) اگر معرف باللام نہ ہو تو پھر معرف باللام کی طرف مضاف ہونے والی چیز ان کا قاعل ہو جیسے نعم صاحب القوم زید (قوم کا چودھری یعنی زید بہترین ہے) (۳) ان کا فاعل خود ان کے اندر پوشیدہ ضمیر بنے گی اور اس ضمیر کی وضاحت نکرہ منصوبہ سے کی جا رہی ہے ہوگی جیسے نَعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ نَعْمَ فَعَلٌ مَدْحٌ اس کے اندر هُوَ ضمیر تمیز اور رجلاً تمیز تمیز سے مل کر نعم کا فاعل زید مخصوص بالمدح ہو جائے گا۔

سوال نعم میں ہو ضمیر کا مرجع کیا ہے۔

جواب: زید ہے جو مخصوص بالمدح بن رہا ہے۔

سوال مرجع بعد میں اور ضمیر پہلے جس سے اضمار قبل الذکر (یعنی مرجع کا ذکر آنے سے پہلے ضمیر لانے کا) کا اعتراض ہوگا
جواب زید مخصوص بالمدح ترکیب میں مبتدا بن رہا ہے اور نعم رجلاً اس کی خبر تو گو زید دیکھنے میں بعد میں ہے مگر مرتبہ کے لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ خبر کا درجہ اپنے مبتدا کے بعد ہی ہوتا ہے نیز جو نعم رجلاً زید کہہ رہا ہے اسے تو پہلے سے پتہ ہے کہ کس کو بڑھیا بتاؤں گا مگر وہ اولاً مبہم رکھنا چاہتا ہے بعد میں وضاحت کرے گا اس لئے یہاں اضمار قبل الذکر ایک مصححت کی وجہ سے ہے کہ شروع ہی سے بتانے میں زید وقوع فی النفس نہ ہونا جیسا کہ اضمار قبل الذکر کی صورت میں ہو رہا ہے، چنانچہ نعم رجلاً زید کا ترجمہ یوں کریں گے بڑھیا ہے وہ یعنی کوئی مرد یعنی زید تو پہلے تو بالکل ہی مبہم ہے وہ کہنے میں پھر رجلاً سے کچھ تخصیص ہوئی پھر زید سے بالکل ہی جان لیا گیا کہ وہ بڑھیا مرد زید نام کا ہے۔

فائدہ: کبھی افعال مدح کا فاعل ایسی ضمیر بھی بنتی ہے جس کی تمیز ایسا مانکرہ ہوگا جو شئی کے معنی میں ہوگا جیسے قرآن میں ہے۔ اِنَّ تُبْدُو الصَّدَقَاتِ فَبِعَمَاهِي اِی نَعْم شَبَّاهِي یعنی اگر صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ ظاہر کر کے دینا کیا ہی عمدہ بات ہے۔

فائدہ: کبھی مخصوص بالمدح قرینہ سے محذوف بھی ہوتا ہے جیسے نَعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهُ اَوْابٌ، کہ ایوب بہترین بندہ ہے کہ واقعی وہ لو لگانے والا بندہ ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے نَعْمَ الْعَبْدُ (اَيُّوبُ) اِنَّهُ اَوْابٌ اور قرآن میں جگہ جگہ مخصوص بالمدح اور بالذم محذوف ہوتے ہیں جیسے فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ میں "نحن" اور بنس للظالمين بدلًا میں "ابليس" ہے مکمل آیت یوں ہے (۱) وَالْاَرْضُ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ (نحن) (اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے زمین کو بچھایا تو کیا ہی عمدہ بچھانے والے ہیں یعنی ہم) (۲) بنس: لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا (ابليس) کہ ظالموں کا بدلہ بہت برا ہے پھر کون ہے وہ بدل یعنی مخصوص بالذم تو یہ محذوف ہے یعنی ابليس۔

سبق سی و ہفتم

افعال تعجب کا بیان

فصل - بدانکہ افعال تعجب دو صیغہ از ہر مصدر ثلاثی مجرد باشند اول مَا أَفْعَلَهُ چوں مَا أَحْسَنَ زَيْدًا چہ نیکو ست زید تقدیرش آئی شئیءِ أَحْسَنَ زَيْدًا مَا بِمَعْنَى آئی شئیءِ است در محل رفع بابتدا و أَحْسَنَ در محل رفع خبر مبتدا و فاعل أَحْسَنَ هُوَ است در و مستتر و زَيْدًا مفعول بہ، دوم أَفْعَلُ بہ چوں أَحْسِنُ بِزَيْدٍ أَحْسِنُ صیغہ امر است بمعنی خبر تقدیرش أَحْسِنُ زَيْدًا آئی صَارَ ذَا أَحْسَنَ و باز آئندہ است۔

ترجمہ - جان تو کہ افعال تعجب دو صیغہ ہیں ہر ثلاثی مجرد کے مصدر سے اول مَا أَفْعَلَهُ جیسے مَا أَحْسَنَ زَيْدًا کی ہی خوبصورت ہے زید اس کی اصل عبارت آئی شئیءِ أَحْسَنَ زَيْدًا ہے مَا آئی شئیءِ کے معنی میں ہے محل رفع میں ہے (یعنی مرفوع ہے) مبتدا ہونے کی وجہ سے اور أَحْسَنَ محل رفع میں ہے مبتدا کی خبر ہے اور أَحْسَنَ کافعال ہُوَ ہے اس میں پوشیدہ ہے اور زَيْدًا مفعول بہ ہے دوم أَفْعَلُ بہ جیسے أَحْسِنُ بِزَيْدٍ أَحْسِنُ صیغہ امر ہے اور (بجائے انشاء کے) خبر کے معنی میں ہے اس کی اصل عبارت أَحْسَنَ زَيْدًا ہے یعنی صَارَ ذَا أَحْسَنَ (بن گیا وہ حسن والا) اور باء زائد ہے۔

حل مضمون - افعال تعجب سے اصطلاحی مراد ہیں جن کو تعجب کے انشاء و اظہار کے لئے وضع اور بنایا گیا ہو اور ان کی گردان بھی نہ آتی ہو لہذا عَجِبْتُ اور تَعَجَّبْتُ کہ میں نے تعجب کیا کلمات نکل جاویں گے کیونکہ تعجب فی الحال ظاہر کرنے کے لئے یہ نہیں بلکہ ان میں تو تعجب کی خبر ہے پھر تعجب کے انشاء، ظہار کے لئے اہل عرب کے یہاں دو وزن اور دو صیغہ ہیں فقط جب کبھی تعجب دکھانا ہو تو بس یہی دو صیغہ استعمال ہوں گے ان سانچوں اور صیغوں کے علاوہ اظہار تعجب کسی اور سانچے میں لا کر نہیں ہو سکتا ایک وزن مَا أَفْعَلَهُ ہے (۲) أَفْعَلُ بہ سوال ان دو وزنوں سے کس قسم کی ترکیب اور صیغہ (ڈھلائی) مراد ہے جو اب اول وزن سے ایسا وزن مراد ہے جس میں کسی فعل کو أَفْعَلُ کے وزن پر لا کر اس سے پہلے مَا اور اخیر میں ہاء جوڑ دیں ہاء سے مراد ہاء کا لگانا ہی نہیں مراد ہے بلکہ اس کے آخر میں کسی مفعول بہ کو مانا ہے چاہے ہاء کی شکل میں ہو یا اسم ظاہر کی شکل میں جیسے مَا أَحْسَنَ زَيْدًا و مَا أَحْسَنَهُ اور دوسرے وزن سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں کسی فعل کو أَفْعَلُ کے وزن پر لا کر اس کے ساتھ بہ لاؤ لیکن بہ سے مراد باء کے بعد مفعول بہ لانا ہے چاہے اسم ضمیر ہاء خود ہو یا اسم ظاہر ہو جیسے أَحْسِنُ بِزَيْدٍ اور أَحْسِنُ بہ ترجمہ دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہوتا ہے یعنی زید کس قدر خوبصورت ہے اول وزن یا ترکیب کی مثال مَا أَحْسَنَ زَيْدًا

ہے دوسرے کی اُخسین بڑید ہے۔

دونوں کی ترکیب کا طریقہ: پہلے وزن ما اُحسَنَ زَيْدًا کی ترکیب میں تین قول ہیں (۱) سیبویہ کا (۲) انش کا (۳) لُراء کا سیبویہ کہتے ہیں کہ مَا شَيْءٌ نَكَرَهُ کے معنی میں ہے جو مبتدا بنے گا اور اُحسَنَ زَيْدًا اُحسَنَ فعل۔ ضمیر اس میں فاعل زید مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر ما جو بمعنی شئیء ہے کی خبر ہو جائے گی مبتدا خبر سے ملکر جملہ انشائیہ ہو جائے گا سوال ما کو جب شئی کے معنی میں لینا ہے تو نکرہ کر کے کیوں لیا یعنی بجائے اُشئی معرفہ کے شئی نکرہ کیوں کیا جس کا ترجمہ ہوگا کوئی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنا دیا نیز دوسری خرابی یہ ہے کہ ما سے جب شئی مبہم مراد ٹھہری تو ما کا مبتدا بننا نکرہ رہتے ہوئے کیسے درست ہوگا مبتدا معرفہ ہوا کرتا ہے یا ایسا نکرہ جس کی تخصیص کر لی گئی ہو یعنی نکرہ مخصّصہ جو اب تعجب کے مناسب ما سے شئیء مبہم اور نکرہ مراد لینا ہی ہے کیونکہ تعجب جہالت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے جب ہمیں کسی چیز کے سبب اور وجہ کا علم نہ ہو تب ہی تعجب ہوگا ورنہ جب معصوم ہے کہ فلاں وجہ سے ایسا ہوا تو تعجب کیوں ہوگا مثلاً کسی برتن سے پانی نکلے اور سوراخ نظر نہ آتا ہو تو ہم کہیں گے ارے بھائی پانی کہاں سے نکل رہا ہے؟ جب سوراخ نظر آجائے گا تعجب اور حیرانی ختم ہو جائے گی ایسے ہی یہاں زید کو حسین بنانے والی چیز معلوم نہیں ہے جس کی بناء پر مبہم اور مجہول طریقے سے کہہ رہے ہیں کہ بھائی کوئی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنا رکھا ہے اب رہا نکرہ کا مبتدا بننا تو اس کے تین جواب ہیں شَرُّ اَهْرَ ذَانَابٍ میں شَرُّ نکرہ کو مبتدا بنانے کے بھی تین جواب ہیں اور ہماری مثال بھی بالکل اسی قبیل سے ہے جو اب کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ یہاں خالص نکرہ نہیں بلکہ اس میں تخصیص ملحوظ ہے مگر تخصیص کیسے پیدا ہوگی اس کی دو تاویلیں ہیں (۱) شَرُّ جو یہاں مقدم ہے یہ اصل میں مؤخر تھا اصل عبارت اَهْرَ شَرُّ ذَانَابٍ ہے اَهْرَ باب افعال سے اَشْكُرَمَ کے وزن پہ ماضی کا واحد غائب ہے اَهْرَاءُ بمعنی بھڑکانا اَذًا بمعنی والانا اب بمعنی دانت یعنی دانت والا مراد اس سے کتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کتے کو بھڑکانے والی چیز کوئی شر ہی ہے نہ کہ خیر کیونکہ خیر پیش آنے پر کتا بھڑکتا ہی نہیں ہے مثلاً مہمان آویں تو نہیں بھڑکے گا چور آویں تو بھڑکے گا یہ تو مطلب ہو اب دیکھئے اَهْرَ میں ایک ضمیر ہے جو اصل فاعل ہے شَرُّ کو اس سے بدل مانا جائے گا اور بدل مہل مند دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہوتی ہے لہذا جیسے ہو ضمیر اَهْرَ کا فاعل ہوگی شَرُّ جو بدل ہے وہ بھی ہوگا لیکن شَرُّ حقیقی فاعل نہ ہوگا بلکہ فاعل معنوی کہلائے گا سوال فاعل اصلی کیوں نہیں کہہ سکتے معنوی کیوں کہہ رہے ہو جو اب یہ چال ہم کو اس لئے چلنی پڑ رہی ہے کہ شَرُّ کو اَهْرَ کا حقیقی فاعل قرار دینے کی شکل میں اس کا اھر سے پہلے لانا جائز ہو جائے گا کیونکہ حقیقی فاعل اپنے فعل سے پہلے نہیں آسکتا اور ہم شَرُّ کو اَهْرَ کے بعد سے اٹھا کر اَهْرَ سے پہلے لانا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں یہ کہنے کا موقع حاصل ہو سکے کہ شَرُّ کا فاعل معنوی ہونے کی وجہ سے اس کا حق تاخیر کا تھا یعنی اَهْرَ کے بعد آنے کا مگر اس کی تقدیم کر دی کہ اس کو اَهْرَ سے پہلے لے آئے اور یہ قاعدہ صادق آيَاتُ قَدِيمٍ مَا حَقَّقَهُ النَّاسِخِ يُفِيدُ الْخَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ اور جب شَرُّ کے مؤخر سے مقدم ہوجانے پر اس میں حصر کا فائدہ حاصل ہو گیا تو اب شَرُّ اَهْرَ ذَانَابٍ معنی میں ما اَهْرَ ذَانَابٍ اِلَّا شَرُّ کے ہو گیا اور اس میں تخصیص بھی پائی گئی کہ بس اور خاص طور سے کتے کو بھڑکانے والی

ذٰا حسن کے ہو گیا کہ حسن والا ہو گیا اور پہ جو رہ گیا ہے اس کو اس اُحْسَن کا فاعل بنا دیں گے۔

سوال: پہ فاعل کیسے ہو گیا ب حرف جر اپنے مجرد سے ملکر متعلق ہوتا ہے نہ کہ فاعل۔

جواب: کبھی مجرد بالباء بھی فاعل بنتا ہے جیسے کفی باللہ شہیداً میں کفی فعل کا فاعل باللہ ہے۔

سوال: فاعل اللہ ہے نہ کہ پورا باللہ

جواب: تسامخ اور زیادہ باریکی میں نہ جاتے ہوئے پورے باللہ ہی کو کہہ دیا کہ فاعل صرف اللہ ہی ہے۔

سوال: باء کا کیا ہوگا جواب یہ زائدہ کہلاتا ہے لازمی طور سے یعنی ہر جگہ یاد رہے کہ جب اُحْسَن کا فاعل باء کا دخول یعنی زید

بن گیا تو اب اُحْسَن میں کسی ضمیر کے ماننے کی ضرورت نہ رہے گی۔

دوسری تو کیب انْفِشِ نَحْوِي کے یہاں اس طرح ہے کہ اُحْسِنُ جیسے صورت امر ہے معنی بھی رہے گا اور ہمزہ صیرورہ کے

لئے ہے یعنی ماخذ والا ہونا تو اُحْسِنُ کے معنی ہو گئے صِرُّ ذَا اُحْسِنُ کہ حسن والا بننا پھر بزید میں جو باء ہے اس سے اُحْسِنُ

متعدی بن گیا اور اب اُحْسِنُ معنی میں صِرُّ ذَا اُحْسِنُ کے بجائے صِرُّ ذَا اُحْسِنُ کے ہو گیا یعنی بننے سے بنانے کا ترجمہ

ہو جائے گا کہ حسین بنادے تو بہ اس کو یعنی مثلاً زید کو تو اب بہ کا باء متعدی بنانے کے لئے ہو گیا نہ کہ زائدہ اور باء کا مجرد "ہو یا

"زید" مفعول بن جائے گا نیز انْفِشِ کے نزدیک یہ بھی جاتے ہیں کہ اُحْسِنُ کی ہمزہ صیرورہ اور تعدیہ دونوں کے لئے مان لو

اور باء زائدہ کہہ لو اور باء کے مجرد کو مفعول بہ بنا لو، اور اب گویا اُحْسِنُ بہ معنی میں صِرُّ ذَا اُحْسِنُ کے ہو اور صِرُّ

ذٰا حَسَن کا معنی ہوں گے اِجْعَلْهُ حَسَنًا کہ زید کو حسین بنادو سوال حسین بنانا تو کہے کے بس میں نہیں ہے جواب بنانے

سے مراد بنانا اور کہنا ہے کہ اس کو حسین کہہ ڈالو، اس شکل میں بزید مفعول بہ ہے اور اُحْسِنُ میں اَنْتَ ضمیر فاعل بنے گی۔

قیسری تو کیب: فَرَّ اور زَمْشَرِي کی ہے کہ ترکیب تو انْفِشِ والی رہے گی البتہ اُحْسِنُ میں اَنْتَ ضمیر کا خطاب خاص مخاطب

کو ہونے کے بجائے ہر اس مخاطب کے لئے مانتے ہیں جو بھی مخاطب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، گویا جتنے بھی مخاطب ہیں سب سے

علی سبیل البدلیۃ یہ کہا جا رہا ہے کہ تم میں سے ہر ایک آدمی زید کے حسن کو جس طرح بھی چاہے بیان کرے کیونکہ زید کے اندر تمام

حسن کے پہلو خواہ وہ جسمانی ہو اخلاقی ہو علمی عملی ہو سب اس میں موجود ہیں ایک یہ حسن بیان کرے دوسرا یہ بیان کرے اور

کوئی بھی اس کا حسن بیان کرنا ہو کرے کیونکہ اس میں حسن کے تمام پہلو موجود ہیں، ان کے یہاں مثل انْفِشِ کے اُحْسِنُ امر

ہے انت اس میں پوشیدہ فاعل ہے اور بہ مفعول بہ ہے باء زائدہ یا متعدی بنانے کے لئے ہے۔

ازہر مصدر ثلاثی مجرد: تعجب کے صیغے صرف ایسی ثلاثی مجرد مصدر سے بنتے ہیں جنہیں لون و عیب کے معنی نہ

ہوں اسی لئے رہا عی اور ثلاثی مزید فیہ اور وہ ثلاثی مجرد مصدر جس میں لون عیب کے معنی ہوں ان سے تعجب کے صیغے نہیں بنا کرتے

سوال: جن چیزوں سے صیغہ تعجب نہیں بن سکتا ان سے اگر تعجب کے معنی ادا کرنا ہو تو کس طرح کریں گے، **جواب:** جن افعال

سے فعل تعجب نہ بنتا ہو ان کا مصدر لیلو پھر دیکھو تمہارا اس مصدر کی شدت یا ضعف کثرت یا قلت حسن و قبح میں سے کس چیز کو بتانے

کا ارادہ ہے تو خوبصورتی بدصورتی یا کمی زیادتی جس کو بھی ظاہر کرنے کا ارادہ ہو اسی مادہ سے ما اَفْعَلَ کا وزن بنا لو اور پھر اس مصدر کو جس کا فعل تعجب نہیں بنتا ان کے بعد رکھ دو اور اس مصدر کے آخر میں ایک ضمیر لے آؤ جو اس چیز کی طرف لوٹے گی جس کے کسی وصف پر تمہیں تعجب کرنا ہے مثلاً زید کے کاٹا ہونے پر تعجب کرنا ہے اور کانے کے لئے عَوْرَ يَعْوَرُ عَوْرًا آتا ہے اس سے سینہ تعجب نہیں بنتا اور ما اَعْوَرَهُ یا اَعْوَرْتَهُ نہیں کہا جاتا ہے اس لئے پہلے مصدر عَوْرًا لیں گے پھر ما اَفْعَلَ کے وزن پر ہم نے ایک فعل لیا جو اس کے کاٹا ہونے کی زیادتی پر دلالت کرے یعنی مَآ اَكْثَرَ یا اَفْعَلَ کے وزن پر اَكْثَرَ پھر اس عَوْرًا مصدر کو اَكْثَرَ کے بعد رکھتا ہے تو منصوب بنا دو اور اَكْثَرَ کے بعد رکھتا ہے تو مجرور یا لیا کر دو اور دونوں کے آخر میں ضمیر لے آؤ مَآ اَكْثَرَ عَوْرَهُ اور اَكْثَرَ يَعْوَرُهُ بن جائے گا اور ضمیر کے بجائے اس کے مرجع کو بھی لاسکتے ہیں مَآ اَكْثَرَ عَوْرَ زَيْدٍ اور اَكْثَرَ يَعْوَرُ زَيْدًا کر سکتے ہیں کہ زید کس قدر کاٹا ہے اون کی مثال بتے گی مَآ اَشَدَّ حُمْرَةَ زَيْدٍ یا اَشَدُّ بِحُمْرَتِهِ ثَمَانِي مَزِيدٍ کی مثال مَآ اَشَدَّ مَقَاتِلَةَ زَيْدٍ یا اَشَدُّ بِمَقَاتِلَتِهِ (وہ کس قدر لڑنے والا ہے) اور رباعی کی مثال: مَآ اَشَدُّ بِدَعْمَتِهِ یا اَشَدُّ بِدَعْمَتِهِ (کس قدر یا زبردست ہلاک کرنے والا ہے وہ)

سبق سی و ہشتم

باب سُوم

در عمل اسمائے عاملہ و آل یا زده قسم است ترجمہ اسمائے عاملہ کے بیان میں اور وہ گیارہ قسم ہیں اول اسمائے شرطیہ بمعنی اِنْ وَّ اَل تہ است من و ما و اَيْنَ و مَتَى و اَيُّ اَنَّى و اِذْ مَا و حَيْثَمَا و مَهْمَا فعل مضارع را بجز م کنند چوں مَن تَضْرِبُ اَضْرِبُ و مَا تَفْعَلُ اَفْعَلُ و اَيْنَ تَجْلِسُ اَجْلِسُ و مَتَى تَقُمْ اَقُمْ و اَيُّ شَيْءٍ تَأْكُلُ اَكُلُ و اَنَّى تَكْتُبُ اَكْتُبُ و اِذْ مَا تَسَافِرُ اُسَافِرُ و حَيْثَمَا تَقْصِدُ اَقْصِدُ و مَهْمَا تَقْعُدُ اَقْعُدُ بمعنی ماضی چوں هِيْهَاتَ و شَتَانَ و سَرْعَانَ اسم رباعی برفاعلیت بر فتح کنند چوں هِيْهَاتَ يَرْوُ الْعَيْدِ، اَيُّ بَعْدَ سَوْمِ اسْمَائِهِ اَفْعَالٌ بمعنی امر حاضر چوں رُوِيْدَ و بَيْلَةَ و حَيْهَلُ و عَلِيْكَ و ذُوْنِكَ و هَا اسم رباعی بکنند ببناء بر مفعولیت چوں رُوِيْدًا اَيُّ اَمْهَلُهُ۔

ترجمہ اول اسمائے شرطیہ اِنْ کے معنی میں اور وہ نویں مَن اور مَا اور اَيْنَ اور مَتَى اور اَيُّ اور

اَنَّى اور اَدَمًا اور حَيْثُمَا اور مَهْمَا فعل مضارع کو جزم کرتے ہیں جیسے مَنْ تَضْرِبُ اَضْرِبُ (جس کو مارے گا تو ماروں گا میں) اور مَا تَفْعَلُ اَفْعَلُ (جو کرے گا تو کروں گا میں) اور اَيْنَ تَجْلِسُ اَجْلِسُ (جہاں بیٹھے گا تو بیٹھوں گا میں) اور مَنَى تَقْمُ اَقْمُ (جس وقت کھڑا ہوگا تو کھڑا ہوں گا میں) اور اَيُّ شَيْءٍ تَأْكُلُ اَأْكُلُ (جو چیز کھئے گا تو کھاؤں گا میں) اور اَنَّى تَكْتُبُ اَكْتُبُ (جہاں لکھے گا تو لکھوں گا میں) اور اِذْ مَا تَسَالِفُ اُسَالِفُ (جس وقت سفر کرے گا تو کبھی سفر کرے گا میں) اور حَيْثُمَا تَقْعُدُ اَقْعُدُ (جہاں کا ارادہ کرے گا تو کروں گا میں) اور مَهْمَا تَقْعُدُ اَقْعُدُ (ہر جگہ بیٹھے گا تو بیٹھوں گا میں)۔

ہو صوریہ اسمائے افعال جزا فعلی کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے هَيَهَاتَ (بمعنی بَعْدُ) (دور ہوا) اور هَيَهَاتَانِ (بمعنی اَفْرَقَ) (یعنی جدا ہوا) اور سُرُغَانِ (بمعنی سَرَّعَ جلدی کی اس نے) اسم کو فاعل ہونے کی بناء پر رفع کرتے ہیں جیسے هَيَهَاتَ يَوْمَ الْعِيدِ اَيُّ بَعْدُ یعنی عید کا دن دور چلا گیا۔

قیصریے ایسے اسمائے افعال جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے زُوَيْدٌ (بمعنی اَمْهَلُ مہلت دے تو) اور بَلَّةٌ (بمعنی دَعُ یعنی چھوڑ تو) اور حَيْهَلُ (بمعنی اَيْبُ یعنی آ تو اور عَلَيْكَ (بمعنی اِلْزَمُ یعنی لازم پکڑ تو) اور دُونَكَ (بمعنی خُذُ یعنی لے تو) اور هَا (بمعنی خُذُ یعنی لے تو) اسم کو مفعولیت کی بناء پر نصب کرتے ہیں جیسے زُوَيْدٌ زَيْدًا اَيُّ اَمْهَلُهُ یعنی مہلت دے تو اس کو۔

حل مضمون۔ لفظی عوامل کی تین قسمیں بتلائی تھیں (۱) حروف عاملہ ان کا بیان ہو چکا (۲) افعال عاملہ ان کا بیان بھی آچکا ہے (۳) اسماء عاملہ یہاں سے اسی تیسری قسم کا بیان ہے۔

اسمائے شرطیہ: جہاں کسی کلام اور گفتگو میں کسی کام کے ہونے پر دوسرے کام کے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر ہو تو یہاں دو جملے ہوں گے ایک وہ جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اگر یہ کام ہو گیا جو اس جملے میں ہے تو وہ کام بھی ہوگا جو آئندہ دوسرے جملے میں بیان کر رہے ہیں جیسے اِنْ تَكْتُبُ اَكْتُبُ اگر تو لکھے گا میں بھی لکھوں گا تو اس قسم کے کلام کو شرط و جزاء والا کلام کہا جاتا ہے اول جملہ جس پر دوسرے جملہ کا مدار بتایا جاتا ہے شرط کہلاتا ہے اور دوسرا جملہ جس کا مدار بتایا جاتا ہے اس کو جزاء کہتے ہیں اسی لئے ان نو کلمات کو کلمات الشرط والجزاء بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ شرط و جزاء پر داخل ہوتے ہیں اور کسبُ المجازات بھی فقط ایک جزء کے لحاظ سے ان کا ایک نام ہے چونکہ مجازاً باب مفاعلة کا مصدر جس کے معنی جزاء اور بدلہ دینے کے ہیں کیونکہ ان جملوں میں بھی جزاء اور بدلہ کے معنی پائے جاتے ہیں کہ جب یہ ہو جائے گا اس کے بدلہ میں یہ ہوگا اور جیسے کسی اچھے یا برے کام پر بدلہ اور جزاء پائی جاتی ہے ایسے ہی یہاں کہ اگر تو نے یہ کام کر لیا تو اس کے بدلہ میں یہ کروں گا بمعنی اِنْ يَرِنُ شَرْطِيہ کے معنی رکھتے ہیں اسی لئے مثل اِنْ کے ان کے بعد دو جملے ہوتے ہیں جن کو شرط و جزاء کہتے ہیں اور مضارع کے دو جملوں پر داخل ہو کر اس کو جزم دیتے ہیں اگر یہ کلمات ان شرطیہ کے معنی سے خالی ہوں تب نہ یہ دو جملے پر داخل ہونے ضروری اور نہ ان کی وجہ

سے جزم ضروری ہوگا جیسے مَنْ جب استفہامیہ ہو مثلاً مَنْ تَضْرِبُ تُوکس کو مارے گا۔

مَنْ تَضْرِبُ أَضْرِبُ اس میں مَنْ مفعول مقدم ہے تَضْرِبُ فعل قاعِل مفعول مقدم سے پہلے کے شرطِ أَضْرِبُ فعل قاعِل سے ملکر جزاء ہو کر جملہ شرطیہ جزائیہ بن جائے گا۔

أَيْنَ تَجْلِسُ أَجْلِسُ: اَيْنَ ظرف مکان یا مفعول فیہ مقدم ہے باقی ترکیب مثل مَنْ کے ہوگی اور اَيْنَ کے ساتھ کبھی مَا بھی لگ جاتا ہے جیسے اَيْنَمَا تَكُنْ أَكُنْ (جس جگہ تو ہوگا میں ہوں گا)

مَتَى تَقُمْ أَقُمْ: مَتَى ظرف زمان یا مفعول فیہ مقدم ہے اور اس کے ساتھ کبھی کبھی مَا لگتا ہے جیسے مَتَى مَاتَ خَرُجْ أَخْرُجْ (جس وقت تو نکلے گا نکلوں گا میں) اَتَى خَشِيَ قَاتِلُ أَكُلْ، اَتَى مضاف اپنے مضاف الیہ کے مل کر مفعول مقدم ہوگا۔ اور اَتَى منصوب پڑھا جاوے گا۔

اَتَى تَكْتُبُ أَكْتُبُ اَتَى ظرف مکان مقدم ہے اور تَكْتُبُ کا مفعول فیہ ہے۔

إِذْ مَا تَسَافَرُ أُسَافِرُ اِلْح اس میں إِذْ مَا ظرف زمان مقدم ہے حَيْثُمَا تَقْضُ أَقْضُ: اس میں حَيْثُمَا ظرف مکان مقدم ہے مَهْمَا تَقْعُدُ أَقْعُدُ اس میں بھی مَهْمَا ظرف زمان مقدم ہے یعنی مفعول فیہ ہے۔

(فائدہ) مَنْ اور مَا اور اَتَى یہ تینوں مرفوع بھی ہوتے ہیں منصوب بھی مجرور بھی جب مرفوع ہوں گے تو مبتدا ہوا کرتے ہیں جیسے مَنْ يَأْتِيَنِي فَهُوَ مُكْرَمٌ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَتُجْزَوْنَ عَلَيْهِ أَيُّهُمْ قَائِمٌ، اَتَى کبھی خبر ہو کر بھی مرفوع ہوتا ہے اور جب منصوب ہوں گے تو مفعول بہ ہوتے ہیں جیسے اسماء شرطیہ کی کئی مثالوں میں آچکا ہے اور جب مجرور ہوں گے تو کسی حرف جر کے تحت آدیں گے یا مضاف الیہ بنیں گے، جیسے غلام مَنْ تَضْرِبُ أَضْرِبُ جس کے غلام کو تو مارے گا میں بھی ماروں گا، اور بَعْمَنْ تَسْمُرُ أَمْرٌ جس کے پاس سے تو گزرے گا میں بھی گزروں گا اور بِأَيُّهُمْ مَرَدٌ مَرَدٌ ان میں سے جس کے پاس سے گزرا تو گزرا میں، ان تین کے علاوہ باقی اسمائے شرطیہ صرف دو حال رکھتے ہیں یا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب جیسے کہ مثالوں میں ہے یا مجرور بحرف جر جیسے مِنْ اَيْنَ تَقْرَأُ أَقْرَأُ جہاں سے تو پڑھے میں پڑھوں گا۔

اسمائے افعال: ان کی تعریف اور وجہ تسمیہ و رد دیگر تفصیل اسم غیر متمکن کی بحث سبق چہارم میں آچکی ہے۔ رُوَيْدٌ بمعنی اَمْهَلٌ ہونے کی وجہ سے اس میں ضمیر اَنْتَ مانی جائے گی اور زَيْدٌ مفعول بہ بن جائے گا، پھر اَتَى اَمْهَلٌ میں اَتَى حرف تفسیر ہے اس سے پہلے جو ہوا اس کو مَفْسَرٌ بفتح السين اور بعد میں جو مَفْسِرٌ بکسر السين کہتے ہیں پھر مَفْسَرٌ اپنے مَفْسَرٌ سے ملکر جملہ تفسیر یہ بن جائے گا۔

اسمائے افعال: جو ماضی کے معنی میں ہوتے ہیں وہ صرف قاعِل پر مکمل ہو جاتے ہیں اس لئے ان کا عمل صرف یہ ہوگا کہ اپنے مابعد کو قاعِل ہونے کی وجہ سے رفع دیدیں اور جو امر حاضر کے معنی میں ہوتے ہیں ایسے اسمائے افعال چونکہ اپنے اندر ضمیر تو رکھتے ہی ہوں گے اس لئے ان کا مابعد مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب لے گا۔

سبق سی و نہم

چهارم اسم فاعل بمعنی حال یا استقبال عمل فعل معروف کند بشرط آنکہ اعتماد کردہ باشد بر لفظیکہ پیش از و باشد و آن لفظ مبتدا باشد در لازم چون زید قائم ابوه و در متعدی چون زید ضارب ابوه عمرو یا موصوف چون مررت برجل ضارب ابوه بگرا یا موصول چون جائی القائم ابوه وجاء لی الضارب ابوه عمراً یا فو الحال چون جاء لی زید راکباً غلامه فرساً یا همزه استفهام چون اضراب زید عمراً یا حرف نفی چون ما قائم زید ہاں عمل کہ قام و ضرب می کرد قائم و ضارب می کند پنجم اسم مفعول بمعنی حال یا استقبال عمل فعل مجہول کند بشرط اعتماد مذکور چون زید مضروب ابوه۔ عمرو معطى غلامه درهما و بکر معلوم ن ابنة فاضلاً و خالد مخبر ن ابنة عمرو فاضلاً ہاں عمل کہ ضرب و اعطى و علم و اخبر می کرد مضروب و معطى و معلوم و مخبر می کند۔

ترجمہ: چوتھے اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں (اسم فاعل) فعل معروف کا عمل کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اعتماد اور نیک کے ہو ایسے لفظ پر کہ جو اس سے پہلے ہو اور وہ لفظ یا مبتدا ہو گا فعل لازم میں جیسے زید قائم ابوه اور فعل متعدی میں جیسے زید ضارب ابوه عمراً (زید، رہا ہے اس کا ابا عمرو کو) یا موصوف ہو جیسے مررت برجل ضارب ابوه بگرا (گذرا میں ایسے مرد کے پاس سے کہ مارا ہے اس کا ابا بکر کو) یا اسم موصول ہو جیسے جاء لی القائم ابوه (آیا میرے پاس وہ کہ کھڑا ہے جس کا ابا) اور (جاء لی) الضارب ابوه عمراً (آیا میرے پاس وہ کہ مارا رہا ہے اس کا ابا عمرو کو) یا فو الحال ہو جیسے جاء لی زید راکباً غلامه فرساً (آیا میرے پاس زید در اس حال تکہ سوار ہے اس کا غلام گھوڑے پر) یا همزه استفهام ہو جیسے اضراب زید عمراً (کیا مارا رہا ہے زید عمرو کو) یا حرف نفی ہو جیسے ما قائم زید (نہیں کھڑا ہے زید) جو عمل کہ قام اور ضرب کرتے ہیں قائم اور ضارب کرتے ہیں پانچویں اسم مفعول جو حال یا استقبال کے معنی میں ہو (یہ) فعل مجہول کا عمل کرتا ہے مذکورہ اعتماد کے ساتھ جیسے زید مضروب ابوه، زید اس کا ابا مارا گیا اور عمرو معطى غلامه درهما، عمرو اس کا غلام درہم دیا گیا، اور بکر معلوم ن ابنة فاضلاً، بکر جان لیا گیا کہ اس کا بیٹا فاضل ہے اور خالد مخبر ن ابنة عمراً فاضلاً خالد بتل دیا گیا

اس کا بیٹا کہ عمرو فاضل اور پڑھا لکھا ہے جو عمل کہ ضَرْبٌ اور أُعْطِيَ اور عَلِمَ اور أُخْبِرَ کرتے ہیں مَضْرُوبٌ اور مُعْطَى اور مَعْلُومٌ اور مُخْبِرٌ کرتے ہیں۔

حل مضمون اسماء میں سے اسم فاعل بھی عمل کرتا ہے پھر اسم فاعل چونکہ فعل مضارع سے بنتا ہے اور فعل مضارع فعل ماضی سے بنتا ہے اور ماضی مصدر سے بنتی ہے اور مصدر دو طرح کا ہوتا ہے لازم اور متعدی فعل لازم فاعل پر مکمل ہو جاتا ہے مفعول بہ کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور فعل متعدی محتاج ہوتا ہے مفعول بہ کا تو اسم فاعل اگر فعل متعدی سے بنے گا تو اس کا عمل بھی فعل متعدی والا ہوگا اور لازم بنے گا تو فعل لازم والا عمل کرے گا فعل لازم سے بنے اسم فاعل کی مثال زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ ہے کیونکہ قیام تہا ایک آدمی سے وجود میں آجاتا ہے مثل ضرب اور مار کے اور آدمی کے ضرورت نہیں ہے کہ جس کو مارے گا وہ بھی ہو تو اس میں قائم اسم فاعل نے ابوہ کو رفع دے رکھا ہے اور ابوہ اس کا فاعل ہے اور فعل متعدی سے بنے اسم فاعل کی مثال زَيْدٌ ضَارِبٌ ابوہ غَمْرُوہ ہے کہ زید اس کے ابا نے عمرو کی پٹائی کی ہے، چہ مار بغیر دو شخصوں کے وجود میں نہیں آتی ہے اس لئے مفعول بہ کی ضرورت رہے گی لیکن اسم فاعل اپنے فعل چاہے وہ لازم ہو یا متعدی جیسا عمل کرنے میں دو شرطوں کا محتاج ہے (۱) اسم فاعل میں مثل مضارع کے حال یا استقبال کا زمانہ ہونا ضروری ہے۔

سوال یہ شرط کیوں لازم ہے۔

جواب اسم فاعل چونکہ فعل مضارع سے بنتا ہے اور ہر اسم فاعل جس فعل مضارع سے بنے گا اس مضارع کے حروف حرکات اور سکونات میں برابر ہوتا ہے جیسے ضارب میں چار حرف ہیں اس کے مضارع يضرب میں بھی چار ہی ہیں اور جیسے ضارب میں تین حرکتیں اور ایک سکون ہے یہی بات يضرب میں بھی ہے تو چونکہ لفظاً اور ظاہراً اسم فاعل اپنے مضارع سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے معنی بھی اس کو مضارع کے مشابہ کرنے کے لئے حال یا استقبال کا زمانہ ہونا اسم فاعل میں ضروری کر دیتا کہ اس لفظی اور معنوی دونوں طرح کی مشابہت ہونے سے فعل مضارع جیسا اسم فاعل ہو جاوے کیونکہ اصل عمل تو افعال کا ہی ہوتا ہے اور ان کے فاعل اور مفعول ہوا کرتے ہیں اسماء جیسے اسم فاعل و مفعول وغیرہ کا عمل تو مشابہت کے طفیل ہے اس لئے جتنی مشابہت قوی ہوگی اتنا ہی بہتر ہوگا، (۲) دوسری شرط اسم فاعل کے عمل کرنے کے لئے یہ ہے کہ اس سے پہلے چھ چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے (۱) مبتدا (۲) موصوف (۳) اسم موصوں (۴) ذوالحال (۵) ہمزہ استفہام (۶) حرف نفی ما وغیرہ۔

سوال اسم فاعل کے عمل کے لئے یہ دوسری شرط کیوں ضروری ہوئی۔

جواب یہ شرط بھی اسم فاعل میں عمل کی قوت پیدا کرنے کے لئے ہی ہے کہ جیسے فعل اپنے فاعل کا سہارا لیتا ہے ایسے ہی اسم فاعل اپنے سے پہلی چیز پر اعتماد اور سہارا لے گا اور استناد الی الشئ یعنی کسی چیز کا سہارا لینا فعل کے لوازم اور خاصہ میں سے ہے،

کیوں کہ فعل ہمیشہ کسی فاعل کا محتاج ہوتا ہے جس سے وجود میں آئے گا لہذا اسم فاعل جب اس سے پہلے چھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہوگی ان سے جڑے گا چنانچہ اگر مبتدا ہے تو اسم فاعل اس کی خبر بن کر ماقبل سے جڑے گا موصوف ہے تو اسم فاعل صفت بن کر جڑے گا اور ذوالحال ہو تو حال بن کر اسم موصول ہو تو وصلہ بن کر۔

سوال - حرف نفی واستفہام میں کیا بن کر جڑے گا۔

جواب حرف نفی جیسے ما، لا، لم، لن؛ یہ سب افعال کے دوست ہیں اور یہی حال ہے حروف استفہام کا جیسے مَنْ تَضَرَّبْتُ هَلْ أَكَلْتَ الطَّعَامَ أَتَضَرَّبُ زَيْدًا وغیرہ میں تو جب فعل پہ داخل ہونے والی چیزیں اسم فاعل پہ داخل ہوں گی تو وہ اسم فاعل کو فعل کے مشابہ بنا دیں گے جس سے اسم فاعل کے عمل میں قوت ہوگی اور یہی مقصود بھی ہے۔

سوال: اسم فاعل کی تعریف کیا ہے؟

جواب: کسی ذات کے ساتھ کسی فعل یا کوئی وصف پائے جانے کو جو مکملہ یا صیغہ ظاہر کرے وہ اسم فاعل کہلاتا ہے جیسے ضارب وہ شخص جو صفت ضرب والا ہو عالم جو علم کی صفت سے متصف ہو۔

سوال: یہ بات تو صفت مشبہ میں بھی ہوتی ہے جیسے حَسَنٌ حَسَنٌ وَاللَّهِ كَرِيمٌ كَرِيمٌ اور سخاوت والا جو ہوگا اس پر بولیں گے

جواب: صاحب صفت ہونے کو تو اسم فاعل اور صفت مشبہ دونوں ہی ظاہر کرتے ہیں مگر دونوں میں فرق ہے اسم فاعل تو اس وصف کے عارضی ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور صفت مشبہ بطور دوام اور ثبوت یعنی ہمیشہ ہمیشہ اس صفت کے اپنے موصوف کے لئے ثابت ہونے کو بتاتی ہے اسی لئے صفت مشبہ ایسی صفتوں کے بیان کرنے کے لئے آتی ہے جو پیدائشی اور دائمی ہوں رہتی رہیں اور جدا نہ ہوتی ہوں مثلاً علم حسن ذہانت بلا دہ بہادری بزدلی وغیرہ وغیرہ۔

اب آپ ایسی چھ مثالیں لے لیں جن میں اسم فاعل نے اپنے سے پہلے ان چھ میں سے کسی ایک پر اعتماد اور سہارا لے رکھا ہے (۱) مبتدا پر اعتماد کی مثال زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ یہ فعل لازم سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے زَيْدٌ مبتدا قائم اسم فاعل اپنے ابوہ مرکب اضافی فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر زَيْدٌ کی خبر مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو جائے گا، زَيْدٌ ضاربٌ ابوہ عمروا یہ فعل متعدی سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے زَيْدٌ مبتدا ہوگا ضاربٌ اسم فاعل ابوہ مرکب اضافی ہو کر ضاربٌ کا فاعل اور عمروا مفعول بہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر خبر مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوگا، (۲) موصوف پر اعتماد کی مثال جیسے مَرَزَتْ بِرَجُلٍ ضَارِبٌ أَبُوهُ بِمَكْرًا اس میں رجل موصوف ضاربٌ اپنے فاعل ابوہ اور مفعول بہ مَكْرًا سے ملکر شبہ جملہ ہو کر مَرَزَتْ سے ملکر مجرور باء کا پھر باء مَرَزَتْ کے متعلق ہو کر مَرَزَتْ اور اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، (۳) اسم موصول پر اعتماد کی مثال جَاءَ نِسِيُّ الْقَائِمِ أَبُوهُ یہ فعل لازم سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے اور القائم میں الف لام بمعنی الذی ہے جب اسم فاعل اور اسم موصول پر داخل الف لام بمعنی الذی ہو جاتا ہے تو اسم فاعل معروف اور اسم

مفعول فعل مجہول سے بدل جاتا ہے لہذا القانم بمعنی الَّذِي قَامَ ہو جائے گا اب قائم بمعنی قام پھر ابوہ اس کا فاعل پھر فعل فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صلہ اس الَّذِي کا جو الف لام سے بنا ہے اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر فاعل جہاں نی کا فاعل و قایہ کی مکمل مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا جَاءَ نَبِيُّ الضَّارِبِ أَبُوهُ عَمْرًا یہ فعل متعدی سے بنے اسم فاعل کی مثال ہے الف لام بمعنی الَّذِي ہو کر اسم موصول ضارب بمعنی ضَرَبَ ہو کر اسم فاعل ابوہ مرکب اضافی ہو کر فاعل عمرو مفعول بہ ضارب اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ الف لام بمعنی الَّذِي اپنے صلہ سے مل کر جَاءَ نَبِيُّ کا فاعل پھر جملہ فعلیہ ہو جائے گا (۴) ذوالحال پر اعتماد کی مثال جَاءَ نَبِيُّ زَيْدٌ رَاكِبًا غُلَامُهُ فَرَسًا آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس کا غلام گھوڑے پر سوار ہے اس میں زَيْدٌ ذوالحال رَاكِبًا اسم فاعل غلامہ مرکب اضافی ہو کر اس کا فاعل فَرَسًا مفعول بہ رَاكِبًا اپنے فاعل و مفعول بہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال ہو جائے گا ذوالحال اپنے حال سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر فاعل ہے جَاءَ نَبِيُّ کا پھر جملہ فعلیہ بن جائے گا، (۵) ہمزہ استفہام پر اعتماد کی مثال نَسَارَبٌ زَيْدٌ عَمْرًا ہمزہ استفہامیہ پھر ضارب اپنے فاعل و مفعول بہ سے ملکر شبہ جملہ انشائیہ ہو جائے گا (۶) حرف نفی پر اعتماد کی مثال مَا قَائِمٌ زَيْدٌ اس میں ما حرف نفی قائم اپنے فاعل زید سے ملکر شبہ جملہ ہو جائے گا۔

اسم مفعول بمعنی حال یا استقبال: اسم مفعول بھی چونکہ اسماء میں سے اور اصل عمل الحال کا کام ہے اسماء جہاں کہیں بھی عمل کریں گے افعال کی مشابہت کے طفیل ہی کریں گے لہذا مثل اسم فاعل کے اسم مفعول کے لئے بھی وہ ہی دو شرطیں ہیں جو اسم فاعل کے لئے آچکی ہیں (۱) حال یا استقبال کے معنی میں کیونکہ اسم مفعول فعل مضارع مجہول کے حروف حرکات سکناات میں مشابہ ہے اور یہ مشابہت لفظی ہے تو معنوی مشابہت پیدا کرنے کے لئے فعل مضارع مجہول کے اسم مفعول میں حال یا استقبال کا زمانہ بھی ہونا ضروری کر دیا گیا ہے (۲) اعتماد علی الاشياء الستہ ہو، پھر چونکہ اسم مفعول حقیقت میں فعل متعدی سے ہی بنا کرتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسم مفعول مانند مجہول کے ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بتایا کہ اسم مفعول کا الف لام جب الَّذِي کے معنی میں ہوگا تو خود اسم مفعول فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہو جاتا ہے جیسے المضروب معنی میں الَّذِي ضَرَبَ کے ہو گیا اور فعل مجہول میں ہوتا یہ ہے کہ فاعل کو ختم کر کے اس کی جگہ مفعول بہ لے آتے ہیں اور اس کو نائب فاعل کہتے ہیں اور جو اعراب فاعل کا تھا وہ اس کے نائب کا ہو جاتا ہے تو بغیر مفعول بہ ہوئے مجہول نہیں بنتا اور مفعول بہ بغیر فعل متعدی کے نہیں ہوتا اس لئے ہمیشہ اسم مفعول فعل متعدی سے بنتا ہے اور فعل متعدی چار قسم کا ہوتا ہے (۱) متعدی بیک مفعول (۲) متعدی ایسے دو مفعولوں کے ساتھ جن میں سے ایک کا ذکر اور ایک کا حذف جائز ہے جیسے اعطيت زيدا درهما (۳) متعدی ایسے دو مفعولوں کے ساتھ جن میں اکتفاء ایک پر بغیر دوسرے کے جائز نہ ہو جیسے

عَلِمْتُ زَيْنًا فَاضِلًا (۴) متعدی تین مفعول کے ساتھ جیسے اَعْلَمَ اللهُ زَيْنًا عَمْرًا فَاضِلًا، اسی لئے مصنف نے اسم مفعول کے عمل کی چار مثالیں دی ہیں تاکہ ہر قسم کے فعل متعدی سے بنے اسم مفعول کی مثالیں سامنے آجائیں، چنانچہ زیند مضر و بَ اَبُوہُ مثال فعل متعدی بیک مفعول سے بنے اسم مفعول کی ہے اور عَمْرٌ و مُعْطَى غلامہ درہما ایسے فعل متعدی بد مفعول سے بنے اسم مفعول کی ہے جس میں اکتفاء علی الواحد جائز ہو و مفعول اول کو اسم مفعول کا نائب فاعل بننے کی وجہ سے رفع دے رکھا ہو اور دوسرا مفعول علی حالہ منصوب رہ رہا ہو (۳) بَكَرٌ مَعْلُومٌ نِ ابْنِہُ فَاضِلًا یہ ایسے فعل متعدی بد مفعول سے بنے اسم مفعول کی مثال ہے جس کے دو مفعولوں میں سے کسی پر اکتفاء درست ہو (۴) خَالِدٌ مُخْبِرٌ نِ ابْنِہُ عَمْرًا فَاضِلًا یہ متعدی بد مفعول سے بنے اسم مفعول کی مثال ہے۔

ہمان عمل کہ ضرب الخ ابھی بتایا گیا کہ اسم مفعول چار قسم کے فعل متعدی سے بن سکتا ہے اس لئے اس کا عمل بھی اپنے فعل متعدی کی طرح کبھی ایک مفعول میں ہوگا کبھی ایسے دو مفعولوں میں کہ اس میں اکتفاء درست نہ ہوگا اور کبھی ایسے دو مفعولوں میں جس میں اکتفاء درست ہوگا اور کبھی اس کا عمل تین مفعولوں میں ہوگا، لہذا جو عمل ضَرْبِ اور اُعْطَى اور عَلِمَ اور اُخْبِرَ کریں گے وہی عمل مضر و بَ، مُعْطَى، مَعْلُومٌ مُخْبِرٌ کریں گے۔

فائدہ: اسم مفعول چار طرح کے فعل متعدی سے بننے کی وجہ سے خود بھی چار طرح کا ہو گیا، ادھر اسم مفعول کا اعتماد جن چیزوں پہ ہے وہ چھ ہو گئے تو چار کو چھ میں گنا کرنے سے چوبیس مثالیں بن جائے گی۔ آگے نقشہ ملاحظہ کریں:

اسم مفعول کی اپنی اور اپنے معتمد علیہ کی قسموں کی ۲۴ مثالیں:

معتمد علیہ	متعدی بیک مفعول	متعدی بد مفعول جس میں ایک مفعول پر اکتفاء درست ہے	متعدی بد مفعول جس میں اکتفاء ایک مفعول پر درست ہے نہیں	متعدی بد مفعول
۱ مبتدا	زَيْنًا مَضْرُوبًا اَبُوہُ	عَمْرٌ و مُعْطَى غَلَامَةٌ دِرْهَمًا	بَكَرٌ مَعْلُومٌ نِ ابْنِہُ فَاضِلًا	خَالِدٌ مُخْبِرٌ نِ ابْنِہُ عَمْرٌ و فَاضِلًا
۲ موصوف	مَرَوْتُ بِرَجُلٍ مَضْرُوبٍ اَبُوہُ بَكَرًا	مَرَوْتُ بِرَجُلٍ مُعْطَى غَلَامَةٌ دِرْهَمًا	مَرَوْتُ بِرَجُلٍ مَعْلُومٍ نِ ابْنِہُ فَاضِلًا	مَرَوْتُ بِرَجُلٍ مُخْبِرٍ نِ ابْنِہُ عَمْرٌ و فَاضِلًا
۳ موصول	جَاءَ بِي الْمَضْرُوبُ اَبُوہُ	جَاءَ بِي الْمُعْطَى غَلَامَةٌ دِرْهَمًا	جَاءَ بِي الْمَعْلُومُ نِ ابْنِہُ فَاضِلًا	جَاءَ بِي الْمُخْبِرُ نِ ابْنِہُ عَمْرٌ و فَاضِلًا

۴ ذوالحال	جاء بی زیند مضروباً أبوه	جاء لی زیند مغطی غلامه درهما	جاء لی زیند معلوماً ایند فاحصلاً	جاء لی زیند مخبراً ایند عمرؤا فاحصلاً
۵ ہمزہ استفہام	أَمْضُوبٌ زیند	انغطی زیند درهما	انغلووم زیند فاحصلاً	امخبر زیند عمرؤا فاحصلاً
۶ حرف نفی	ما مضروبٌ زیند	ما مغطی زیند درهما	ما معلومٌ زیند فاحصلاً	ما مخبرٌ زیند عمرؤا فاحصلاً

سبق پہ، حکم

ششم صفت مشبہ عمل فعل خود کند بشرط اعتماد مذکور چون زیند حسن غلامہ ہاں عمل کہ حسن
میکرد حسن می کند۔

ترجمہ - چھٹے صفت مشبہ جو اپنے فعل کا عمل کرتی ہے مذکورہ اعتماد کی شرط کے ساتھ جیسے زیند حسن غلامہ جو عمل کہ حسن
کرتا ہے حسن بھی کرتا ہے۔

حل مضمون - صفت مشبہ کو صفت مشبہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسم فاعل سے مشابہت رکھتی ہے اور اس جیسی ہے۔
سوال - کس بات میں اسم فاعل کی طرح ہے۔

جواب : مثل اسم فاعل کے اس کے بھی تشبیہ جمع اور مذکر مؤنث کے صیغے آتے ہیں۔

صفت مشبہ ہمیشہ فعل لازم سے بنتی ہے بخلاف اسم فاعل اور اسم مفعول اور اسم تفضیل کے کہ وہ دونوں سے بنتے ہیں
چاہے فعل لازم ہو چاہے متعدی، پھر صفت مشبہ کا صیغہ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ وہ فعل پایا جا رہا ہو جیسے حسن
جو حسن والا ہو اس سے اسم زمان و مکان و اسم آلہ نکل جائیں گے کیونکہ وہ بجائے اس ذات کو بتلانے کے جس کے ساتھ وہ کام پایا
گیا اس جگہ یا وقت کو بتلاتے ہیں جس میں وہ کام کیا گیا ایسے ہی اسم آلہ اس چیز پر دلالت کرے گا جس کے ذریعہ وہ کام ہوا جیسے
وافتاح وہ چیز جس سے کھولا جاتا ہے۔

صفتہ مشبہ واسم فاعل میں فوق : صفتہ مشبہ جس صفت کو اپنے فاعل کے لئے ثابت کرے گی وہ بجائے عارضی
کے دائمی ہوگی اس لئے صفت مشبہ کے اوزان اور صیغے قیاسی نہیں ہیں کہ مثل اسم فاعل کے کسی بھی فعل سے بنائیں بلکہ اہل عرب
سے سننے پر دار و مدار ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کو عالم نہیں کہہ سکتے علیہم کہیں گے، کیونکہ صفت علم اللہ تعالیٰ کے لئے ہمیشہ سے ہے
اور رہے گی بخلاف عالم اس شخص پر بولیں گے جس کے لئے ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ اس صفت والا نہیں تھا۔

عمل فعل خود کنند: صفت مشبہ فعل لازم سے بنتی ہے اس لئے اس کا عمل بھی فعل لازم والا ہوا کہ اپنے معمول کو رفع دی گی، لیکن جب صفت مشبہ میں اندر ضمیر مان لیں گے تو فاعل تو وہ ضمیر ہو جائے گی آگے جو آئے گا اس کو منصوب پڑھیں گے یا مجرد پڑھیں گے۔

سوال: صفت مشبہ جب فعل لازم والا عمل کرتی ہے تو نصب اور جز اس کے ذریعہ آنے کا کیا مطلب ہے۔

جواب: اس کے فعل لازم سے بننے کی وجہ سے اس کا عمل رفع تک ہی محدود رہنا چاہئے تھا لیکن صفت مشبہ اس بات میں اپنے فعل لازم سے بڑھ جائے گی کہ وہ منصوب بھی کرتی ہے پھر جس کو صفت مشبہ نصب دیگی وہ کلمہ اگر معرفہ ہے تو اس کو مشابہ بالمفعول ہونے کی وجہ سے نصب دی گی، کیونکہ حقیقی مفعول صفت مشبہ کا ہوتا ہی نہیں ہے کہ فعل لازم سے بنتی ہے اور اگر وہ کلمہ نکرہ ہے تو تمیز کی مشابہت کی بناء پر اس کو نصب دیگی، اور اگر صفت مشبہ کا معمول مجرد ہوگا تو بوجہ مضاف الیہ ہونے کے ہوگا، بہر حال صفت مشبہ کا عمل فعل لازم سے زائد مانا گیا ہے، بشرط اعتماد مذکور: صفت مشبہ اپنے فعل لازم کا عمل کرنے کے لئے صرف ایک شرط کے ساتھ شرط ہے کہ اس کا اعتماد اسم فاعل میں بیان کردہ چیزوں میں سے کسی ایک پر ہو لیکن ان چھ چیزوں میں سے بھی ایک چیز یعنی اسم موصول صفت مشبہ کا معتد علیہ نہیں بنے گی یعنی صفت مشبہ سے پہلے اسم موصول نہیں آتا ہے تاکہ اس کا اعتماد اس پر بھی مانا جائے صرف پانچ چیز صفت مشبہ سے پہلے آئیں گی جن پر صفت مشبہ کا اعتماد ہوگا (۱) مبتدا (۲) موصوف (۳) ذوالحال (۴) حرف نفی (۵) حرف استفہام۔

سوال: صفت مشبہ کا اسم موصول پر اعتماد کیوں نہیں ہوا کرتا۔

جواب: چونکہ صفت مشبہ پر داخل الف لام مثل اسم فاعل و مفعول کے الذی اسم موصول کے معنی میں نہیں ہوتا ہے۔

سوال: صفت مشبہ کے عمل کرنے کے لئے دوسری شرط کہ حال و استقبال کا زمانہ اس میں مراد لیا جاوے کیوں نہیں ضروری ہے

جواب: چونکہ صفت مشبہ میں دوام اور سارے زمانوں میں ہی وہ صفت اپنے موصوف کے لئے ثابت ہوا کرتی ہے لہذا اس میں مخصوص زمانہ مراد لینا درست نہ ہوگا۔

صفت مشبہ کے مسائل

صفت مشبہ الف لام کے ساتھ اور بغیر الف لام کے دونوں طرح استعمال ہوتی ہے الحسن اور حسن دو استعمال ہیں پھر ان دونوں کا معمول تین طرح کا ہوگا (۱) یا تو وہ معرف باللام ہوگا، (۲) یا مضاف ہوگا (۳) یا دونوں سے خالی ہوگا جیسے الوجہ، وجہہ، وجہا، یہ تینوں طرح کے معمول الحسن (معرف باللام) کے ساتھ جوڑنے سے تین قسم اور حسن (غیر معرف باللام) کے ساتھ جوڑنے سے تین قسم کل چھ قسمیں ہو جائے گی، اس طرح:

وَجْهًا	وَجْهَةً	الْوَجْهَ	الْحَسَنُ
وَجْهًا	وَجْهَةً	الْوَجْهَ	حَسَنٌ

پھر ان چھ معمولوں میں سے ہر ایک کو مرفوع، منصوب، مجرور تین طرح پر دھو تو چھ کو تین مرتبہ کرنے سے کل اٹھارہ قسمیں ہو جائیں گی (ملاحظہ ہو تفصیل کا نقشہ)

معمول دونوں سے خالی	معمول مضاف	معمول معرف باللام	صفتہ مشبہ معرف باللام
وَجْهًا	وَجْهَةً	الْوَجْهَ	الْحَسَنُ
معمول دونوں سے خالی	معمول مضاف	معمول معرف باللام	صفت غیر معرف باللام
وَجْهًا	وَجْهَةً	الْوَجْهَ	حَسَنٌ

جب صفتہ مشبہ کے بعد کے کلمہ کو مرفوع پڑھیں گے تو وہی اس کا فاعل بنے گا اب ضمیر کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بعد کا کلمہ منصوب یا مجرور پڑھیں گے تو پھر صفت مشبہ میں ضمیر مانیں گے جو اس شخص کی طرف لوٹے گی جس کی کسی صفت حَسَن یا عِلْم وغیرہ کو بتا رہے ہوں گے صفتہ مشبہ کے ذریعہ پھر بعض دفعہ ایسا ہوگا کہ ایک ضمیر خود صفتہ مشبہ میں ہو جائے گی اور ایک معمول کے مضاف ہونے کی صورت میں اس کے معمول میں پائی جائے گی تو بعض دفعہ ضرورت سے زائد پر مشتمل ہے، اور جملہ دو ضمیروں پر مشتمل ہو جائے گا، ایسے ہی چونکہ صلتہ مشبہ اپنے فاعل سے ملکر اپنے معتدلیہ سے جڑے گی یعنی جس پر سہارا ہوگا یا تو اس کی خبر اگر وہ مبتدا ہو یا اس کی صفت اگر وہ موصوف ہو یا حال اگر وہ ذوالحال ہو بنی گی اور جب جملہ اپنے مائل کی خبر یا صفت یا حال بنے اس میں ایک ضمیر مائل کی طرف لوٹنے والی ضرور ہونی چاہئے لہذا جس شکل میں صفتہ مشبہ سے بنے جملہ میں ضمیر مائل کی طرف راجع ہونے والی نہ ہوگی تو وہ صورت قبیح ہو جائے گی ایسے ہی صفتہ مشبہ کی جب اضافت ہو رہی ہے تو اس میں تخفیف کا فائدہ حاصل ہونا بھی ضروری ہے اس طرح کہ صفتہ مشبہ کی تینوں جب کہ واحد ہو یا نون جب کہ شنیہ جمع ہو کر جانا چاہئے اور یا مضاف الیہ کی ضمیر گر جانی چاہئے لہذا جہاں یہ تخفیف نہ ہوگی وہ صورت بھی ناجائز ہوگی۔

اب ان اٹھارہ صورتوں میں سے جن صورتوں میں ایک ہی ضمیر رہتی ہے وہ اَحْسَنُ کہلائیں گی کیونکہ مقصود کو پورا کر رہی ہیں اور زائد سے خالی ہیں اور یہ تو صورتیں ہیں۔ اور جن میں صلتہ مشبہ سے بنے جملہ میں دو ضمیر ہوں وہ حَسَنُ کہلائیں گے حسن تو اس لئے کہ بقدر ضرورت ضمیر ہے غیر احسن اس لئے کہ دو ہیں جو ضرورت سے زائد پر مشتمل ہے اور یہ دو صورتیں ہیں۔ اور چار صورتیں ہیں جن میں کوئی ضمیر ہی نہیں ہے یہ قبیح کہلاتی ہیں کیونکہ ضرورت کے مطابق والی ضمیر بھی نہیں ہے ۱۲۔ اور دو صورتیں ناجائز اور ممتنع ہیں اور ایک مختلف فیہ ہے کہ بعض کے یہاں جائز ہے بعض کے یہاں نہیں۔

ممتنع دو صورتیں (۱) اَلْحَسَنُ وَجْهٍ یعنی صفت مشبہ معرف باللام ہو اور مضاف ہو اور اس کا معمول جو الف لام

اضافت سے خالی ہو اس کا مضاف الیہ بن رہا ہو یہ صورت ممتنع ہے کیونکہ اگرچہ یہاں اضافت سے تخفیف کا فائدہ مل گیا کہ وجہ معمول سے ضمیر حذف ہوگئی، اور الحسن صفہ مشبہ میں مان لی گئی ہے، لیکن الحسن معرف باللام ہے اور وجہ نکرہ ہے اضافت کا طریقہ ہے تو نکرہ کی معرفہ کی طرف اور یہاں الٹا ہو رہا ہے کہ معرفہ ہی نکرہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے (۲) دوسری صورت **الْحَسَنُ وَجِهَهُ** ہے یہ اس لئے ممتنع ہے کہ یہاں اضافت سے تخفیف کا فائدہ حاصل نہیں ہو اس لئے کہ الحسن مفرد ہے جس پر الف لام کی وجہ سے تئوین تھی ہی نہیں جو اس کا گرنا مان لیں اور نہ مضاف الیہ میں وجہ سے ضمیر گری جو الحسن صفہ میں مان لیتے لہذا تخفیف نہ ہونے سے یہ صورت بھی ممتنع ہوگئی اور **حَسَنٌ وَجِهَهُ** یعنی صفہ مشبہ الف لام سے خالی ہو اور اس کی اپنے معمول مضاف کی طرف اضافت ہو رہی ہو یہ صورت سیبویہ اور عند البصرین قباحت کے ساتھ ضرورت شعری میں چل سکتی ہے اور عند الکوفیین بلا قباحت نثر کلام میں بھی جائز ہے بصریتین کا کہنا یہ ہے کہ **حَسَنٌ** سے تئوین کرنے سے گو تخفیف کچھ نہ کچھ حاصل ہوگئی مگر اعلیٰ درجہ والی کہ معمول سے ضمیر گرا کر کی جاتی اور ضمیر صفہ مشبہ میں مسترمان لیتے نہیں ہوئی تو اعلیٰ تخفیف کا امکان ہوتے ہوئے ادنیٰ پر کیوں اکتفاء کیا۔

سبق چہل و یکم

مفتم اسم تفضیل استعمال اور سہ وجہ است بہ من چوں زیدٌ اَفْضَلُ من عَمْرٍو یا بالف لام چوں جَاءَ نَبِیُّ زَیْدٌ نِ الْاَفْضَلُ یا باضافت چوں زیدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَعَمَلٌ اودر فاعل باشد و آں هُوَ اسْتِ فاعِلِ اَفْضَلُ کہ درو مستتر است هَشْتُمُ مصدر بشرط آنکہ مفعول مطلق باشد عمل فعلش کند چوں اَعَجَبَنِی ضَرْبُ زَیْدٍ عَمْرٍو اَنهَمُ اسم مضاف مضاف الیہ را بجز کند چوں جَاءَ نَبِیُّ غُلَامٌ زَیْدٌ بدانکہ ایں جا لام تکفیت مقدر است زیرا کہ تقدیرش آنست کہ غُلَامٌ لَزَیْدِ

ترجمہ : ساتویں اسم تفضیل اور اس کا استعمال تین طریقے پر ہے (۱) من کے ساتھ جیسے زیدٌ اَفْضَلُ من عمرو کہ زید عمرو سے زیادہ علم و ہنر اور بزرگی والا ہے (۲) یا الف لام کے ساتھ جیسے جَاءَ نَبِیُّ زَیْدٌ نِ الْاَفْضَلُ علم و ہنر میں فائق اور برتر زید میرے پاس آیا (۳) یا اضافت کے ساتھ جیسے زیدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ (زید لوگوں میں سب سے فائق ہے) اور اس کا عمل فاعل میں دگا اور وہ هُوَ ہے جو اَفْضَلُ کا فاعل ہے اور اس میں چھپا ہوا ہے اَنهَمُ مصدر بشرطیکہ مفعول مطلق نہ ہو اپنے فعل کا عمل کرتا ہے جیسے اَعَجَبَنِی ضَرْبُ زَیْدٍ عَمْرٍو زید عمرو زید کے عمرو کو مارنے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا تو ویں اسم مضاف جو مضاف الیہ کو جز کرتا ہے جیسے جَاءَ نَبِیُّ غُلَامٌ زَیْدٌ اس لئے کہ اس کی اصل عبارت ہے غُلَامٌ لَزَیْدِ۔

حل مضمون۔ اسماء کے عمل کا ذکر چل رہا ہے ساتواں اُن میں سے اسم تفضیل ہے، اسم تفضیل کی تعریف یہ ہے

کہ جو کلمہ کسی ذات کے کسی صفت کے ساتھ اوروں سے زیادہ متعسف ہونے کو بتلائے وہ اسم تفضیل ہے مثلاً زَيْدٌ أَغْلَمُ النَّاسِ کہ زید لوگوں میں سب سے بڑا عالم ہے گویا صفت علم کو زید میں اوروں کی بہ نسبت زیادہ بتلانے کے لئے أَغْلَمَ اسم تفضیل لایا گیا ہے اسم مبالغہ بھی اپنے موصوف کے کسی صفت میں زیادہ ہونے کے بتلاتا ہے لیکن اس میں مقابلہ مد نظر نہیں ہوتا ہے فی نفسہ زیادتی کو بتانا ہوتا ہے جیسے زَيْدٌ ضَرَبْتُ بِيَدِي مَارَاتًا ہے بہر حال اسم تفضیل بھی عمل کرتا ہے مذکر کے لئے أَفْعَلٌ کا وزن ہے اور مؤنث کے لئے فُعْلَى کا جیسے أَصْفَرُ اور ضَعْفَى اسم تفضیل میں ایک ضمیر ہوتی ہے مذکر کے صیغے میں هُوَ مؤنث میں ہی یہی اس کے فاعل بنتے ہیں اور اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اسم تفضیل کا استعمال : ہمیشہ اسم تفضیل جہاں کہیں پاؤ گے تو اس کا استعمال تین طرح میں سے ایک صورت پر ضرور ملے گا (۱) مَن کے ساتھ جیسے زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو اس مَن والے استعمال میں اسم تفضیل ہمیشہ مفرد مذکر ہوگا خواہ موصوف یعنی جس کو اوروں سے فائق اور بڑھا ہوا ظاہر کرنا ہے جس کو مُفَضَّلٌ کہتے ہیں کچھ بھی رہے مذکر ہو یا مؤنث واحد ہو یا ششہ جمع چونکہ أَفْضَلُ کی ضمیر مفضل کی طرف لوٹتی ہے اس لحاظ سے مُفَضَّلٌ کے مطابق ہی أَفْضَلُ کو مانے کا تقاضہ تھا مگر بتا دیا کہ اس میں اس مطابقت کی ضرورت نہیں وجہ اس کی بڑی کتابوں میں ہے یہاں تو نفس استعمال ذہن نشین کر لیا جاوے ترکیب یوں کریں گے کہ زَيْدٌ مَبْتَدَا أَفْضَلُ اسم تفضیل ضمیر اس کے اندر فاعل مِنْ عَمْرٍو أَفْضَلُ کے متعلق ہو جائے گا پھر أَفْضَلُ اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر زَيْدٌ کی خبر ہو کر جملہ اسمیہ بن جائے گا، یاد رہے کہ جس کو فوقیت دیں گے اس کو مُفَضَّلٌ کہتے ہیں اور جس پر فوقیت دیں گے اس کو مُفَضَّلٌ علیہ کہا جاتا ہے (۲) دوسرا استعمال اسم تفضیل کا یہ ہے کہ اس پر الف لام ہوگا جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْدٌ نِ الْاَفْضَلُ۔

سوال : اسم تفضیل میں مُفَضَّلٌ اور مُفَضَّلٌ علیہ مذکور ہونے چاہئیں اور اس مثال میں مفضل علیہ غائب ہے ذکر نہیں کر رکھا ہے۔

جواب : معرف باللام اسم تفضیل کا مفضل علیہ ہمیشہ ذہن میں ہوگا اور قرینہ سے جانا جا رہا ہوگا کہ کن سے بڑھا ہوا اور أَفْضَلُ بتا رہے ہیں اسی لئے یہ الف عہد کے لئے ہوگا عہد کے معنی ہی ہیں پہچانتے اور جانا ہوا ہونے کے لہذا حکمنا معرف باللام اسم تفضیل کا مفضل علیہ مذکور ہوگا اور مضاف اسم تفضیل یا مستعمل بمن اسم تفضیل کا مفضل علیہ لفظاً ہی ہوا کرتا ہے اگر کہیں نہ ہوگا تو مقدر مان لیا جاتا ہے جیسے أَللّٰهُ أَكْبَرُ اِیْ مِنْ كَلِّ شَيْءٍ یعنی اللہ ہر چیز سے بڑا ہے، اس استعمال میں ہمیشہ اسم تفضیل اپنے موصوف یعنی مفضل کے مطابق ہونا ضروری ہے جیسے زَيْدٌ نِ الْاَفْضَلُ وَالزَّيْدَانِ الْاَفْضَلَانِ وَالزَّيْدُونَ الْاَفْضَلُونَ اس میں الافضل زید کی صفت ہو کر اپنے ماقبل کا فاعل ہو جائے گا (۳) تیسرا استعمال اسم تفضیل کا یہ ہے کہ وہ خود مضاف بنے اور مفضل علیہ ہونے والی چیز اس کا مضاف الیہ ہو جیسے زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ، اس میں اسم تفضیل چاہے موصوف اور مُفَضَّلٌ کے مطابق رکھو چاہے مفرد رکھو دونوں درست ہے جیسے زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ ایسے ہی الزَّيْدُونَ أَفْضَلُوا الْقَوْمِ اور أَفْضَلُ الْقَوْمِ دونوں درست ہے۔

فائدہ: اسم تفضیل کے آخر میں جنون نہیں آیا کرتی ہے پھر اسم تفضیل یعنی للفاعل اور مبنی للمفعول دونوں طرح آتا ہے کہ کبھی فاعل کے معنی میں زیادتی پیدا کرتا ہے جیسے زیادہ ضارب اور مارنے والا اور کبھی مفعول کے معنی میں زیادتی کے لئے آتا ہے جیسے اَعْرَفَ کا ترجمہ ہوگا زیادہ معروف اور اَشْغَلَ کا زیادہ مشغول۔

اسم تفضیل بنانے کا قاعدہ: ثلاثی مجرد کے افعال سے اس کا وزن اَفْضَلُ آتا ہے لیکن ثلاثی مجرد سے بھی ان افعال سے آئے گا جن کے معنی میں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں کیونکہ لون اور عیب واسلے افعال سے اَفْعَلُ کا وزن غیر اسم تفضیل کے لئے آتا ہے اب اگر اسی اَفْعَلُ کو اسم تفضیل کا وزن بھی بنا دیں تو اَفْعَلُ کے وزن میں خلط ملط اور گڑبڑ ہو جائے گی اور پتہ نہیں چلے گا کہ تفضیلی معنی مراد ہیں یا غیر تفضیلی چنانچہ احرر کے معنی ذُو حرّة اور سرخی والے کے ہیں اور اَعْوَزُ کے معنی ذُو عَوْز یعنی آنکھ میں کمی والا جس کو کانا کہتے ہیں اب اگر اسی اَفْعَلُ کے وزن سے زیادتی کے معنی بھی مراد لینے لگیں تو معلوم نہ ہوگا کہ کہاں صرف سرخی والا مراد ہے اور کہاں زیادہ سرخی والا اس لئے لون و عیب واسلے افعال میں بھی اسم تفضیل اس وزن اَفْعَلُ پر نہیں آئے گا۔

جن افعال سے اَفْعَلُ کے وزن پر اسم تفضیل نہیں آتا ان سے اگر اسم تفضیل بنانے کی ضرورت ہو تو اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ ہے تمام غیر ثلاثی مجرد چاہے وہ ثلاثی مزید فیہ ہو یا رباعی یا ثلاثی مجرد لون و عیب والی ہوں تینوں سے اسم تفضیل اس طرح بناؤ کہ حدت یا ضعف یا قلت و کثرت جس کا بھی اظہار کرتا ہے پہلے اس سے اَفْعَلُ کا وزن بنا لو پھر جس مصدر سے اسم تفضیل نہیں آتا ہے اس کو منصوب کر کے اَفْعَلُ کے وزن پہ بنے ہوئے کے بعد رکھ دو جیسے اَشْدُّ مہ استخراجا یہ ثلاثی مزید فیہ کی مثال ہے اور اَفْوٰی منہ حمرة یہ لون کی مثال ہے اور اقبح منہ عوجا یہ عیب کی مثال ہے یعنی اور سے زیادہ لنگڑا۔

سوال: تم نے بتایا کہ اسم تفضیل کا وزن اَفْعَلُ ہے حالانکہ خَيْرٌ اور شَرٌّ بھی اسم تفضیل ہیں جب کہ وہ اَفْعَلُ کے وزن پر نہیں ہیں۔

جواب: یہ اصل میں اَخْيَرٌ اور اَشْرٌ تھے جو اَفْعَلُ کا وزن ہے۔

سوال: تم نے کہا کہ لون و عیب واسلے افعال اور مصادر سے اَفْعَلُ کا وزن اسم تفضیل کے لئے نہیں آتا ہے حالانکہ آ رہا ہے مثلاً کہتے ہیں هُوَ اَجْهَلُ مِنْ فُلَانٍ کہ وہ فلاں سے زیادہ جاہل ہے ایسے ہی اَبْلَدُ مِنْ فُلَانٍ کہ فلاں سے زیادہ بلید اور کندوہن ہے۔

جواب: عیوب سے مراد عیوب ظاہرہ ہیں نہ کہ باطنی عیوب اور بلاؤہ و جہالت عیوب باطنہ میں سے ہیں جو عیب بدن میں دیکھ جاتے ہوں جیسے لنگڑا ہونا لچا ہونا، یہ ظاہری عیوب ہیں اور جودل و دماغ میں ہی جانتے سمجھتے ہیں جیسے کم عقل ہونا جس کو بلاؤہ کہتے ہیں یا پڑھا لکھا نہ ہونا جس کو جہالت کہتے ہیں یہ عیوب باطنہ میں شمار ہوتے ہیں۔

مشتق مصدر بشرط آنکہ: مصدر یہ دراصل افعال کے لئے ماں اور بنیاد کا درجہ رکھتا ہے سب افعال مصدر سے ہی بنائے جاتے ہیں جیسے الضَرْبُ القِتْلُ عربی مصادر کے لئے کوئی پہچان متعین طور پر نہیں ہے بالخصوص ثلاثی مجرد کے مصادر کی کوئی

پہچان نہیں ہے،

صاحب علم الصیغہ نے لغت میں ۳۳۳ اوزان ثلاثی مجرد کے بتلائے ہیں ۱۲

لیکن فارسی میں مصدر کے آخر میں ذن یا تن لگا ہوا ہوتا ہے جیسے چشیدن، چلیدن، اور تافتن، باختن، اور ارو میں سب مصادر کے آخر میں لفظ نا ہوتا ہے جیسے کھانا آنا، جانا، لکھنا، پڑھنا، وغیرہ مصدر کا شمار بھی عوالم میں ہے یہ اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ لازم ہو تو لازم والا اور متعدی ہو تو متعدی والا عمل کرے گا لیکن یاد رہے کہ مفعول مطلق بھی مصدر ہی ہوتا ہے اس کے علاوہ کا مصدر مراد ہے کیونکہ مفعول مطلق کی شکل میں جہاں مصدر ہوگا تو ایسا مصدر عمل نہیں کرے گا بلکہ وہ فعل کرے گا جو مفعول مطلق سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ اصل کے ہوتے ہوئے فرع کا عمل ختم ہو جاتا ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا عَمْرًا میں عمرو مفعول بہ میں ضَرْبًا کے بجائے ضَرَبْتُ کو عامل بنائیں گے اور ضَرَبْتُ کا ہی مفعول بہ کہیں گے ترجمہ ہوگا (مارا میں نے واقعی مارنا عمرو کو) پھر یاد رہے کہ مصدر کے بعد اگر ایک کلمہ ہے تو فاعل بن جائے گا جیسے مصدر لازم میں ہوتا ہے مَثَلًا اَعَجَبْنِي قِيَامُ زَيْدٍ اس میں زید قیام کا فاعل ہے اور مجرور ہے۔

سوال فاعل بھی کہیں مجرور ہوتا ہے وہ تو مرفوع ہوتا ہے۔

جواب قِيَامُ مضاف ہے زید اس کا مضاف الیہ مجرور اس لئے زید لفظاً تو مجرور ہی ہے لیکن چونکہ کھڑا ہونا زید کا بتایا جا رہا ہے اس لئے مستحق اور ذمہ دار زید فاعل ہی کہلائے گا کیونکہ کھڑے ہونے کا فعل اسی کا ہے اور اگر مصدر کے بعد کلمہ ہو تو اول فاعل ہوگا دوسرا مفعول بہ جیسے اَعَجَبْنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا و اَعَجَبْتَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا نے عمر کو یہاں تَبَيَّنَ لَفْظًا مجرور ہے مگر محلاً مرفوع ہے یعنی جگہ میں ایسی ہے جہاں مرفوع ہونے کا حق ہے کیونکہ ہر فاعل کی سیٹ اور جگہ رفع کے لئے کی ہوتی ہے مگر سہولت کی وجہ سے مضاف مضاف الیہ کر دیا جاتا ہے اگر تم اپنی اصلی حالت پر پڑھنا چاہو یعنی لفظاً بھی مرفوع کرنا چاہو اور ضَرَبْتُ مرفوع بالتعوین پڑھو کیونکہ اَعَجَبْتُ کا فاعل ہے پھر زید کو بھی مرفوع مع التعوین پڑھو کیونکہ ضَرَبْتُ مصدر کا فاعل ہے اور عَمْرًا منصوب بالتعوین علی حالہ رہے گا ہی تو یہ بھی درست ہے چنانچہ کہہ سکتے ہو اَعَجَبْنِي ضَرَبْتُ زَيْدًا عَمْرًا، ضَرْبُ مصدر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اَعَجَبْتُ کا فاعل اَعَجَبْتُ فعل اپنے فاعل اور نون وقایہ اوری متکلم کی مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو جائے گا، اور مصدر کا یہ اپنے فعل والا عمل کر سکتا ان کے آپس میں مشتق اور مشتق منہ کا تعلق ہونے کی برکت سے ہے نہ کہ مشابہت کی وجہ سے تاکہ تم کہو اسم فاعل اور اسم مفعول کی طرح مصدر کے عمل کے لئے، یہ شرطیں جو ان کے بیان میں آئی ہیں، کیوں نہ ذکر کی۔

اسم مضاف مضاف الیہ را بجر کنند: مرکب اضافی میں دو جزء ہوتے ہیں مضاف اور مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ میں عمل کرتا ہے کہ اس کو جر دے گا اس لحاظ سے مضاف بھی عوالم میں سے ایک عامل ہے لیکن خود مضاف اپنے ماقبل کے عامل کے تابع ہے ماقبل کے عامل کی وجہ سے جو بھی حالت اس کو حاصل ہوگی رفعی، نصی، یا جری اسی اعتبار سے وہ مرفوع

یا منصوب یا مجرور پڑھا جائے گا اگر صرف مضاف مضاف الیہ ہی موجود ہوں ماقبل عامل نہ ہو تو مضاف کو مرفوع کر کے پڑھ دیا جاتا ہے جیسے غلام زید۔

بدانکہ این جالام بحقیقت مقدر است: مصنف یہاں سے تشبیہ کر رہے ہیں کہ گو مضاف اپنے مضاف الیہ کو مجرور کرتا ہے، لیکن حقیقت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان میں ایک حرف جر ہوتا ہے وہ جر کرتا ہے چنانچہ غلام زید اور اصل غلام زید تھا پھر مضاف اور مضاف الیہ کے بیچ میں حرف مقدر ضروری نہیں کہ لام ہی ہو کبھی لام ہوتا ہے کبھی فی اور کبھی من ہوتا ہے اب یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ لام کی تقدیر کب ہوگی اور فی کی کب اور من کب مقدر مانا جائے گا، اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں اگر تباہین کی نسبت ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کے مخالف لفظ ہیں کوئی ایک دوسرے پر صادق نہ آسکے جیسے غلام زید کہ نہ غلام زید پر اور نہ زید پر غلام صادق آسکتا ہے ہے دونوں کا مصداق اور دونوں سے مراد الگ الگ ذاتیں ہیں تو مہا بن ہونے کی صورت میں پھر یہ بھی دیکھ لو کہ مضاف الیہ اپنے مضاف کا ظرف یا مفعول فیہ تو نہیں ہے اگر ایسا ہے تو اضافت بمعنی فی ہوگی ورنہ بمعنی لام ہوگی جیسے ضرب الیوم آج کی پٹائی یعنی وہ مار جو آج میں ہوئی ایسے ہی کلام اللیل رات کی گفتگو یعنی جو بات رات میں ہوئی ان دونوں کی اصل ضرب فی الیوم اور کلام فی اللیل ہوگی، اور اضافت لامیہ کی مثال غلام زید ہے ہی، اور اگر مضاف کے مضاف الیہ مہا بن نہیں ہے تو پھر دیکھو کہ ان میں یا تو تساوی کی نسبت یعنی ہم معنی اور مثال غلام زید ہے ہی، اور اگر مضاف کے مضاف الیہ اپنے مضاف سے عام مطلق ہوگا کہ بغیر مضاف کے بھی کسی اور جگہ صادق نا جائز ہے کوئی فائدہ نہ ہونگی وجہ سے اور یا مضاف الیہ اپنے مضاف سے عام مطلق ہوگی کہ اوپر کی مثال کا الٹا مثلاً یوم آسکے جیسے آخذ الیوم آخذ التوار کو کہتے ہیں اور ایوم ہرون کو کہہ سکتے ہیں تو مضاف الیہ عام ہے احد مضاف خاص ہے اس طرح کے الفاظ میں بھی اضافت منع ہے، اور اگر مضاف الیہ خاص مطلق ہو مضاف عام مطلق ہو جیسے کہ اوپر کی مثال کا الٹا مثلاً یوم الاحد یا علم الفقه یا شجر التفاح (سیب کا درخت) کہ ان تینوں میں مضاف عام ہے مضاف الیہ خاص ہے کیونکہ الاحد سے توار مراد ہے، ایسی جگہ بھی ضافت لامیہ ہوگی یعنی مضاف مضاف الیہ کے بیچ میں لام مقدر مانا جائے گا، اور اگر مضاف الیہ اپنے مضاف سے نہ عام مطلق ہے نہ خاص مطلق بلکہ خاص من وجہ ہی ہے تو پھر یہ دیکھو کہ مضاف الیہ اپنے مضاف کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے یا نہیں اگر رکھتی ہے تو اضافت من والی ہوگی اور اگر اصل کا درجہ نہ رکھے تو اضافت لامیہ ہوگی چنانچہ خاتم کی اضافت فضة کی طرف جب کریں تو اضافت بمعنی من کہلائیگی جیسے خاتم فضة کیونکہ اس میں مضاف یعنی خاتم اپنے مضاف الیہ یعنی فضة سے بنی ہے اور جب فضة کی اضافت خاتم کی طرف کریں گے جیسے کہ فضة خاتمک خیر من فضة خاتمہ (میری انگٹھی کی چاندی تیری انگٹھی کی چاندی سے بہتر ہے) مثال میں ہے تو اس میں اضافت لامیہ ہوگی۔

فائدہ: عموم و خصوص من وجہ ان دو لفظوں میں ہوتا ہے جو آپس میں کسی نہ کسی موقع پر صادق آنے میں اکٹھے ہو جاتے ہوں اور

بغیر ایک دوسرے کے بھی پائے جاسکتے ہوں جیسے یہاں خاتم اور فضا ان میں عموم خصوص من وجہ ہے کیونکہ اگر چاندی کی انگوٹھی ہو تو دونوں لفظ ایسی انگوٹھی پر صادق آئیں گے کہ وہ خاتم بھی اور فضا بھی یہ مادہ اجتماعی ہو اور اگر کسی کے پاس لوہے کی انگوٹھی ہو تو وہاں لفظ خاتم کا صادق آئے گا فضا اس کو نہیں کہہ سکتے اور اگر کسی کے پاس خالی چاندی کا ٹکڑا ہے اس کی انگوٹھی بنی ہوئی نہیں ہے تو وہاں فضا کہا جاسکتا ہے اس کو خاتم نہیں کہہ سکتے یہ دونوں مثالیں مادہ افتراقی کی ہیں کہ ہر ایک بغیر دوسرے کے صادق آئے اور جہاں دونوں صادق آویں وہ مادہ اجتماعی کہلاتا ہے۔

فائدہ: ان اصطلاحوں کو مزید سمجھنا ہو تو تبیین المنطق کے اندر (دو کلموں میں نسبت کا بیان) ملاحظہ کریں۔

فائدہ: مضاف سے بوقت اضافت تئیں اور نون تشبیہ جمع کر جاتا ہے جیسے غلاما خالد، مسلموا الہند کہ اصل غلامان اور مسلمون ہے، تیز الف لام تعریف کا بھی مضاف پر نہیں آسکتا۔

سبق چہل و دوم

دھم اسم قام تمیز را نصب کند و تمامی اسم یا بتئین باشد چوں مافی السماء قلدر راحة سخابا یا بتقدیر تئین چوں عندی احد عشر رجلا و زید اکثر منک مالا یا بنون ثنیہ چوں عندی قفیزان بُرا یا بنون جمع چوں هل نبتکم بالاحسریین اعمالا یا بمشابه نون جمع چوں عندی عشرون درهما تاسعون یا باضافت چوں عندی ملوۃ غسلا۔ یازدھم اسمائے کنایہ از عدد: وآں دو لفظ است کم و کذا، کم بر دو قسم است استفہامیہ و خبریہ، استفہامیہ تمیز را نصب کند و کذا نیز چوں کم و رجلا عندک و عندی کذا درهما و کم خبریہ تمیز را بجر کند چوں کم مال انفقت و کم دار بنیث و گاہے من جار بر تمیز کم خبریہ آید چوں قوله: تعالیٰ کم من ملک فی السموات۔

ترجمہ: دسویں اسم قام: تمیز کو نصب کرتا ہے اور اسم کی تمامیت (کامل ہونا) یا تو تئین کے ساتھ ہوتا ہے جیسے مافی السماء قلدر راحة سخابا (آسمان میں ہتھیلی برابر بھی بادل نہیں ہے) یا پوشیدہ تئین کے ساتھ جیسے عندی احد عشر رجلا (میرے پاس گیارہ مرد ہیں) اور زید اکثر منک مالا (زید تجھ سے زیادہ مال والا ہے) یا نون ثنیہ کے ساتھ جیسے عندی قفیزان بُرا (میرے پاس دو قفیز ہیں گندم کے) یا نون جمع کے ساتھ جیسے هل نبتکم بالاحسریین اعمالا (کیا بتلاویں ہم تم کو سب سے زیادہ خسارے والے اعمال کے لحاظ سے) یا نون جمع کے مشابہ کے ساتھ جیسے عندی عشرون درهما تاسعون (میرے پاس بیس درہم ہیں، تسعون کی دھائی تک یا باضافت کے ساتھ جیسے عندی ملوۃ غسلا میرے

وغیر وہ فاعل کے درجہ میں ہو گئے اور تیسرے نمبر پر جو تمیز بننے والا کلمہ ہے وہ مفعول بہ کے مشابہ ہو گیا تو اس مشابہت کی وجہ سے اسم تام کے بعد کا کلمہ منصوب ہوگا کیونکہ یہ منصوب کلمہ اس تیسرے نمبر پر آ گیا جس پر آ کر کلمات منصوب ہوتے ہیں، بہر حال اسم تام کا عمل فعل کے ساتھ اس مشابہت کی وجہ سے ہے کہ فعل اور اسم تام دونوں کے بعد ایسی چیز ہے جس سے وہ تمام ہوتے ہیں، اور دونوں ہی کے تمام ہونے کے بعد جو تیسری چیز آرہی ہے اس کو دونوں ہی منصوب کریں گے۔

ما فی السماء، قَدْرُ رَاحَةِ سَخَابَا: ما مشابہ بیس فی السماء۔ ثابت محذوف کے متعلق ہو کہ خبر مقدم قدر راحة مرکب اضافی ہو کر تمیز اور سَخَابَا تمیز تمیز سے ملکر مبتدا مؤخر ما اپنے مبتدا اور خبر یا اسم و خبر سے ملکر جملہ ہو جائے گا۔

سوال: ہم نے سنا ہے کہ تمیز تو اسے کہتے ہیں جس میں ابہام ہو اور تمیز اسے کہتے ہیں جو اس ابہام کو دور کرے یہاں ان مثالوں میں کیسے؟

جواب آپ جان چکے ہیں کہ اسم تام وہ کلمہ ہوتا ہے جو ایسی حالت پر ہو کہ اس حالت کے ہوتے اس کی اضافت نہ ہو سکے اور یہ جب ہوگی جب اس کے آخر میں تنوین یا نون یا اضافت ہو تو جیسے کلام میں فعل کے بعد فاعل آ جانے پر کلام مکمل سمجھا جاتا ہے اور اصل جاننا فعل فاعل کا ہے باقی چیزیں اتنی اہم نہیں ہوتی ہے ان کو ذکر کر دو فہمائے کی تو بھی حرج نہیں اس لئے سامع بقیہ کلام کا منتظر نہیں رہتا بس اتنا چونا کافی ہے کہ کس نے کیا اور کیا کیا بہر حال جیسے فاعل آنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے ایسے ہی اسم تام میں جب وہ تنوین یا نون اضافت نے کراستعمال ہوگا آدمی مطمئن ہو جائے گا کہ بس اسے اور آگے کچھ نہیں کہنا ہے اگر آگے سے کچھ کہنا ہوتا تو یہ تنوین اور نون وغیرہ نہ لانا اور نہ مضاف الیہ لانا تو جب یہ سب نے آیا پتہ چلا کہ اس کا کلام مکمل ہے جیسے ما فی السماء قَدْرُ رَاحَةِ میں راحة کو مع التنوین کہنے سے یہ پتہ چلا کہ بس آگے کچھ نہیں بولے گا حالانکہ راحة تک بولنے سے یہ بات صاف نہ ہوئی کہ آسمان میں ہتھیلی کے برابر جس چیز کی نفی ہے وہ کیا ہے تو اس لئے ابہام ہو گیا جس کو سَخَابَا کہہ کر دفع کیا کہ جو ہتھیلی کے برابر نہیں ہے وہ چیز بادل ہے، ایسے ہی عندی احد عشر میں آخذ عشر تک ابہام ہے کہ میرے پاس گیارہ ہیں، لیکن قلم ہیں یا گرتے ہیں یا مرد ہیں یا کچھ اور ہیں وضاحت نہ ہوئی جب کہا بجللاً تو وضاحت ہو گئی کہ وہ گیارہ مرد ہیں، قَدْرُ رَاحَةِ تنوین لفظی کی مثال ہے جو اسم منصرف کے، نذر ہوا کرتی ہے اور آخذ عشر جس کی اصل آخذ و عشر تھی تنوین تقدیری کی مثال ہے، کیونکہ داؤ اور تنوین ختم کر کے دونوں جز مبنی پر فتح کر دئے گئے یہ تنوین تقدیری مبنی میں ہوتی ہے یا اسم تفصیل میں جو غیر منصرف ہوتا ہے جیسا کہ زید اکثر بک مالاً

سوال اسم تفصیل کیوں غیر منصرف ہے۔ **جواب** صفت اور وزن فعل کی وجہ سے لہذا اس پر تنوین اور کسرہ نہ آئیں گے بہر حال احد عشر اور اکثر دونوں میں تنوین مقدرہ ہے جو ان کو تام بنا رہی ہے اور پھر اس کے بعد کلمہ کو بر بنا تمیز نصب آرہا ہے۔

عِنْدِي قَلْبِيْزَانِ بُرَا، یہ نون ثنیہ سے اسم کے تام ہو سکی مثال ہے قفیر قفیر یا ۴۰ کلویا نہ ہوتا ہے، هَلْ نُنْبِكُمْ

بِأَلَا تُعْشِرُونَ أَهْمَالًا، یہ نون جمع سے اسم کے تام ہونگی مثال ہے (کیا بتلا دیں ہم تم کو سب سے زیادہ خسارہ والے اعمال کے اہتبار سے)

بمشابہ نون جمع: عِنْدِي عَشْرُونَ دَرَهْمًا - عَشْرُونَ اور جتنی بھی دہائیاں ہیں تسعون تک سب کا نون جمع مذکر سالم میں لگنے والے نون کے مشابہ ہے اور جب نون جمع سے مشابہ نون ان دہائیوں کے آخر میں ہے تو خود یہ دہائیاں بھی جمع کے مشابہ ہو گئیں۔

سوال: عَشْرُونَ اور اس کے ساتھ کی دہائیوں کو مشابہ جمع کیوں کہتے ہو جمع ہی کیوں نہ کہہ دیا۔

جواب: جمع حقیقی وہ ہے کہ جس کا واحد بھی من لفظ اور اس کے معنی جمع کے بھی ہوں اور اس کے آخر میں جمع والی علامت واؤ نون وغیرہ بھی ہو اور ان دہائیوں میں پہلی بات نہیں ہے۔

سوال: واحد تو ہے عشرون کا عَشْرَةٌ ثَلَاثُونَ کا ثَلَاثَةٌ اور اسی طرح دیگر دہائیوں کا بھی نکل آئے گا۔

جواب: بالکل نہیں ہرگز نہیں ورنہ عشرون کے معنی تیس کے بن جائیں گے اور ثَلَاثُونَ کے معنی نو کے ہو جائیں گے کیونکہ جب عشرون کا واحد عَشْرَةٌ مانیں گے تو عشرون جمع ہوگا اور جمع کے اندر کم از کم تین افراد تو مراد لیں گے ہی تو تین عَشْرَةٌ تیس ہو جائیں گے اور ثَلَاثُونَ میں تین ثَلَاثَةٌ لیں گے جس کے معنی نو ہو جائیں گے اس لئے صحیح یہ ہے کہ ان کا واحد ہے ہی نہیں اور جب واحد نہیں تو دہائیاں حقیقی جمع کے بجائے جمع کے مشابہ والی جمع بنیں گی۔

عِنْدِي مَلُوهُ غَسَلًا: یہ اضافت کے ذریعہ اسم کے تام ہونے کی مثال ہے مَلُوهُ مَلَاً يَمَلُّ مَلًا بھرتا ہ ضمیر کا مرجع زہن زہن میں سمجھا جائے گا جو بھی شکلم اور سامع کے نزدیک ہو رہا ہوگا۔

فائدہ: اگر تمیز جملہ سے ابہام دور کر گئی تو اس کا عامل وہ فعل ہوگا جو اس جملہ میں ہے جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا میں طَابَ، نَفْسًا تمیز کا عامل بنے گا اور اگر کوئی تمیز اسم تام کا ابہام دور کرے گی تو اس کا عامل خود اسم تام ہوگا جس کی وجہ سے تمیز کو نصب آرہا ہوگا، جیسے یہاں ذکر شدہ مثالوں میں ہے۔

يَا زَيْدُ هَذَا اسْمًا كُنَائِيَةً اِزْ عَدَدٍ: اسما کناہیہ سماء عاملہ کی گیارہویں اور آخری قسم ہے کناہیہ کہتے ہیں ایک چیز کو بول کر اس سے دوسری چیز کا ارادہ کرنا پھر وہ دوسری چیز جس کا ارادہ کریں گے کبھی تو گنتی ہوتی ہے اور کبھی بات اگر گنتی ہے تو اسما کناہیہ از عدد کہلاتے ہیں اور اگر بات سے کناہیہ ہے تو اسما کناہیہ از حدیث کہلاتے ہیں یہاں صرف قسم اول کا ذکر ہے، اسم غیر متمکن کی آٹھ قسموں میں دونوں کا تذکرہ آچکا ہے، بہر حال جن اسموں سے بولکر گنتی اور تعداد کا ارادہ کیا جاتا ہے وہ دو ہیں کَمٌ اور كَذَا جب بلا تعین کے گول مول عدد اور گنتی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے تو وہاں کَمٌ اور كَذَا استعمال ہوتے ہیں پھر كَذَا ہمیشہ خبریہ ہوتا ہے اور کَمٌ کی

دو قسمیں ہیں خبریہ اور استفہامیہ کذا اور کُم استفہامیہ ان دونوں کے بعد کلمہ منصوب ہوتا ہے رہا کُم خبریہ تو اپنے مابعد کو مجرور کرتا ہے اور اس کُم خبریہ کی تمیز پر من بھی آجاتا ہے جیسے کُم مِن ملک فی السموات کس قدر فرشتے ہیں آسمانوں میں، کُم زَجَلًا عندک یہ کُم استفہامیہ کی مثال ہے گویا گول مول سوال ہے کہ کتنے مرد تیرے پاس ہوں گے۔

عندی کذا درهما: کذا کی مثال ہے جو ہمیشہ خبریہ ہی ہوتا ہے۔

سوال: مصنف نے کذا خبریہ کی مثال کُم استفہامیہ کے ساتھ کیوں بیان کی کُم خبریہ کے ساتھ بیان کرنے کا حق تھا کہ دونوں ہی خبریہ ایک جگہ اکٹھے آجاتے۔

جواب: کذا اور کُم استفہامیہ بھی اس چیز میں اکٹھے ہیں کہ دونوں کی تمیز منصوب ہوا کرتی ہے بخلاف کُم خبریہ کی کہ اس کی تمیز مجرور ہوتی ہے، ترجمہ مثال کا یہ ہے (میرے پاس اتنے درہم ہیں) کُم مَالٍ الْفَقِئِ، وَکُم ذَا رِئَیْتِہِ دونوں کُم خبریہ کی مثالیں ہیں کتنا ہی مال خرچ کر چکا میں، اور کتنے ہی مکان بنا چکا میں، ہمارے اردو محاورہ میں اس طرح کے جملہ بولے جاتے ہیں، چنانچہ جب عدد سے کنایہ کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں میں تجھے اتنی اتنی بار کہہ چکا ہوں یا میں نے مکان میں اتنے اتنے روپے لگا دیئے، اور بات سے کنایہ کے لئے بولتے ہیں میں نے اسے اس طرح کہا اس نے مجھے ایسی ایسی سنائی۔

سبق چہل و سوم

عوامل معنوی کا بیان

قسم دوم در عوامل معنوی بدانکہ عوامل معنوی برد قسم است اول ابتداء یعنی خلوا اسم از عوامل لفظی کہ مبتدا و خبر را بر رفع کند چون زیند قائم و این جا گویند زیند مبتدا است مرفوع بابتداء و قائم خبر مبتدا است مرفوع بابتداء و این جا دو مذہب دیگر است یکے آن کہ ابتداء عامل است در مبتدا و خبر دیگر آنکہ ہر یکے از مبتدا و خبر عامل است در دیگر دوم خلوا فعل مضارع از ناصب و جازم فعل مضارع را بر رفع کند چون یضرب زیند اینجا یضرب مرفوع است زیرا کہ خالی است از ناصب و جازم، تمام شد عوامل نحو بتوفیق اللہ تعالیٰ و عونہ۔

ترجمہ - دوسری قسم عوامل معنوی کے بیان میں، جان تو کہ عوامل معنوی در قسم پر ہیں اول ابتداء یعنی اسم کا خالی ہونا عوامل

لفظی سے جو کہ مبتدا اور خبر کو رفع کرتی ہے جیسے **زَيْدٌ قَائِمٌ** اور اس جگہ کہتے ہیں کہ **زَيْدٌ** مبتدا ہے مرفوع ہے ابتداء، کیوجہ سے اور قائم خبر مبتدا کی خبر ہے مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے اور اس جگہ دوسرے دو مذہب اور ہیں ایک وہ کہ ابتداء عامل ہے مبتدا میں اور مبتدا خبر میں دوسرے وہ کہ ہر ایک مبتدا اور خبر میں سے عامل ہیں دوسرے میں **دوم فعل مضارع کا خالی ہونا ناصب اور جازم سے فعل مضارع کو رفع کرتا ہے جیسے يَضْرِبُ زَيْدٌ** اس جگہ **يَضْرِبُ** مرفوع ہے کیونکہ خالی ہے نصب اور جزم دینے والے (عامل) سے مکمل ہو گئے نحو کے عوامل اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے۔

حل مضمون۔ عوامل کی شروع میں دو قسمیں بتائی تھیں (۱) لفظی (۲) معنوی پہلی قسم عوامل لفظی سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے دوسری قسم عوامل معنوی کو بیان کر رہے ہیں۔

سوال: عوامل معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو عامل بولنے لکھنے پڑھنے میں آئے اس کو عامل لفظی کہتے ہیں جیسا کہ حروف افعال اسماء کا ذکر آچکا ہے اور جو عامل صرف نیت اور ذہن میں مانا جائے لفظوں میں اس کا کوئی وجود نہ ہو اس کو عامل معنوی کہتے ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی کلمہ پر اعراب آنا یعنی اس کا مرفوع منصوب مجرور ہونا یہ اہل نحو کے یہاں بغیر عامل کے نہیں ہوتا جو کلمہ بھی رفع یا نصب، یا جر لئے ہوئے ہوگا وہ ضرور کسی نہ کسی عامل کا اثر ہوگا جب یہ بات طے ہوئی اور قانون بن گیا کہ ہر اعراب کسی نہ کسی عامل کا اثر ہے تو دو جگہ ایسی بھی پائی گئیں جن میں اثر یعنی اعراب تو ہے مگر مؤثر یعنی عامل کوئی نہیں ہے (۱) مبتدا خبر کا رفع (۲) فعل مضارع کا رفع کیونکہ مبتدا خبر کو مرفوع پڑھتے ہیں مگر دیکھنے سے کوئی عامل ان کے ساتھ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ان کو مرفوع کہہ دیں یہی حال فعل مضارع کا ہے کہ جب اسے نصب دیا تو ان کسی **إِذْنُ** حروف ناصبہ اس کا عامل بنتے ہیں اور حالت جزئی میں **لَمْ لَمَّا** وغیرہ جزم دیتے ہیں لیکن جب مضارع کو مرفوع پڑھتے ہیں تو کوئی عامل نظر ہی نہیں آتا تو اب یہاں آ کے اہل نحو مجبور ہو گئے کہ ان کا عامل کس کو بتلائیں اور کس کو کہیں اس مجبوری کیوجہ سے کہنا پڑا کہ ان دونوں جگہ عامل لفظی تو کوئی ہے نہیں جس کو عامل کہہ دیں بس معنوی عامل سے ان کا پیٹ بھردو، چنانچہ مبتدا خبر میں بتداء کو عامل کہہ دیا اور فعل مضارع میں ناصب اور جازم کا اس پر نہ آنا ہی اس کو مرفوع بنا۔ گا، اب یہ دونوں چیز ذہنی اور معنوی ہیں کیونکہ ابتداء کا مطلب ہے کسی چیز کا شروع میں آنا تو گویا مبتدا خبر سے پہلے کوئی کلام نہیں ہوتا اپنے آپ یہی شروع میں آتے ہیں تو محض اس شروع میں آنے کو ہی ان کے رفع کا سبب کہہ دیا اور یہ چیز محض معنوی ہے نہ کہ لفظی ایسے ہی فعل مضارع پر جب نہ ناصب ہونہ جازم بس خیال کر لو کہ جب اس پر نہ ناصب نہ جازم تو ان دونوں سے خالی رہنا ہی مضارع کے مرفوع ہونے کا سبب بن جائے گا، اور یہ چیز بھی محض ذہنی ہے نہ کہ لفظی بہر حال بدرجہ مجبوری دو عامل معنوی وجود میں آ گئے (۱) ابتداء جو مبتدا خبر کا عامل ہے (۲) **خُلُوٌّ** فعل مضارع از ناصب و جازم جو فعل مضارع میں رفع کا عامل ہے۔

مناظرت: ابتدا کے دو مطلب ہیں ایک تو وہی کہ شروع کلام میں کسی چیز کا آنا اور اس سے پہلے کچھ نہ ہونا، بعض نے یہ کہا ہے ابتدا کا مطلب ہے کہ کسی کلمہ پر عامل لفظی کا نہ ہونا گویا عامل لفظی کا نہ ہونا ہی عامل کا ہونا کہلائے گا اور اسی کو عامل معنوی کا نام دیں گے۔ بہر حال مبتدا خبر کے عامل کون بنتے ہیں اس میں تین قول ہیں (۱) دونوں کا عامل ابتداء ہے اس صورت میں دونوں کا عامل معنوی بنے گا کیونکہ ابتداء جس کا مطلب سب سے شروع میں ہونا یا عوامل لفظی سے خالی ہونا علی اختلاف القولین ایک ذہنی تصور ہے جس کو معنوی ہی کہا جاوے گا نہ کہ لفظی، (۲) ابتداء عامل ہے مبتدا میں اور مبتدا خبر میں اب مبتدا کا عامل معنوی بنے گا اور خبر کا لفظی کیونکہ مبتدا لفظی وجود والا ہے، (۳) آپس میں مبتدا خبر ایک دوسرے کے عامل ہیں اب دونوں کے ہی عامل لفظی ہیں، لیکن خرابی یہ ہے کہ مبتدا کے عامل کا بعد میں ہونا پایا جائے گا۔

فعل مضارع جب مرفوع ہو تو اس کا اعراب بھی عامل معنوی کی وجہ سے ہوگا اور وہ یہی کہ وہ عامل ناصب و جازم سے خالی ہے ان کا ہونا ہی اس کے مرفوع ہونے کا ذریعہ اور سبب ہوگا اور خالی ہونا ناصب و جازم سے یہ محض ذہنی تصور ہے جس کو عامل معنوی ہی کہا جائے گا، جیسے یَضْرِبُ زَيْدٌ، میں یَضْرِبُ مرفوع ہے، کیونکہ عامل ناصب و جزم سے خالی ہے۔

ابو یحییٰ محمد زاہد بن اسماعیل المظاہری

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ یومِ اربعین مطابق ۲۶ مارچ ۲۰۰۹ء

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

سبق چہل و چہارم

خاتمہ

در فوائد متفرقة

کہ دانستن آں واجب ست دآں سے فصل است

فصل اول - در توابع بدانکہ تابع لفظی ست کہ دوئی از لفظ سابق باشد با اعراب سابق از یک جهت و لفظ سابق را متبوع گویند و حکم تابع آں است کہ ہمیشہ در اعراب موافق متبوع باشد و تابع پنج نوع است، **اول صفت** و اوتابعت کہ دلالت کند بر معنی کہ در متبوع باشد چون جَاءَ نَبِيٌّ رَجُلٌ عَالِمٌ یا بر معنی کہ در متعلق متبوع باشد چون جَاءَ نَبِيٌّ رَجُلٌ حَسَنٌ غَلَامَةٌ يَا اَبُوهُ مَثَلًا **قسم اول** در وہ چیز موافق متبوع باشد تعریف و تکلیف و تذکیر و تانیث و افراد و تشبیه و جمع و رفع و نصب و جر چون رَجُلٌ عِنْدِي عَالِمٌ وَ رَجُلَانِ عَالِمَانِ وَ رِجَالٌ عَالِمُونَ وَ امْرَاةٌ عَالِمَةٌ وَ امراتان عالمتان و نسوة عالمات **قسم دوم** موافق متبوع باشد در پنج چیز تعریف و تکلیف و رفع و نصب و جر چون جَاءَ نَبِيٌّ رَجُلٌ عَالِمٌ ابوہ بدانکہ نکرہ را بجزئیہ صفت توان کرد چون جَاءَ نَبِيٌّ رَجُلٌ اَبُوهُ عَالِمٌ و در جملہ ضمیری عائد بکرہ لازم باشد۔

ترجمہ - خاتمہ مختلف فوائد کے بیان میں کہ جن کا جاننا ضروری ہے اور وہ تین فصل ہیں پہلی فصل توابع کے بیان میں جان تو کہ تابع ایسا لفظ ہے کہ جو دوسرے والا پہلے لفظ کے لحاظ سے ہو پہلے والے کے اعراب کے ساتھ ایک ہی لحاظ سے اور پہلے لفظ کو متبوع کہتے ہیں اور تابع کا حکم وہ ہے کہ ہمیشہ اعراب میں متبوع کے موافق رہے گا اور تابع پانچ قسم ہے اول صفت اور وہ ایسا تابع ہے کہ جو دلالت کرے (بتلائے) ایسی چیز پر جو متبوع کے اندر ہو جیسے جَاءَ نَبِيٌّ رَجُلٌ عَالِمٌ آیا میرے پاس ایک صاحب علم یعنی مولوی مرد یا ایسی چیز پر کہ جو متبوع کے متعلق میں ہو جیسے جَاءَ نَبِيٌّ رَجُلٌ حَسَنٌ غَلَامَةٌ یا اَبُوهُ مَثَلًا (آیا میرے پاس ایک ایسا مرد کہ خوبصورت ہے اس کا غلام یا اس کا ابا) پہلی قسم دس چیزوں میں متبوع کے

مطابق رہے گی معرفہ لانے میں اور مکرہ مانے میں اور مذکر لانے میں اور مؤنث لانے میں اور مفرد لانے میں اور ثنئیہ لانے میں اور جمع لانے میں اور مرفوع لانے میں اور منصوب لانے میں اور مجرور لانے میں جیسے عندی رجل عالم میرے پاس ایک مولوی مرد ہے و عندی رجلاں عالمان اور میرے پاس دو مولوی مرد ہیں و عندی رجلاں عالمون اور میرے پاس بہت سے مولوی مرد ہیں و عندی امرأة عالمة اور میرے پاس ایک پڑھی لکھی عورت ہے و عندی امراتان عالمتان اور میرے پاس دو مولون عورتیں ہیں و عندی نسوة عالِمات اور میرے پاس بہت سی مؤنث عورتیں ہیں، بہر حال دوسری قسم متبوع کے موافق رہے گی پانچ چیزوں میں معرفہ لانے میں اور مکرہ لانے میں اور منصوب لانے میں اور مجرور لانے میں جیسے جاء نسی رجل عالم ابوہ (آیا میرے پاس ایک ایسا مرد، وہ بامولوں ہے) یا تو کہ نکرہ کی جملہ خبریہ سے صفت بیان کی جاسکتی ہے یعنی لائی جاسکتی ہے جیسے جاء نسی رجل اسوہ عالم (آیا میرے پاس ایک ایسا مرد اس کا ابا مولوی ہے) اور جملہ میں ایک ضمیر اس نکرہ کی طرف لائنے والی ضروری ہوگی۔

حل مضمون - خاتمہ وہ ہوتا ہے جس میں اصل کے علاوہ باقی ماندہ اور رہی ہوئی باتیں بیان کی جاویں، چنانچہ مختلف کام کی باتیں علم نحو کی بیان کر رہے ہیں چونکہ یہ باتیں بھی بہت اہم اور ضروری ہیں اس لئے فرمایا کہ ان کا جانا بھی واجب اور ضروری ہے، پھر اس خاتمہ میں تین تفصیلات قائم کی ہیں پہلی فصل میں توابع کا بیان کر رہے ہیں۔

بدانکہ تابع النخ تابع اسم فاعل کا صیغہ ہے تَبِعَ يَتَّبِعُ تَبَعًا بمعنی کسی کے ساتھ چلنا اور پیچھے چلنا، یوں تو تابع عام تھا جو کوئی کسی کے تابع اور پیچھے ہو خواہ وہ آدمی ہو یا اور کوئی چیز اس کو تابع کہہ سکتے ہیں معنی لغوی کے لحاظ سے لیکن نحو کی اصطلاح میں یہ لفظ وصفی اور لغوی معنی سے جو عام ہوتے ہیں اصطلاحی معنی میں آگیا چنانچہ نحو کی کتیب میں تابع کو صفت تاکید بدل معطوف اور عطف بیان میں کسی ایک پر بولا جاتا ہے تو گویا لفظ تابع اب وصفیت سے اسمیت کے طرف منتقل ہو گیا یعنی بجائے صفت کے نام بن گیا کیونکہ صفت بحیثیت صفت کسی کے لئے بھی بولی جاسکتی ہے جب کہ یہاں نحو میں متعین پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے یہ طے ہو گیا ہے تابع لفظی النخ چونکہ تابع سے مراد نحوی تابع ہے اس لئے اب تعریف کر کے بتا رہے ہیں کہ اہل نحو تابع کس کو کہتے ہیں خلاصہ تابع کی تعریف کا یہ ہے کہ جو کلمہ سابق اور سب سے مقدم کلمہ کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر پڑ رہا ہو خواہ سابق کے علاوہ اور کلموں کے لحاظ سے وہ کسی بھی نمبر پر بیٹھتا ہو، مثلاً جاء نسی رجل عالم حافظ کبرئیم جمیل ظریف اس مثال میں رجل موصوف ہے اور باقی پانچ کلمات سب اس کی صفت ہیں تو موصوف ایک اور صفتیں پانچ ہو گئیں تو یہ پانچ صفتیں خواہ آپس میں اول دوم سوم چہارم پنجم کسی نمبر والی کہی جاتی ہوں مگر اپنے موصوف رجل کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک دوسرے نمبر پر ہی کہلائیں گی کیونکہ ہر ایک ان میں سے اپنے موصوف کی صفت ہی تو ہے اوپر کی گفتگو سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ سابق لفظ سے مراد وہ ان صفات کا متبوع یعنی موصوف ہے جس کی یہ صفتیں بن رہی ہیں اور معاملہ صرف موصوف صفت میں ہی نہیں ہے بلکہ تمام توابع میں یہی بات ہے کہ متبوع کے بعد جتنے توابع آئیں گے وہ سب آپس میں کسی بھی نمبر پر کہے جاتے ہوں

مگر اپنے متبوع کے اعتبار سے وہ دوسرے ہی نمبر پر کہلائیں گے، چنانچہ اگر معطوف علیہ کے بہت سے معطوف مثلاً جاء زيد وعمرو وبكر و خالد و عابد و زاهد ان میں زيد متبوع ہے باقی سب تابع ہیں اور زيد کے لحاظ سے دوم اور دوسرے نمبر پر شمار ہوں گے۔

با عراب سابق: سابق سے مراد متبوع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو اعراب متبوع کا ہوگا وہی اس کے تمام تابع کا رہے گا خواہ تابع ایک ہو یا زیادہ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ متبوع تابع خواہ موصوف صفت ہوں یا مؤکد تاکید ہوں یا مبدل منہ بدل ہوں یا معطوف علیہ معطوف ہوں یا مبین عطف بیان ہوں ان پانچوں میں سے ہر تابع کا اعراب اپنے متبوع کے مطابق ہوگا چنانچہ جو اعراب مؤکد کا وہی تاکید کا اور جو مبدل منہ کا وہی اس کے بدل کا اور جو معطوف علیہ کا وہی اس کے معطوف کا اور جو مبین کا وہی اس کے عطف بیان کا ہوگا، **ازیک جہت:** جب متبوع تابع کے بارے میں جان لیا گیا کہ دونوں کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے تو ایک شرط اور بھی لگاتے ہیں کہ دونوں نے وہ اعراب ایک ہی لحاظ سے قبول کیا ہو مثلاً اگر متبوع اس وجہ سے مرفوع ہوا کہ وہ فاعل بن رہا ہے تابع بھی فاعل ہونے سے ہی مرفوع ہونا چاہئے۔

سوال: فاعل کے علاوہ سے مرفوع ہونے کی کیا صورت ہوگی۔

جواب: مرفوعات آٹھ ہیں فاعل، نائب فاعل، مبتدأ، خبر، وغیرہ تو متبوع تابع میں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک کا رفع بوجہ فاعل ہونے کے ہو اور دوسرے کا بوجہ مبتدأ، خبر، یا نائب فاعل ہونے کے ہو، ورنہ تابع نہ رہے گا ایسے ہی نصب لینا اگر ایک کا بوجہ مفعول بہ ہونے کے ہے تو دوسرا کا بھی مفعول بہ ہونے سے ہی ہو یہ نہ ہو کہ دوسرا حال یا تمیز ہونے سے نصب لیلے ایسے ہی جرا اگر متبوع کا بوجہ مضاف الیہ ہونے کے ہے یہ نہ ہو کہ تابع بوجہ حرف جر کے مجرور ہو رہا ہو چنانچہ ضَرْبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا کہ میں نے بندھے ہوئے زيد کی پٹائی کی اس میں مَشْدُودًا کو زيد کی مفت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مَشْدُودًا کا نصب بوجہ حال ہونے کے ہے جب کہ زيد کا نصب مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ فَالْهَمْ وَلَا تَكُن مِنَ الْغَافِلِينَ

لفظ سابق و متبوع: اول نمبر آنے والے کو متبوع کہتے ہیں کیونکہ متبوع اسم مفعول ہے بمعنی جس کا اتباع کیا گیا اور جس کے پیچھے لگا گیا اور متبوع اول کو اس لئے کہا گیا کہ وہی اصل ہے جس کی کسی حالت کو بیان کیا گیا اسی کے تابع کر کے دوسرے کی حالت کا ذکر ہوتا ہے ایسے ہی اصل اعراب اول لیتا ہے اس کے طفیل اس کے تابع کو اس لئے دوسرے کو تابع اول کو متبوع کہتے ہیں۔

صفت وأو قابحیت: تابع پانچ ہیں، صفت، تاکید، بدل، معطوف، عطف بیان، تابع کہلانے میں سب یکساں ہیں لیکن الگ الگ بھی اپنے اپنے موقع پر ان کی تعریف آتی رہے گی یہاں سے صفت کی تعریف ہے کہ جو اپنے متبوع یعنی موصوف کے اندر یا موصوف کے کسی متعلق کے اندر پائی جانے والی بات کو بتلائے وہ صفت کہلاتی ہے جیسے جاء لسی رجل عالم میرے پاس مولوی مراد یا اس میں عالم نے اپنے موصوف رجل کی بات ظاہر کی ہے کہ وہ مرد پڑھا لکھا اور مولوی ہے، اور متعلق کے اندر کی بات ظاہر

کرنے کی مثال ہے جاء نسی رجلٌ حسنٌ غلامهً یا ابوهُ، کہ میرے پاس ایسا ایک مرد آیا جس کا غلام یا باپ خوبصورت ہے۔

سوال: متعلق سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہر تعلق والا مراد ہے خواہ ان میں آقا غلام ہونے کا تعلق ہو یا استاذ شاگرد ہونے کا یا باپ بیٹا ہونے کا، جہاں صفت خود متبوع کے اندر پائے جانے والے معنی اور چیز کو بتلائے گی ایسی صفت کو صفت بحال موصوف کہتے ہیں اور جو صفت اپنے متعلق کے اندر کی حالت کو ظاہر کرے اس کو صفت بحال متعلق موصوف کہتے ہیں۔ ان میں سے اول کو "نعت اصلی" اور دوسری کو "نعت سببی" کہتے ہیں۔

قسم اول درجہ چیز: قسم اول سے مراد صفت بحال موصوف ہے اور قسم دوم جو آگے آ رہی ہے اس سے صفت بحال متعلق موصوف مراد ہے پہلی قسم کی صفت اپنے موصوف کے دس چیزوں میں مطابق اور موافق ہونی چاہئے لیکن ان دس میں سے ہر جگہ ہی پورے دس میں مطابقت نہیں ہوا کرتی ہے فقط چار میں ہوتی ہے چنانچہ تعریف و تکمیل میں سے کسی ایک میں اور تذکیر و تانیث میں کسی ایک میں رفع نصب جر میں سے کس ایک میں اور واحد ثننیہ جمع میں سے کسی ایک میں مطابقت چاہئے گی کوئی بھی موصوف صفت کا جملہ بناؤ تو اس میں اچھی طرح جانچ لو کہ موصوف صفت تعریف و تکمیل میں سے چاہے دونوں معرفہ ہوں یا نکرہ ہوں ایسے ہی تذکیر و تانیث میں سے چاہے دونوں مذکر ہوں یا چاہے مؤنث ہوں رفع نصب جر میں سے دونوں مرفوع ہو یا دونوں منصوب ہوں یا دونوں مجرور ہوں اگر ایسا نہ ہو تو موصوف صفت سے بنا جملہ درست نہ ہوگا، چنانچہ دیکھو عندی رجلٌ عالمٌ میں رجلٌ عالمٌ مرکب تو صفی ہے دونوں واحد ہیں، دونوں مذکر ہیں، دونوں نکرہ ہیں دونوں کا اعراب ایک ہے و جَلانِ عالمانِ میں دونوں ثننیہ، دونوں مذکر دونوں حالت رفعی میں ہیں کہ ثننیہ میں رفع الف نون سے ہوتا ہے اور دونوں نکرہ ہیں، و بحالِ عالمانِ جمع ہیں دونوں مذکر ہیں مرفوع ہیں رجالِ جس پر اعراب باحرکت ہے اور عالمانِ جمع مذکر سالم واذنون کے ساتھ مرفوع ہے اور دونوں نکرہ ہیں، عندی امرأۃ عالمۃ یہ مؤنث کی مثال ہے اس میں دونوں مؤنث دونوں واحد دونوں مرفوع دونوں نکرہ ہیں باقی دو مثالوں کو بھی اسی طرح سمجھ لو۔

قسم دوم موافق متبوع: صفت بحال متعلق موصوف والی صفت کا فقط پانچ میں سے دو میں متبوع کے موافق ہونا لازمی ہے معرفہ نکرہ میں سے کسی ایک میں رفع نصب جر میں سے کسی ایک میں جیسے جاء نسی رجلٌ عالمٌ ابوہ میں رجلٌ موصوف ہے عالمٌ ابوہ میں عالمٌ اپنے مرکب اضافی ابوہ قائل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر رجلٌ کی صفت بن جائے گی یا در ہے کہ جملہ نکرہ ہی مانا جاتا ہے اس لئے جملہ ہو یا شبہ جملہ دونوں کو نکرہ موصوف کی صفت بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ اس مثال میں موجود ہے تو رجلٌ موصوف اور عالمٌ ابوہ شبہ جملہ ہو کر صفت ہے نکرہ ہونے میں مطابق ہیں ایسے ہی اعراب میں دونوں مرفوع ہیں بس یہی دو مطابقتیں اسی دوسری قسم کی صفت میں لازمی ہیں اور رہی دوسری پانچ مطابقتیں واحد ثننیہ جمع، تذکیر و تانیث ان کے اندر دوسری قسم کی صفت کو اپنے فاعل کے مطابق رکھنا ہوگا کیونکہ شبہ جملہ میں موجود اسم فاعل یا اسم مفعول در

حقیقت فعل ماضی معروف و مجہول کے نمائندے ہیں اس لئے جیسے فعل واحد تثنیہ جمع اور تذكیر و تانیث میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے شبہ فعل یعنی اسم فاعل و مفعول بھی ان پانچوں میں اپنے فاعل کے مطابق لائے جائیں گے۔

وہو جملہ ضمیر **عہ عائد** : اس دوسری قسم کی یعنی صفت بحال متعلق موصوف میں چونکہ صفت جملہ یا شبہ جملہ بنا کرتی ہے اور جملہ یا شبہ جملہ کلام ہونے کی وجہ سے مستقل حیثیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو ماقبل سے کوئی ربط اور جوڑ رکھنے کی احتیاج نہیں رہتی تو اس لئے کہہ رہے ہیں کہ جب جملہ یا شبہ جملہ صفت بناؤ تو اس میں ایک ضمیر ایسی بھی لانی چاہئے جو اس سے پہلے موجود کرہ یعنی موصوف کی طرف لوٹے تاکہ موصوف صفت میں ربط باقی رہے جیسے جاء رجل ابوء عالم ابوہ مبتدا مرکب اضافی ہو کر عالم خبر پھر جملہ ہو کر صفت رجل کی اس میں ابوہ میں موجود ضمیر رجل کرہ موصوفہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

سبق چہل و پنجم

دوم تاکید و اوتابحیث کہ حال متبوع را متر گرداند در نسبت یا در شمول تا سماع را شک نماند و تاکید بر دو قسم است لفظی و معنوی، تاکید لفظی بکسر ا لفظ است چون زید زید قائم و ضرب ضرب زید وان ان زيدا قائم و تاکید معنوی بہشت لفظ است نفس و عین و کلا و کلتا و کُلُّ و اجمع و اکتع و ابتع و ابصع چون جاء نبي زيدا نفسه و جاء نبي الزيدان انفسهما و جاء نبي الزيدون انفسهم و عین رابریں قیاس کن و جاء نبي الزيدان کلاهما و الھندان کلتاهما و کلا و کلتا خاصند بمثنی و جاء نبي القوم کلهم اجمعون و اکتعون و ابتعون و ابصعون بدانکہ اکتع و ابتع و ابصع اتباع اندہ اجمع پس بدون اجمع نیاید و مقدم بر اجمع نباشد۔

ترجمہ - دوسرے تاکید اور وہ ایسا تابع ہے کہ جو متبوع کے حال کو پختہ بنائے نسبت میں یا شمول میں تاکہ سماع کو شک نہ رہے اور تاکید دو قسم پر ہے لفظی اور معنوی تاکید لفظی وہ لفظ کے دو مرتبہ لانے کے ساتھ ہے جیسے زید زید قائم (زید زید ہی کھڑا ہے) اور ضرب ضرب زید (مارا ہے جی مارا زید نے) اور ان ان زیدا قائم (واقعی واقعی زید کھڑا ہے) اور تاکید معنوی آٹھ لفظ کے ساتھ ہوتی ہے نفس (بمعنی ذات اور خود) عین (بمعنی ذات اور خود) یعنی اپنے آپ اور کلا (بمعنی دونوں) اور کلتا (بمعنی دونوں) اور کُلُّ اور اجمع (بمعنی تمام) اکتع و ابتع و ابصع (ان کا الگ سے کوئی ترجمہ نہیں ہوگا اجمع کے بعد ایسے ہی تاکید کے لئے لائے جاتے ہیں) جیسے جاء نبي زيدا نفسه (آیا میرے پاس زید خود ہی) اور جاء نبي الزيدان

أَنْفُسُهُمَا (آئے میرے پاس روزِ خود ہی) اور جَاءَ نِي الزَّيْدُونَ أَنْفُسُهُمْ (آئے میرے پاس زید دونوں کے دونوں) الھندان کلنھما (اور دہندہ عورتیں دونوں کی دونوں) اور کلا و کلنھا خاص ہیں تشبیہ کے ساتھ اور جَاءَ نِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ وَاكْتَعُونَ وَاَبْتَعُونَ وَاَبْصَعُونَ (آئے میرے پاس لوگ یعنی ان میں سے ہر ایک سب کے سب) جان تو کہ اکتع اور ابتع اور ابصع تابع ہیں اجمع کے پس بغیر اجمع کے نہیں آتے ہیں اور مقدم جمع پر نہیں ہوتے ہیں۔

حل مضمون - تاکید باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی مضبوط اور پکا کرنا اصطلاح نحو میں وہ الفاظ مراد ہیں جن کو تاکید کے لئے لایا جاتا ہے پھر تاکید کے دو فائدہ ہیں (۱) نسبت میں شک و شبہ کو ختم کرنے کے لئے نسبت بمعنی تعلق اور جوڑ ہے جب آپ کسی کی طرف کچھ منسوب کریں گے یا اس سے جوڑیں گے تو بعض دفعہ اس پر یقین نہیں آتا جس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے مثلاً زید کوئی بڑا آدمی ہے انتہائی باوقار اور سنجیدہ ہے ایسا نہیں کہ جہاں چاہے کھڑا ہو جائے بازاروں میں چوراہوں پر کھڑا ہونا اس کی شان سے بعید لگتا ہے تو اگر کسی ایسی ہی مکروہ اور غیر پسندیدہ جگہوں میں کوئی یہ خبر دے کہ زید کھڑا ہے تو بظاہر یقین نہیں آئے گا اور سمجھیں گے کہ اسے دھوکہ لگ گیا کوئی اور کھڑا ہوگا مگر وہ ہمارے رد و انکار کو بھانپ کر پہلے مؤکد کلام لائے گا تاکہ کھڑا ہونے کی نسبت کو زید کی طرف غلط اور دھوکہ نہ سمجھیں بلکہ سمجھ لیں کہ وہ زید ہی ہے نہ کہ کوئی اور یا ایسے ہی زید مثلاً اتنا حلیم اور پر وقار ہے کسی پر کبھی ہاتھ اٹھانے کا کوئی مطلب ہی نہیں چہ جائیکہ مارنا بیٹنا تو تم جب اس کی طرف مارنے کو منسوب کرو گے تو بظاہر آپ کو رد و انکار سے واسطہ پڑ سکتا ہے اس لئے پہلے ہی مؤکد لائے اور کہنے لگے ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ کہ مارنا ہوا ہے جی مارنا زید کا، تو دراصل یہاں شک منسوب الیہ کے بجائے خود منسوب میں ہے اور مثال زید قائم میں منسوب الیہ میں ہے تو کبھی تو تاکید سے شک ختم کریں گے منسوب الیہ کا اور کبھی منسوب کا اور کبھی خود نسبت کا جس کی مثال اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ ہے کیونکہ نسبت مبتدأ خبر کے درمیانی تعلق کا نام ہے تو گویا اِنَّ زَيْدٌ اور قائم کے درمیانی تعلق کی چٹنگی ہی کرنے کے لئے اس کو تکرار اور دوبارہ لایا گیا ہے، اسی بات سے تین مثالوں کے لانے کا فائدہ جہاں یہ ہے کہ ایک تکرار اسم کی مثال ہے دوسری تکرار فعل کی اور تیسری تکراری حرف کی وہیں فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاکید تین فائدوں میں سے کسی بھی ایک کے لئے ہو سکتی ہے کہ خواہ وہ تاکید منسوب کی کرے یا منسوب الیہ کی یا نسبت کی۔

(۲) دوسرا فائدہ تاکید کا شمول ہے شمول بمعنی ہمہ گیر اور عام ہونا چونکہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ کوئی کام کیا چند نے اور جا دیا جاتا ہے سب کا مثلاً در سگاہ میں شرارت ایک دہنے کی مگر کہہ دیتے ہیں تم لوگ بہت شریر ہو گئے ہو ایسے ہی دو چار دفعہ کہنے پر غصہ میں کہہ دیتے ہیں کہ میں نے تجھے ستر دفعہ سبھا دیا مگر تو ماننا نہیں ہے، مراد ستر سے صرف کثرت ہے اس لئے اس کو جھوٹ کلام بھی نہیں کہیں گے کیونکہ عرف میں کوئی تکذیب نہیں کرتا ہے، بہر حال مجازاً ایک یا چند کے کسی کام کے کرنے پر بعض دفعہ مجازاً وہ کام سب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو اس سے تاکید لائیں گے کہ واقعہ سب ہی مراد ہیں اور یہ حکم تمام پر حقیقت میں ہے جیسے

فسجد الملائكة کہ فرشتوں نے سجدہ کیا الملائكة ملائک بمعنی فرشتہ کی جمع ہے کوئی سمجھ سکتا تھا کہ چند فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیا ہوگا اس لئے كَلَّمَهُمْ آگے لا کر بتا دیا کہ نہیں سجدہ کرنے میں سب ہی فرشتے تھے آگے اجمعون سے اور تاکید کر دی معنی اس کے بھی کلام والے ہی ہیں جیسا کہ اردو میں بھی مرادف اور ہم معنی کئی کئی کلمات استعمال کرتے ہیں مثلاً ہم کہیں مجھ سے تمام سب کے سب ہر ایک نے ملاقات کی اور بعض نے کہا کہ اجمعون سے یہ بتلانا ہے کہ سب فرشتوں کا سجدہ ایک ہی وقت میں پایا گیا نہ کہ آگے پیچھے۔

فائدہ: تاکید لفظی ڈبل اور مکرر لفظ کے ذریعہ ہوتی ہے پھر وہ دو اسم ہوں یا دو فعل یا دو حرف یا دو جملے یا دو مرکب اضافی یا دو مرکب توصیفی ان سب سے جو تاکید آوے گی اس کو تاکید لفظی کہتے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے تاکید بمعنی دو مرتبہ کسی چیز کو کہنا یا کرنا اور لفظ بمعنی بولنا یعنی ایک چیز کو دو دفعہ بول کر حاصل ہونے والی تاکید تاکید لفظی کہلاتی ہے۔

تاکید معنوی: کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تاکید تو دو دفعہ کسی چیز کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں اور معنوی اس لئے کہا کہ تاکید معنوی میں مؤکد اور تاکید کے الفاظ تو الگ الگ ہوتے ہیں مگر معنی اور مراد کے لحاظ سے دونوں لفظوں سے ایک ہی ذات مراد ہوتی ہے جیسے جَاءَ زَيْدٌ نَفْسُهُ میں زَيْدٌ اور نَفْسُهُ دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے تو گویا معنی اور مراد ازید کا دو دفعہ ذکر آیا ایک دفعہ لفظ زَيْدٌ سے دوسری مرتبہ نَفْسُهُ کے لفظ سے چنانچہ تاکید معنوی کے جو آٹھ لفظ ہیں سب میں یہی بات ہے کہ معنی اور مراد مقصود کے اعتبار سے دو دفعہ اس چیز کا تذکرہ آجاتا ہے اگرچہ تاکید لفظی کی طرح مکرر لفظ نہیں ہوتے ہیں چنانچہ جَاءَ ت الھندان کلتھما میرے پاس دو ہندہ عورتیں آئیں اس میں الھندان اور کلتھما دونوں سے مراد ایک ہے۔

نَفْسٌ وَعَيْنٌ: دونوں بمعنی ذات ہیں جو ضمیر ان کا مضاف الیہ بنتی ہے وہ ان کے مؤکد کی طرف لوٹتی ہے اسی لئے مؤکد کے حساب سے ضمیر واحد تشنیہ جمع مذکر مؤنث ہونے میں بدلتی رہے گی البتہ سہاں یہ ملحوظ رہے کہ نَفْسٌ وَعَيْنٌ کا مؤکد اگر تشنیہ ہوا تو پھر یہ خود بجائے تشنیہ کے جمع لائے جائیں گے اور ضمیر مؤکد کے مطابق تشنیہ ہی رہے گی چنانچہ جَاءَ نِسِ الزیدان نَفْسَاهُمَا کے بجائے اَنْفُسُهُمَا کہنا ہوگا جیسے قرآن میں بھی ہے فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُنَا۔

سوال: ایسا کیوں؟ جواب اہل عرب کا استعمال اسی طرح ہے عَيْنٌ کا استعمال بالکل نفس کی طرح ہے اور تاکید معنوی اور لفظی دونوں کا فائدہ ایک ہے جیسا کہ بتا دیا گیا ہے چنانچہ جَاءَ نِسِ زَيْدٌ نَفْسُهُ میں جو کہا کہ زید خود ہی آیا یہ جب کہا جاوے گا جہاں اس کے قاصد یا فون یا خط آنے کو زید کا آنا، گمان کرنے کا وہم ہو مثلاً زید کا آنا کسی وجہ سے محال اور مشکل جانا جا رہا ہو یا وہ اتنا بڑا حضرت ہو کہ نفس نفس آیا ہی نہ کرتا ہو ہمیشہ اس کا قاصد آتا ہو یا وہ بلوایا کرتا ہو مثالیں دیکھو جَاءَ الزید نفسہ یا عینہ خود زید آیا جَاءَ نِسِ الزیدان اَنْفُسُهُمَا یا اَعْيُنُهُمَا دونوں زید آئے خود ہی جَاءَ نِسِ الزیدان اَنْفُسُهُمَا یا اَعْيُنُهُمَا دونوں زید آئے سب زید خود ہی، جَاءَ ت زَيْبٌ نَفْسُهَا یا اَعْيُنُهَا زَيْبٌ خود ہی آئی، جَاءَ ت زَيْنَبَانِ اَنْفُسُهُمَا یا اَعْيُنُهَا دونوں زینب خود ہی آئیں، جَاءَ ت زَيْنَبَاتِ اَنْفُسُهُنَّ یا اَعْيُنُهُنَّ زینبات خود ہی آئیں کلا و کلتا یہ دونوں تشنیہ کے لئے خاص ہیں کلا تشنیہ

مذکر کے لئے اور کلمتا تشبیہ مؤنث کے لئے جیسے جاء الزيدان كلاهما وجاءت الهندان كلتاھما۔ کُلُّ یہ ہر حال میں اپنی حالت پر رہتا ہے صرف جو ضمیر مضاف الیہ ہوتی ہے وہ مؤکد کے حساب سے مذکر مؤنث واحد تشبیہ جمع ہو کر بدلتی رہنے کی جیسے قرأت الكتاب کُلُّہ میں نے ساری کتاب پڑھی، وقرأت الجریذۃ کُلُّہا میں نے مکمل اخبار پڑھ لیا، ایسے ہی حوزت القیڈ کُلُّہم میں نے سارے غلام آزاد کر دئے و طَلَّقَتِ النِّسَاءُ کُلُّہن سب عورتوں کو طلاق دیدی گئیں۔

کُلُّ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے تاکید جب آئے گی جب کہ اس کا مؤکد ایسا ہو کہ اس کے افراد ہوں اس کے اجزاء اور حصے بن سکتے ہوں چاہے حساً یعنی وہ اجزاء ہونا محسوس ہو سکے جیسے قرآن کتاب اخبار کے ہو سکتے ہیں یا حساً تو اجزاء نہ ہوں مگر حُکْمًا ہو سکتے ہوں جیسے اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ کُلُّہ میں نے سارا غلام خرید لیا اس میں خریدنے کے اعتبار سے اجزاء ہو سکتے ہیں کہ آدھا ایک خریدے اور آدھا دوسرا خریدے، اسی لئے جاء زید کلمہ کہنا غلط ہے کیونکہ آنا آدھے کا نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ خریدنا دو کا ہو سکتا ہے۔

أَجْمَعُ وَأَكْتَعُ وَأَبْضَعُ: ان سب سے بھی مثل کُلُّ کے واحد اور جمع ہی کی تاکید آیا کرتی ہے اَنْحَعُ اور اَنْتَعُ ان سب کی جمع مذکر اجمعون کے وزن پر ہے اور واحد مؤنث جَمْعَاءُ کے وزن پر ہوتا ہے اور اس واحد مؤنث کی جمع جَمْعٌ کے وزن پر آتی ہے اَجْمَعُ تو ان تینوں کے بغیر استعمال ہوتا ہے اس کا عکس نہیں جیسے اِشْتَهَرَ الْاِسْلَامُ فِی الْعَالِمِ اَجْمَعِ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا، یہ تینوں ہمیشہ اَجْمَعُ کے محتاج ہیں اسی لئے نہ اکیلے استعمال ہوتے ہیں اور نہ اَجْمَعُ سے پہلے لا کر استعمال ہوں گے مثال دیکھئے، اشتریت هذه الدار جَمْعَاءُ و كَتَعَاءُ میں نے یہ پورا گھر خرید لیا اَنْتَ اَخَوَاتِكَ جَمْعٌ كَتَعٌ میں نے تیری تمام بہنوں کو دیکھا ہے (۲) اخذت حقی اَجْمَعُ اَبْضَعُ میں نے اپنا حق مکمل لے لیا، (۳) جاء اجمعون ابعون وہ سب کے سب آئے يَارَ اَيْتُهُمْ اَجْمَعِينَ اَبْعِينَ میں نے ان سب کو دیکھا اوپر کی امثله سے واضح ہو رہا ہے کہ اَجْمَعُ کے ساتھ اَكْتَعُ اَبْضَعُ اَبْتَعُ میں سے کوئی ایک ہی الگ استعمال ہوتا ہے نہ کہ سب ایک ہی دفعہ اَجْمَعُ یا اس سے بے صیغوں کے ساتھ آیا کرتے ہیں لہذا کتاب میں جاء نسی القوم كَلُّهُم اجمعون و اکتعون و ابعون و ابعون تین مثالیں نہیں گی (۱) اکتعون کی (۲) ابعون کی (۳) اَبْضَعُونَ کی ایسے ہی قَامَتِ النِّسَاءُ كَلُّهُنَّ جَمْعٌ كَتَعٌ بَتَعٌ بَصَعٌ بھی تین مثالیں ہیں۔

فائدہ: قوم کا لفظ صرف مردوں کے لئے خاص ہے عورتوں پر نہیں بولا جاتا ہے اور یہ خاص ہونا قرآن کی آیت یا ایہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیراً منهم ولا نساء من نساء میں قوم کو لفظ نساء کے مقابلہ میں لانے سے معلوم ہوتا ہے اگر عورتیں بھی قوم میں داخل ہوتیں تو الگ سے نساء نہ کہا جاتا۔ (کذا فی تفسیر الکشاف)

سبق چہل و ششم

سوم بدل واؤ تا بعیت کہ مقصود بہ نسبت اُو باشد و بدل بر چہار قسم است (۱) بدل اَکَل و (۲) بدل الاشتمال و (۳) بدل الغلط و (۴) بدل البعض۔ (۱) بدل اَکَل آنست کہ مد لوش مد لول مبدل منہ باشد چون جَاءَ نَبِيٌّ زَيْدٌ اَخُوک و بدل البعض آنست کہ مد لوش جزو مبدل منہ باشد چون ضَرِبَ زَيْدٌ رَأْسَهُ و بدل الاشتمال آنست کہ مد لوش متعلق بمبدل منہ باشد چون سَلِبَ زَيْدٌ ثَوْبَهُ و (۴) بدل الغلط آنست کہ بعد از غلط بلفظے دیگر یاد کنند چون مَرَزْتُ بِرَجُلٍ حَمَارٍ۔

ترجمہ: تیسرے بدل اور وہ ایسا تابع ہے کہ مقصود نسبت میں وہی ہو اور بدل چار قسم پر ہے، **بدل اَکَل** اور **بدل الاشتمال** اور **بدل الغلط** اور **بدل البعض** بدل **اَکَل** وہ ہے کہ اس کی مراد (بعینہ) مبدل منہ ہی کی مراد ہو جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْدٌ اَخُوک (آیا میرے پاس زید یعنی کہ تیرا بھائی) اور **بدل البعض** وہ ہے کہ اس کی مراد مبدل منہ کا جزء ہو جیسے ضَرِبَ زَيْدٌ رَأْسَهُ (پٹا گیا زید یعنی اس کا سر) **بدل الاشتمال** وہ ہے کہ اس کی مراد مبدل منہ سے تعلق رکھنے والی چیز ہو جیسے سَلِبَ زَيْدٌ ثَوْبَهُ (لٹ گیا زید یعنی اس کے کپڑے) اور **بدل الغلط** وہ ہے کہ کہ غلطی ہونے کے بعد کسی دوسرے لفظ کو ذکر کریں جیسے مَرَزْتُ بِرَجُلٍ حَمَارٍ (گذرا میں مرد یعنی گدھے کے پاس سے)

حل مضمون۔ بدل بمعنی بدلہ ہے بعض دفعہ جب ایک کلمہ سے تشفی نہیں ہوتی اور مراد سمجھنے میں تشفی رہ جاتی ہے تو اس کی جگہ میں اس کے بدلہ فوراً بلا فاصلہ دوسرا کلمہ لایا جاتا ہے تاکہ بات سمجھ میں آجائے اور جو مقصود ہے وہ ذہن نشین ہو جائے مثلاً جب تم نے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْدٌ کہا کہ میرے پاس زید آیا تو سننے والے کے چہرہ پر ایک دم تفکر اور سوچ کے آثار محسوس ہوئے یعنی مثلاً زید نام کے اور بھی آدمی ہوں تو وہ سمجھ نہ پایا کہ ”کون سا زید ہے وہ جو متکلم کے پاس آیا“ تو فوراً وہ چہرہ بھانپ اور پڑھ کر کہنے لگا بغیر کسی فصل کے اَخُوک (بھائی تیرے والا) تو اب وہ سمجھ جائے گا کہ اُوہو اُوہو یہ تو ہمارے والے زید کو کہہ رہا ہے جو میرا بھائی ہے، اور یہ بات بدل کی چاروں قسموں میں پائی جاتی ہے کہ خالی اور صرف اول لفظ سے بات نہ بننے پر دوسرا لفظ لایا جاتا ہے اسی لئے گویا لفظ اول جس کو مبدل منہ کہتے ہیں محض بے کار ہو کے رہ جاتا ہے اور مقصود وہ لفظ ثانی یعنی بدل ہی بنتا ہے بس مبدل منہ کا ذکر بطور تَوَطُّئَةٍ اور تمہید کے رہ جاتا ہے **سوال** تو طے اور تمہید کا کیا مطلب ہے **جواب** دونوں لفظوں کے معنی ہیں ہموار کرنا اور بچھانا گویا جس طرح کھڑی چڑھائی پر چڑھنے کے لئے مٹی کو ڈھلوان بنانا پڑتا ہے اور اسے بچھا کر چڑھائی پر چڑھنا آسان بنتا ہے گویا اسی طرح متکلم جب مخاطب کو لفظ اول یعنی مبدل منہ سے مطمئن ہوتا ہوا نہیں پاتا تو فوراً اگلے لفظ کی طرف بڑھ جاتا ہے اور لفظ

اول کو چھوڑ کر دوسرا اپنا لیتا ہے گویا وہ زینہ اول سے زینہ ثانی پر چڑھ گیا، اسی لئے بدل کی تعریف میں یہ فرمایا کہ مقصود بہ نسبت او باشد یعنی اصل حکم عندا محکم بدل پہ لگتا ہے مبدل منہ تو محض توطئہ اور تہید یا زینہ بنتا ہے، مقصود بہ نسبت الخ سے صفت اور تاکید دونوں تابع بدل کی تعریف سے نکل گئے کیونکہ یہ ایسے تابع نہیں جو خود مقصود ہوں بلکہ ان کے متبوع یعنی موصوف اور مؤکد مقصود ہوتے ہیں، اور عطف تابع بھی نکل گیا کیونکہ اس میں معطوف علیہ جو متبوع ہے اور معطوف جو تابع ہے دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں ایسے ہی بیان تابع بھی نکل گیا کیونکہ میں بیان میں ایک لفظ دوسرے لفظ کے بعد وضاحت کے ارادہ سے ہوا کرتا ہے جب کہ مبدل اور بدل میں صرف تبدیل کا ارادہ ہوتا ہے وضاحت کا نہیں گو وضاحت از خود حاصل ہو جائے اور اصل اعتبار ارادوں اور نیتوں کا ہے اس لئے کہا ہے لَوْلَا الْإِغْتِيَارَاتُ لَبَطَلَتْ الْحِكْمَةُ (یعنی اگر لحاظ اور اعتبارات نہ ہوں تو حکمت اور فلسفہ بے کار ہو کے رہ جائے) بدل الکل اس لفظ میں اضافت بیان ہے یعنی مضاف الیہ سے وضاحت ہو رہی ہے کہ کونسے والا بدل ہے، اصل عبارت یوں ہے بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبَدَّلِ مِنْهُ، گویا الکل کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور مضاف الیہ مبدل منہ ہے، بدل الکل وہ ہوتا ہے جس میں بدل اور مبدل منہ دونوں سے مراد ایک ہی ذات یا شئی ہو اور دونوں کا مصداق ایک ہو جیسے جاء نی زینتہ اخوک میں زید اور اخوک سے ایک ہی شخص مراد ہے، جب وہ لفظ زید سے نہ سمجھ سکا تو اخوک اس کے بدلہ میں بول دیا گیا، یاد رہے کہ مبدل منہ اور بدل کا اعراب یکساں ہوتا ہے۔

حاشیہ: بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ یا دونوں نکرہ ایک معرفہ ایک نکرہ سب طرح ہو سکتے ہیں، بدل الکل کی کافی مثالیں لکھی جاتی ہیں تاکہ پہچاننے میں آسانی ہو۔ ان مثالوں میں اول خط کشیدہ مبدل منہ ہے، دوسرا بدل ہے

(۱) نَزَلَتْ سُورَةُ الْفَاتِحَةِ فِي أَمِّ الْقُرَآئِي مَكَّةَ، (سورہ فاتحہ ام القرائی مکہ میں نازل ہوئی)۔

(۲) أَمَّ خَيْرُ الْأَنَامِ مُحَمَّدٌ بِالْأَنْبِيَاءِ فِي لَيْلَةِ الْمِعْرَاجِ (شب معراج میں حیر الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی امامت کرائی)۔

(۳) الْكُفَّارُ يَدْخُلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَارِ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ، (کافر قیامت کے روز ہلاکت کے کھر جہنم میں داخل ہوں گے)۔

(۴) صَلَّى اللَّهُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ (اللہ نبیوں میں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرمائے)۔

(۵) كَانَ نَمْرُودُ الْقَيِّ غَلِيلَ اللَّهِ إِبْرَاهِيمَ فِي النَّارِ (نمرود نے غلیل اللہ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا)۔

(۶) نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ الْقُرْآنَ الْكَرِيمُ فِي رَمَضَانَ، (کتاب اللہ قرآن کریم رمضان میں تری ہے)۔

(۷) كَانَ حَمْرَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلَّعًا بِالصَّيْدِ، (حمزہ بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شکار کے شوقین تھے)۔

(۸) إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، (یا اللہ تو ہم کو سیدھے راستے الٰہیٰں انعمت

عَلَيْهِمْ (صحابہ) کے راستے کی ہدایت فرما)۔

(۹) وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ مِنْ فِرْعَوْنَ، (ہم نے بنی اسرائیل کو عذاب مہین فرعون سے نجات دی چونکہ فرعون عذاب مہین (ذالت والے عذاب) کا سبب تھا اس لئے خود فرعون کو عذاب مہین فرما دیا)۔

(۱۰) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ، (بے شک یہ بات پہلے صحیفوں حضرت ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں ہے)۔

(۱۱) دَعَاكَ صَدِيقَكَ رَاشِدًا، (میں نے تیرے دوست راشد کو بلایا)۔

(۱۲) نَادَيْتُ خَادِمَكَ خَالِدًا، (میں نے تیرے خادم محمد خالد کو آواز دی)۔

(۱۳) وَصَلَ الْأَخْوَانَ خَالِدًا وَاحْمَدًا إِلَىٰ مُمْبَائِي، (دونوں بھائی خالد اور احمد ممبئی پہنچ گئے)۔

(۱۴) حَضَرَ الْأُسْتَاذَ أَطْهَرَ، (استاذ محمد اطہر آگئے)۔

(۱۵) أَخَذْتُ تَذَكُّرَتَيْنِ وَاحِدَةً لِنَفْسِي وَوَاحِدَةً لِأَخِيكَ، (میں نے دو ٹکٹ ایک اپنا اور ایک تیرے بھائی کے لیے لیا)۔

(۱۶) جَاءَ الضَّيْفُ ابْنَ خَالِي، (مہمان میرے ماموں کا لڑکا آیا ہے)۔

(۱۷) جَاءَ رَجُلٌ غَلَامٌ لَكَ، (ایک آدمی تیرا غلام آیا)۔

(۱۸) جَاءَ نَبِيٌّ وَلَدٌ ابْنِكَ، (میرے پاس ایک لڑکا تیرے لڑکا آیا)۔

(۱۹) إِنَّ يَوْمَ الْفُضْلِ كَانَ مِيقَاتًا يَوْمٌ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ، (بیشک فیصلہ کا دن جس دن صور پھونکا جائے گا ایک متعین

وقت ہے)۔

(۲۰) اسْتَقْبَلُ مَحْمُودٌ ضَيْفَهُ ابْنَ عَمِّهِ، (محمود نے اپنے مہمان اپنے چچا زاد بھائی کا استقبال کیا)۔

(۲۱) لَسَفَعًا بِالنَّصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ، (ہم ضرور پیشانی جھولی پیشانی کو پکڑ کر کھینچیں گے)۔

بدل البعض: بعض اور جزء والا بدل اس کی اصل ہے بَدَلٌ هُوَ بَعْضُ الْمُبْدَلِ مِنْهُ یعنی ایسا بدل جو اپنے مبدل منہ کا حصہ

اور جزء ہوتا ہے جیسے ضَرْبٌ زَيْدٌ رَأْسُهُ زَيْدٌ اس کا سر پیٹا گیا۔

بدل البعض کی متعدد مثالیں لکھی جاتی ہیں:

(۱) تَخْرُجُتُ مِنْ سَهَارٍ نَفُورٍ مَظَاهِرِ عُلُومٍ، (میری فراغت سہارن پور مَظَاهِرِ عُلُومٍ سے ہے مَظَاهِرِ عُلُومٍ جس احاطہ کا

نام ہے وہ سہارن پور کا جزء ہے)۔

(۲) أَنَا اسْكُنُ فِي الْهِنْدِ مَدِينَتِهِ سَهَارٍ نَفُورٍ، (میں ہندوستان صُلَحِ سَهَارٍ نَفُورٍ میں رہتا ہوں)۔

(۳) طَالَعْتُ الْكَافِيَةَ عِشْرِينَ صَفْحَةً، (میں کافیہ میں صَفْحَةً مطالعہ کی)۔

(۴) قَرَأْتُ الْجَرِيدَةَ صَفْحَتَهَا الْخَامِسَةَ، میں نے اخبار پانچواں صفحہ پڑھا)۔

(۵) حَفِظَ الْقُرْآنَ نِصْفَهُ، (اس نے قرآن اس کا آدھا حفظ کیا)۔

- (۶) إِحْمَرٌ زَيْدٌ وَجْهَهُ، (زید اس کا چہرہ سرخ ہو گیا)۔
- (۷) أَشْتَرَيْتُ مِنْ دِيُونَنْدٍ سَوْقِيهَا كِتَابًا مُمْتَعًا، (میں نے دیوبند اس کے بازار سے ایک مفید کتاب خریدی۔
- (۸) ثَلَاثُ السَّمَاءِ نُجُومُهَا (آسمان اس کے ستارے چمک گئے)
- (۹) أَظْلَقْنَا الشَّجَرَةَ أَغْصَانَهَا (درخت اس کی شاخوں نے ہم پر سایہ کیا)
- (۱۰) كُتِبَ الْقَلَمُ بِنَهْ (قلم اس کا نب ٹوٹ گیا)
- (۱۱) قَرَأْتُ الْقِصَّةَ نَصْفَةَ (میں نے قصہ اس کا آدھا پڑھ لیا)
- (۱۲) وَلَدَيْ أَكْلِ التَّفَاحِ رَبْعَهَا (میرے لڑکے نے سیب اس کا چوتھائی کھا لیا)
- (۱۳) كَتَبْتُ الدَّرْسَ ثَلَاثَةَ (میں نے سبق اس کا تہائی لکھ لیا)
- (۱۴) قَطَعْتُ الْأَشْجَارَ بَعْضَهَا (میں نے درخت ان میں سے کچھ کاٹ دیئے)
- (۱۵) شَاهَدْتُ الْمَسْجِدَ مِنْدَنْتَهُ (میں نے مسجد اس کا مینار دیکھا)

میں سہارنپور محلہ مبارک شاہ میں رہتا ہوں، وہ دیوبند مدرسہ میں پڑھتا ہے یہ سب بدل البعض کی مثالیں بن سکتی ہیں۔

بدل الاشتمال: اشتمال کے معنی ملنے اور لپٹنے کے ہیں نیز گھیرنے اور احاطہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے تو جہاں بدل اور مبدل منہ ایسے ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو اپنے گھیرے اور لپٹے میں لئے ہوئے ہوں تو وہاں بدل الاشتمال بنے گا، پھر بدل کے مبدل منہ کو گھیرے میں لینے کی مثال سَلَبَ زَيْدٌ ثَوْبَهُ ہے کہ اس میں ثوبہ جو بدل ہے اپنے مبدل منہ زید پر مشتمل ہے اور کبھی برعکس ہوتا ہے جیسے کہ يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ، (کہ لوگ شہر حرام یعنی اس میں لڑنے کے بارے میں آپ کو پوچھتے ہیں، اس میں شہر حرام جو مبدل منہ ہے اپنے بدل قِتَالٍ فِيهِ کو شامل ہے۔

بہر حال بدل الاشتمال میں بدل اور مبدل منہ میں آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ہوگا، خواہ تعلق ظرف اور مظهر فیه ہونے کا ہو جیسے کہ شہر حرام اور قتال میں ہے یا اور کوئی ہو جیسے سَلَبَ زَيْدٌ ثَوْبَهُ میں ہے کہ زید اور ثوب کا تعلق محض اوڑھنے یا پہننے کا ہے لیکن یہ تعلق کل اور جزء والا نہ ہو جو بدل انکل اور بدل البعض میں ہوتا ہے۔

پھر بدل الاشتمال کی پہچان یہ ہے کہ صرف مبدل منہ کے ذکر کرنے پر شوق اور انتظار رہتا ہے کہ یہ اور کچھ کہے جب وہ اور کچھ آجائے یعنی بدل جس سے انتظار ختم ہو جائے تو وہ بدل الاشتمال کہلائے گا مثلاً جب تم نے کہا أَعَجِبْنِي زَيْدٌ کہ مجھے زید نے تعجب اور حیرت میں ڈال دیا تو خود کسی کی ذات لڑ تعجب میں نہیں ڈالا کرتی اس کا کوئی وصف اور خوبی ہی ڈالتی ہے اس لئے انتظار رہے گا، جب تم نے عِلْمَهُ کہا تو تشنگی اور انتظار ختم ہو جائے گا، ایسے ہی سَلَبَ زَيْدٌ ثَوْبَهُ کہ زید لٹ گیا تو خود آدمی نہیں لٹا کرتا مال یا سامان لٹا کرتا ہے تو جب مَالَهُ یا ثَوْبَهُ کہو گے انتظار ختم ہو جائے گا۔

أَمْثَلُهُ بَدَلِ الْأَشْتِمَالِ

(۱) شَرِبْتُ الْكُؤُبَ مَاءَهُ (میں نے گلاس اس کا پانی پی لیا، گلاس اور پانی میں ظرف مظروف کا تعلق ہے چونکہ گلاس کوئی نہیں پیتا اس کا پانی پیا کرتا ہے اس لئے مَاءَهُ کہنے سے بات صحیح ہوگی۔

(۲) يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِنَالٍ فِيهِ (اس آیت میں بھی عن الشهر الحرام تک کہنے سے یہ کھٹکا تھا کہ شہر حرام تو مشہور چار مہینے تھے جن کو اہل عرب جانتے ہی تھے اس لئے سوال بے معنی ہوتا ہے لیکن جب کہاقتال فیہ تو سوال درست ہو گیا کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں اشہر حرام میں لڑائی حرام تھی زمانہ اسلام آنے کے بعد لوگوں کو کھٹکا ہوا کہ اب لڑیں یا نہ لڑیں اس لئے ان کا سوال بے معنی سے بامعنی اور درست ہو گیا۔

فائدہ: اشہر حرام سے مراد جب ذی قعدہ ذی الحجہ محرم کے مہینے ہیں زمانہ اسلام میں ان میں لڑائی ممنوع نہیں رہی تھی۔

(۳) خَوْفِي خَالِدٌ بُكَاءُهُ (خالد اس کے رونے نے مجھے ڈرا دیا)۔

(۴) أَيْقَظُنِي زَيْدٌ صَوْتُهُ (مجھے زید اس کی آواز نے جگا دیا)۔

(۵) خَيْرِي عَيْسَى خِطَابُهُ (مجھے عیسیٰ اس کی تقریر نے حیرت میں ڈا دیا)۔

(۶) فَلَمَّا آتَاهَا نُودَىٰ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ پ: ۲۰ (اس میں من

شاطی الواد الایمن مبدل منہ اور من الشجرة بدل الاشمال ہے کیونکہ وہ درخت جس سے موسیٰ علیہ السلام کو نبی آواز آئی تھی کنارہ وادی پر تھا آیت میں الایمن شاطی کی صفت ہے، ترجمہ یوں ہے کہ جب موسیٰ اس نور پہ آئے جس کو آگ سمجھ رہے تھے تو ان کو وادی کی داہنی جانب یعنی درخت سے ندا دی گئی۔

(۷) لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُؤْتِيَهُمْ مِّنْ لِّبُؤْتِهِمْ بدل الاشمال ہے۔

ترجمہ آیت: بنا دیتے ہم رحمن یعنی خدا کے مکروں یعنی ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی۔

(۸) سَرِنِي الْوَلَدُ نَجَاحُهُ (مجھے لڑکے اس کا میابی نے سرور کر دیا)

(۹) أَطْرَبَنِي الْبَلْبَلُ صَوْتُهُ (مجھے بلبل اس کی آواز نے جھما دیا)

(۱۰) أَحْبَبْتُ التَّلَامِيذَ أَخْلَاقَهُمْ (مجھے طلبہ ان کے اخلاق پسند آئے)

(۱۱) أَعْجَبَنِي الرَّجُلُ أَذْبَهُ (مجھے مرد اس کا سلیقہ بھا گیا)

(۱۲) سَرِنِي الشَّارِعَ نِظَافَتَهُ (مجھے سڑک اس کی صفائی سھرائی نے خوش کیا)

(۱۳) أَعْجَبَنِي الْحَدِيثُ نَسِيقَهَا (مجھے ہادھیچہ اس کی سینک نے حیرت میں ڈالا)

(۱۴) نَفَعَنِي الصَّدِيقُ عِلْمُهُ (مجھے دوست اس کے علم نے نفع دیا)

(۱۵) اَعْجَبْنِي الْقَصِيذَةَ فَكَّرْتَهُ (مجھے قصیدہ اس کی سوچ اچھی لگی)

ایسے ہی اردو کے اندر میں نے ایک پلیٹ کھانا کھا لیا، اس نے ایک لوٹا دودھ پی لیا، مجھ اکرم نے ایک یوری گندم تقسیم کر دی ان سب میں بدل الاشمال ہے۔

بدل الغلط: اس میں سُبَّب کی سَبَّب کی طرف اضافت ہے یعنی بوجہ غلطی کے بدلہ میں دوسرا لفظ لایا جاوے مثلاً کوئی بتانا چاہتا تھا کہ کتاب پھاڑ دی اور کہہ دیا رومال تو وہ مندبتن کے بعد الکتاب کہے گا۔

(۱) خَرَقَ الصَّبِيَّ الْمُنْدِيلَ الْكِتَابَ، بچہ نے رومال کتاب پھاڑ دی۔

(۲) ذَهَبَ زَيْدٌ إِلَى الْمَسْجِدِ السُّوقِ، زید مسجد بازار چلا گیا۔

(۳) ذَفَعْتُ إِلَى زَيْدٍ بِنْدِيلًا قَلْنَسُوءًا، میں نے زید کو رومال ”ننہ“ ٹوپی دی۔

نوٹ: بدل مبدل منہ کے بیچ میں فصل نہیں ہوتا محض سمجھانے کے لئے اخیر مثال میں ”ننہ“ کا بیچ میں ذکر کیا ہے۔

بدل الغلط کی مثالیں بہت آسان ہیں کہ بھول یا غصی سے مبدل منہ جو منہ سے نکل گیا تو اس کی جگہ جو اصل کہتا ہے وہ رکھ دو، البتہ بدل الغلط میں یہ ضروری ہے کہ بدل اور مبدل منہ دونوں ایسے ہوں کہ ان میں تباہی ہو یعنی دونوں کا مصداق اور ان سے مراد الگ الگ چیز ہو۔

سبق چہل و ہفتم

چهارم عطف بحرف وأوتاب عیست کہ مقصود باشد بہ نسبت بامتبوعش بعد از حرف عطف چون

جَاءَ نِي زَيْدٌ وَعُمَرُو حروف عطف ده است در فصل سوم یاد کلیم انشاء اللہ و اور اعطف نسق نیز گویند

پنجم عطف بیان وأوتاب عیست غیر صفت کہ متبوع را روشن گرداند چون اَقْسَمَ بِاللَّهِ

أَبُو حَفْصٍ عُمَرُو وَتَكَلَّمَ بِعِلْمٍ مَشْهُورٍ تَرَبَّاشِدُو جَاءَ نِي زَيْدٌ أَبُو عُمَرُو وَتَكَلَّمَ بِعِلْمٍ مَشْهُورٍ تَرَبَّاشِدُو۔

ترجمہ - چوتھے عطف بحرف اور وہ ایسا تابع ہے کہ جو مقصود ہو نسبت میں اپنے متبوع سمیت کسی حرف عطف کے بعد جیسے جاء نی زید و عمرو (میرے پاس زید و عمرو آئے) اور حروف عطف دس ہیں تیسری فصل میں بیان کریں گے ہم انشاء اللہ اور اس کو عطف نسق بھی کہتے ہیں پانچویں عطف بیان اور وہ ایسا تابع ہے جو صفت کا غیر ہو (یعنی صفت نہ ہو) کہ متبوع کو واضح کرتا ہے جیسے اَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُو (قسم کھائی اللہ تعالیٰ کی ابو حفص یعنی عمر نے جس وقت کہ علم کے ساتھ زیادہ مشہور ہو اور جاء نی زید ابو عمرو (آیا زید یعنی ابو عمر جس وقت کہ کُنِيتُ (تخفیف النون و ہز مہا) کے ساتھ زیادہ مشہور ہو۔

حل مضمون۔ چوتھا تابع عطف بحرف ہے یہاں عطف سے معطوف مراد ہے کیونکہ عطف تو معنی مصدری اور ایک نسبت اور تعلق کا نام ہے جو معطوف علیہ اور اس کے معطوف کے درمیان ہوتا ہے، عطف کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حرف عطف کے ذریعہ جو چیز معطوف علیہ سے جڑی ہوئی ہے وہ معطوف سے بھی جڑی جان لی جاتی ہے مثلاً جاءنی زید و عمرو میں واؤ حرف عطف یہ بتا رہا ہے کہ جاءنی کا تعلق جیسے زید سے ہے ویسے ہی عمر سے بھی ہے اگر واؤ نہ ہوتا تو اسے جاءنی دو مرتبہ لانا پڑتا اور زید اور عمرو دونوں کے اپنے پاس آنے کو بتلانے کے لئے الگ الگ جساء نی کہنا پڑتا اس الگ الگ کہنے سے بچنے کے لئے حرف عطف سے کام لے لیا جاتا ہے پھر حرف عطف دس ہیں جن کا بیان آگے آنے والی تیسری فصل کی سولہویں قسم میں سب سے آخر میں آرہا ہے اور ان حرف عطف کے مستقل اپنے عطف کے علاوہ اور بھی فائدے ہوتے ہیں مثلاً واؤ محض جمع کے لئے آتا ہے یعنی فقط دو چیزیں پائی گئیں قطع نظر اس سے کہ ترتیب دار آگے پیچھے یا کون سی پہلے پائی گئی اور کون بعد میں جیسے جاء زید و عمرو کہ زید و عمرو دونوں آئے اور جب کہیں جاء زید و عمرو تو مطلب یہ ہے کہ اولاً زید کا آنا ہوا اس کے فوراً بعد ہی عمر کا آنا ہوا اور اگر کہیں جاء زید ثم عمرو کہ زید آیا پھر عمر تو مطلب یہ ہوگا کہ زید کے دیر کے بعد عمر کا آنا ہوا اسی طرح اور حرف عطف کے اور معنی آتے ہیں جس کو کتبِ نحو میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر حرف عطف سے پہلے کی چیز کو معطوف علیہ کہا جاتا ہے اور جو کلمہ حرف عطف کے بعد آتا ہے اس کو معطوف کہتے ہیں عطف کے معنی میلان اور جھکاؤ کے آتے ہیں چوں کہ حرف عطف اپنے مابعد کا ماقبل کے حکم پر جھکاؤ کو ظاہر کرتا ہے یعنی جو حکم حرف عطف سے پہلے پر ہے وہی اس کے بعد والے پر بھی اس لئے عطف نام رکھا گیا یا عطف کے معنی سیدھے جوڑنے کے لو اور جس سے جوڑے معطوف علیہ اور جس کو جوڑیں معطوف کہتے ہیں تو چونکہ حرف عطف معطوف کو معطوف علیہ پر لگے حکم سے جوڑتا ہے اس لئے حرف عطف کہلایا اور ایک نام عطف بحرف کا عطف نسق بھی ہے نسق کے معنی ترتیب اور انتظام کے ہیں چونکہ حرف عطف میں وہ بھی ہیں جو ترتیب کے ظاہر کرتے ہیں جیسے لاء ثم حتی وغیرہ۔

مقصود باشد بہ نسبت چونکہ معطوف کی طرف بھی نسبت مقصود ہوا کرتی ہے اس لئے اس عبارت سے تاکید اور عطف بیان خارج ہو گئے کیونکہ یہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کے متبوع مؤکد اور مبین مقصود ہوتے ہیں اور **بامتبوع** کہنے سے بدل نکل گیا کیونکہ اس کا متبوع یعنی مبدل من مقصود نہیں ہوا کرتا بہر حال عطف بحرف میں جو حکم ہوتا ہے وہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے جڑتا ہے، جیسے **أَكَلُ الطَّعَامَ بَكْرًا وَ خَالِدًا** بکرنے اور خالد نے کھانا کھا لیا۔

پنجم عطف بیان: پانچواں تابع عطف بیان ہے۔

سوال: عطف بیان میں مبین اور بیان میں درمیان میں کوئی حرف عطف آتا ہی نہیں ہے پھر اس کو عطف بیان کیوں کہہ رہے ہو یعنی لفظ عطف کیوں لگایا؟

جواب: عطف کے لغوی معنی سنی جب جھکاؤ کے ہیں تو حرف عطف کے ذریعہ نہ سہی مگر معنوی طور پر تو عطف اور جھکاؤ بیان میں

بھی موجود ہے اس طرح کہ جس حکم سے بین جز رہا ہے یعنی جو حکم بین کے لئے ثابت کیا وہی بیان کے لئے بھی ہے جیسے کسان النعمان ابو حنیفہ اما ما اعظما؛ کہ نعمان یعنی ابو حنیفہ امام اعظم ہیں اس میں نعمان بین اور ابو حنیفہ بیان ان دونوں پر ہی امام اعظم ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، البتہ مقصود بین ہوتا ہے اس کے بعد جو عطف بیان لایا جاتا ہے وہ محض وضاحت اور تشریح کے لیے ہوا کرتا ہے۔ سوال اس کا تقاضہ تو پھر یہ ہے کہ عطف بیان اپنے متبوع (بین) سے زیادہ واضح اور مشہور ہونا چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ وضاحت ہو سکے جواب نہ یہ ضروری نہیں فقط اتنا کافی ہے کہ بین بیان دونوں کے جمع ہونے سے وضاحت ہو جائے جو تنہا ایک سے نہیں ہو سکتی تھی لہذا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بین بیان سے وضاحت میں اعلیٰ درجہ پر ہو۔

سوال: عطف بیان کی تعریف صحت پر صادق آتی ہے کیونکہ بعض دفعہ صفت سے بھی یہی وضاحت حاصل ہوتی ہے جو بیان سے ہوتی ہے مثلاً تم نے کہا آج میری عبدالرحمن سے ملاقات ہوئی اور پتہ نہ چل رہا ہو کہ کس عبدالرحمن سے ہوئی جب کہ اس نام کے اور بھی ہیں جن سے ملاقات ہو سکتی ہے پھر تم نے کہا حافظ عبدالرحمن تو اب حافظ صفت ہے اس کے لگانے سے وضاحت ہو گئی۔

جواب: ہمیں تسلیم ہے کہ صفت سے بھی وضاحت ہوتی ہے لیکن صفت کے علاوہ سے وضاحت مراد ہے جیسا کہ مصنف نے بھی غیر صفت عبارت میں کہا ہے تو گویا جس سے وضاحت آئے موصوف کی ذات سے باہر کی چیز ہوتی ہے مثلاً حضرت عمر کا اپنی کنیت ابو حفص کے ذریعہ نہ پہچانا جانا اور عمر کہنے سے پہچان لینا تو عمر کوئی وصف نہیں ہے بلکہ نام ہے اور محض شہرت کو وضاحت میں داخل ہے جو موصوف کا وصف نہیں ہے بلکہ نام کے قبیل سے ہے۔

ان میں جس چیز سے کسی کی شہرت ہو گئی وہی وضاحت کا ذریعہ ہوگی اسی لئے عطف بیان میں جو نام بھی زیادہ مشہور ہوگا وہی عطف بیان بن جائے گا (ناموں کی اقسام سبق کے اخیر میں فائدہ کے تحت آرہی ہیں) اگر علم اور نام زیادہ مشہور ہے تو وہ عطف بیان بنے گا جیسے اقسام باللہ ابو حفص عمر میں کہ ابو حفص کہنے سے قسم کھانے والے کا پتہ نہ چلتا تھا تو عمر کہہ کر وضاحت ہو گئی اور اگر کنیت زیادہ مشہور ہوئی نام نہ ہو تو پھر کنیت ہی عطف بیان بنے گی جیسے امام اعظم اپنے نام نعمان سے کم جانے جاتے ہیں وراپنی کنیت سے فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل صفت تعریف یا برائی کے لئے ہوتی ہے وضاحت اس سے بجٹا ہے اور بیان میں اس کا لٹا ہے کہ اصل وضاحت ہے چاہے بجٹا اس سے تعریف ہو جائے جیسے جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام میں البیت الحرام بیان ہے الکعبۃ مگر وضاحت کے بجائے تعریف اور برائی کے لئے ہے کیونکہ کعبہ تو مشہور ہے۔ کذا فی الکشاف۔

اقسم باللہ ابو حفص عمر: اس کی وضاحت بعد میں کریں گے پہلے یہ جان لو کہ مبدل متہ اور بدل بعینہ بین اور بیان ہی لگتے ہیں بظاہر دونوں میں کوئی واضح فرق نظر نہیں آتا اسی وجہ سے شارح رضی کے شرح جامی ص ۲۰۳ میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں وَأَنَا إِلَى الْأَن لَمْ يَظْهَرْ لِي فَرَقٌ جَلِيٌّ بَيْنَ بَدَلِ الْكَلِّ مِنَ الْكَلِّ وَبَيْنَ عَطْفِ الْبَيَانِ بَلْ لَا أَرَى عَطْفَ الْبَيَانِ إِلَّا بَدَلُ الْكَلِّ، (یعنی میرے لئے اب تک بدل انکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی کھلا فرق ظاہر نہ ہوا بلکہ میرے

خیال میں تو عطف بیان وہ خود بدل الکل ہی ہے) چنانچہ تعیین کرنے میں بعض عبارتوں میں اختلاف بھی کتابوں میں ملتا ہے کسی نے اس کو بدل مبدل منہ کہا تو کسی نے مبین عطف بیان کہا ہے چنانچہ ہدایۃ النحو کے خطبہ میں علی و رسولہ محمد (کے بارے میں کتاب کے حاشیہ میں محمد کو علی و رسولہ کا بدل یا عطف بیان دونوں ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اس لئے بعض محققین سے شرح جامی کے اندر جو ان کا فرق بتایا ہے وہ محض حیثیت کا فرق ہے اصلیت کا نہیں اور بعض نے جو اصلیت کا فرق یوں کہہ کے بتلایا بھی ہے کہ مبدل بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے نہ کہ مبدل منہ اور مبین بیان میں مبین ہوتا ہے نہ کہ عطف بیان تو اس کو یوں کہہ کے رد کر دیا کہ مبدل منہ کیوں مقصود نہیں ہوتا وہ بھی مقصود ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مقصود اصلی نہیں ہوتا محض تمہید اذکر کرتے ہیں بلکہ فرق کر کے یہ کہا کہ علاوہ بدل الغلط کے تمام بدلوں میں ہی دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں خواہ کسی بھی حیثیت سے مقصود ہوں تو اس لئے بدل اور عطف بیان میں اگر فرق ہے وہ صرف خالی نیت اور حیثیت کا ہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً جاء نسی اخوک زید اس میں اگر اصل آنا اخوک سے جوڑنا ہے اور زید محض تہ اور توضح کے لئے لایا گیا ہے تو ان میں مبین عطف بیان کی ترکیب ہوگی اور اگر ارادہ میں زید سے جوڑنا تھا اور اخوک صرف زید کو چھوڑ کر بدلہ میں اس کی جگہ پر لایا گیا ہے پہلے لفظ کی وضاحت وغیرہ کوئی ارادہ نہ ہو جیسا کہ بیان کو مبین کی وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے تو اب اس میں بدل مبدل منہ کی ترکیب جاری ہوگی چاہے جہاں وضاحت بھی ہو جائے مگر اصلاً تو تبدیل ہے لہذا جہاں جیسا ارادہ ہوگا ویسے ہی بدل یا عطف بیان کا فیصلہ کیا جائے گا لہذا ایک ہی عبارت کو اگر مبدل منہ اور بدل یا مبین عطف بیان کہیں کہہ دیا گیا تو اس میں اسی نیت کے فرق کو دخل ہوگا اور اگر اس نیت والے فرق کی باریکی میں نہ پڑا جائے تو پھر چاہے بدل کہہ دیا عطف بیان۔

اب سمعہ اقسَمَ بِاللّٰهِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُ مَا مَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبْرٍ ﴿۱﴾ اِغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ فَجْرًا كَوْ
 مَسَّ يَمَسُّ مَسًا (باب س) سے بمعنی پہنچنا پیش آنا اور چھو نا نقب باب سمع سے البعير اونٹ کا گھسے ہوئے کھروالا ہونا دَبْرَ باب سمع سے اونٹ کا زخمی پیٹھ والا ہونا اِغْفِرْ بروزن اِضْرِبْ امر کا صیغہ بمعنی مغفرت کرنا بخشنا فَجْرَ ماضی کا واحد غائب ہے فجور بمعنی جھوٹ بولنا (قسم کھائی اللہ تعالیٰ کی ابو حفص یعنی عمر نے، نہ پیش آیا ہے اونٹنی کو کھروں کا گھسنا اور نہ پیٹھ کا زخمی ہونا بخش دے عمر کو اے اللہ اگر جھوٹ بولا ہے اس نے قصہ کا شان درود یہ ہے کہ ایک دیہاتی عرب نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں آکر کہا کہ مجھے سواری کے لئے اونٹ دے دیجئے حضرت عمر نے جواب میں کہا اونٹ تو تو لے ہی رہا ہے اسی پر چلا جاتا جس پر اس نے کہا یہ تو (نَقَبٌ وَ دَبْرٌ) کہ گھسے کھروالا اور زخمی پیٹھ والا ہے حضرت عمر نے اپنے گمان سے یا اپنی معلومات کے مطابق کہہ دیا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهَا نَقَبٌ وَلَا دَبْرٌ کہ بخدا نہ اس کے کھسے ہوئے ہیں اور نہ یہ زخمی پیٹھ والا ہے، دیہاتی مایوس ہو کر چلا گیا (تھوڑی بہت دیر میں) جب کہ وہ زبان سے یہ کہتے جا رہا تھا اقسَمَ بِاللّٰهِ الخ حضرت عمرؓ بھی وادی کے اوپر والے حصہ سے جس کی طرف یہ جا رہا تھا تشریف لارہے تھے ان کے کان میں جب یہ الفاظ پڑے تو آپ نے اسے فوراً اپنی اونٹنی سے اترنے کے لئے کہا تو یکھا کہ واقعی وہ ایسی ہے جیسا کہ وہ کہہ رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کو اس کے سچا ہونے پر نہ صرف یہ کہ اونٹ

دیا بلکہ جوڑا اور زار راہ بھی عطا فرمایا۔

سوال: حضرت عمر نے جھوٹ ہی کیسے کہہ دیا تھا مافسہا من نقب ولا ذنب:

جواب: بڑے لوگوں کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھروسے بھی آتے ہیں اگر وہ ایک دم سے تصدیق کر دیں تو کوئی بھی پتھر دے سکتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس کی کسی ادا اور عمل سے حضرت عمر کو وہ جھوٹ لگا ہو گو تحقیق کے بعد سچا نکلا۔

سوال: دیہاتی نے حضرت عمر کے لئے شکی الفاظ اغفر ان کان فاجر کیوں کہے کیونکہ اس کے نزدیک تو حضرت عمر جھوٹ بول ہی رہے تھے۔

جواب: یا تو اس لئے کہ یوں تو اسے بھی اندازہ تھا کہ حضرت عمر نے مجھے جھوٹا اپنے گمان کے اعتبار سے کہا گو واقع میں نہیں ہوں اس لئے حضرت عمر کا جھوٹ قطعی نہ تھا (۲) بڑے لوگوں کی طرف کسی برائی کی نسبت ادب کی وجہ سے شک کی شکل میں ہی کجیا کرتی ہے (۳) ان کان میں ان خلفہ من المقلہ ہے اور اس کے بعد ضمیر شان محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ بیشک بات یہ ہے کہ انہوں نے (حضرت عمر) جھوٹ بول دیا اور یہاں ان بمعنی الثقیلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت ان کان و غدر بنا لمفعولاً میں ہے، تو اب ان شکہ نہ رہے گا اور حضرت عمر کو حقیقت میں جھوٹ بتلایا۔

فائدہ: ان مخلفہ کے بعد رام تا کید آتا ہے جیسے اس آیت میں ہے وہ ان ہمیشہ ثقیلہ ہوتا ہے

فائدہ: نام کئی طرح کے ہوتے ہیں (۱) علم (۲) لقب (۳) تخلص (۴) خطاب (۵) عرف (۶) کنیت نون ساکن خفیہ کے ساتھ بروزن قدرت ہے، (۱) علم اصل نام جو ماں باپ پیدائشی رکھتے ہیں اس کو تو علم یا اصلی نام کہتے ہیں (۲) کسی مدح یا ذم کے طور پر جو نام پڑ گیا ہو اسے لقب کہتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام کو مسیح کا لقب حاصل ہے کہ وہ جس اندھے یا کوڑھی یہ ہاتھ پھیرتے تھے وہ ٹھیک ہو جایا کرتا تھا (مسیح بمعنی ہاتھ پھیرنے والا) (۳) اور جو مختصر نام شاعر اپنے اشعار میں لانے کے لئے اپنا رکھا کرتا ہے وہ تخلص کہلاتا ہے جیسے حمد باری کے اندر مولانا عبدالمسیح صاحب رامپوری نے بیدل اپنا تخلص ذکر کیا ہے (۴) سرکار یا بادشاہ کی طرف سے ملا ہوا اعزازی نام خطاب کہلاتا ہے چنانچہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں یہ خطابات ملا کرتے تھے جیسے شمس العلماء، انگریزی حکومت میں بعض علماء کا خطاب تھا، (۵) اور عرف بمعنی پہچان جس نام سے کسی کی پہچان چل پڑے وہ اس کا عرفی نام ہے، جیسے محمد صدیق کے بجائے سندؤ یا مطلوب کے شیخ یا محمود کے بجائے مودے سے مشہور ہو جانا، (۶) کنیت وہ نام کہلاتا ہے جو کسی کو کسی کا ابا کسی کی امی یا کسی کا بیٹا کہنے سے حاصل ہوتا ہے ابوالقاسم، ابن العباس، ام موسیٰ، بنت عمران، بہر حال عطف بیان کی حقیقت کسی چیز کے دو ناموں میں سے مشہور کے ذریعہ وضاحت کرنا۔

مجھے محقق تو صحیح طور پر ہے نہیں لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ ان چھ قسم کے ناموں میں سے جس سے بھی مشہور ہو اس کے

ذریعہ وضاحت کو عطف بیان ہی کہا جاوے گا (باقی ربنا لا تو اخذنا ان نسینا او اخطانا)

سبق چہل و ہشتم

فصل دوم در بیان منصرف و غیر منصرف، منصرف آل است کہ ہیج سبب از اسباب منع صرف درو نباشد و غیر منصرف آل است کہ دو سبب از اسباب منع صرف درو باشد و اسباب منع صرف نہ باشد عدل و وصف و تانیث و معرفہ و عجمہ و جمع و ترکیب و وزن فعل و الف نون مزیدتان چنانچہ در عمر عدست و علم و در قُلْتُ و مثلث صفت است و عدل و در طلحة تانیث است و علم و در زینب تانیث معنوی است و علم و در حبلی تانیث است بالف مقصورہ و در حمراء تانیث است بالف ممدودہ و اس مؤنث بجائے دو سبب است و در ابراهیم عجمہ است و علم و در مساجد و مصابیح جمع منتہی الجموع بجائے دو سبب است و در بعلبک ترکیب است و علم و در احمد وزن فعل است و علم و در سکوان الف نون زائدتان است و وصف و در عثمان الف نون زائدتان است و علم و تحقیق غیر منصرف از کتب دیگر معلوم شود۔

توجہ۔ دوسری فصل منصرف و غیر منصرف کے بیان میں منصرف وہ ہے کہ کوئی سبب غیر منصرف کے اسباب میں سے اس میں نہ ہو اور غیر منصرف وہ ہے کہ دو سبب غیر منصرف کے اسباب میں سے اس میں ہوں اور غیر منصرف کے اسباب تو ہیں عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ اور جمع اور ترکیب اور وزن فعل اور الف نون زائدتان، جیسا کہ عمر میں عدل ہے اور علم اور قُلْتُ مثلث میں صفت ہے اور عدل اور طلحة میں تانیث ہے اور علم اور زینب میں تانیث معنوی ہے اور علم اور حبلی میں تانیث ہے الف مقصورہ کے ساتھ اور حمراء میں تانیث ہے الف ممدودہ کے ساتھ اور یہ مؤنث دو سبب کے قائم مقام ہے اور ابراهیم میں عجمہ ہے اور علم اور مساجد اور مصابیح میں جمع منتہی الجموع دو سبب کے قائم مقام ہے اور بعلبک میں ترکیب ہے اور علم اور احمد میں وزن فعل ہے اور علم اور سکوان میں الف نون زائدتان ہے اور وصف اور عثمان میں الف نون زائدتان ہے اور علم اور غیر منصرف کی تحقیق (حقیقت) دوسری کتابوں سے معلوم ہو جائے گی۔

حل مضمون۔ سبق نوژدہم (انیسواں) میں غیر منصرف کی تعریف آچکی ہے چونکہ منصرف ضد ہے غیر منصرف کی اس لئے غیر منصرف کی تعریف سے منصرف کی تعریف بھی نکل آتی ہے مگر یہاں صراحتاً تعریف کرتے ہیں منصرف کی بھی نیز وہاں غیر منصرف کا ذکر اس اعتبار سے آیا تھا کہ اس کا اعراب کیا ہوتا ہے اب یہاں باقاعدہ امثلہ ذکر کر کے ہر مثال میں بتلا رہے ہیں کہ غیر منصرف کے کس کس سبب کی وجہ سے اس کو غیر منصرف کہا گیا ہے، پھر کسی بھی کلمہ کے غیر منصرف ہونے کے لئے اس میں غیر

منصرف کے اسباب میں سے دو سبب یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو ہونا ضروری ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ کلمہ منصرف بنے گا جس کلمہ کو ہم غیر منصرف پڑھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر تنوین نہیں پڑھ سکتے اور حالت جبری میں ہونے کے باوجود اس پر کسرہ نہیں آئے گا یعنی بجائے کسرہ کے اس پر فتح ہی پڑھا جاتا ہے اور جو کلمہ منصرف ہو گا اس پر تنوین اور کسرہ دونوں پڑھ سکتے ہیں غیر منصرف جن اسباب کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے وہ تو ہیں ان سبب کی تعریف اور ان سے متعلق جو بھی تفصیل ہو سکتی ہے وہ انیسویں سبق میں بتائی جا چکی ہے وہاں ہی دیکھ لیں عُصْرَ یہ عدل کی مثال ہے دوسرا سبب اس میں علیت ہے جب اہل عرب کو غیر منصرف پڑھتے دیکھا اور سوائے علیت کے کوئی اور سبب اس میں نظر نہ آیا اور تھا علیت سے غیر منصرف نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے عدل دوسرا سبب اس میں مانا گیا ہے، ثَلْتُ مَثَلْتُ میں دو سبب صفت اور عدل تحقیقی ہے عمر میں عدل تقدیری تھا لہذا یہ عدل کی مثال میں تکرار نہیں ہے عدل تحقیقی اور تقدیری کا مطلب انیسویں سبق میں دیکھ لیا جائے تاکہ ان دونوں مثالوں میں عدل کیسے ہے یہ سمجھ میں آجائے اور ثَلْتُ مَثَلْتُ میں وصف اس لئے ہے کہ تین تین ہونا یہ صفت ہی تو ہے جو ثَلْتُ اور مَثَلْتُ کے معنی ہیں اور جو بھی چیز تین تین سے موصوف ہوگی اس کے تین تین ہونے کی صفت کو ثَلْتُ اور مَثَلْتُ سے ہی ظاہر کیا جائے گا۔

طَلْحَةُ تَانِيثٌ لَفْظِيٌّ کی مثال ہے کہ اس میں تاء مفلوظ موجود ہے دوسرا سبب اس میں علیت ہے کہ ایک مرد کا نام ہے ذَيْنَبٌ یہ تانیث معنوی کی مثال ہے کیونکہ عورتوں پر بولے جانے والے لفظ مَوْنِثٌ ہی ہوتے ہیں گو ان میں ظاہری علامت تانیث تاء لفظی یا الف مقصورہ و مددودہ نہ ہو دوسرا سبب اس میں علیت ہے ہی کہ عورت کا نام ہے حُبْلَى الف مقصورہ کی مثال ہے یعنی جو الف کھینچا نہیں ہے اور حراء الف ممدودہ کی یعنی جو الف کھینچا جاتا ہے ان دونوں میں ایک ہی سبب دو کے قائم مقام ہے دوسرے سبب کی ضرورت نہیں ہے ابراہیم عجم کی مثال ہے عجمہ کا مطلب ہے غیر عربی لفظ۔

سوال: ابراہیم تو عربی ہوگا کیونکہ قرآن میں آیا ہے۔

جواب: پہلے یہ سچی ہی تھی بعد میں قرآن میں آنے سے عربی بنا ہے بہر حال ابراہیم غیر منصرف ہے عجمہ اور علیت کی وجہ سے۔ مساجد و مصابیح: یہ جمع منتہی الجموع کی مثال ہے اور جمع منتہی الجموع وہی ہوتی ہے جو ان دو وزنوں پہ آئے چنانچہ مساکن بروزن مساجد اور مفاتیح بروزن مصابیح ہونے کی وجہ سے یہ بھی غیر منصرف ہیں گے اور جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہونا تھا سبب ہی غیر منصرف پڑھنے کے لئے کافی ہے بعلبک یہ ترکیب کی مثال ہے یعنی جن دو کلموں کو جوڑ کر ایک کر لیا گیا ہو تو اس کو بھی غیر منصرف پڑھیں گے لیکن یاد رہے کہ ترکیب اور جوڑنا دو کلموں کو کبھی مضاف مضاف الیہ کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی موصوف اور صفت کی کبھی مرکب بنائی کی اور کبھی مرکب امتزاجی کی یہاں اخیر والی ترکیب مراد ہے یعنی مرکب امتزاجی جس کو مرکب منع صرف بھی کہتے ہیں والی ترکیب اگر ہے تو وہ بھی غیر منصرف کا سبب بنتی ہے جیسا کہ بعلبک میں یہی بات ہے کہ بعل اور بک دو لفظ ہیں بیچ میں کوئی حرف عطف وغیرہ نہیں ان دونوں کو ملا کر ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا ہے تو اس میں ایک ترکیب ہے ایک علم لہذا یہ غیر منصرف بنے گا، احمد وزن فعل کی مثال ہے ظاہر ہے کہ یہ فعل مضارع واحد متکلم کے وزن پر ہونے کی

وجہ سے وزن فعل لئے ہوئے ہے اور دوسرا اس میں علم اور نام ہونا پایا جا رہا ہے لہذا احمد غیر منصرف بنے گا۔
 سکران بمعنی نشہ والا یہ الف نون زائدتان کی مثال ہے کیونکہ اصل مادہ س ک رہے الف نون اس میں زائد ہیں دوسرا سبب اس میں وصف ہے کیونکہ نشہ والا ہونا صفت ہے جو ہر نشہ والی کی بن سکتی ہے بخلاف علم اور نام کے کہ وہ مخصوص آدمی پر بولا جاتا ہے اور صفت ہر اس پر بول سکتے ہیں جس میں وہ صفت ہو، عثمان یہ بھی الف نون زائدتان کی مثال ہے اور دوسرا سبب اس میں علیت ہے۔

سوال: الف نون زائدتان کی دو مثال کیوں لائے؟

جواب: الف نون جن کلمات میں ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں (۱) وہ وصف ہوں یعنی صفت کے معنی اس میں ہوں جیسے سکران (۲) وہ علم اور نام ہوں جن سے ذات مراد ہو کوئی وصف یا حالت ان سے سمجھ میں نہ آتی ہو جیسے عثمان ایک شخص کا نام ہے جس سے اس کی ذات مراد ہے اس کا کسی وصف یا حال میں ہونا مثلاً نشہ والا یا ہنسنے والا ہونا یا مارنے والا ہونا سمجھ میں نہیں آیا کرتا، غیر منصرف کی باقی اور زیادہ تفصیل علم شوکی دیگر کتب، کافیہ، ہدایۃ الخو، شرح جامی میں معلوم ہو جائے گی۔

سبق چہل و نہم

فصل سوم در حروف غیر عاملہ وآں شانزدہ قسم است اول حروف تنبیہ وآں سہ است آلا
 وَاَمَّا وَهَآ حروف ایجاب وآں شش است نَعَمْ وَبَلَىٰ وَاجَلْ وَاِئِ وَجَبْرِ وَاِنَّ
 سوم حروف تفسیر وآں دو است ائِ وَاَنْ كَقَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَا اِبْرَاهِيْمَ
 چہارم حروف مصدریہ وآں سہ است مَا وَاَنْ وَاَنْ مَا دَانَ در فعل روند تا فعل بمعنی مصدر
 باشد پنجم حروف تحضیض وآں چہار است آلا وَهَلَّا وَلَوْ لَا وَلَوْ مَا شَشَم
 حروف توقع وآں قداست برائے تحقیق در ماضی و برائے تقریب ماضی بحال و در مضارع برائے
 تقلیل ہفتم حروف استفہام وآں سہ است مَا وَهَمْزُهُ وَهَلْ هَشْتَم حروف
 ردع وآں کلا است بمعنی باز گردانیدن و بمعنی حقانیز آمدہ است چوں کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: تیسری فصل حروف غیر عاملہ کے بیان میں اور وہ سولہ قسم ہیں اول حروف تنبیہ اور وہ تین ہیں آلا وَاَمَّا وَهَآ دوسریہ حروف ایجاب اور وہ چھ ہیں نَعَمْ اور بَلَىٰ اور اَجَلْ اور اِئِ اور جَبْرِ اور اِنَّ تیسریہ حروف تفسیر اور وہ دو ہیں ائِ اور اَنْ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَا اِبْرَاهِيْمَ (اور آواز لگائی ہم نے اس کو یہ کہ) یعنی یہ کہہ

کر) اے ابراہیم چوتھے حروف مصدریہ اور وہ تین ہیں ما اور اُن اور اُن ما اور اُن فعل میں داخل ہوتے ہیں تاکہ فعل مصدر کے معنی میں ہو جائے پانچویں حروف تحضیض اور وہ چار ہیں اَلَا هَلْا لَوْلَا، لَوْ مَا، چھٹے حروف توفع اور وہ قد ہے تحقیق کی واسطے ماضی میں اور ماضی کو قریب کرنے کے واسطے حال کے اور مضارع میں (کسی کام کے) کم پائے جانے کو بتانے کے لئے ساتویں حروف استفہام اور وہ تین ہیں ما اور ہمزہ اور هل انہویں حروف ردع اور وہ کَلَّا ہے واپس کرنے اور پیچھے ہٹانے کے معنی میں اور بمعنی واقعی بھی آتا ہے جیسے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (واقعی تم جان جاؤ گے)

حل مضمون - تنبیہ باب تفعیل سے بمعنی پیدا کرنا جگانا اور چوکتا کرنا حروف تنبیہ وہ ہیں جو کلام کے شروع میں مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے اس لئے لائے جاتے ہیں کہ آئندہ جو بات کہی جائے اس کو مخاطب دھیان سے سن لے اور اچھی طرح اس کے دماغ میں آجائے جیسے اَلَا انہم هم السفهاء (خبردار بے شک وہ وہی بیوقوف ہیں) حروف تنبیہ کا ترجمہ اردو میں مختلف الفاظ سے کیا جاسکتا ہے، خبردار، سن لو، دیکھو مثلاً ہا زیند قائم (خبردار، دیکھو زید کھڑا ہے) جب کہ اس کا اکرام کرنا ہو یا اس کے شر سے بچانا ہو، ایسے ہی اَمَّا لَا تَضْرِبُ (دیکھ مار نہ دینا) حرف تنبیہ جملہ اسمیہ و فعلیہ ہر دو پر آیا کرتے ہیں، حروف ایجاب یہ مرکب ضافی ہے یعنی ایجاب کے حروف ایجاب کے معنی ہیں ثابت کرنا واجب اور لازم کرنا چونکہ ان حروف سے پہلے ایسا کلام آتا ہے جو مخاطب پر ان چھ حروف میں سے کسی ایک کے ذریعہ جواب دینے کو لازم اور واجب کر دیتا ہے، خاموش رہنا درست نہ ہوگا مثلاً السُّتُّ بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) جس پر کہا جائے گا بلی (کیوں نہیں) یعنی آپ ہمارے رب ہیں، اس لئے ان حروف کا نام حروف جواب بھی ہے، یہ چھ کے چھ بمعنی جی اور ہاں آتے ہیں البتہ بلی کا صحیح ترجمہ کیوں نہیں) سے بنے گا، اِنَّ کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے لَعَنَ اللّٰهُ نَاقَةَ حَمَلْتَنِي الْيَك (اللہ ایسی اونٹنی پر لعنت کرے جو مجھے تیرے پاس لے کر آئی ہے تو اس پر کہا جو ہے اِنَّ وَرَا كِبَهَا (کہ ہاں اور اس کے سوا یعنی تجھ پہ بھی لعنت ہو)۔

فائدہ: اِنِّ قسم کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے اَصْلَيْتُ کیا تم نے نماز پڑھ لی کے جواب میں کہیں گے اِنِّ وَاللّٰهُ ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی اَجَلٌ اور جَبْرِ اور اِنَّ یہ تینوں مثبت معنی دونوں کی تصدیق کے لئے آتے ہیں جیسے قَدْ جَاءَ زَيْنٌ اور لَمْ يَأْتِكْ خَالِدٌ ہر دو کے جواب میں ان تینوں میں سے کوئی ایک جواب میں لاسکتے ہیں۔

حروف تفسیر: تفسیر بمعنی وضاحت اور کسی چیز کو کھولنا جب کسی جگہ کوئی خفاء یا پوشیدگی رہ جائے اِنِّ لا کر آگے اس کی وضاحت کر دیتے ہیں پھر جس کی وضاحت کرتے ہیں وہ مفرد اور جملہ دونوں ہو سکتے ہیں، مثلاً جاء ابو حفص ای عمر ایسے ہی کان النعمان ای ابو حنیفہ اماناً عظیماً، اور جملہ کی مثال ہے قَطَعَ رِزْقُكَ (اس کی روزی ختم ہوگئی) ای مَاتَ (یعنی وہ مر گیا)۔

دوسرا حرف تفسیر: اَنَّ ہے یہ کلمہ قول کے معنی میں بننے والے فعل کے مفعول مقدر یعنی پوشیدہ کی وضاحت کے لئے آتا ہے سوال قول کے معنی میں ہونے والے افعال کون سے ہوتے ہیں جواب جس فعل کی جگہ قول سے بنا صیغہ رکھنا درست ہو

وہ فعل قول ہی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اَمْرُكَ اَنْ اَقِمَّ (اَقَامَ يُقِيمُ اِقَامَةً تَهْتَرُ نَا كَهَيْسَ قِيَامِ كَرْنَا) و كَتَبْتَ اِلَيْهِ اِنْ اَكْرَمَ و نَادَيْتَاهُ اِنْ يَا اِبْرَاهِيْمَ و اِرْحِنَا اِلَى اِمْكٍ مَا يُوْحَى اَنْ اَقْلِدْ فِیْهِ فِی الْيَمِّ (ہم نے دل میں ڈالا اے موسیٰ تیری والدہ کے وہ جو دل میں ڈالا جاتا تھا یعنی کہ ڈال دے تو موسیٰ کو دریا میں) ان مثالوں میں امر اور کتابت اور ندا اور ایحاء سب قول کے معنی لئے ہوئے ہیں اگر امرٹ کی جگہ قُلْتُ نادینا کی جگہ قلنا بولیں تو درست ہوگا اور اسی طرح دیگر لفظوں میں۔

سوال ان کا مفعول مقدر کیا ہے جس کی ان تفسیر کر رہا ہے۔

جواب: امرتہ کا مفعول مقدر ہے بشنی ایسے ہی نادینا کا ہے بلفظ کہ میں نے اس کو ایک چیز کا حکم دیا اور وہ چیز اَقِمَّ ہے ایسے ہی میں نے اس کو ایک لفظ سے آواز دی اور وہ ہے یَا اِبْرَاهِيْمَ، ایسے ہی کتبت الیہ کا مفعول مقدر ہے شینا پھر اَنْ کے بعد اَكْرَم سے اس کی وضاحت ہے بہر حال اَنْ جس فعل کے مفعول مقدر کی وضاحت کرے گا وہ فعل قول کے معنی میں ہو اسی لئے اگر وہ فعل قول کے معنی میں نہ ہو جس کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ فعل بجائے قول کے معنی میں ہونے کے خود لفظ قول ہی ہو (۲) وہ فعل قول کے معنی اپنے اندر نہ رکھتا ہو تو ان دو صورتوں میں اَنْ سے اس کی تفسیر و وضاحت نہ کی جائے گی، اسی لئے قُلْتُ لَهْ اِنْ اُكْتُبْ غلط ہے کیونکہ اب اَنْ صاف لفظ قول سے بنے فعل کے مفعول مقدر کی تفسیر کر رہا ہے اصل عبارت یوں ہے قُلْتُ لَهْ شَيْنَا اَنْ اُكْتُبْ، میں نے اس سے ایک چیز یعنی اُكْتُبْ کہا۔

چوتھے حروف مصدریہ: حروف مصدریہ تین ہیں (۱)، (۲) اَنْ مَخْفِيَةً (۳) اَنْ مُثَلَّةً یا مشدودہ ان کو حرف مصدریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ جس پر داخل ہوں گے اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتے ہیں اور مصدر والا ترجمہ کرنا صحیح ہو جاتا ہے پھر ان میں سے پہلے دو حرف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فعل جس پر داخل ہوں گے امر و نبی کے علاوہ ہو چاہے ماضی ہو اور چاہے مضارع مگر زیادہ تر ماضی پر دخول ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اس میں بِمَا رَحُبَتْ میں ما کلمہ رَحُبَتْ فعل ماضی پر داخل ہو رہا ہے رَحُبَتْ چونکہ واحد مؤنث غائب ہے جس کی ضمیر ارض کی طرف لوٹ رہی ہے، جب رَحُبَتْ فعل کو ما کی وجہ سے مصدر بنایا تو اس کی ضمیر ہسی جو اس میں پوشیدہ ہے ضمیر مجرور ہتا سے بدل کر رُحْب مصدر کا مضاف الیہ کر دیا اور بِسُوحْبِهَا بن گیا ترجمہ یہ ہے کہ زمین ان تین صحابہ پر جو غزہ تبوک میں جنگ میں نہ جاسکے تھے اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی، واقعہ اس طرح ہوا کہ تین صحابی باوجود کسی عذر نہ ہونے کے محض سستی اور غفلت کی وجہ سے جنگ تبوک میں شریک نہ ہو سکے جس کی وجہ سے نبی پاک نے بحکم خداوندی ان کا مقاطعہ اور بایکٹ کر دیا اور ہر کسی کو ان کے ساتھ بولنے سے منع کر دیا جس پر وہ بہت پریشان تھے جدھر جاتے سب روٹھے ہوئے تھے اور کوئی ان کے سلام کلام کا جواب نہ دیتا تھا اس کی منظر کشی کی ہے کہ ساری زمین جب ان پر تنگ ہو گئی اور خود وہ اپنے آپ سے بھی تنگ آ گئے تو پھر اللہ نے ان کی توبہ نازل فرما کر ان پر کرم فرمادیا، ایسے ہی اَنْ جس فعل پر آئے گا اس کو مصدر کے معنی میں کر دے گا جیسے فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ یعنی حضرت لوط علی نبینا وعلیہ السلام جب اپنی قوم کو لواطت سے روکتے تو بس ان کا یہی جواب ہوتا اَلَا اِنْ قَالُوا اِنْتَابِمَا تَعْبَدُنَا

ان كنت من الصادقين کہ اگر تو سچا ہے تو وہ اللہ کا عذاب جس کی دھمکی دیتے ہو (لا دو) ہم نہیں ڈرتے) تو اس میں ان کی وجہ سے قالو بمعنی قول ہو جائے گا اور اس کے اندر جوہم ضمیر ہے اس کو ضمیر مجرور کی شکل میں لا کر مضاف الیہ کر کے قولہم بن جائے گا، تیسرا حرف مصدر ان مشدود ہے اس کا داخلہ جملہ اسمیہ پر ہوتا ہے جیسے عَلِمْتُ اَنْتَ فَاَنْتُمْ مجھے یقین آ گیا کہ تو کھڑا ہے، اس میں اَنْتَ قائم قیام کے معنی میں ہے ان حرف مصدر ہے قائم بمعنی قیام ہو کر ضمیر ک کو مضاف الیہ بنا دیا بعض حضرات نے لو اور ٹھی کو بھی حروف مصدر یہ میں شمار کیا ہے، اب ان کی تعداد پانچ ہو جائے گی۔

پانچویں حروف تھنیض: تھنیض باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی ابھارنا اور اکسانا، یہ کل چار حروف ہیں (۱) هَلَا (۲) اَلَا (۳) لَوْلَا (۴) لَوْ مَا ان کے ذریعہ مخاطب کو کسی نہ کسی کام پر ابھارا جاتا ہے اسی لئے ہمیشہ یہ فعل پر ہی داخل ہوں گے اگر کہیں ان کے بعد اسم بھی گیا تو اس اسم سے پہلے بھی فعل نکالا جائے گا اور مانا جائے گا جیسے کسی نے لوگوں کو مارا مگر خالد کو چھوڑ دیا تو کہا جاوے هَلَا خَالِدًا اس کی اصل ہے هَلَا ضَرَبْتُ خَالِدًا خالد کو کیوں نہ مارا پھر یہ حروف جب مضارع پر داخل ہوں تو آئندہ ہونے والے کام پر ابھارنے کے لئے ہوں گے جیسے هَلَا نَسَاكُنْ (تو کیوں نہیں کھار رہا ہے) اور اگر ماضی پر داخل ہوں اب بجائے ابھارنے کے ملامت اور شرمندہ کرنے کے لئے آتے ہیں جیسے هَلَا خَفِضْتُ الْقُرْآنَ (تو نے کیوں نہ قرآن حفظ کر لیا) اب تھنیض اور ابھارنا فوت شدہ چیز پر ہے کہ یہ کام تو نے کیوں نہ کر لیا، پھر یہ چاروں مرکب ہیں ان کا دوسرا جزء لا حرف نفی ہے اور اول جزء دو میں شرط یعنی لَوْ ہے ایک میں حرف مصدر ان ہے، اور ایک میں حرف استفہام هَلْ ہے پھر لَوْلَا تھنیضیہ کے علاوہ اور فائدہ کے لئے بھی آتا ہے یعنی یہ بتانے کے لئے کہ پہلی بات کے پائے جانے کی وجہ سے دوسری بات نہیں پائی گئی جیسے لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُ، کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر جاہ و دربار ہو جاتا اب لَوْلَا کے بعد دو جملے ہوا کرتے ہیں اور جب لَوْلَا تھنیضیہ ہو تو بس اس کے بعد ایک جملہ کافی ہے، لَوْلَا عَلِيٌّ الْخِ كَامَطْلَبُ "لَوْ" کی بحث میں آرہا ہے۔

چھٹے حرف توقع: توقع امید کو کہتے ہیں حرف توقع سے مراد قَدْ ہے جس کا دوسرا نام حرف تقریب بھی ہے **سوال** قَدْ کے یہ نام کیوں ہیں **جواب** قَدْ کو حرف تقریب تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ جب ماضی پہ آتا ہے تو اس ماضی کو حال کے قریب کرنے کے لئے آتا ہے تو ماضی پہ آنے کے وقت اس کا کام تقریب الماضی الی الحال ہے **سوال** قَدْ جب ماضی پہ داخل ہو تو اس کا ماضی کو حال کے قریب کرنا کیوں ضروری ہے؟ **جواب** جب یہ ہے کہ فعل ماضی کو جب حال بناتے ہیں تو ماضی کا زمانہ میں رہتے ہوئے حال بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ ذوالحال اور حال دونوں کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہوتا ہے، ورنہ حال بننا درست نہ ہوگا مثلاً جاء زيدٌ راجبًا میں جاء اور راجبًا ذوالحال ہیں اور آئے اور سوار ہونے کا زمانہ ایک ہوگا گویا آنا یعنی سوار ہونا ہے اور سوار ہونا بعینہ آنا ہے **سوال** ذوالحال جاء کہاں ذوالحال تو زید ہے **جواب** آنا حال ہے زید کا اور سوار ہونا حال ہے آئے کا کیونکہ آنا کبھی پیدل اور ماشینا ہوتا ہے اور کبھی سوار ہو کر یا راکٹا ہوتا ہے تو سوار ہونا درحقیقت تو حال ہے محضی اور آئے کا لیکن آنا حال اور صفت بن رہی ہے زید کی تو بواسطہ آئے کے سوار ہونا بھی زید کا حال کہلایا بہر حال جو زمانہ آئے کا ہوگا وہی رکوب کا ہوگا ایسا نہیں کہ رکوب پھر

الگ سے پایا جائے گا تو اس لئے جب حال بشل ماضی بنے جیسے جاء زيدٌ وَقَدَرَ كَيْبٌ (آیا زید حالاً نکلے وہ سوار تھا) تو اس میں اگر ماضی پر قد داخل نہ کریں تو جاء سے حال بننا جائز نہ رہے گا کیونکہ ابر کوب کا زمانہ مجسیء اور آنے سے مقدم سمجھا جائے اس لئے قد ماضی پر لا کر اس کو حال زمانہ کے قریب کر دیا تاکہ آنے اور سوار ہونے کا زمانہ ایک بن جائے سوالی قد ماضی پر آنے سے ماضی کا زمانہ حال کے قریب ہی تو ہو خود حال تو نہ بنا جو اب قسرب ششی کو عین ششی کا حکم دیدیا جاتا ہے یعنی پہنچنے کے قریب ہونے کو خود پہنچنا قرار دیا جاتا ہے جیسے جب عید کے ایک دو دن رہ جائیں تو کہہ دیتے ہیں کہ عید آگئی۔

اور حرف توقع قد کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کی پہلے سے مخاطب کو امید ہوئی ہوتی ہے کہ یہ کام ہوگا جیسے قد ركب الامير اس آدمی کے لئے بولیں گے جیسے یہ امید تھی کہ عنقریب اور حال ہی میں بادشاہ سوار ہونے والا ہے تو جیسے امید تھی اس کی امید کے اعتبار سے اسے خبر دی جائے گی، قد ركب الامير واقعی امیر ابھی سوار ہو لیا گیا ہے مخاطب تجھے جس چیز کی توقع اور امید تھی وہ کام ابھی قریب میں ہی پایا گیا، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں قد ماضی پر آئے وہاں مخاطب کو اس کام کی جس پر قد داخل ہے امید ہی ہو ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بغیر امید کے بھی قد سے کسی کام کے وقوع اور ہونے کی خبر دیدیتے ہیں چنانچہ قد ركب الامير درست ہوگا اس وقت بھی جب کہ امید سوار ہونے کی نہ ہو، ایسے ہی تکبیر کہتے وقت قد قامت الصلوة میں بھی قد برائے توقع اور تقریب بلکہ تحقیق تینوں کے واسطے ہو رہا ہے اس طرح کہ جماعت کھڑی ہونے کی امید تو رہتی ہے تو برائے توقع ہے اور ابھی حال میں ہی جماعت کھڑی ہونے کو بتانا ہے کیونکہ اس جملہ کہتے وقت جماعت کچھ ذرا پہلے کھڑی ہوئی ہے، یہ تقریب ہے اور واقعہ یہ کام ہو چکا ہے یہ تحقیق ہے بہر حال قد جب ماضی پر داخل ہوگا تو اس کے دو فائدے ہیں (۱) تقریب الماضی الی الحال (۲) برائے تحقیق اس کی مثال ہے قد افلح من زكثها (وہ شخص واقعی کامیاب ہو گیا جس نے اپنے کو پاک کر لیا) اور جب قد مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اب بھی دو فائدوں کے لئے آتا ہے (۱) تقلیل کے لئے جیسے الجواد قد ينخل (نخی آدمی بھی کبھی کبھار کنجوس بن جاتا ہے) (۲) تحقیق کے لئے جیسے قد نرى نَقْلَبُ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ (کہ اے نبی واقعی ہم آپ کے ہا رہا آسمان کی طرف چہرہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں) چونکہ ہمارے نبی کا قبلہ بھی شروع میں بجائے کعبہ کے جو مکہ میں ہے بیت المقدس تھا جو ملک شام میں ہے مگر آرزو ہماری نبی کی یہ تھی کہ میرا قبلہ میرے دادا ابراہیم والا یعنی کعبہ ہو جائے تو اس لئے بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ کب میری یہ تمنا پوری ہوگی جس پر اللہ نے محبت میں فرمایا کہ ہم تو بار بار تمہارے آسمان کی طرف دیکھنے کو جان ہی رہے تھے فَلَنُؤَيِّنَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا کہ لو جو قبلہ تمہیں پسند تھا اسی طرف تمہارا قبلہ کر ہے ہیں، چنانچہ سولہ یا سترہ ماہ بعد مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بدلہ کعبہ ہی قرار پایا اور قیامت تک یہی رہے گا) بہر حال اس آیت میں قد برائے تحقیق ہے۔

ساتویں حروف استفہام: استفہام بمعنی پوچھنا اور سوال کرنا چونکہ ان کے ذریعہ سے پوچھنا اور سوال کیا جاتا ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوئے، حروف استفہام جو صرف استفہام ہی کے لئے خاص ہیں صرف دو ہیں (۱) همزه (۲) هل ورنہ

یوں تو حروف استفہام بہت ہیں جیسے مَسَامِنُ اُنَّی مَتَّی اَیْنُ کَیْفُ وَغَیْرَہِ اسی لئے شرح جامی ہدایۃ النحویں میں صرف دو حروف استفہام کے بتائے ہیں لیکن یہاں ما کو بھی شامل کر کے تین کہے ہیں حالانکہ اگر خالص استفہام والے بتانے تھے تو ما ان میں نہ ہونا چاہئے تھے کیونکہ ما موصولہ بھی ہوا کرتا ہے ورنہ پھر تین نہ کہتے سب کو شمار کراتے، بہر حال ہمزہ اور استفہام دونوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ لیکن زیادہ تر فعلیہ جملہ ہی ان کے بعد آتا ہے کیونکہ زیادہ تر پوچھنے کا تعلق فعل اور کام سے ہوا کرتا ہے، جیسے اَزَیْدًا قَائِمًا وَرَهْلًا زَیْدًا کَاتِبًا، اَقَامَ عَمْرُو هَلْ جَاءَ زَیْدًا۔

پھر چار جگہ ایسی ہیں کہ ان میں ہمزہ تو آسکتا ہے بل نہیں آسکے گا (۱) اَزَیْدًا ضَرْبًا میں اس سے مراد ایسی مثال ہے جس میں فعل ہونے کے باوجود ہمزہ اسم پر داخل ہو رہا ہو تو ہمزہ میں یہ تو جائز ہے کہ فعل ہوتے ہوئے بھی اس کو چھوڑ کر اس پر داخل ہو سکے مگر بل چونکہ بمعنی تدا آتا ہے اور قد کا دخول ہمیشہ فعل پر ہی متعین ہے اس لئے ہل ایسے جملہ میں جس میں اسم اور فعل دونوں ہوں بغیر فعل پر داخل ہوئے نہیں رہ سکتا اور ہمزہ میں یہ بات نہیں ہے کہ فعل ہی کی طرف بھاگے اگر اسم پر داخل ہو تو بھی درست ہے (۲) اَتَضْرَبُ زَیْدًا وَهُوَ اَخُوکَ میں اس سے ایسی مثال مراد ہے جس میں ہمزہ استفہام انکاری کی ہو یعنی جہاں پوچھنے سے اصل مقصد نکیر اور برا ہونا ظاہر کرنا ہو چنانچہ اس مثال میں نکیر ہے کہ زید تیرا بھائی ہے پھر بھی تو اس کو مار رہا ہے یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے تو چونکہ یہاں مستفہم عنہ یعنی جو پوچھنا ہے وہ حقیقت میں محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے اَتَضْرَبُ بَضْرِبْکَ زَیْدًا کہ کیا تو اپنے کو زید کے مارنے پر راضی ہے حالانکہ وہ تیرا بھائی ہے تو چونکہ بل وہاں داخل ہوتا ہے جہاں مستفہم عنہ مذکور ہو اور جہاں محذوف ہو وہاں ہمزہ تو داخل ہو سکتی ہے اپنے برائے استفہام ہونے میں قوی ہونے کی وجہ سے نہ کہ بل کہ وہ اس معنی میں ضعیف ہے۔ (۳) اَزَیْدًا عَدَدُکَ ام عَمْرُو: میں (کیا زید تیرے پاس ہے یا عمرو) اس سے ام متصلہ والی مثال مراد ہے ام متصد وہ ہوتا ہے جس کا ترجمہ یا سے کیا جاتا ہے اور ام منقطعہ کا ترجمہ بَلُّ سے کیا جاتا ہے چونکہ ام متصلہ کی صورت میں مستفہم عنہ دو چیزیں ہو جاتی ہے جس کے لئے قوی حرف استفہام چاہئے اور وہ ہمزہ ہے اور ام منقطعہ میں مستفہم عنہ دو نہیں رہتے بلکہ ترقی کر کے اور اول کو چھوڑ کر پھر دوسرے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے لہذا ام منقطعہ کی صورت میں بل آسکتا ہے کیونکہ اب مستفہم عنہ ایک ہی ہے جس کے لئے ضعیف حرف استفہام یعنی بل بھی چل سکتا ہے، چنانچہ ہل زید عندک ام عمرو کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کیا تیرے پاس زید ہے بلکہ کیا عمرو ہے، اب اس میں ام منقطعہ ہوگا، (۴) اَتَمَّ مَا وَقَعَ، وَاَفَمَنْ کَانَ اَوْ مَنْ کَانَ میں اس سے ایسی مثال مراد ہے جس میں حروف عطف ثُمَّ فَا اور وَاو سے پہلے حرف استفہام ہو کہ حروف عطف سے پہلے داخل ہونے کی قوت اور ہمت ہمزہ میں تو ہے بل میں نہیں ہے کیونکہ بل تو فرع ہے ہمزہ کی جو بے اصولی اصل کے لئے درست ہو ضروری نہیں کہ فرع کے لئے بھی درست ہو جائے، چنانچہ تقدیم بر حروف عاطفہ ہمزہ میں درست ہے بل میں درست نہیں بل حروف عاطفہ سے مؤخر آئے گا۔ (کذا فی ہامش ہدایۃ النحویں: ۱۲۱)

اَتَمَّوِیْنَ حُرُوفٌ: رَذَعٌ: رَذَعٌ کے معنی جھڑکنے اور ڈانٹ کر پیچھے ہٹا دینے کے آتے ہیں گویا اس کے ذریعہ مخاطب کو اس

بات سے روکا جا رہا ہے جو اس نے کہی کہ ایسا مت کہہ بالکل مثلاً تم کسی سے کہو فُلَانٌ یُنْبِضُکَ کہ فلاں آپ سے بغض رکھتا ہے جس پر وہ کہے گا کہ بالکل نہیں اس سے وہ تمہیں جھڑک کر روک رہا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تو نے کہا اور کبھی یہ حرفِ ذَقَّع اس لئے بھی آتا ہے کہ کسی نے کسی سے کچھ چاہا ایسا کروہ اس کی چاہت پہ نہ چلنے کو بھی اس سے ٹھکرا سکتا ہے جیسے کوئی آپ سے کہے الفعل کذا کہ آپ ایسا کر لیجئے، جس پر وہ کہے گا بالکل نہیں یعنی جو آپ کہہ رہے ہیں میں اسے ہرگز نہ کروں گا، (۲) کبھی تَکْذَابًا حَقًّا اور واقعی یقیناً کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے تَکْذَابًا لَنْ تُجِیْبُوْنَ الْعَاجِلَةَ وَقَدْ رُوْنَ الْآخِرَةَ کہ واقعی بلکہ تم تو دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت سے بے التفاتی کرتے ہو، یہاں تَکْذَابًا بے شک اور واقعی کے معنی میں آیا ہے، گویا مخاطب کو حجت دنیا اور ترک آخرت پر جھڑکا اور ڈانٹا جا رہا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا برعکس اختیار کرو ایسے ہی تَکْذَابًا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کہ واقعی تمہیں پتہ چل جائے گا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

ابو یحییٰ محمد زاہد بن محمد اسمعیل المظاہری

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوبی رح

سبق پنجاہم

نہم تنوین وائل پنج است تمکن چوں زیند و قنکیر چوں صہ ای اُسکٹ سکوٹا مافی
وَقْتِ اَمَّا صَهْ بغير تنوین فمعناه اُسکٹ السُّكُوتُ الْاَنّ وَعَوْضُ چوں یومئذٍ و مقابله
چوں مُسْلِِمَاتٍ و قوفم کہ در آخرا بیات باشد شعر اِقْلَى اللُّوْمَ عَاذِلَ وَالْعِتَابِنُ وَقَوْلِي اِنّ
اَصْبْتُ لَقَدْ اَصَابِنُ و تنوین ترنم در اسم و فعل و حرف رود اما چہار اولین خاص است باسم۔

ترجمہ عبارت - نویں تنوین اور وہ پانچ ہیں تمکن جیسے زیند اور قنکیر جیسے صہ یعنی تو کسی وقت میں کچھ نہ کچھ
خاموش رہ لیا کر اور ہا صہ بغير تنوین کے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال خاموش ہو جا اور عوض جیسے یومئذٍ (بمعنی جس
دن) اور مقابله جیسے مُسْلِِمَاتٍ اور قوفم جو کہ اشعار کے آخر میں ہوتی ہے (کم کر دے ری اری ملامت کو اے ملامت
کرنے والی اور عتاب کو اور کہہ دے ری اگر ٹھیک کیا میں نے کہ واقعی اس نے ٹھیک کیا ہے) اور قنوین قوفم اسم اور فعل اور
حرف میں داخل ہوتی ہے اور بہر حال پہلی چار خاص ہیں اسم کے ساتھ۔

حل مضمون - تنوین ویسے تو باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی کسی کلمہ کو تنوین والا کرنا لیکن خود تنوین کو بھی کہتے ہیں یعنی روز بروز
زیر و پیش کو یہاں تنوین سے یہی مراد ہے، اصطلاحی تعریف تنوین کی یہ ہے کہ وہ نون ساکن جو کسی کلمہ کی آخر میں حرکت کے تابع
ہو اور اس کا آنا تاکید کے لئے نہ ہو (تا کہ نون خفیفہ نکل جا دے) جیسے زیند زیند زیند

سوال زیند زیند زیند میں جس کو تم تنوین کہہ رہے ہو وہ تو دوز بروز و پیش ہیں نون ساکن کہاں ہے تو تنوین کی تعریف نون
ساکن سے کیسے درست ہے۔

جواب زیند میں دوسرا پیش اور زیند میں دوسرا زبر اور زیند میں دوسرا زیر و حقیقت نون ساکن کا قائم مقام ہے جو آواز نون
ساکن کی ہوتی ہے وہی اس دوسری حرکت کی ہو رہی ہے اس لئے اہل صرف تظلیل کے وقت تنوین یا نون ساکن کو مستقل کلمہ
گردان کر اجتماع سکنین کا حکم کرتے ہیں چنانچہ داع اصل میں داعیو تھا پھر واؤ کنارہ میں ہو چنے کی وجہ سے یاء سے بدل گئی
داعی ہو گیا جس کو ہم داعین بھی لکھ سکتے ہیں ی پر ضمہ دشوار سمجھ کر یاء ساکن ہو گئی یاء اور تنوین (نون ساکن) میں اجتماع سکنین
ہوا جس پر یاء گر گئی داعین رہ گیا جس کو داع بھی لکھ سکتے ہیں۔

بہر حال تنوین پانچ طرح کی ہوتی ہے یعنی اس کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) تنوین تمکن دوسرا نام اس کا تنوین صرف بھی ہے جو تنوین ایسے کلمہ پر آئے جو منصرف ہو یعنی اس میں غیر منصرف
کے نوسبوں میں سے دو سبب نہ پائے جاویں اس قسم کے کلمہ پر آنے والی تنوین کا نام تنوین صرف بھی ہے تنوین تمکن بھی اول نام

کی وجہ تو ظاہر ہے اور ممکن کے اصل معنی ہیں قادر ہونا کسی چیز کی طاقت رکھنا تو چوں کہ اسم منصرف تنوین اور کسرہ قبول کرنے کی طاقت رکھتا ہے جو غیر منصرف کلمہ نہیں رکھتا ہے اس لئے اسم منصرف کو اسم متمکن بھی کہتے ہیں

سوال یوں تو غیر منصرف بھی قبولیت کی طاقت رکھتا ہے کہ اس پر چاہے تنوین اور کسرہ تو نہ آئے لیکن ضمہ فتنہ تو آتا ہی ہے تو اس اعتبار سے وہ بھی متمکن کہلایا جانا چاہئے۔

جواب آپ کی بات بالکل بجا ہے ایسا ہی ہونا چاہئے چنانچہ جب معنی لغوی کے اعتبار سے دونوں ہی قدرت رکھتے ہیں تو دونوں ہی متمکن کہے جانے کے مستحق ہو گئے اسی لئے نحو میں کی اصطلاح میں اس اسم منصرف کو جس کے آخر میں تینوں حرکات مع تنوین کے آسکیں **المتمكن الأمكن** کہتے ہیں اور جس اسم غیر منصرف کے آخر میں کسرہ تنوین نہ آوے اس کو **المتمكن غیر الأمکن** کہا جاتا ہے (کذانی مصباح اللغات تحت لفظ ممکن) بہر حال لغوی معنی کے اعتبار سے اسم منصرف اور غیر منصرف دونوں ہی متمکن کہے جاسکتے ہیں اس لئے جب اسم متمکن سے منصرف کلمہ مراد لیں گے تو پہچان کے لئے لفظ **افکن** ساتھ میں لگا کر **المتمكن الامکن** کہا جاوے گا اور اگر متمکن سے غیر منصرف کلمہ مراد لے رہے ہیں تو **غیر الأمکن** ساتھ لگا کر **المتمكن غیر الأمکن** کہا جاوے گا پھر دھیان رہے کہ اسم متمکن کی یہ تعریف کہ جو تنوین اور کسرہ بھی قبول کر لے اور غیر متمکن جو تنوین کسرہ کو قبول نہ کرے یہ درحقیقت حکم ہے تعریف نہیں ہے کیونکہ حقیقی تعریف اسم متمکن کی صاحب نحو میر نے ضماؤ کے بیان والی فصل سے پہلے والی فصل میں یہ کی ہے کہ اسم متمکن وہ ہوتا ہے جو تینوں اصل کے مشابہ نہ ہو اور جو تینوں الاصل کے مشابہ ہو وہ اسم غیر متمکن ہے، جس کی آٹھ قسمیں ضماؤ موصولات اسماء اشارات وغیرہ ابتداء کتب میں آچکی ہیں۔

بہر حال تنوین ممکن کی پہچان یہ ہے کہ وہ جس کلمہ پر آتی ہے وہ کلمہ متمکن اور منصرف ہوگا یعنی اس میں دو سبب غیر منصرف کے نہیں پائے جارہے ہوں گے جیسے **زید** اور **جمل** پھر یاد رہے کہ بعض دفعہ کلمہ غیر منصرف جس میں دو سبب ہوں پر تنوین آجاتی ہے جیسا کہ مثلاً وزن شعر کا درست نہ رہے بغیر تنوین کے یا سلاست اور روانی میں شعر کی فرق آجاتا ہو، یا کسی لفظ سے تناسب اور جوڑ رکھنا مقصود ہو شعر کا وزن درست رکھنے کی مثال ہے۔ **صُبْتُ عَلَيَّ فَضَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَيَّ الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَنَا** ڈال دی گئی مجھ پر اتنی مصیبتیں کہ اگر بے شک وہ دنوں پر ڈالی جاتی تو وہ دن رات بن جاتے، یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سید الکائنات فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر جو شعر کہے تھے ان میں سے ہے، اس میں مصائب جمع متمنی الجموع کا صیغہ ہے غیر منصرف ہے اس کے باوجود اس پر تنوین پڑھنی ضروری ہے ورنہ وزن ٹوٹ جائے گا

(۲) **أَعِدْ ذِكْرَ نِعْمَانٍ لَنَا أَنْ ذِكْرَهُ ☆ هُوَ الْمَسْكُ مَا كُرِّدَتْهُ يَنْصَوُّعُ**

بار بار دُحْرَ انعمان کا تذکرہ ہمارے لئے بے شک اس کا ذکر وہ مشک ہے جتنا دہرائے گا تو وہ اور مہکے گی یہ امام اعظم ابو حنیفہ کے بارے میں امام شافعی کا شعر ہے جس میں ان کی بڑائی بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے سامنے ان کا بار بار ذکر کرو ہم مانند خوشبو کے اس سے معطر ہوتے ہیں بہر حال نعمان علم اور الفنون زائد تان کی وجہ سے باوجود غیر منصرف ہونے کے تنوین کے ساتھ پڑھا

جائے گا ورنہ شعر کی سلاست ختم ہو جائے گی۔

(۳) اور قرآن میں سورۃ دہر میں سلا سلا و اغلا لا میں سلا سلا میں اغلا لا سے تناسب اور جوڑ رکھنے کی خاطر تنوین دے کے پڑھتے ہیں مگر ہماری قرآۃ جس کو اہل حفص پڑھتے ہیں اس کے اعتبار سے سلا سلا ایک ہی زبر کے ساتھ ہے تنوین نہیں ہے، تو یہ تنوین ان مثالوں میں تمکن کی نہیں کہلائے گی، بلکہ ضرورت شعری یا تناسب کی کہی جائے گی، کیونکہ دو سبب تو ان میں ہیں ختم نہیں ہوئے جو تمکن کی تنوین کہنا درست بن جاتا، فعدبو۔

(۲) تنوین تنکیو: دوسری قسم کی تنوین وہ ہے جس کو تنوین تنکیو کہتے ہیں یہ وہ تنوین ہے جس سے مکرہ اور معرفہ میں فرق ہوتا ہے اور جس پر یہ داخل ہوتی ہے اس سے غیر معین کو مراد لیا جاتا ہے جیسے صَب جب اس کی ہا کو تنوین کے ساتھ بولیں تو اہل عرب کے یہاں اس سے کسی بھی وقت کا چپ ہونا مراد ہوتا ہے اور جب ساکن بولیں تو فی الحال کا چپ ہونا مراد ہوتا ہے ابھی چپ کرنا ہو بلا تنوین ساکن کر کے بولو اور اگر یہ کہنا ہے کہ کسی وقت چپ بھی رہ لیا کر تو تنوین سے بولیں گے، پھر تنوین تنکیو اور تنوین تمکن دونوں جمع بھی ہو جاتی ہیں، جیسے رَجُلٌ میں دونوں ہیں کیونکہ اس وجہ سے کہ رَجُلٌ میں دو سبب غیر منصرف کے نہیں ہے تنوین تمکن ہے اور اس وجہ سے کہ کوئی خاص آدمی مراد نہیں ہے تنوین تنکیو ہے لیکن اگر رَجُلٌ کسی کا نام رکھ دیا تو اب یہ تنوین خالص تمکن کہلائیگی اب اس کو تنکیو کی تنوین نہیں کہہ سکتے کیونکہ اب اس سے متعین شخص مراد ہوگا، اور چونکہ دو سبب غیر منصرف کے اس میں موجود نہیں ہیں تو علی حالہ تمکن کی تنوین تو رہے گی ہی پھر یہ بھی یاد رہے کہ بعض دفعہ اہل عرب علم اور نام پر بھی تنوین لے آتے ہیں جیسے لِكُلِّ فِرْعَوْنَ مُوسَى میں فرعون عجمہ اور علیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے مگر اس پر تنوین لا کر یہ بتانا ہے کہ فرعون سے خاص وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون مراد نہیں ہے بلکہ فرعون سے مراد ہر شریہ قسم کا آدمی مراد ہے ایسے ہی موسیٰ باوجود علم ہونے کے مکرہ کے حکم میں ہے کیونکہ موسیٰ سے نبی موسیٰ کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ہر مصلح اور دماغ درست کرنے والا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر شریہ اور بد معاش کے لئے ایک مصلح اور اس کی بددماغی دور کرنے والا ہوتا ہے اسی لئے لِكُلِّ فِرْعَوْنَ مُوسَى کی تشریح لِكُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقِّ سے کرتے ہیں کہ ہر باطل والے کو کوئی نہ کوئی حق پر لانے والا مل جاتا ہے چنانچہ اردو میں بھی کہتے ہیں کہ ہر بھتیجے کے لئے بچا ہے یعنی چھوٹے کو بڑا مل جاتا ہے اسے درست کر دیتا ہے، بہر حال جب کسی علم سے بجائے اس کی ذات کے مراد لینے کے اس کا وصف مشہور مراد لیا جاوے تو بجائے معرفہ کے مکرہ بن جاتا ہے، چنانچہ حاتم سے جب خاص وہی شخص مراد لیں جو اصل والا حاتم ہے تو یہ معرفہ ہے اور اگر ایسا شخص مراد لیں جو وصف سخاوت میں اس کا شریک ہے یعنی سخی آدمی تو پھر یہی لفظ مکرہ ہو جائے گا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ فرعون پر جو تنوین لا رہے ہو اس تنوین کو تمکن کی کہو گے یا تنکیو کی، کیونکہ یہ تنوین اس وجہ سے کہ مکرہ بنانے کے لئے لائی گئی ہے تنکیو کی ہونی چاہئے اور اس لئے کہ اب فرعون علیت سے وصفیت والے معنی میں آ گیا تو غیر منصرف کے دو سبب نہ رہے اب یہ تنوین تمکن کی بنی چاہئے تو اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ تنوین تمکن کی کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ علیت کا زوال جو نبی ہوا تو دو سبب ختم ہو گئے اور آنے والی تنوین تمکن بن گئی اور مکرہ کے معنی پیدا ہونا

جس سے یہ تنوین تنگی کی بنتی ہے یہ بعد میں ہوا البتہ یہ تنوین بجائے تنگی کے ممکن ہی کہلائی اور یہی مذہب شرح جامی کے مصنف کا ہے کیونکہ دو سبب کا ختم ہونا پہلے ہے نکرہ بنا بعد میں ہے۔ (دیکھئے شرح جامی ص: ۳۷۶)

(۳) تنوین عوض: عوض بمعنی بدلہ آتا ہے جو تنوین کسی کلمہ کے مضاف الیہ کے بدلہ میں لائی جاوے خواہ وہ مضاف الیہ بشکل جملہ ہو یا بشکل مفرد اہل عرب کے یہاں یہ تنوین ہی اس محذوف جملہ یا مفرد کی قائم مقامی کر دیتی ہے، مفرد کی مثال وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ کہ بعض کے بعد ہم مضاف الیہ کو محذوف کر کے تنوین آگئی اصل عبارت فَوْقَ بَعْضِهِمْ ہوتی ہے جملہ کی مثال ہے یَوْمَئِذٍ جس کی اصل یَوْمَ اِذْ كَانَ كَذَا ہے کان کذا جملہ ختم کر کے اذ پہ تنوین لائی گئی ہے۔ سوال کان کذا کا مطلب کیا ہے جواب کان کذا کے لغوی معنی ہے (ہوا اس طرح) کذا بمعنی اس طرح اور کان بمعنی ہوا، دراصل اس سے اس جملہ کی طرف اشارہ ہے جو حسب موقع اور مقام اذ کے بعد جملہ ہوا کرتا ہے اور وہ کچھ بھی جملہ ہو سکتا ہے کیا جملہ ہوگا اس کو وہاں کا موقع محل ہی طے کرے گا جیسے مثلاً یَوْمَئِذٍ کا لفظ قرآن میں مختلف جگہ آیا ہے یَوْمَئِذٍ کے معنی ہیں اس دن تو اس دن سے مراد وہ ہوگا جس کا ذکر قرآن میں پہلے آچکا چنانچہ سورہ معارج میں یَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الخ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے کہ جس دن آسمان تل چھٹ کی طرح بکھر رہا ہوگا اور پہاڑ روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے پھر آگے چل کر کہا یَوْمَ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمَئِذٍ بِنَبِيٍّ وَصَاحِبَةٍ وَآخِيهِ الخ تمنا کرے گا مجرم اس دن کہ اگر اپنی اولاد اپنی بیوی اپنا بھائی اور کنبہ بدلے میں دی کر جان چھوٹ جائے تو وہ بھی کر لوں تو اس آیت میں یَوْمَئِذٍ کے بعد ایک جملہ ہے اور وہ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ الخ ہے اس کی تنوین اس کے بدلے میں لائی گئی ہے اور یَوْمَئِذٍ یعنی اس دن کہہ کر اسی دن کی طرف اشارہ ہے جس دن کہ آسمان کے تل چھٹ کی طرح بکھرنے اور پہاڑوں کے روئی کی طرح اڑنے کے واقعات پیش آئیں گے ایسے ہی جِنِّيدِ جِنِّينِ بمعنی وقت ہے اور مَسَاعِدُ مَسَاعِدِ بمعنی گھڑی ہے اور عَافِيَتِ مَسَاعِدِ بمعنی سال ہے اور ترجمہ ان کا اس وقت اور اس گھڑی اور اس سال ہے اور ان سب کے اندر اذ پر تنوین لا کر اس جملہ کی طرف اشارہ ہے جو متکلم اور مخاطب اپنے اپنے ذہن میں جان رہے ہیں کیونکہ اس جملہ میں جس کی قائم مقامی اذ کی تنوین کر رہی ہے اس میں جو وقت ہے یا جس گھڑی یا دن کا ذکر ہے وہ متکلم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہے تو بہر حال یَوْمَئِذٍ اور جِنِّيدِ مَسَاعِدِ عَافِيَتِ ان سب کی تنوین عوض کی ہے جس سے وہ دن وہ وقت وہ گھڑی وہ سال مراد ہوگا جس کا ذکر متکلم مخاطب کے مابین ہو چکا اور آچکا ہے قرآن میں جہاں کہیں پاؤ گے ایسا ہی طے کا فتدیر و تشکر۔

(۴) تنوین مقابلہ: وہ کہلاتی ہے جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں آتی ہے جیسے مُسَلِّمَاتٌ چونکہ جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور جمع مذکر سالم میں جمع بنانے کے لئے واؤ اور نون دو حرف لائے گئے جس کا تقاضہ ہے کہ اس کی فرع جمع مؤنث سالم میں بھی دو ہی آئیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم میں جمع مذکر سالم کے واؤ کے مقابلہ میں الف تو آیا نون نہیں آیا۔

سوال نون کے مقابلہ میں جمع مؤنث سالم میں تا تو آگئی۔

جواب تا تو مؤنث بنانے کے لئے ہے اس کو لون کے مقابلہ میں نہیں کہہ سکتے اس لئے بدرجہ مجبوری لون کے مقابلہ میں جمع مؤنث سالم میں تنوین لادی گئی تاکہ اصل اور فرغ دونوں اس میں مطابق ہو جائیں کہ بوقت جمع دونوں میں دو حرف ہیں۔

حافظہ: بعض حضرات نے مسلمات کی تنوین کو ممکن کہہ دیا جو غلط ہے کیونکہ اگر یہ ممکن کی ہوتی تو مسلمات کے کسی عورت کا علم اور نام رکھنے پر یہ تنوین ہٹ جانی چاہئے کیونکہ اب اس میں دو سبب موجود ہیں علیت اور تانیث، حالانکہ تنوین پھر بھی باقی رہتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ یہ تنوین ممکن نہیں ہے اور نہ جمع مؤنث سالم کی یہ تنوین تنگی کی کہی جاسکتی ہے کیونکہ جو جمع مؤنث سالم میں عم اور نام ہیں ان میں بھی یہ ملتی ہے چنانچہ عرفات جو ایک میدان کا نام ہے جہاں حاجی حضرات دعاء و عبادت میں لگتے ہیں اس میں یہ تنوین ہے چنانچہ قرآن پ: ۲، میں ہے **فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ الْحَيَّ الْقَيُّومَ** اور باد جود علم ہونے کے موجود ہے تو تنگی کی کہنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ تنوین عوض کہی جاسکتی ہے کیونکہ وہ جملہ کا بدل ہوتی ہے اور یہاں کوئی اس طرح کا جملہ مانا جانا سمجھ میں آتا نہیں کما ہوا نظر اور نہ یہ تنوین ترنم کی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تنوین تو اشعار میں گنگنانے کی آواز کو جاری رکھنے کے لئے آیا کرتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کی تنوین کو تنوین مقابلہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ جب چاروں قسم کی تنوین ممکن، تنگی، عوض، ترنم، نہیں ہو سکتیں جیسا کہ ابھی آیا اب مقابلہ کی ہی کہنی پڑگی۔

(۵) **قنویں تو نهم:** ترنم کے معنی ہیں گنگنانا، یعنی ناک کے اندر آواز جاری رکھنا اور لئے بنائے رکھنا چونکہ لے لینا اور گنگنانا یہ کسی ایسے کلمہ کے آخر میں ہی ہوتا ہے جو اشعار کے آخر میں ہو اس لئے یہ تنوین ہمیشہ اشعار والے کلمات کے آخر میں ملے گی چاہے وہ کلمہ اسم ہو یا فعل یا حرف باقی تنوینیں جو ترنم کے علاوہ ہیں وہ صرف اسم کے اندر ہی ملے گی اور جگہ نہیں جیسے شعر۔

أَقْبَلِي اللَّوْمَ عَادِلٌ وَالْعِتَابِيْنَ ☆ وَقَوْلِيْ اِنْ اَصْبْتُ لَقَدْ اَصَابْتُنِ

اَقْبَلِي دراصل **اَقْبَلِيْ** بروزن **اَكْرَمِي** ہے باب افعال سے بمعنی کم کرنا عاشق کا اپنی محبوبہ کو خطاب ہے کہ کم کر دے **لَوْمٌ** بمعنی ملامت برا بھلا کہنا "عادل" **عَدَلٌ يَعْدُلُ عَدْلًا** باب تن سے بمعنی ملامت کرنا دراصل **عَادِلَةٌ** تھا ملامت کرنے والی کبھی بولتے وقت پورے حرف نہیں بولتے بیچ میں ہی سانس توڑ دیتے ہیں جیسے **عَبْدُ الرَّحْمٰنِ** سے **عَبْدٌ** کہہ کے پکار لور **رَحْمٰنِ** کو چھوڑ دو اس طرح بولنے کو **مُرْخَمٌ** کہتے ہیں کیونکہ ترخیم کے معنی ہیں ڈم کاٹ دینا، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ترخیم نہ ہو بلکہ عادل مذکر کا صیغہ ہی ہو۔ **سوال** اب مؤنث کے لئے بولنا کیسے درست ہوگا **جواب** جن کلموں میں ایسی صفت کا ذکر ہو کہ وہ مؤنث ہی کے ساتھ خاص ہو تو ان کلمات کو عورتوں کے لئے مذکر بھی لاسکتے ہیں جیسے **حائض** اور حال کہ حیض اور حمل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے مرد نہ حمل والے ہوتے ہیں نہ حیض والے تو چونکہ التباس نہیں ہے مذکر کہنے میں بھی کوئی خلل نہ آئے گا ایسے ہی چونکہ عشق عورتوں سے ہی کیا جاتا ہے جس پر ملامت بھی انہی کی طرف سے پائی جائے گی اس لئے عادل بھینڈ مذکر میں کوئی قباحت نہ ہوگی، **الاعتاب** بمعنی غصہ ڈانٹ ڈپٹ **قَوْلِيْ** امر کا واحد مؤنث حاضر **قَالَ** يقول قولاً سے **اَصْبْتُ** بروزن **اَقَمْتُ** باب افعال سے بمعنی درست کہنا یا کرنا **اَصَاب** بروزن **اَقَامَ** واحد مذکر **عَاب** ہے باب افعال سے بمعنی ٹھیک کرنا، یا کہنا اور جو لون ہے وہ حقیقت میں

توین ہے جو ب پر لگ رہی ہے کیونکہ نون اور توین ادا نیگی میں ایک ہی طرح ادا ہوتے ہیں اس لئے توین کو بشکل توین اور بشکل نون سب طرح لکھنا ٹھیک ہے البتہ بشکل توین میں زیادہ تثبٹ اور جماؤ نہیں ہوتا جس طرح کے نون کی شکل میں لکھنے میں ہے اس لئے زیادہ تر نون کی شکل میں لکھی جاتی ہے، ترجمہ شعور: کم کر دے ری ملامت کو اے ملامت کرنے والی اور ڈانٹ ڈپٹ کو اور کہہ دے اگر درست کیا میں نے البتہ واقعی درست کیا اس نے مطلب شعر کا یہ ہے کہ میری محبوبہ بجائے مجھے التاسلما کہنے کے اسے چھوڑ کے یہ بتا کہ میں نے جو تجھے چاہا ہے اور محبت کی ہے یہ میرا کام درست ہوا کہ نہیں یعنی میں نے تجھے چاہ کر اور محبت کر کے اچھا ہی کام تو کیا تو تو ہی بتا کہ میں قابل عتاب ہوں یا شاباش کے لائق ہوں اس شعر میں لفظ العتاب اور اصاب میں جو نون ہے وہ حقیقت میں توین ہے جس کا نام توین ترنم ہے العتاب اسم ہے اصاب فعل ہے چونکہ توین ترنم کا مقصد ہی ترنم و رناک میں آواز جاری رکھنا ہے اس لئے یہ کیا فعل کیا حرف کیا اسم سب پہا سکتی ہے۔

سبق پنجاہ و یکم

دھم نون تاکید در آخر فعل مضارع ثقیلہ و خفیفہ چوں اِضْرِبَنَّ و اِضْرِبَنَّ يَازِدْهُم حروف زيادت و آل ہشت حرفت اِنْ و مَا و اَنْ و لَا و مِنْ و تَكَاثُف و بَا و لَام چہار آخر در حروف جر یاد کردہ شد و اوز دھم حروف شرط و آل دو است اَمَّا و لَوْ اَمَّا برائے تفسیر و فادرجوا بش لازم باشد کقولہ تعالیٰ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقَوْا فِى النَّارِ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سَعَدُوْا فِى الْجَنَّةِ و لَوْ برائے اتقائے ثانی بسبب اتقائے اول چوں لَوْ كَانَ فِيْهِمَا الْاِلٰهَ الْاَلٰهَةُ لَفَسَدَتَا، سيزدھم لَوْ لَا و اذ موضوع ست برائے اتقائے ثانی بسبب وجود اول چوں لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عَمْرُ چہار دھم لام مفتوحہ برائے تاکید چوں لَزِيْذٌ اَفْضَلٌ مِنْ عَمْرٍ و پانزدھم مَا بمعنی مادام چوں اَقْوَمُ مَا جَلَسَ الْاَمِيْرُ شَانِزْدْهُم حروف عطف و آل دہ است و اِوَاو و اَمَّا و اَو و اَم و لَا و بَل و لٰكِنْ۔

ترجمہ: دسویں نون تاکید جو فعل مضارع کے آخر میں آتا ہے ثقیلہ اور خفیفہ جیسے اِضْرِبَنَّ و اِضْرِبَنَّ گیارہویں حروف زيادت اور اور وہ آٹھ حرف ہیں اِنْ اور مَا و اَنْ اور لَا اور مِنْ اور تَكَاثُف اور بَا و لَام آخر کے چار حروف جر میں بیان کئے جا چکے ہیں، بارہویں حروف شرط اور وہ دو ہیں اَمَّا اور لَوْ اَمَّا تفسیر کے واسطے ہوتا ہے اور فا اس کے جواب میں ضرور ہوتا ہے جیسے کقولہ تعالیٰ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقَوْا فِى النَّارِ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سَعَدُوْا فِى الْجَنَّةِ (پس لوگوں میں سے کچھ بد بخت ہیں اور کچھ نیک بخت پس بہر حال جو بد بخت ہیں تو دوزخ میں جاویں

گے اور بہر حال جو نیک بخت ہیں تو جنت میں رہیں گے) اور لسو ثانی کے ہونے کو بتانے کے واسطے ہے اول کے نہ ہونے کی وجہ سے جیسے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، (اگر ہوتے زمین و آسمان میں ایسے چند خدا جو اللہ سے ہٹ کر ہوں تو البتہ درہم برہم (زیروں پر اوپر نیچے) ہو جاتے وہ یعنی زمین و آسمان، قیصر ہو ویس لَوْ لَا ہے اور طے کیا گیا ہے ثانی کے نہ ہونے کو بتانے کے واسطے اول چیز کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عَمْرُؤُ (اگر علی نہ ہوتے تو عمر تو تباہ ہو جاتا) چودھویں لام مفتوحہ جو تاکید کے واسطے ہوتا ہے جیسے لَزَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو (یقیناً زید عمر سے زیادہ مرتبہ والا ہے) پندرہویں مَا جو مَادَامَ کے معنی میں ہوتا ہے جیسے أَقْوَمُ مَا جَلَسَ الْأَمِيرُ (کھڑا رہوں گا، میں جب تک کہ بیٹھا ہے بادشاہ سولہویں حروف عطف اور وہ دس ہیں وَاوُ اور فَا اور لَمْ اور حَتَّى اور اِمَّا اور اَوْ اور اَمَّ اور لَا اور بَلَّ اور لَكِنَّ۔

حل مضمون - ایسے حروف کا بیان چل رہا ہے جو عمل نہیں کرتے فعل مضارع کے آخر میں آنے والے و نون خفیفہ اور ثقیلہ بھی حروف غیر عاملہ میں ہیں جن کا کوئی عمل نہیں ہوتا ہے جیسے اضْرَبْنِ مَشْدُوكِ مِثَالُ هِ اِضْرِبْنِ نون خفیفہ کی مثال ہے **سوال** یہاں مصنف نے (ماروں گھنٹا پھوٹے آنکھ) والی بات کر دی یعنی بے موقع اور بے تکی بات کیونکہ بتا تو رہے ہیں کہ مضارع کے آخر میں آنے والے نون ثقیلہ اور خفیفہ کو اور مثال دے رہے ہیں اس نون ثقیلہ اور خفیفہ کی جو امر کے آخر میں آرہا ہے چنانچہ اضْرِبْنِ میں اضْرِبْ امر کا صیغہ ہے جس کے آخر میں نون ثقیلہ یا خفیفہ ہو رہا ہے ایسا کیوں جواب مصنف دراصل اختصار کے درپے ہیں کم سے کم عبارت میں زیادہ مضمون لینا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے ایسا ہو گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ درحقیقت نون تاکید ہر ایسی جگہ میں آتا ہے جہاں کسی شے کے پائے جانے کی طلب کو مؤکد اور پختہ کرنا ہو اور کسی چیز کے پائے جانے کی طلب کے مواقع صرف مضارع ہی نہیں ہے نہی امر عرض تمنی قسم استفہام کے اندر بھی حصول شے اور اس کے پائے جانے کی طلب موجود ہے۔ لہذا ان سب کے اندر نون تاکید آتا ہے جیسے ضْرِبْنِ لَا تَضْرِبْنِ اَلَا تَنْزِلُ بِنَا لَتُصِيبَنَّ خَيْرًا، لَيْتَكَ تَضْرِبْنِ، وَاللَّهِ لَا تَضْرِبْنِ هَلْ تَضْرِبْنِ تو یوں تو مصنف کو ان سب کے آخر میں نون تاکید آنے کو بتانے کے ساتھ سب کی مثالیں بھی دینی چاہئے تھیں مگر اس میں طوالت ہو جاتی اس لئے مصنف نے مضارع کے آخر میں نون تاکید ہونے کو بتا کر مثالیں اور کے آخر میں ہونے کی دیدیں تاکہ طالب علم سوچنے پر مجبور ہو اور آخر کو وہ سب تفصیل سامنے آنے کی نوبت آجائے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، بہر حال نون تاکید آنے کے لئے طلب کے معنی پائے جانے ضروری ہیں، اسی لئے خود مضارع جب اس میں حال کا زمانہ مراد ہو رہا ہو تو اسکے آخر میں بھی نون تاکید نہ آئے گا اسی طرح ماضی کے صیغوں میں بھی نون تاکید نہیں آئے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ طلب جب نون تاکید آنے کے لئے شرط ہوئی اور طلب اس چیز کی ہوتی ہے جو آئندہ ہوگی تو اس لئے نہ حال و ماضی والے صیغوں میں طلب کا کوئی مطلب نہیں اور جب طلب نہ ہوئی تو تاکید جس کے واسطے نون تاکید آتا وہ بھی نہ ہوگی کیونکہ تاکید تو ہی طلب ہی کی کر رہے ہیں جب وہی ختم ہوگی تو تاکید کا کیا فائدہ فلا حاجة الی النون الثقيلة ولا الخفیفہ۔

گیلا ہویں حروف زیادہ وہ کہلاتے ہیں جن کے عبارت میں سے نکالنے پر معنی اور مراد میں کوئی خلل اور گڑبڑی معلوم نہ ہو جیسے لیس کھیلہ فسیٰ یعنی خدا جیسی کوئی چیز نہیں ہے تو یہ معنی کاف ہٹا کر بھی ہوتی رہتے ہیں لیکن بعض نے کہا کہ کاف اور مثل دونوں مقصود ہیں ان میں سے کسی کو بھی زائد نہ کہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا کے مثل کا مثل بھی نہیں ہے چہ جائے کہ خدا کا مثل ہو چونکہ جب خدا کے نمونہ کا نمونہ نہ ہو تو خدا کا نمونہ تو کہاں ہو جائے گا گویا اس میں مثل کے نفی میں مبالغہ ہے جیسا کہیں تجھ جیسا بخیل نہیں ہوتا یعنی تو تو کیسے ہو سکتا ہے تو نفی کی گئی مثل سے اور مراد لی گئی خود خدا سے اور یہ اس طرف مراد لینے کو کنایہ کہتے ہیں، پھر یہ حروف یہ نہیں کہ ہر جگہ ہی حروف زیادہ نہیں گئے کسی موقع میں بننے کی وجہ سے حروف زیادہ کہلاتے گئے ورنہ بہت سی جگہوں میں یہی اصل اور مقصود ہو کر بھی آتے ہیں، پھر ان کا زائد محض سرسری اور بادی النظر کے اعتبار سے ہے اور تعمق اور گہرائی میں اتریں گے تو ان کا بھی فائدہ نظر آئے گا (جیسا کہ ابھی اوپر لیس کھیلہ میں بتایا) چنانچہ ما جاء فی بنی اشد میں جو نفی ہے وہ ایک تو تم کو میرے پاس کوئی نہیں آیا، اور ایک کہ میرے پاس کوئی تو ونسی نہیں آیا یہ دونی لگنے سے جو نفی میں شدت آگئی ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں کیونکہ وونسی کہنے سے غصہ ظاہر ہو رہا ہے کسی بھی زبان کے تشبیب و فزاز سے واقف اس بات کو باسانی جان جاتے ہیں۔

اور بعض نے لیس کھیلہ میں کاف کے زائد نہ ہونے کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ مثل دراصل ذہن پہنچاتا ہے اس جیسا اور ہونے پر جیسا کہ رخ اور بھائی جیسی بنے گا جب دوسرا بھی بھائی ہو تو کسی سے یوں کہنا کہ اس کے بھائی کا بھائی نہیں ہے دراصل یہ کہنا ہے کہ اس کا بھائی نہیں ہے گویا لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہے کیونکہ کوئی بھی بھائی اور بغیر بھائی نہیں بن سکتا تو کسی کے بھائی کے بھائی کے بھائی ہونے کی نفی کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ اس کے بھائی کا بھائی اگر ہوتا تو یہ خود ہوگا اور جب اس کا کوئی بھائی نہ بنا تو جیسے اس کے اس کا بھائی ہونے کی نفی ہوئی تو اس کے بھی اس کے بھائی ہونے کی نفی ہوگئی اور جب یہ اپنے بھائی کو بھائی نہیں بنا سکتا تو اس کا بھائی بھی اسے بھائی نہیں بنا سکتا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بھائی والی کوئی نہیں ہے۔ ایسے ہی مثل کے مثل کی نفی سے درحقیقت خود مثل خدا کی نفی ہے۔ تیسرا عجیب نکتہ یہ ہے کہ ذات میں تشبیہ کے لئے تو عربی میں "مثل" آتا ہے اور صفات میں کسی جیسا بتانا ہو تو "ک" لایا جاتا ہے تو اب "لیس کھیلہ" کا مطلب یہ ہے کہ خدا جیسا کوئی نہیں ہے نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں۔

فائدہ: ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور لون کے سکون کے ساتھ یہ اکثر مافیہ کے بعد آتا ہے جو بظاہر زائد ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے نفی کی تاکید کا ارادہ ہوتا ہے **مَا اِنْ زَانَتْ زَانِدًا** (میں نے زید کو بالکل نہیں دیکھا) یہاں بظاہر ان ہنے کے بعد بھی صحیح رہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ان زائد کہلاتا ہے (۲) **اَنْ** الفح ہمزہ و سکون لون یہ اکثر لہجہ کے ساتھ زائد آتا ہے جیسے **فَلَمَّا اَنْ جَاءَ: اَلْبَشِيرُ** (پس جب کہ یہ کہ آیا خوش خبری دینے والا) اس میں بظاہر ان کے بغیر جملہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن جہاں تک اہل زبان کی بات ہے وہ خواہ کسی بھی لفظ کو بڑھا کر لائیں اس میں کوئی نہ کوئی راز اور نکتہ ضرور ہوتا ہے خواہ وہ توقف اور استراحت کے

(۸) لام جیسے زِدْف لَكُمْ اس میں لام زائدہ ہے کیونکہ زِدْف کا مفعول پہ بغیر کسی حرف جر کے براہ راست مفعول بنتا ہے۔ چھار آخر در حروف جر یاد کردہ شدیہ عبارت لا کر مصنف نے ایک اشکال ختم کیا ہے اور یہ کہ آخر کے چار حرف من کاف بالام یہ چاروں عمل کرتے ہیں اور بیان کر رکھا ہے ان کو حروف غیر عاملہ والی فصل میں جو یہاں چل رہی ہے تو ایسا کیوں جواب بجٹا ایسا کر دیا یعنی حروف زیادت میں چار عاملہ ہیں اور چار غیر عاملہ اگر مصنف صرف چار غیر عاملہ کو ہی بیان کرتے عاملہ کو چھوڑ دیتے تو تمام حروف زائدہ کا بیان نہ آ پاتا جس سے مقصود میں خلل پڑتا اس لئے قطع نظر اس سے کہ فصل حروف غیر عاملہ کی ہے سب حروف زیادت کو ایک جگہ لے آئے فَلَا اشکال۔

دوازدهم حروف شرط: حروف شرط دو ہیں (۱) اَمَّا (۲) اَمَّا (۲) اَمَّا تفسیر اور تفصیل اور توضیح کے لئے آتا ہے اور اس اَمَّا کے جواب میں فاضل ضرور آوے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ پس ان یعنی لوگوں میں سے کچھ بد بخت ہیں اور کچھ نیک بخت پھر آگے تفصیل کرتے ہوئے فرمایا فَاَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَبِئْسَ الَّذِيْنَ كَانُوا فِيْهَا يَخْتَدِمُوْنَ وہ دوزخ میں جائیں گے وَآفَ الَّذِينَ سَعَدُوا فَبِئْسَ الَّذِيْنَ كَانُوا فِيْهَا يَخْتَدِمُوْنَ وہ جنت میں رہیں گے تو ان دونوں آیتوں میں اَمَّا کے ذریعہ شفقی اور سعید کا حال کھول دیا۔

فائدہ: یہ آیت یعنی اسی طرح قرآن میں نہیں جس طرح کے یہاں ذکر کی گئی بلکہ فَاَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَبِئْسَ الَّذِيْنَ كَانُوا فِيْهَا يَخْتَدِمُوْنَ کے بعد شفقی لوگوں کا اور حال ذکر کر کے پھر وَآفَ الَّذِينَ سَعَدُوا آیت آئی ہے چنانچہ پ ۱۲، سورہ ہود کے آخری رکوع سے پہلے والے رکوع میں دیکھ کر تسلی کر لیں۔

فائدہ: اَمَّا جیسے تفصیلیہ اور تفسیریہ ہوتا ہے اسی طرح ایک اَمَّا استینافیہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اَمَّا بعد کتابوں کے شروع میں خطبہ کے بعد آتا ہے، فرق دونوں میں یہ ہے کہ اَمَّا تفسیریہ سے پہلے اجمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کا مختصر ذکر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں شفقی و سعید لوگوں کا آیا ہے پھر آگے تفصیل لانا سے ہو جاتی ہے اور لَمَّا استینافیہ سے قبل کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی ہے جس کی تفصیل یا وضاحت کی جانی بس اَمَّا خود ہی شروع میں آتا ہے استیناف بمعنی شروع میں ہونا، لَمَّا اس کا مقابلہ اَمَّا کے ساتھ ہے چونکہ لو کے بعد آنے والے صیغے چاہے ماضی کے ہوں چاہے مضارع کے ہمیشہ لَمَّا کے بعد ان کا ترجمہ ماضی والا ہوتا ہے جیسے لَمَّا ضَرَبْتُ ضَرْبًا اور لَمَّا ضَرَبْتُ اَضْرَبْتُ اِنْ دُونَ مَثَلُوْنَ کا ترجمہ ایک ہی ماضی والا کیا جائے گا یعنی اگر تو مارتا تو میں بھی مارتا اور اِنْ اس کے برعکس چاہے مضارع یہ آوے چاہے ماضی پہ اس کی وجہ سے مستقبل کا ترجمہ ہوگا جیسے اِنْ تُكْفِرْ مَنِيْ اُكْفِرْ مَكَ اور اِنْ اُكْفِرْ مَنِيْ اُكْفِرْ مَكَ دونوں کا ترجمہ یکساں ہے یعنی اگر تو میرا کرام کرے گا تو میں تیرا کرام کروں گا، البتہ کہیں یہ آپس میں ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں جیسا کہ وَآفَ مَثَلُوْنَ خَيْرٌ مِّنْ مِّثْرٍ كَثِيْرٍ وَلَوْ اَعْرَجْتَ مَثَلُوْنَ بمعنی "ان" ہے اور مستقبل کا ترجمہ ہوگا کہ مؤمن باندی مشرکہ عورت سے بہتر ہے گودہ مشرکہ تمہیں اچھی لگے۔

اب لو کے مشہور استعمال کے بارے میں سنئے کہ یہ ثانی کے نہ ہونے کو بتلانے کے لئے ہوتا ہے اول کے نہ ہونے کی

وجہ سے جس کو ہم برائے انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کہہ سکتے ہیں، تو گویا اس میں انتفاء اول کی وجہ سے ثانی کا انتفاء ہوتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں کسی بات کو کسی دوسری ایسی بات پر معلق کرنا جو محض فرضی اور ذہنی ہو یعنی نہ ہو کہ اگر وہ چیز پائی جاتی جو اس پر معلق تھی وہ بھی ہو جاتی مثالو جنتنی لا کرمتک کہ اگر تو آجاتا تو میری تیری آؤ بھگت اور اکرام کرتا تو اس میں اکرام کو معلق اور موقوف کر دیا یعنی اور آنے پر اور یہ آنا صرف فرضی ہے کہ اگر آنا پایا جاتا تو پھر اکرام بھی پایا جاتا لیکن چونکہ آنا نہ ہوا تو اکرام بھی نہ ہو پایا تو اس میں بسبب انتفاء اول عدم مجہی (نہ آنا) انتفاء ثانی (یعنی عدم اکرام) ہو گیا لیکن اس استعمال کو سامنے رکھ کر اب یہ اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے جو لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، مثال ذکر کی ہے اس میں اگر انتفاء اول کی وجہ سے انتفاء ثانی مان لیں تو مطلب یہ بنے گا کہ تعدد آلہہ کی نفی کو سبب قرار دے رہے ہیں فساد کی نفی کے لئے یعنی چند خدا نہیں ہیں جس کی بناء پر زمین و آسمان درہم برہم نہیں ہوئے تو اتنا تو ٹھیک ہے کہ تعدد آلہہ کی نفی پر عدم فساد مرتب ہو جاتا ہے جیسا کہ عدم مجہی پر عدم اکرام مرتب ہوا ہے، لیکن قرآن نے آیت کو جس مقصد کے لئے بیان کیا ہے وہ تو حاصل نہیں ہوتا قرآن تو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اے لوگو! زمین و آسمان فساد سے بچے ہوئے ہیں جس کا تمہیں مشاہدہ بھی ہے تو ان کا فساد سے بچنا دلیل ہے کہ چند خدا نہیں ہے تو عدم فساد سے ذہن پہنچوانا ہے عدم تعدد آلہہ پر جس کا مطلب یہ بنا کہ اس میں انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے بجائے انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی ہو رہا ہے تو لو اپنے استعمال پر کہاں رہا تو یا تو لو کا استعمال بدلویا پھر آیت کی مراد سمجھاؤ، اس کا جواب صاحب شرح جامی نے یہ دیا ہے کہ دراصل لور ہے گا تو اپنے اصلی استعمال پر ہی یعنی انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول لیکن یہ مقام اخبار میں چلے گا جیسا کہ لوجنتنی لا کرمتک میں کہ بزعم متکلم اکرام کا سبب آنا تھا جب آنا نہ ہوا تو اکرام بھی نہ ہوا اور یہ مخاطب کو خیال دلانے کے لئے ہے کہ اکرام کا ترتب اور نمبر آنے پر موقوف تھا جب وہ نہ ہوا تو یہ بھی نہ ہوا لیکن جہاں مقام استدلال ہو جیسا کہ آیت میں ہے تو یہاں یہ بتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے کہ تعدد آلہہ نہ ہونے پر عدم فساد کا ترتب ہوتا ہے یعنی جب چند خدا نہیں ہوتے تو فساد ختم ہو جاتا ہے اس لئے یہاں لو اس کے لئے لیں گے جس سے فائدہ ہو اور قرآن نے جس مقصد کے لئے یہ آیت پیش کی ہے وہ مقصد حاصل ہو جاوے یعنی انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی چونکہ مخاطبوں یعنی کفار و مشرکین کو یہ تو مشاہدہ میں ہے کہ آسمان زمین اور اس کائنات کا نظام فساد سے خالی چل رہا ہے سورج چاند رات دن اپنے اپنے وقت پر وجود میں آرہے ہیں اور یہ جہی ہو سکتا ہے کہ چند خدا نہ ہوں تو اس لئے عدم فساد کو دلیل بنایا جاوے گا عدم تعدد آلہہ کی نہ کا لٹا تو خلاصہ یہ ہے کہ لو کا استعمال لوجنتنی لا کرمتک جیسی مثال میں جو محض اخبار ہے انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے لئے ہے اور آیت کریمہ جو مقام استدلال ہے جیسی مثالوں میں برعکس کے لئے ہوگا یعنی انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی پہلے استعمال کے لحاظ سے دونوں چیزوں کا نہ ہونا مخاطب کو معلوم ہوتا ہے متکلم صرف باور کرانا چاہتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں اگر ایسا ہوتا تو میری طرف سے اس پر ایسا ہوتا اور دوسرے استعمال میں مخاطب کو صرف ثانی چیز کا علم ہے اول سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے ثانی کے انتفاء سے اول کے انتفاء پر ذہن پہنچوایا جاتا ہے۔

فائدہ: لو کے دو استعمال جاننے کے بعد تنجیماً للفائدة ایک استعمال اور بھی بتلاتا ہوں اور وہ ہے کہ اس کے ذریعہ کسی چیز کو بعد التقیضین پر معلق کر کے اس کے ہمیشہ ہوتے رہنے کو ذکر کرنا جیسے یا زید لو اھنتی لا تکرمتک کہ ارے زید اگر تو میری توہین کرتا تب بھی میں تیرا اکرام کرتا، اکرام پر کسی کا اکرام کرنا تو عام عادت ہے لیکن توہین پر اکرام بہت اعلیٰ اخلاق کی دلیل ہے تو متکلم یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہمیشہ اور ہر صورت پر آپ کا اکرام بجالاتا رہوں گا، تو یہاں اکرام اور توہین دو نقیض (مخالف چیزیں) ہیں ان میں ابعداً یعنی بہت بعید وہ توہین پر بھی اکرام کا بجالاتا ہے تو جو ابعداً کے ہوتے ہوئے اکرام کر رہا ہے اقرب کے ہوتے ہوئے یعنی اکرام کے بعد اکرام ضرور بجالاتے گا اسی سے وہ اعتراض بھی ختم ہو گیا جو نعم العبد صہیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ حدیث پر مشہور ہے ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ صہیب بہترین بندہ ہے اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو بھی نافرمانی نہ کرتا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر خوف ہوتا تو پھر نافرمانی کرتا حالانکہ جو خوف نہ ہونے پر محض شوق سے اطاعت کر رہا ہے وہ خوف پر بدرجہ اولیٰ اطاعت کرے گا، تو شوق و خوف دو نقیض ہیں جو شوق میں کسی کام کو کر لیتا ہے وہ خوف میں بدرجہ اولیٰ کر لیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صہیب صحابی برابر خدا کا فرمان بندہ بنا رہے گا اتنا شاندار بندہ ہے، ان حرف شرط ہے مصنف نے اس کا ذکر چھوڑ دیا، کیونکہ حروف غیر عاملہ کا بیان مقصود ہے اور ان شرط جزاء کو جزم دینے کا عمل کرتا ہے۔

سین دھم: حروف غیر عاملہ میں سے لَوْلَا بھی ہے یہ اس لئے وضع اور بتایا گیا ہے کہ اول چیز کے موجود اور پائے جانکی وجہ سے دوسری چیز نہ پائی گئی جیسے لَوْلَا عَلٰی لَهْلَکَ عُمَرُوْ جِس کی اصل عبارت یوں ہے لَوْلَا عَلٰی مَوْجُوْدَ لَهْلَکَ عُمَرُوْ، کہ اگر علی موجود نہ ہوتے تو عمر تباہ اور ہلاک ہو جاتا لیکن چونکہ علی تھے اس لئے عمر ہلاک ہونے سے بچ گیا، یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے یہ انہوں نے اس وقت فرمایا جب انہوں نے ایک حاملہ عورت کی زنا کاری پر اس کو رجم اور سنگسار کرنے کا حکم فرما دیا تھا۔

فائدہ: رجم کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کرنے والے کے لئے یہ سزا ہے کہ گڈھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کر کے مجمع عام کے سامنے اس قدر پتھر مارے جاویں کہ وہ مر جائے (تو حاملہ عورت کو رجم جب کیا جاتا ہے جب وہ بچہ بخن کے فارغ ہو جاوے کیونکہ بچہ کا کیا قصور کہ وہ بھی ساتھ میں ہلاک ہو تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو ہار کرایا کہ اس حاملہ عورت کے لئے رجم کا حکم بعد ولادت کے ہونا چاہئے جس پر حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا، لَوْلَا تَخْفِضُ اور ابھارنے کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ آچکا۔

چہار دھم لام مفتوحہ: لام مفتوحہ جملہ کے مضمون کی تاکید کے لئے آتا ہے جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے جیسے لَزِيْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرُوْ کہ یقیناً زید مرتبہ میں عمر سے زیادہ ہے۔ یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی مثال ہے اور اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ، واقعی تیرا رب البتہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، اس میں یَحْكُمُ پر لام تاکید ہے یہ جملہ فعلیہ پر دخول کی مثال ہے۔

پانز دھم ما: پندرہواں ما ہے جو مادام کے معنی میں ہو یہ بھی عمل نہیں کرتا مادام کے معنی ہیں جب تک جیسے اَلْوَمُّ ما جلس

الامیر کھڑا ہوں گا میں جب تک کہ بادشاہ بیٹھا ہے، ماکئی قسم کا ہوتا ہے (۱) اسمیہ (۲) حرفیہ پھر اسمیہ کبھی موصولہ ہوتا ہے کبھی موصولہ اور کبھی شرطیہ ایسے ہی حرفیہ بھی کئی قسم پر ہے نافیہ کافہ بمعنی مادام ما کافہ وہ کہلاتا ہے جو حروف مشبہ بالفعل کے بعد آ کر ان کے عمل کو روک دیتا ہے جیسے اِنَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ بس زید کھڑا ہے یہاں اِن کا زید قائم پر کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا تَكْفٌ بِتَكْفٍ تَكْفًا بمعنی رد کنا سے کافہ اسم فاعل مؤنث ہے۔

شافز دہم حروف عطف: سولہویں قسم حروف غیر عاملہ کی حروف عطف ہیں جو دس ہیں واؤ بمعنی اور ف بمعنی پس اور تو (واؤ مجہول کے ساتھ) اِنَّمْ بمعنی پھر حتی بمعنی یہاں تک کہ اِنَّمَا اَوْ اَمْ تینوں بمعنی یا آتے ہیں پھر اَمْ کہیں کہیں بل بمعنی بلکہ بھی ہوتا ہے لا بمعنی نہ بل بمعنی بلکہ لکن بمعنی لیکن ہوتا ہے ع

وہ حروف عطف مشہور اند یعنی واؤ وفا

ثم حتی و اَوْ وَاِمَّا وَاَمْ وِہل وِلکن وِلا

ابو یحییٰ محمد زاہد بن محمد اسمعیل المظاہری

مزید تفصیل ان حروف کے استعمال کی دیگر کتب نحو میں آتی رہے گی۔ ۱۳/۱۳/۱۳۳۰ھ مطابق ۸ جولائی ۲۰۱۰ء بروز بدھ

سبق پنجاہ و دوم

چوں کہ مستثنیٰ در کتاب نحو میر نمود برائے فائدہ کُلاب افزودہ شد

بدانکہ مستثنیٰ لفظیست کہ مذکور باشد بعد الا و اخوات آں یعنی غیر و سوی و سواء و حاشا و خلا و عدا و ما خلا و ما عدا و لیس و لایکون تا ظہر گردد کہ منسوب نیست بسوئے مستثنیٰ آنچہ نسبت کردہ شد است بسوئے ما قبل وے و آں برد قسم است متصل و منقطع متصل آنست کہ خارج کردہ شود از متعدد بلفظ الا و اخوات وے مثل جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ اِلَّا زَيْدًا پس زید کہ در قوم داخل بود از حکم محیی خارج کردہ شد و منقطع آں باشد کہ مذکور بعد الا و اخوات وے و خارج کردہ نشود از متعدد بسبب آنکہ مستثنیٰ داخل نباشد در مستثنیٰ منہ مثل جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ اِلَّا حِمَارًا کہ حمار در قوم داخل نبود بدانکہ اعراب مستثنیٰ بر چہارم قسم است اول آنکہ اگر مستثنیٰ بعد الا در کلام موجب واقع شود پس مستثنیٰ ہمیشہ منصوب باشد نحو جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ اِلَّا زَيْدًا و کلام موجب آنکہ در آں نفی و نہی و استفہام نباشد و ہم چنین در کلام غیر موجب اگر مستثنیٰ را بر مستثنیٰ منہ مقدم گردانند منصوب خوانند نحو مَا جَاءَ نَبِيُّ اِلَّا زَيْدًا اَحَدٌ و مستثنائے منقطع ہمیشہ منصوب باشد و اگر مستثنیٰ بعد

خلا واقع شود بر مذہب اکثر علماء منصوب باشد وبعد ما خلا و ما عدا و لیس و لا یكون ہمیشہ منصوب باشد نحو جاء نبي القوم خلا زيدا و عدا زيدا **دوم آنکہ مستثنی بعد الا در کلام غیر موجب واقع شود مستثنی منہ ہم مذکور باشد پس در آں دو وجه رداست یکے آں کہ منصوب باشد بر سبیل استثناء و گیر آں کہ بدل باشد از ما قبل خویش چون ما جاء نبي احد الا زيدا و الا زيدا سوم آن کہ مستثنی مفرغ باشد یعنی مستثنی منہ مذکور نباشد و در کلام غیر موجب واقع شود پس اعراب مستثنی بہ الا دریں صورت بحسب عوامل مختلف باشد نحو ما جاء نبي الا زيدا و ما رايت الا زيدا و ما موزت الا بزيدا.**

ترجمہ۔ جب مستثنی کی بحث کتاب نحو میر میں نہ تھی تو طلبہ کے فائدہ کے لئے بڑھادی گئی۔

جان تو کہ مستثنی ایسا لفظ ہے کہ جو کہ الا اور اس کی بہنوں یعنی غیر اور سوائے اور حاشا اور خلا اور عدا اور ما خلا اور ما عدا اور لیس اور لا یكون کے بعد ذکر کیا جاوے تا کہ ظاہر ہو جائے کہ منسوب (جزا ہوا) نہیں ہے مستثنی کی طرف جو کچھ منسوب (جوڑا) کیا گیا ہے اس کے ماقبل کی طرف اور وہ (مستثنی) دو قسم پر ہے متصل اور منقطع، متصل وہ ہے کہ نکالا کیا گیا ہو متعدد (کئی چیزوں) میں سے بذریعہ لفظ الا اور اس کی بہنوں جیسے جاء نبي القوم الا زيدا (آئے میرے پاس لوگ علاوہ زید کے) پس زید جو قوم میں داخل تھا آنے کے حکم سے نکال دیا گیا، اور منقطع وہ ہے کہ جو الا اور اس کی بہنوں کے بعد مذکور ہو اور خارج (نکالا) نہ کیا گیا ہو متعدد (کئی میں) سے اس وجہ سے کہ مستثنی داخل ہی نہیں ہے مستثنی منہ میں جیسے جاء نبي القوم الا جمازا (آئے میرے پاس لوگ علاوہ گدھے کے) کہ ہمارا قوم میں داخل نہیں ہے۔

جان تو کہ مستثنی کا اعراب چار قسم پر ہے اول وہ کہ مستثنی الا کے بعد کلام موجب میں آیا ہو پس مستثنی ہمیشہ منصوب ہوگا جیسے جاء نبي القوم الا زيدا (میرے پاس علاوہ زید کے سب لوگ آئے) اور کلام موجب وہ ہے کہ جس میں نفی اور نہی اور استفہام نہ ہو اور اسی طرح کلام غیر موجب میں اگر مستثنی کو مستثنی منہ پر مقدم کر دیں منصوب پڑھیں گے ما جاء نبي الا زيدا احد (نہیں آیا میرے پاس علاوہ زید کے کوئی، اور مستثنی منقطع ہمیشہ منصوب ہوتا ہے اور اگر مستثنی خلا کے بعد واقع ہو اکثر علماء کے مذہب پر منصوب ہوگا اور ما خلا اور ما عدا اور لیس اور لا یكون کے بعد ہمیشہ منصوب ہوگا جیسے جاء نبي القوم خلا زيدا و عدا زيدا (آئے میرے پاس لوگ علاوہ زید کے) خلا و عدا دونوں بمعنی علاوہ ہیں) دوسرے وہ کہ مستثنی الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو (پایا جاوے) اور مستثنی منہ بھی مذکور ہو پس اس میں دو صورت جائز ہیں ایک وہ کہ منصوب ہوا استثناء کے طریقے پر اور دوسرے وہ کہ بدل ہوا اپنے ماقبل سے جیسے ما جاء نبي احد الا زيدا

کی قسم ویسے ہی کہہ دیا ہے۔

بدانکہ اعراب مستثنیٰ بر چہار قسم است۔ مستثنیٰ کی تعریف اور قسموں کے بعد یہاں سے اس کا اعراب بتا رہے ہیں کہ مستثنیٰ کی چار حالتیں ہیں جس حالت میں ہوگا وہی اعراب اس کو دیں گے۔

سوال مستثنیٰ کی وہ حالتیں کیا ہیں جو اسے پیش آتی ہیں۔

جواب: مستثنیٰ کبھی تو کلام موجب میں ہوتا ہے اور کبھی کلام غیر موجب میں کلام موجب کے وقت اعراب اور ہوگا اور غیر موجب میں ہونے کے وقت اور ہوگا اسی طرح مستثنیٰ کبھی تو اپنے مستثنیٰ منہ سے پہلے آجائے گا اور کبھی بعد میں اب بھی اعراب الگ الگ ہوگا اسی طرح مستثنیٰ جن حروف استثناء کے بعد آوے گا وہ کبھی الا ہوگا تو کبھی خلا اور کبھی ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لایکون ہوگا اب بھی مستثنیٰ کا اعراب بدلے گا اسی طرح مستثنیٰ کبھی اس حالت میں ہوگا کہ ساتھ میں اس کا مستثنیٰ منہ پایا جا رہا ہوگا اور کبھی وہ تنہا ہی ہوگا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوگا، اب بھی مستثنیٰ کے اعراب پر فرق پڑے گا، ایسے ہی مستثنیٰ اگر نہ الا کے بعد ہے اور نہ خلا ماخلا ماعدا لیس لایکون کے بعد ہے بلکہ لفظ غیر سوئی اور سواء باحاشا کے بعد ہے اب بھی مستثنیٰ کا اعراب بدل جائے گا، تو چونکہ مستثنیٰ مختلف حالتوں سے متصف ہوگا تو پھر اختلاف حالت کا اثر اختلاف اعراب پر ہونا ایک ضروری چیز ہے اس لئے اب ہم یوں کہہ سکتے ہیں اگر مستثنیٰ مندرجہ ذیل حالتوں میں سے کسی بھی حالت میں ہو تو اس کو منصوب پڑھیں گے۔

(۱) مستثنیٰ الا کے بعد اور کلام موجب میں ہو (کلام موجب وہ جملہ یا گفتگو کہلاتی ہے جس میں نفی نہیں استفہام کا ذکر نہ ہو) جیسے جَاءَ نَبِي الْقَوْمِ اِلَّا زَيْدًا۔

(۲) مستثنیٰ خلاف ترتیب اپنے مستثنیٰ منہ سے پہلے آگیا جیسے ماجاء نبي اِلَّا زَيْدًا اَحَدًا چاہے مستثنیٰ متصل رہے یا منقطع نیز کلام موجب رہے یا کلام غیر موجب جیسے جاء نبي الا زَيْدًا الْقَوْمُ (متصل کی مثال) جاء نبي الا حَمَارًا الْقَوْمُ (منقطع کی مثال) جاء نبي الا زَيْدًا الْقَوْمُ (موجب کی مثال) ماجاء نبي الا حَمَارًا الْقَوْمُ (کلام غیر موجب کی مثال) گویا خلاف ترتیب ہونے پر ہر صورت مستثنیٰ کا نصب طے ہے۔

(۳) مستثنیٰ منقطع ہو تو بھی ہمیشہ منصوب ہوگا خواہ کلام موجب ہو یا غیر موجب جیسے جاء نبي الْقَوْمِ الا حَمَارًا مثال ہے کلام موجب کی ماجاء نبي الْقَوْمِ الا حَمَارًا (مثال ہے کلام غیر موجب)۔

(۴) مستثنیٰ خلا کے بعد آئے تب بھی اکثر علماء اس کو منصوب پڑھنے کو کہتے ہیں۔

(۵) ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لایکون کے بعد اگر مستثنیٰ آگیا تو بھی ہمیشہ منصوب ہوگا۔

فائدہ: خلا اور عدا میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوگا نہ کہ منصوب اور یہ حروف جر میں سے ہیں جو حضرات ان کے بعد منصوب پڑھتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ فعل ماضی کے صیغے ہیں، چنانچہ خَلَا يَخْلُو خُلُوًا بمعنی گذرنا اور تجوز کرنا

یعنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کے معنی میں آتا ہے اور اسی معنی میں عَدَا يَغْلُو عَدُوًّا ہے تو جب یہ فعل ہوں گے ان کے بعد آنے والا مستثنیٰ مفعول بہ بننے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور رہا ان کا فاعل تو وہ مصدر بنے گا جو بھی ان سے پہلے والے فعل کا ہوگا جیسے جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ خَلَا زَيْدًا اس کی اصل جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ خَلَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا نکلے گی اس میں القوم ذوالحال اور خَلَا فعل فاعل اور زَيْدًا مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر القوم کا حال بن جائے گا یہی بات عَدَا کے بارے میں بھی سمجھو دونوں مثالوں کا ترجمہ اس طرح ہے آئے میرے پاس لوگ درآں حالانکہ ان کا آنا زید سے ہٹ کے تھا۔

فَانْدَهُ: مَا خَلَا مَا عَدَا ان دونوں کے بعد مستثنیٰ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان پر داخل ہونے والا مصدر یہ ہے جو ہمیشہ فعل کے ساتھ آتا ہے لہذا یہ دونوں فعل بن گئے اور ان کے بعد آنے والا مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا پھر عبارت کا جوڑ بٹھانے کے لئے مَا خَلَا مَا عَدَا کو شکل مصدر کر کے ان سے پہلے ایک مضاف مان لیں گے جیسے جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ مَا خَلَا زَيْدًا مَا عَدَا زَيْدًا ان کی اصلی عبارت جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ وَقْتُ خُلُوتِهِمْ مِنْ زَيْدٍ اور وَقْتُ عَدْوِهِمْ مِنْ زَيْدٍ نکل جائے گی ترجمہ یوں ہوگا آئے لوگ اپنے تجاوز کرنے کے وقت زید سے یعنی جب وہ آئے تو زید ان میں نہیں تھا کیوں کہ تجاوز کے معنی آگے بڑھنے کے آتے ہیں تو جب قوم زید سے آگے بڑھ گئی تو زید ان سے پیچھے رہ گیا تو وہ ان کے ساتھ آنے میں نہ رہا جس کا سیدھا مطلب یہی ہے کہ لوگوں کے آنے کے وقت زید ان میں شامل نہ تھا اور نِسْ لایکون کے بعد مستثنیٰ کا منصوب ہونا ایک ظاہر یا ہر چیز ہے کیونکہ یہ دونوں افعال ناقصہ ہیں مستثنیٰ ان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو جائے گا۔

سوال ان کا فاعل کیا چیز رہے گی جواب ان سے پہلے جو بھی فعل آئے گا اس کے مصدر سے اسم فاعل بنا کر اس کو ان کا فاعل کہیں گے جیسے جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ لَيْسَ زَيْدًا اس کی اصل عبارت جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ لَيْسَ الْحَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا بنے گی آئے میرے پاس لوگ درآں حالانکہ نہیں تھا ان میں سے آنے والا زید نام کا آدمی پھر لَيْسَ اور لَا يَكُونُ اپنے اسم و خبر سے مل کر مستثنیٰ منہ کا حال بن جائیں گے اور مستثنیٰ منہ ان کا ذوالحال ہو جائے گا۔

دوم آنکہ مستثنیٰ بعد الا در کلام غیر موجب واقع شود: دوسری شکل مستثنیٰ کے اعراب کی یہ ہے کہ مستثنیٰ اس حال میں ہو کہ وہ الا کے بعد کلام غیر موجب میں آرہا ہو اور اس کے ساتھ اس کا مستثنیٰ منہ بھی موجود ہو تو اس طرح کے مستثنیٰ میں دو صورت جائز ہے۔

(۱) علیٰ سبیل الاستثناء ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھیں، چونکہ ال عرب کے یہاں فعل کے بعد دوسرے نمبر پر آنے والی چیز مرفوع پڑھی جاتی ہے اور تیسرے نمبر پر آنے والی منصوب اس لئے جب ہم استثناء کریں گے خواہ کہیں بھی کریں وہاں مستثنیٰ تیسری جگہ پڑھیں ہونے کی وجہ سے جو مفعول کی جگہ ہے نصب ہی کو چاہے گا الا یہ کہ کوئی خاص وجہ بن جائے بہر حال استثناء کا تقاضہ مستثنیٰ کو منصوب پڑھوانے کا ہوتا ہے اس لئے استثناء کی شکل میں مستثنیٰ کو منصوب ہی ہوگا۔

(۲) مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل البعض قرار دیا جائے کیونکہ بدل اور مبدل نہ کا اعراب ایک ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ

مشکل کے مد نظر بدل ہوتا ہے اور مبدل منہ کو بولنے میں محض واسطہ بناتا ہے اس لئے حقیقی فاعل وہ بدل ہی بنتا ہے اس لئے جو اعراب مبدل منہ کا بنتا ہے اسی اعراب کا مستحق بدل بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بدل مبدل منہ کا اعراب سب جگہ ایک ہی ہوا کرتا ہے لہذا بدل کی شکل میں مستثنیٰ کا اعراب مبدل منہ والا ہوگا جیسے مَا جَاءَ نِيَّ اَحَدًا اِلَّا زَيْدًا وَاِلَّا زَيْدًا اس مثال میں اگر زَيْدًا کا اَحَدًا سے استثناء کرو گے تو منصوب پڑھا جائے گا اور بدل بناؤ گے پھر اَحَدًا کی طرح مرفوع پڑھا جائے گا اور بدل بعض بنے گا۔

سوم آنکہ مستثنیٰ مفعول باشد: یہ مستثنیٰ کی تیسری حالت ہے جس کا اعراب یہاں سے بتا رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ مفعول ہو اور کلام غیر موجب ہو تو اب مستثنیٰ کا اعراب وہ ہوگا جو اس سے پہلے عامل کا تقاضہ ہوگا رفع کا تقاضا ہو اور مرفوع پڑھیں گے نصب کا ہو منصوب پڑھیں گے جہاں ہو تو مجرد پڑھیں گے۔

فائدہ: مستثنیٰ مفعول ایسے مستثنیٰ کو کہتے ہیں جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو ایسی جگہ میں چونکہ مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ کی جگہ سنبھال لیتا ہے اس لئے وہ اس کے حکم میں ہو جاتا ہے اور مستثنیٰ منہ کا اعراب ہمیشہ اپنے سے پہلے عامل کے تابع ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے عامل ہوتا ہے ویسے ہی رفع یا نصب یا جر اس کا عمل بن جاتا ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ نہیں ہے تو مستثنیٰ ہی اس کے اعراب کو لے گا **سوال:** مستثنیٰ مفعول کا کیا مطلب ہے **جواب:** مفعول تفریح سے بنا جس کے معنی خالی کرنے کے آتے ہیں تو چونکہ اس قسم کے مستثنیٰ میں عامل مستثنیٰ منہ کو چھوڑ کر مستثنیٰ کے لئے خالی ہو جاتا ہے اس لئے اس کا نام مستثنیٰ مفعول ہو گیا۔

سوال: مستثنیٰ تو وہ ہے جس کے لئے خالی ہو اور جو خالی ہو وہ عامل ہے لہذا عامل کو مفعول اور مستثنیٰ کو مفعول نہ کہنا چاہئے تھا اور کہہ رہے ہو مستثنیٰ کو جو غلط ہے **جواب:** جی ہاں تسلیم ہے کہ واقعی عبارت میں تسامح اور کمی ہے مفعول کے ساتھ لہذا اور بڑھالو تو بات بن جائے گی کیونکہ اب مفعول اسی کو کہنا پایا جائے گا جس کو کہنے کا حق ہے فلا اشکال۔

سبق پنجاہ و سوم

چهارم آنکہ مستثنیٰ بعد لفظ غَيْرِ وَسَوَىٰ وَسِوَاً وَاَقْعُ شَوْدِ پس مستثنیٰ را مجرد خوانند و بعد حاشا بر مذہب اکثر نیز مجرد باشد و بعضی نصب ہم جائز داشته اند چون جَاءَ نِيَّ الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ وَسِوَىٰ زَيْدٍ وَحَاشَا زَيْدٍ و بدانکہ اعراب لفظ غَيْرِ مثل اعراب مستثنیٰ بالا باشد در جمیع صورتہائے مذکورہ چنانکہ گوی جَاءَ نِيَّ الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ وَغَيْرِ جَمَارٍ و مَا جَاءَ نِيَّ غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ و مَا جَاءَ نِيَّ اَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ وَغَيْرِ زَيْدٍ مَا جَاءَ نِيَّ غَيْرِ زَيْدٍ و مَا رَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ و مَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ و بدانکہ لفظ غیر موضوع است برائے صفت و گاہ برائے استثناء آید چنانکہ

البرائے استثناء موضوع است و گاہ در صفت مستعمل شود نحو قوله تعالى لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا یعنی غیر اللہ وہم جنیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

توجہ - چوتھے وہ کہ مستثنیٰ لفظ غیر اور بسوی اور سوائے کے بعد آئے پس مستثنیٰ کو مجرور پڑھتے ہیں اور حاشا کے بعد بھی اکثر کے مذہب پر مجرور ہوگا اور بعضے نصب بھی جائز رکھتے ہیں جیسے جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ غَيْرَ زَيْدٍ وَسَوَاءَ زَيْدٍ وَحَاشَا زَيْدٍ (سب کا ترجمہ یہ ہوگا آئے میرے پاس لوگ علاوہ زید کے) اور جان تو کہ لفظ غیر کا اعراب مستثنیٰ بالآ کے اعراب کی طرح ہوگا مذکورہ تمام شکلوں میں جیسا کہ کہے گا تو (۱) جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ غَيْرَ زَيْدٍ (۲) جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ غَيْرَ جَمَادٍ (۳) مَا جَاءَ نَبِيُّ غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمِ (۴) مَا جَاءَ نَبِيُّ أَحَدٍ غَيْرَ زَيْدٍ وَغَيْرَ زَيْدٍ (۶) مَا جَاءَ نَبِيُّ غَيْرَ زَيْدٍ أَوْ مَا رَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ وَمَا مَرَزْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ اور جان تو کہ لفظ غیر بنایا تو گیا ہے صفت کے واسطے اور کبھی استثناء کے واسطے آجاتا ہے جیسا کہ اِلَّا استثناء کے واسطے طے کیا گیا ہے اور کبھی صفت میں مستعمل ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا میں مراد غیر اللہ ہے اور اسی طرح لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔

حل مضمون - پہلے تفصیل آچکی ہے کہ مستثنیٰ پر کئی اعراب آسکتے ہیں کبھی رفع کبھی نصب کبھی جر اور یہ کئی اعراب آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کئی طرح کا ہوتا ہے کبھی متصل اور کبھی منفصل اور کبھی کلام موجب میں اور کبھی غیر موجب میں ایسے ہی کبھی مفرغ ہوتا ہے کہ اس کا مستثنیٰ منہاں کے ساتھ نہیں آتا ایسے ہی کبھی حاشا خلا کے بعد آتا ہے تو کبھی لیس لایکون کے بعد اور بسوی سوائے کے بعد تو مستثنیٰ کا کب کیا اعراب ہوگا اس کی تین شکل پچھلے اسباق میں بیان ہو چکی ہیں اس سبق میں مستثنیٰ کی چوتھی صورت کا بیان ہے۔

چهارم آنکہ مستثنیٰ: یعنی جب مستثنیٰ غیر اور بسوی اور سوائے کے بعد آوے تو اس کو مجرور پڑھیں گے حاشا کے بعد مستثنیٰ کے اعراب میں دو قول ہیں (۱) حاشا حرف جر ہے اس کے بعد جر آوے گا اور یہی اکثر کا مذہب ہے چنانچہ حروف جر سترہ ہیں ان میں حاشا کا بھی ذکر آتا ہے۔

بَارِئًا وَكَافٍ وَوَاؤٌ مُنْذٌ مُنْذٌ خَلَا ☆ رَبُّ حَاشَا مِنْ عَذَابِي عَنْ عَلِيٍّ حَتَّىٰ إِلَىٰ

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ حاشا کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا بوجہ مفعول بہ ہونے کے کیونکہ حاشا فعل متعدی جس میں ضمیر پوشیدہ ہے اور ما بعد جو مستثنیٰ بنے گا مفعول بہ ہو جائے جیسے ضَرَبَ الْقَوْمَ عَمْرًا حَاشَا زَيْدًا جس میں بتانا یہ ہوتا ہے کہ مستثنیٰ منہ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا مستثنیٰ اس سے الگ ہے اور حاشا کی ضمیر کا مرجع اس مثال میں ضَرَبَ الْقَوْمَ بنے گا کہ لوگوں نے جو عمر کی پٹائی کی زید اس سے بچ گیا، یعنی قوم کی پٹائی زید سے جدا اور الگ رہی اسی طرح کا استعمال وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء میں ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِمَنْ سَمِعَ دُعَايَ حَاشَا الشَّيْطَانِ. کہ اے اللہ میری اور میری دعاء سننے والے کی مغفرت فرما شیطان کو چھوڑ کر۔

بدانکہ اعراب لفظ غیر: ابھی چوتھی صورت میں غیر بسوی سوائے کے بعد جو مستثنیٰ آئے گا اس کو مجرور بتایا ہے تو

مستثنیٰ تو ان سب کے بعد مجرور ہو جائے گا لیکن خود ان لفظوں کا کیا اعراب بنے گا اس کی تفصیل بتلاتے ہیں۔
تو یاد رہے کہ بیسوی اور مساویٰ اپنے مابعد کو مجرور کر کے خود منصوب رہیں گے اور سمجھے جاویں گے لیکن غیور میں تفصیل ہے ایک تفصیل تو یہ ہے کہ یہ کبھی اپنے ہی معنی میں رہتا ہے اور کبھی الّا استثنائیہ کے معنی میں آتا ہے جب یہ اپنے ہی معنی میں رہے یعنی برائے صفت ہونے کے برائے استثناء تب تو غیر کا اعراب اپنے سے پہلے موصوف کے مطابق رہے گا کیونکہ غیر جب صفت کے لئے ہو تو یہ اپنے ماقبل کی صفت بنے گا جو اعراب اس کے موصوف کا وہی اس کا ۱۲

لیکن جب یہ الّا استثنائیہ کے معنی میں ہو تو اب غیر کا اعراب اسی طرح مختلف آتا ہے جس طرح الّا استثنائیہ کے بعد مستثنیٰ کا اعراب الگ الگ ہوتا ہے جس کی تفصیل آچکی ہے (غیر صفیہ اور غیر بمعنی الّا استثنائیہ کا مطلب عنقریب آرہا ہے) بہر حال غیور جب الّا استثنائیہ ہو تو یہ اپنے مابعد (مستثنیٰ) کو مجرور کر کے اس کے اعراب کو خود لے لیا گا، اس چوتھی شکل کے علاوہ جس میں مستثنیٰ مساویٰ غیر کے بعد مجرور ہوتا ہے کیوں کہ چوتھی شکل میں غیر اپنے سے پہلے جس کی صفت بنے گا اس کے مطابق ہی اس کا اعراب ہوگا۔ مستثنیٰ کے اعراب کی تین شکلیں اور آچکی ہیں (۱) مستثنیٰ منصوب ہوگا جس کی تین صورتیں ہیں (۱) مستثنیٰ کلام موجب میں ہو جیسے جَاءَ نَبِيُّ الْقَوْمِ إِلَّا زَيْدًا (۲) مستثنیٰ مقدم ہو جائے جیسے مَا جَاءَ نَبِيٌّ إِلَّا زَيْدًا أَخَذَ (۳) مستثنیٰ منقطع ہو جیسے مَا جَاءَ نَبِيٌّ إِلَّا زَيْدًا ان تینوں مثالوں میں اگر غیور کو الّا کی جگہ رکھیں تو غیر ان سب مثالوں کے مستثنیٰ کو مجرور کر کے خود منصوب پڑھا جائے گا۔

(۲) مستثنیٰ میں استثناء اور بدل والادونوں اعراب درست ہوں یہ جب ہوگا جب کہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں آوے اور مستثنیٰ بھی مذکور ہو جیسے مَا جَاءَ نَبِيٌّ إِلَّا زَيْدًا اور زَيْدًا اس شکل میں اگر الّا کی جگہ غیر لادیں گے تو اس کے بعد آنے والا زید تو مجرور ہوگا اور خود غیور کو یا تو علی سبیل الاستثناء منصوب پڑھیں گے یا علی سبیل البدل مرفوع پڑھیں گے۔
(۳) مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل ہو یہ وہاں ہوگا جب مستثنیٰ منہ لانا چھوڑ دیا گیا ہو اور جب مستثنیٰ منہ نہیں لایا گیا تو عمل سیدھا مستثنیٰ پہ مان لیا گیا جیسے مَا جَاءَ نَبِيٌّ إِلَّا زَيْدٌ وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا وَمَا مَرَدتُ إِلَّا بَزِيدًا، ان مثالوں میں اگر الّا کی جگہ غیر رکھیں تو غیر مرفوع منصوب مجرور تین طرح پڑھا جائے گا اور اس غیر کا مابعد بوجہ مضاف الیہ ہونے کے فقط مجرور ہی ہوں گے چنانچہ مَا جَاءَ نَبِيٌّ غَيْرُ زَيْدٍ، مَا رَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ وَمَا مَرَدتُ غَيْرَ زَيْدٍ۔

بہر حال جب غیور الّا استثنائیہ کے معنی میں لیا جاتا ہے تو مستثنیٰ والی تبدیلیاں غیور پر کرنی پڑتی ہیں اور مستثنیٰ تمام ہی شکلوں میں غیر کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہی پڑھا جائے گا۔

بدانکہ لفظ غیر موضوع است بوائے صفت یہاں سے بتاتے ہیں کہ غیر اصلاً تو صفت کے لئے وضع اور طے ہوا ہے گو کبھی استثناء کے لئے بھی استعمال کر لیتے ہیں اور الّا میں اس کا الّا ہے کہ وضع تو اس کی برائے استثناء ہے گو کبھی صفت کے لئے بھی لے لیا جاتا ہے، اتنی بات جاننے کے بعد اب صفت اور استثناء کا مطلب اور فرق سمجھنا ہے تاکہ یہ

پہچان آسان ہو کہ کہاں غیو اپنے صفتی معنی چھوڑ کر استثناء معنی میں لے لیا جاتا ہے اور کہاں الا کو اس کے استثنائی معنی سے ہٹا کر برائے صفت لے لیا جاتا ہے چنانچہ ہماری کتاب میں، آیت کریمہ اور کلمہ طیبہ میں الا کو اس کے اصلی معنی استثناء میں رکھنا درست نہ تھا اس لئے غیر صفتیہ کے معنی میں لینا طے ہو گیا۔

صاحب شرح جامی نے اس کا ایک ضابطہ اور اصول بتایا ہے جہاں الا استثنائیہ برائے استثناء لینے کے بجائے صفتیہ لینا پڑے گا۔ پہلے ہم اس قاعدہ کو ذکر کر دیں اس سے استثنائیہ اور صفتیہ کا مطلب سمجھنے میں مدد ملے گی۔

صاحب شرح جامی فرماتے ہیں کہ زیادہ تر الا استثنائیہ کو صفتیہ وہاں کرنا پڑے گا جہاں الا ایسی جمع کے بعد آوے جو جمع نکرہ ہو یعنی اس پر الف لام استغراقی یا عہد خارجی کا نہ ہو کیونکہ الف لام استغراقی اپنے مدخول کے سارے افراد کو حاوی ہوتا ہے اب جو مستثنیٰ ہو گا وہ اس سے باہر نہ ہو گا اور استثناء کر سکنے کی شکل بن جائے گی، اور یہی بات ہے عہد خارجی میں کیونکہ الف لام عہد خارجی میں بھی اس کے مدخول سے جو افراد مراد لئے جاتے ہیں وہ باہر کی دنیا میں متعین ہوتے ہیں لہذا یہاں دیکھیں گے کہ مستثنیٰ جس کو کیا جا رہا ہے مستثنیٰ منہ میں سے ہے یا نہیں اگر ان میں سے ہو گیا تو استثناء متصل بن جائے گا ورنہ منقطع مثلاً ان الانسان لفسی خسر الا الذین آمنوا میں الانسان سے جب ہر شخص مراد ہو ہندوستان کا ہو عرب کا ہو افریقہ کا کہیں کا بھی بلکہ پوری دنیا میں سے کہیں کا بھی ہو تو اس میں الف لام استغراقی کا ہو اور اگر الف لام خارجی مراد لیں تو اس الف لام کے مدخول سے اگر ایسے افراد مراد لئے جائیں گے کہ خود مستثنیٰ بھی ان افراد میں سے ہی ہو تو استثناء ہو سکے گا مثلاً ذہب الا خوة الا عابدان میں اگر الا خوة میں عابد بھی ذہن میں ہو تو استثناء متصل بنے گا اور اگر ان میں نہیں ہے تو منقطع ہو جائے گا گویا استثناء صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بالیقین یوں معلوم ہو کہ مستثنیٰ جس کو نکال رہے ہیں وہ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے یا بالیقین داخل نہیں ہے اگر بالیقین داخل ہے تو مستثنیٰ متصل بن جائے گا ورنہ منقطع استثناء متصل اور منقطع کی تعریف میں دو قول ہیں:

(۱) اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس اور کوالٹی سے ہو تو متصل ورنہ منقطع۔

(۲) مستثنیٰ اگر متکلم مخاطب کے لحاظ سے مستثنیٰ منہ میں داخل ہے تو یہ استثناء متصل ہو گا ورنہ منقطع جنس میں سے ہونے نہ

ہونے کا کوئی اعتبار نہیں رہے ۱۲۔

اور جہاں صورت یہ بن جائے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں سے ہونا طے کرنا مشکل ہے تو ایسی جگہ استثنائی معنی چھوڑ کر الا کو غیر کے معنی میں لے لیں گے اور یہ وہیں ہو گا جہاں الا سے پہلے ایسی جمع نکرہ کی صورت میں آجائے کہ اس کے افراد گول مول ہوں یہ طے نہ ہوں کہ کتنے مراد ہیں اور کون سے گویا یہ جمع مہملہ کے درجہ میں ہو جائے گی مہملہ منقطع میں اس قضیہ اور جملہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر کل یا بعض لگا کر افراد کا حصر نہ کیا گیا ہو بلکہ معاملہ گول مول رہے جسے کہیں انسان پڑھے لکھے ہیں علاوہ خالہ اور محمود کے اس میں معلوم نہیں کہ خالہ اور محمود انسان میں سے استثناء ہے یا نہیں۔ کیوں کہ لکھے ہونے کا حکم بہم اور غیر متعین انسانوں پر ہے جس کی وجہ سے خالہ اور محمود کے دخول اور عدم دخول کا فیصلہ مشکل ہے۔

بہر حال آیت کریمہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ مِثْلُ اللَّهِ تَعَالَى كَاللَّهِ فِي الْفَلَمِ هِيَ نَهِيں ہے جو استغراق یا عہد خارجی مان لیں اور اللہ بھی اللہ میں داخل ہو جائے لہذا کلمہ طیبہ اور آیت کریمہ دونوں میں الا بمعنی غَيْرُ لیا جائے گا اور اللہ غَيْرُ اللَّهِ اور لا إِلَهَ غَيْرُ اللَّهِ اصل عبارت بنے گی، بہر حال جب استثناء محذوڑ اور مشکل ہو جائے اس وجہ سے کہ یہ جاننا دشوار ہو جائے کہ آیا مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل ہے یا نہیں تو وہاں الا بمعنی غَيْرُ ہوگا اور بجائے استثناء کے صفت کے لئے مانا جائے گا۔

اور صفت کے لئے مانے جانے کا مطلب دراصل یہ ہوتا ہے کہ بس مستثنیٰ ہی میں وہ صفت اور بات ہے مستثنیٰ منہ میں سے سرے سے وہ بات ہے ہی نہیں اور جب الا اپنے استثنائی معنی میں ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ہو تو سکتی ہے دونوں میں مگر ثابت ایک کے لئے ہے جیسے لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں الا بمعنی غیر لے کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ معبود اور خدا ہونے کی صفت صرف اور صرف اللہ میں ہے اس کے غیر میں نہیں، اور مستثنیٰ کی اپنے مستثنیٰ منہ سے الگ حیثیت ہے اور گویا وہ مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ میں داخل ہونے کے لائق نہیں ہے چنانچہ اہل عرب کا استعمال اس پر شاہد ہے جَاءَ نِي الْقَوْمِ غَيْرُ أَصْحَابِكَ (آئے میرے پاس لوگ علاوہ تیرے ساتھیوں کے) اس میں غیر کو جب مرفوع پڑھیں گے تو القوم کی صفت بنے گا اور اصحاب قوم میں سے نہ ہوں گے اور جب غیر منصوب پڑھیں گے تو غیر برائے استثناء ہوگا اور اصحاب قوم میں شمار ہو کر پھر نکلیں گے۔

ایسے ہی اہل عرب کا قول لِفُلَانٍ عَلَيَّ دِرْهَمٌ غَيْرُ دَانِقٍ (کہ فلاں کا مجھ پر ایک درہم ہے مکمل نہ کہ فقط دانیق) دانیق ایک سکہ ہے جو درہم کے چھٹے حصے سے بنتا ہے، تو اس مثال میں جب غیر کو مرفوع پڑھیں گے تو یہ درہم کی صفت بنے گا اور درہم دوانیق کا تقابل دکھلانا ہے کہ میرے ذمہ مکمل درہم ہے خالی دانیق نہیں ہے اور جب غیر کو منصوب پڑھیں گے تو اب یہ برائے استثناء ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ میرے ذمہ فلاں کا درہم ہے دانیق نکال کر یعنی مکمل درہم میرے ذمہ نہیں ہے دانیق چھوڑ کر جو پانچ حصے بچتے ہیں وہ میرے ذمہ ہے اب دانیق کا درہم سے استثناء پایا جائے گا، تو خلاصہ یہ ہے کہ استثناء میں تو مستثنیٰ کا اپنے مستثنیٰ منہ میں سے نکلنا اور الگ ہونا سمجھ میں آتا ہے اور صفت میں دونوں مد مقابل ہوتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ اور کلمہ طیبہ دونوں میں یہ ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کا غیر صفت الوہیہ سے متصف ہوتا ہی نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ ہر کسی سے یہ صفت منفی اور سلب شدہ ہے ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے غیر کے لئے صفت الوہیت ثابت ہو کر پھر اس کی نفی کی گئی ہو ورنہ کما حقہ وحدانیت اول وہلہ سے ہی ثابت نہ ہوگی لَا تَقْتَبِي إِلَّا عَلَيَّ اور لَا سَيِّفٌ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ، جیسی مثالوں میں بھی الا بمعنی غیر اور صفتیہ ہے۔

ملاحظہ: یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آیت اور کلمہ دونوں میں جب الا کو غیر کے معنی میں لے لیا تو اصلاً اعراب غیر پر ظاہر ہوا کرتا ہے اور غیر کا مابعد مجرور ہوتا ہے لیکن یہاں چونکہ عبارت میں بجائے غیر کے خود الای موجود ہے اور الا بھی صفتیہ ہے اس لئے اعراب بجائے الا پر ظاہر ہونے کے اس کے مابعد پر ظاہر ہوا یعنی لفظ اللہ پر تو خود الا مرفوع ہونے کے بجائے اس کے مابعد کو رفع آیا ہے چونکہ صورتہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ بن رہے ہیں اور استثناء میں اعراب خود مستثنیٰ پر ہی دیکھا کرتا ہے۔

خدا ہے اور صرف ایک ہے

اقساماً للفائدة: یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی خدا ہے اور اس کا بنانے والا ہے اور اس بات کے تسلیم کئے بغیر عقلاً چارہ نہیں ہے چنانچہ ہم اس کی عقلی دلیل بیان کرتے ہیں جس کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں تین حال سے خالی نہیں (۱) واجب (۲) ممتنع (۳) ممکن جس چیز کا وجود ہی ضروری ہو وہ تو واجب الوجود کہلاتی ہے کیونکہ اگر اس کا وجود نہ ہو تو کوئی نہ کوئی خرابی یا محال لازم آتا ہو اور جس چیز کا عدم ضروری ہو اس کو ممتنع الوجود کہتے ہیں کیونکہ اس کا وجود ماننے پر کوئی محال یا خرابی لازم آتی ہے چنانچہ جس ذات کا وجود واجب ہے وہ اللہ ہے جس نے اس کائنات کو بنایا اسے اگر نہ مانیں تو آخر یہ دنیا بنی کیسے؟ جیسا کہ آگے ہم بتائیں گے اور جس کا عدم ضروری ہے وہ ہے شریک باری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کوئی شریک سا بھی نہیں ورنہ لو کان فیہما الہة یعنی جھگڑا فساد پیش آتا اور فساد ہے نہیں جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں تو خدا بھی متعدد اور کئی نہیں ہیں لہذا توحید اور اللہ کا ایک ہونا ثابت، اور تیسری چیز ممکن ہے ممکن اسے کہتے ہیں کہ جس کا نہ وجود ضروری اور نہ عدم ہو جائے تو بھی ٹھیک نہ ہو تو بھی ٹھیک یعنی اس کے ہونے نہ ہونے پر کوئی محال لازم نہ آوے جیسے کہ خدا کے نہ ہونے پر اور اس کے شریک کے ہونے پر محال لازم آتا ہے تو خدا کا شریک ممتنع الوجود ہے ورنہ فساد دنیا اور اس کی تباہی پیش آجاتی اب رہی یہ بات کہ خدا اور واجب الوجود کا ہونا ہی کیوں ضروری ہے اس کے نہ ہونے پر کیا محال اور خرابی ہے تو اس کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ جو چیز ممکن ہو یا اس کا نہ وجود ضروری نہ عدم بلکہ تساوی الوجود والعدم ہو تو اس کے لئے کسی مرجح کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جو اس کی ایک جانب کو ترجیح دے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کی تمام اشیاء ممکنات میں سے ہیں یعنی نہ ان کا وجود ضروری اور نہ عدم تو ان کو وجود ہو واوہ آخر کسی مرجح اور اسی ذات کے ذریعہ ہوا ہو گا جو واجب ہو اور ممکن نہ ہو یعنی اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو تو ہر ممکن کو اپنے وجود میں آنے کے لئے کوئی نہ کوئی درکار ہے کیونکہ ممکن کو ممکن نہیں بنا سکتا اور نہ ممتنع بنا سکتا ہے اس لئے مختصر یہ کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ کوئی واجب ایسی ذات مانیں جو خود واجب الوجود ہو یعنی از خود ہی اس کا وجود ہوا سے کسی نے نہ بنایا ہو اور پھر اس کے ذریعہ یہ کائنات عدم سے وجود میں آئی ہو اور وہ وہی ذات ہے جس کو اللہ کہتے ہیں کیونکہ اگر اللہ کو بھی ممکن کہیں یعنی کہ وہ کسی کے بنانے سے بنا ہے تو پھر سوال ہو گا کہ جس نے اللہ کو بنایا اس کو کس نے بنایا پھر اس کو کس نے بنایا تو اس لئے سلسلہ توڑنے کے لئے اخیر میں ایسی ذات مانتی ہی پڑے گی جو کسی نے نہیں بنائی بلکہ اسی نے سب کو بنایا، یہ دلیل ہے اس بات کی کوئی نہ کوئی ہستی واجب الوجود ہے اور وہ وہی ہے جس کو خدا یا اللہ بولتے ہیں خدا یہ واجب الوجود ہی کا ترجمہ ہے کیونکہ فارسی میں آمدن سے آ امر کا واحد حاضر ہے اور لفظ خود لگا کر خود آ تھا پھر تخفیفاً خدا کر دیا۔

دلیل وحدانیت

اب یہ کہ اللہ ایک ہی کیوں ہے دو کیوں نہیں ہو سکتے تو اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نفوذ باللہ اگر ہم دو خدا مان لیں تو یا دونوں طاقت میں برابر ہیں یا کم زیادہ تو جو کم ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا لہذا اللہ ایک ہی رہا اور اگر کہیں کہ دونوں طاقت میں برابر ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ آیا وہ ایک دوسرے کے خلاف کر سکتے ہیں یا نہیں مثلاً ایک ارادہ کرے رات کرنے کا اور دوسرا دن بنانے کا تو اب اگر دونوں کی مراد پوری ہو جائے تو اجتماع ضدین لازم آئے گا جو محال ہے۔

اور جو مستلزم ہو محال کو وہ خود بھی محال ہو جاتا ہے لہذا ایسا ہو نہیں سکتا کہ دونوں کی مراد پوری ہو جائے اور بیک وقت ایک ہی جگہ میں دن رات بنجائیں اور اگر کوئی دوسرے کے خلاف کا ارادہ نہیں کر سکتا تو جو نہیں کر سکتا وہ عاجز اور جو کر سکتا ہے وہ خدا رہا لہذا اب بھی خدا ایک ہی رہا یہاں یہ دلیل بھی نہیں چل سکتی کہ دونوں خدا اتفاق سے کام کرتے ہوں کیونکہ اتفاق اگر بوجہ کمزوری کے ہے تو خدا نہیں ہو سکتا اور اگر قوت ہوتے ہوئے ہے تو اتفاق کا محتاج کیوں ہے نیز اگر ایک ہی چیز دو خدا کی مانیں تو سوال یہ ہے کہ اس چیز میں دونوں کی طاقت ضرورت ہے تب تو دونوں ہی خدا نہیں اور اگر ایک ہی کی ضرورت ہے تو دوسرا خدا بیکار ٹھہرا اس لئے با اختیار خدا بس ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ - ضدین اور نقیضین میں فرق ہے: اگر دو چیزوں میں سے ایک کے وجود پر دوسرے کا عدم یا ایک کے عدم پر دوسرے کا وجود ضروری ہو جیسے طاق اور جفت یا ون رات تو وہ نقیضین کہلاتی ہیں اور اگر وہ دو چیزیں صرف ایک وقت جمع نہ ہو سکیں تو وہ ضدین ہیں یہاں ہو سکتا ہے کہ دونوں معدوم ہو جائیں جیسے سیاہ اور سفید جمع نہیں ہو سکتے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز نہ سفید ہو نہ سیاہ بلکہ زرد ہو تو اجتماع تو محال ہے عدم دونوں کا محال نہیں ہے اور نقیضین میں دونوں ہی محال ہوتے ہیں۔

قد تمّ هذا الكتاب بحمد الله وعونه وتوفيقه في مُنْسَخِ شهر ذى الحجة سنة ثلثين واربعمائة بعد الالف من الهجرة النبوية على صاحبها التسليم والتحية صباح يوم الجمعة، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلّم على المرسلين والحمد لله رب العلمين.

العبد الراجي رحمة الله

ابو يحيى محمد زاهد بن محمد اسمعيل المظاهري

عميد "الشؤون التعليمية" بمدرسه رحمة للعلمين

الواقعة بقريه "تَرْفُوَة" مكتبة البريد بتھير كلاں عن طريق چلكانه

بمديرية سهار نفور بولاية اتر ابراديش الهند

اداره فيضان حضرت گنگوئي رح

الموافق ۲۰۰۹/۱۲/۱۸ من الميلااد يوم الجمعة المباركة

علم صرف کی حقیقت

یا

خلاصہ

علم صرف کی حقیقت یا خلاصہ

جہاں تک علم صرف میں بصیرت اور اس کی حقیقت سے آگہی کی بات ہے تو وہ فقط تین کتابیں ”میزان مشعب“ پنج گنج، علم الصیغہ“ سے حاصل ہو سکتی ہے بلکہ صرف علم الصیغہ سے بھی یہ بات ممکن ہے لیکن ذرا دشواری زیادہ ہوگی، علم صرف کے بارے میں جو کچھ اپنا تجربہ بتاتا ہے افادہ عام کی غرض سے اسے معرض تحریر میں لاتا ہوں

عقلی اعتبار سے کسی بھی بات کو کہنے کے لئے ہر زبان ہی میں اٹھارہ صیغہ درکار ہونے چاہئیں کیونکہ گفتگو جب کریں گے تو تین صورتیں ہیں جو بول رہا ہے یعنی متکلم اور جس سے گفتگو کر رہا ہے یعنی مخاطب اور جس کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے یعنی غائب پھر ان میں سے ہر ایک کی چھ صورت ہیں کیونکہ متکلم مرد ہوگا یا عورت پھر ایک ہوں گے یا دو دو یا زیادہ، اگر مرد ایک ہے تو واحد مذکر اور دو ہیں تو تثنیہ مذکر اور اگر زیادہ ہیں تو جمع مذکر یہی حال عورت ہونے کی شکل میں ہے کہ وہ ایک ہے تو واحد مؤنث دو ہیں تو تثنیہ مؤنث زیادہ ہیں تو جمع مؤنث تو متکلم کے لئے تین صیغے مذکر کے اور تین مؤنث کے اور پھر مذکر و مؤنث میں ہر ایک واحد تثنیہ جمع ہو کر چھ صیغے بن گئے، اس طرح (۱) مذکر واحد متکلم (۲) مذکر تثنیہ متکلم (۳) مذکر جمع متکلم (۴) مؤنث واحد متکلم (۵) مؤنث تثنیہ متکلم (۶) مؤنث جمع متکلم، بعینہ یہی چھ صیغے مخاطب کے ہوں گے کیونکہ مخاطب مذکر ہوگا یا مؤنث پھر ہر ایک واحد تثنیہ جمع ہوگا تو کل چھ ہو جائیں گے اور غائب کے بھی اسی طرح چھ صیغے ہوں گے کہ وہ غائب جس کے بارے میں گفتگو کر رہے ہوں گے یا تو مذکر ہوگا یا مؤنث، پھر مذکر مؤنث میں سے ہر ایک واحد ہوگا یا تثنیہ یا جمع، اور چھ کو تین جگہ کرنے سے کل اٹھارہ صیغے بن جاتے ہیں، مگر بعض زبانوں میں تو ان اٹھارہ کا کام صرف چھ ہی صیغے کر دیتے ہیں جیسا کہ فارسی میں کہ کل چھ صیغے ہیں اور غائب کا صیغہ خواہ مرد یا عورت دونوں کے لئے ایک ہی بولا جاتا ہے جیسے نشست، وہ بیٹھا، وہ بیٹھی، دونوں کے لئے ہے اور جمع کا صیغہ فارسی میں تثنیہ کے لئے بھی ہے جمع کے لئے بھی اور پھر مذکر کے لئے بھی یہی ہے اور مؤنث کے لئے بھی یہی ہے جیسے ”آمدند“، وہ آئے، دو مرد ہوں یا دو عورت، یا زیادہ مرد ہوں یا زیادہ عورتیں سب کے لئے یہی ”آمدند“، بولا جاتا ہے اور گفتگو میں کوئی نہ کوئی ایسی بات آگے پیچھے ضرور ایسی شامل ہوتی ہے کہ تنہا اس صیغہ کو تثنیہ مذکر یا جمع مذکر یا تثنیہ مؤنث یا جمع مؤنث غائب میں سے کسی کے لئے استعمال کر لو اشتباہ نہیں ہوتا ہے اور یہی حال اردو کے صیغوں کا بھی ہے جو غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔

لیکن عربی زبان میں اپنی وسعت کی وجہ سے چودہ صیغے چلتے ہیں غائب کے بھی پورے چھ ہیں، حاضر کے بھی پورے چھ ہیں متکلم کے صرف دو ہیں واحد، اور جمع، پھر واحد کا صیغہ مذکر اور مؤنث ہر دو کے لئے چلتا ہے اور جمع کا صیغہ چار کے لئے چلتا ہے ثنئیہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اسی طرح جمع خواہ مذکر ہو یا مؤنث سب کے لئے تنہا یہی صیغہ کام کرتا ہے اور قرائن اور کلام کے سیاق و سباق سے اصل مراد کے سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے، بہر حال پہلا کام تو علم صرف میں ان چودہ صیغوں کا معنی سمجھنا ہے۔

دوسرے نمبر پر یہ سمجھنا ہے کہ ہر زبان میں اصل مصدر ہوتا ہے پھر اس سے کبھی فعل ماضی بنے گی اور فعل ماضی میں کبھی ماضی مطلق کبھی ماضی قریب کبھی ماضی بعید کبھی ماضی استمراری اور کبھی ماضی احتمالی اور کبھی ماضی تمنائی کل چھ مانسیاں ہوتی ہیں، پھر ان میں معروف اور مجہول نیز منفی مثبت والے صیغے بنانے کا مسئلہ ہے۔

پھر یاد رکھنا ہے کہ ماضی مطلق معروف کا صیغہ واحد غائب تو بنا بنایا ہوتا ہے اس کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا ہے اہل زبان سے سماع ہی اس کی دلیل بنے گا باقی صیغوں کے لئے غائب حاضر متکلم نیز واحد ثنئیہ بنانے کی علامتیں لگائی جاتی ہیں، جس سے چودہ صیغے بنتے ہیں۔

پھر ماضی مطلق کے صیغوں میں کوئی اور اضافہ یا قید نہیں ہوتی ہے جیسا کہ باقی صیغوں میں کسی میں قد کسی میں کسان وغیرہ لگتا ہے اسی لئے اس کا نام ماضی مطلق رکھا کیونکہ مطلق بمعنی آزاد ہے کیونکہ یہ ماضی قید سے آزاد ہوتی ہے، چونکہ ماضی مطلق میں کوئی لفظ نہیں بڑھتا تو اس کے ترجمہ میں بھی کوئی بڑھوتری اردو میں نہیں آتی ہے اور جن صیغوں میں لفظ بڑھتا گیا تو اردو میں بھی ان کا ترجمہ بدلتا گیا چنانچہ ضَرَبَ کا ترجمہ ”اس نے مارا“ اور جب قَد لگا کر ماضی قریب بنائی اور قَد ضَرَبَ، کہا تو اردو میں ”ہے“ بڑھ کر ترجمہ ہو اس نے مارا ہے۔ اور جب ضَرَبَ پہ کَانَ لگایا تو ماضی بعید کَانَ ضَرَبَ ”بن جائے گی اور اردو میں“ تھا ترجمہ بڑھانا پڑے گا، چنانچہ کَانَ ضَرَبَ کا ترجمہ ہوگا اس نے مارا تھا۔

اور ماضی استمراری کے لئے مضارع پہ کَانَ لگائیں گے اور کَانَ يَضْرِبُ بولیں گے اور ترجمہ میں ”تاتھا“ بڑھ جائے گا اور ترجمہ ہوگا وہ مارتا تھا ماضی احتمالی کے لئے عربی میں نَعَلْ لگائیں گے اور ”ہوگا“ ترجمہ بڑھ جائے گا چنانچہ کہیں گے لَعَلَّ ضَرَبَ ”اس نے مارا ہوگا“ اور ”لیتما“ لگنے سے ماضی تمنائی بنے گی اور لیتما ضَرَبَ کہیں گے اور ترجمہ میں ”کیا اچھا ہوتا“ شامل کر لیں گے۔

پھر ماضی کی طرح مضارع کے صیغے بھی چودہ ہیں اور اس میں مَا اور لَا اور لَمْ اور لَنْ وغیرہ لگنے سے جو ترجمہ بدلتا ہے اس کی اچھی طرح پہچان ضروری ہے پھر آگے امر ونہی میں بھی یہی چودہ صیغے ہیں، لیکن اسم فاعل، اسم مفعول اور اسم تفضیل اور صفت مشبہ ان کے صرف چھ صیغے ہیں اور یہ بھی اٹھارہ کا کام کرتے ہیں ضمائر بدلنے سے کوئی اشتباہ استعمال میں نہیں ہوتا، لیکن اسم ظرف اور اسم آلہ کے صرف تین تین ہی صیغے آتے ہیں اور یہی کام دیتے ہیں۔

۱- بہر حال میزان میں جو کچھ ہے جس کی ہلکی سی جھلک ان گذشتہ سطور میں ہے اس سے واقفیت علم صرف کے طالب علم کے لئے بیک ضروری ہے۔

(۲) دوسری چیز علم صرف کے طالب علم کے لئے جس کے جانے بغیر چارہ نہیں ہے وہ ابواب کا مسئلہ ہے کیوں کہ مصدر اور اس کے معنی جان لینے کے بعد اس سے ماضی مضارع یا امر و نہی بلکہ اسم ظرف اور اسم فاعل و مفعول کی صحیح گردانیں اور درست صیغے جب ہی نکال سکتے ہیں جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس کا باب کیا ہے اسی لئے لغت کی کتابوں میں ہر مصدر کے ساتھ ن یا ض یا ف یا س یا ح لکھ کر اشارہ دیدیا جاتا ہے کہ یہ نَصَرَ یا ضَرَبَ یا فَتَحَ یا سَمِعَ یا حَسِبَ والے باب سے ہے، کیونکہ منشعب میں ہر باب کی گردان الگ الگ اسی لئے دی گئی ہے کہ اسے رٹ کر محفوظ کر لیں اور جب اس کے وزن پر کوئی اور گردان کرنی ہو تو کی جاسکے اسی لئے ضروری ہے کہ منشعب میں موجود تینتالیس باب اچھے طرح یاد ہوں ورنہ اس کے بغیر علم صرف کی ہوا لگنا مشکل ہے، خلاصہ ان تینتالیس باب کا یہ ہے کہ آٹھ باب تو خلائی مجرد کے ہیں پانچ مطرد اور کثیر الاستعمال ہیں جن سے بار بار عربی عبارت میں واسطہ پڑتا ہے اور تین شاذ اور قلیل الاستعمال ہیں، ان آٹھوں بابوں میں فقط تین حرف اصلی ہوتی ہیں یعنی ماضی کے اندر اور کوئی زائد حرف نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اصلی حرف کی پہچان ماضی سے ہی کی جاتی ہے۔

اور چودہ باب خلائی مزید غیر ملحق کے ہیں نو تو وہ ہیں جن میں شروع میں ہمزہ وصل آتی ہے اور پانچ وہ ہیں جن میں ہمزہ وصل نہیں آتی ہے ان چودہ بابوں میں اصلی تین کے علاوہ ماضی میں زائد حرف بھی ہوتے ہیں۔ یہ بائیس باب تو وہ ہیں جن میں تین حرف اصلی ہوتی ہیں اور خلائی کے ابواب کہے جاتے ہیں اور اگر حرف اصلی چار ہوں جس کو رباعی کہتے ہیں تو اس کی دو قسمیں بن گئیں خالی چار ہی رہیں یا زائد بھی مل گیا ہے، اگر صرف چار حرف ہیں ماضی میں تو رباعی مجرد اور زائد بھی ہو چار کے علاوہ تو وہ رباعی مزید کہلاتی ہے۔

رباعی مجرد کا ایک باب ہے رباعی مزید کے تین ہیں ایک بلا ہمزہ وصل کا اور دو ہمزہ وصل والے۔ کل یہ چھبیس باب ہو گئے جن کا از بر یاد ہونا ضروری ہے، ان سب کی گردانیں الگ الگ ہیں اس لئے یہ چھبیس گردانیں یاد کر لینے از بر ضروری ہیں۔

رہے ملحق کے باقی سترہ ابواب ان کی گردانیں تو رباعی مجرد کی گردانیں کی طرح ہوتی ہے یا رباعی مزید کے بابوں کی گردانوں کی طرح ہوگی، ان کو الگ سے یاد کرنا اتنا ضروری نہیں ہے، صرف زائد حرف کی جگہ کی تبدیلی کا فرق ہے ورنہ وزن ایک ہی ہے، بہر حال مکمل منشعب بھی یاد ہونی ضروری ہے۔

تعلیلات کا معرہ

علم صرف میں سب سے مشکل چیز تعلیلات کا مسئلہ ہے لیکن ذیل میں ہم جو تفصیل لارہے ہیں اس سے ان شاء اللہ اس کی پیچیدگی دور ہو جائے گی۔

تعلیل کے معرہ سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں فعل کی چودہ حالتوں سے واقفیت ہو کیونکہ جب تک یہ سب حالتیں سامنے نہ ہوں تعلیل اور صیغوں کی تبدیلی اور ان میں جو رد و بدل ہوتی ہے وہ قابو میں نہیں لائی جاسکتی۔ چنانچہ جانئے کہ علم صرف میں فعل ایک تو وہ ہوتا ہے جس کو صحیح کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو معہموز کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو معتل کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو لفیف کہتے ہیں ایک وہ ہے جس کو مضاعف کہتے ہیں۔

پھر صحیح کی تعریف علم صرف میں یہ ہے کہ کسی بھی فعل کے جو اصلی تین حرف فاء عین لام ہیں ان کی جگہ نہ تو واو یا الف حروف علت میں سے کوئی حرف ہو اور نہ ان کی جگہ ہمزہ ہو اور نہ دو حرف ایک جنس کے یعنی تضعیف اور ڈبل حرف ہو یہ تین شرطیں جس فعل میں ہوں گی وہ صحیح کہلاتا ہے، جیسے ضَرَبَ نَصَرَ چنانچہ اگر کسی فعل میں فاء عین اور لام کی جگہ حرف علت آ گیا تو اس کو معتل کہتے ہیں یعنی حرف علت والا فعل، لیکن پھر محتمل کی چھ قسمیں بنتی ہیں اس طرح کہ حرف علت یا تو صرف فاء کی جگہ ہوگا یا صرف عین کی جگہ یا صرف لام کی جگہ پھر ان تینوں کی جگہ جو حرف علت ہوگا وہ واو بھی ہو سکتا ہے یا الف بھی (الف تو کبھی نہیں ہوا کرتا ہے اگر ہوتا بھی ہے تو وہ انہی واو یا الف سے ہی بدلا ہوا ہوتا ہے) تو اس طرح اگر وہ حرف علت فاء کی جگہ ہے اور واو ہے تو اس کو معتل فاء واوی کہتے ہیں جیسے وَعَدَ میں اور اگر وہ یا ہے تو اس کو محتمل فاء یاوی کہتے ہیں جیسے یَسْرَ پھر معتل فاء کا دوسرا نام مثال بھی ہے اور جیسے معتل فاء واوی یاوی کہہ سکتے ہیں مثال واوی اور یاوی بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر حرف علت عین کی جگہ ہے تو اس کو معتل عین کہتے ہیں پھر وہ حرف علت واو ہو تو معتل عین واوی کہلائے گا جیسے قَالَ کہ اس کی اصل قَوْلٌ ہے اور گریاء ہو تو معتل عین یاوی کہلائے گا، جیسے بَاعَ کہ اس کی اصل بَيْعٌ ہے پھر یاد رہے کہ معتل عین کو اجوف بھی کہتے ہیں اور اس کی بھی حرف علت واو اور یاہ کے اعتبار سے دو قسمیں بنتی ہیں (۱) اجوف واوی (۲) اجوف یاوی۔

اور اگر حرف علت لام کلمہ کی جگہ ہے تو اس کو معتل لام کہتے ہیں پھر وہ حرف علت اگر واو ہے تو معتل لام واوی جیسے دَعَا کہ اصل میں دَعَوٌ ہے اور اگر یاہ ہے تو معتل لام یاوی جیسے زَمِي کہ اصل میں زَمِيٌّ ہے، محتمل لام کو ناقص بھی کہتے ہیں اور مثال واجوف کی طرح ناقص کی بھی حرف علت واویاء دونوں کے لحاظ سے ناقص

واوی اور ناقص یائی دو قسمیں بنتی ہیں۔

بہر حال معتل کی چھ قسمیں ہو گئیں (۱) معتل فاء یا مثال واوی (۲) معتل فاء یا مثال یائی (۳) معتل عین یا اجوف واوی (۴) معتل عین یا اجوف یائی (۵) معتل لام یا ناقص واوی (۶) معتل لام یا ناقص یائی یہ چھ قسمیں تو جب ہیں جب کہ فعل میں فاء عین لام میں سے صرف کسی ایک کی جگہ ایک حرف علت ہو لیکن کبھی کبھی دو بھی حرف علت اکٹھے ہو جاتے ہیں جس فعل میں ایسا یا اجاؤے تو اس کو لفیف کہتے ہیں لیکن پھر حرف علت کبھی تو ان میں حرف صحیح کا فصل ہوگا جیسے وقتی میں ہے کہ واؤ اور یاء کے درمیان میں قاف آ گیا ہے یا نہیں ہوگا جیسے طکویٰ میں ہے کہ واؤ اور یاء ایک ساتھ ہیں اگر اول صورت ہے تو اس کو لفیف مفروق کہتے ہیں اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کو لفیف مقرون کہتے ہیں لفیف کی دونوں شکلوں کو ملا کر معتل کی آٹھ قسمیں بن گئی ہیں چھ قسموں میں ایک ایک ہی حرف علت ہوگا اور لفیف والی قسموں میں دو دو حرف علت ہوں گے، خواہ فصل کے ساتھ ہوں یا ملے ہوئے ہوں۔

اور اگر فعل ایسا ہے کہ اس میں فاء عین لام کی جگہ حرف علت تو نہیں ہے مگر ہمزہ پائی جاتی ہے تو ایسے فعل کو مہموز کہتے ہیں پھر اگر وہ ہمزہ فاء کی جگہ ہو تو اس کو مہموز الفاء نام دیا جاتا ہے جیسے اَکَلٌ اَخَذَ میں اور اگر عین کی جگہ ہے تو اس کو مہموز العین کہتے ہیں جیسے مَاتَ میں اور اگر لام کی جگہ ہے تو اس کو مہموز اللام کہتے ہیں جیسے قَرَأَ میں اور اگر فعل ایسا ہے کہ اس کے اصلی تین حرف فاء عین لام کی جگہ نہ تو حرف علت ہے اور نہ ہمزہ ہے بلکہ ایک حرف دو مرتبہ ہے اور ڈبل ہے تو اس کو مضاعف کہتے ہیں جیسے مَدَّ قَرَأَ میں دو ڈال اور دو راء ہیں لیکن مضاعف کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مضاعف ثلاثی (۲) مضاعف رباعی اگر ایک ہی حرف دو مرتبہ ہے تو اس کو مضاعف ثلاثی کہتے ہیں کَمَا مَرَّ مِثَالُهُ اور اگر دو حرف دو مرتبہ ہوں جیسے زَلْزَلٌ میں ذاء بھی دو مرتبہ ہے اور لام بھی تو اس کو مضاعف رباعی کہا جاتا ہے۔

تو فعل کی یہ کل چودہ حالتیں یا چودہ قسمیں ہیں (۱) فعل صحیح جس کے تینوں حروف جو فاء عین لام کے مقابلہ میں آتے ہوں نہ حرف علت ہوں اور نہ مشد ہوں اور نہ ہمزہ کی شکل میں ہوں (۲) فعل معتل جس کے تین حرف اصلی کی جگہ ایک ہی یا دو حرف علت ہوں جس کی آٹھ قسمیں آچکی ہیں (۳) فعل مہموز جس کے تین حرف اصلی کی جگہ میں کسی کی جگہ ہمزہ پائی جائے جس کی تین قسمیں آچکی ہیں (۴) فعل مضاعف یعنی ایسا فعل کہ جس میں ایک ہی حرف یا دو حرف ڈبل اور دو مرتبہ ہوں جس کی دو قسمیں آچکی ہیں، تو ایک صحیح اور آٹھ معتل اور تین مہموز اور دو مضاعف اب یہ کل چودہ قسمیں ہو گئیں ہیں۔

ان چودہ قسم کے فعل کی چودہ گردانیں اور ان میں جو رد و بدل اور کمی زیادتی ہوتی ہے جس کو تعلیل کہتے ہیں اور ان

کے جو قواعد فن صرف والوں نے اہل زبان کا استعمال دیکھ کر وضع اور طے کئے ہیں ان کو جان لینا اور ان پر عبور حاصل کر لینا بس یہی علم صرف کی حقیقت ہے اور اس کے بعد کسی بھی صیغے کی اصل اور اس میں جو ترمیم یا تغلیل ہوتی ہے جاننا کوئی مشکل نہیں ہے، اب طالب علم کو چاہئے کہ ان چودہ گردانوں کو ازبر حفظ کرے اور ہر گردان کے اندر جو صیغوں کی کانٹ چھانٹ یا ترمیم اور تغلیل کے قواعد ہیں ان کو قابو میں کر لے چنانچہ پنج گنج اور علم الصیغہ میں فعل کی ان چودہ قسموں میں سے جو گردانیں اہم اور مشکل ہیں ان کو تو فعل ماضی سے لے کر مکمل اسم مفعول تک ذکر کیا ہے اور ہر گردان سے متعلقہ جو قواعد تغلیل اور ترمیم کے ضروری تھے وہ بھی بتا دیئے۔

چنانچہ پنج گنج میں معتل فاء واوی یعنی وَعَدَ يَعِدُ وَعَدَا کی گردان اور اس کے قواعد تو ذکر کئے ہیں لیکن معتل فاء یائی جیسے يَسَرَ کی گردان چھوڑ دی ہے کیوں کہ فعل کی اس قسم کی گردان فعل صحیح کی طرح ہوتی ہے اور اس میں صیغوں کے پورے پورے حرف آتے رہتے ہیں، البتہ جو گردانیں جیسے معتل عین واوی اور یائی قال اور باع کی اور معتل لام واوی یائی جیسے دعا اور رمی کی نیز مضاعف مَدَّ يَمُدُّ اور ذَبَّ يَذُبُّ جیسی گردانوں کو مکمل ذکر کیا ہے اور ان کے صیغوں میں جہاں جو ترمیم اور تغلیل جس قاعدے کے تحت ہوتی ہے اس کا بھی مفصل ذکر کیا ہے اور یہ اس لئے کہ معتل عین واوی کی ایک گردان پر دسترس حاصل کر کے عربی زبان میں جتنے بھی معتل عین واوی افعال ہیں سب کی گردانیں اور ان کی تغلیل کا علم ہو سکے، چنانچہ جس شخص کو قال جو معتل عین واوی ہے کی گردان اور اس کے اندر پائی جانے والی تعلیلات پہ عبور ہو گیا وہ ہر معتل عین واوی فعل کی تمام گردانیں اور صیغے بلا تکلف نکال سکتا ہے، اور جس کو باع جو معتل عین یائی ہے کی گردان اور اس کی تغلیل کے قواعد آگئے تو باع بیبع کی طرح ہر گردان کے صیغے اور تغلیل نکال سکتا ہے، اسی لئے ضروری ہے کہ نمونہ کے طور پر جو معتل مہموز وغیرہ کی گردانیں پنج گنج اور علم الصیغہ میں ہیں ان کی کم از کم ایک گردان اور اس کے صیغوں میں جو تعلیلات پائی جاتی ہیں ضرور یاد ہوں تب جا کر کہیں ہر فعل کے ہر صیغے کی اصل اور اس کی تغلیل جاننا آسان ہوگا۔

لیکن یہ چیز بھی مد نظر رہنی ضروری ہے کہ مثلاً ہر معتل عین واوی کی گردان ہر باب سے ایک ہی طرح نہیں ہوتی ہے بلکہ معتل عین واوی ہوتے ہوئے بھی اگر باب بدل جائے گا تو گردان اور صیغوں کے اوزان بھی بدل جائیں گے اس لئے ہم یہ تفصیل بھی ذکر کرتے ہیں کہ فعل کی ان قسموں میں کس باب سے کسی وزن پر گردانیں ہونگی تاکہ مزید بصیرت اور اطمینان حاصل ہو۔

(۱) فعل مہموز بشرطیکہ اس میں کوئی حرف علت نہ ہو، تو اس کی گردانیں فعل صحیح کی طرح ہوں گی البتہ نُخِذُ اور نُكَلِّ اور مُرُّ جَوَّأَخِذُ اور اَكَلُّ اور اَمَرَ کے امر کے صیغہ ہیں خلاف قیاس رہیں گے۔

چنانچہ اَزَرَ يَازِرُ اور هَنَّا يَهْنَأُ کی گردان ضَرْبَ يَضْرِبُ کی طرح ہوگی، اور اَذْبَ يَأْذُبُ کی تَكْرِمَ يَكْرُمُ کی طرح ہوگی اور سَأَلَ يَسْأَلُ کی فَتَحَ يَفْتَحُ کی طرح ہوگی اور اَفْعَلَ مَهْمُوزِ میں حرف علت بھی ہو تو اس کی گردان میں معتل کی طرح ہوگی چنانچہ آوَلُ اور سَاءَ يَسُوءُ کی گردان قَالَ يَقُولُ کی طرح اور جَاءَ يَجِيءُ کی بَاعَ يَبِيْعُ کی طرح اور اَسَا يَأْسُوْ كِي دَعَا يَدْعُوْ كِي طرح اور اَتَى يَأْتِيْ كِي زَمَنِيْ يَزِيْمِيْ كِي طرح اور اَوَى يَأْوِيْ كِي وَفِيْ يَفِيْ كِي طرح اور اَوَى يَأْوِيْ كِي شَوِيْ يَشْوِيْ كِي طرح اور نَأَى يَنَأَى كِي زَعَى يَزْعَى كِي طرح گردان ہوگی۔

(۲) **مثال واوی** - مثال واوی میں تین بابوں میں فاء کلمہ گرجا تا ہے (۱) باب ضَرْبَ میں جیسے وَعَدَ يَعِدُ میں (۲) باب فِثْحَ میں جیسے وَهَبَ يَهَبُ میں (۳) باب حَسِبَ میں جیسے وَرِثَ يَرِثُ میں، اور باب سَمِعَ میں صرف دو جگہ گرتا ہے (۱) وَطِيَ يَطِيءُ میں (۲) وَسِعَ يَسِعُ میں، ان مذکور کے علاوہ مثال واوی گردان میں صحیح کی طرح ہوں گی، جیسے وَجَلَّ يُوْجَلُّ وَجَلًّا میں البتہ امر اِيَجَلُّ بابتدال الواو ياء آئے گا۔

(۳) **مثال یائی** - اس کی تمام گردانیں صحیح جیسی ہیں کوئی تبدیلی نہیں ہے جیسے يَسِرُ يَسِيْرُ يَسِيْرًا۔

(۴) **اجوف واوی** - باب نصر سے اس کی گردان قَالَ يَقُولُ کی طرح ہوتی ہے اور باب سَمِعَ سے خَافَ يَخَافُ کی طرح ہوگی اور باب ضَرْبَ سے بَاعَ يَبِيْعُ کی طرح ہوتی ہے۔

(۵) **اجوف یائی** - باب ضَرْبَ سے بَاعَ يَبِيْعُ کی طرح اور باب سَمِعَ سے خَافَ يَخَافُ کی طرح جیسے نَالَ يَنَالُ کی ہوتی ہے لیکن اس میں نَالَ يَنِيْلُ بھی چلتا ہے باب بَاعَ يَبِيْعُ کی طرح گردان رہیگی، اور امر نَلَّ مَثَلِ خَفَّ اور نَلَّ مَثَلِ بَعَّ دونوں آتا ہے۔

(۶) **ناقص واوی** - باب نصر سے دَعَا يَدْعُوْ كِي طرح اور باب سَمِعَ سے رَضِيَ يَرْضَى كِي طرح اور باب فَتَحَ سے لَفِيَ يَلْفِيْ كِي طرح يَادْعَى يَزْعَى كِي طرح گردان ہوگی، اور باب تَكْرِمَ سے صَفَوُ يَصْفُوْ كِي طرح اور باب ضَرْبَ سے بَغَى يَبْغَى كِي طرح مگر اس اخیر باب سے ناقص واوی کے افعال بہت کم ہیں۔

(۷) **ناقص یائی** - باب ضرب سے زَمَنِيْ يَزِيْمِيْ كِي طرح اور باب سَمِعَ سے خَشِيَ يَخْشَى كِي طرح اور باب فَتَحَ سے زَعَى يَزْعَى كِي طرح اور تَكْرِمَ سے هَدَى يَهْدِيْ هُدًى كِي طرح، ناقص یائی کے افعال بھی باب نَصَرَ اور تَكْرِمَ سے عربی زبان میں کم ہی آتے ہیں۔

(۸) **لفيف مفروق** - جو فعل لفييف مفروق ہو تو اس کے فاء کلمہ میں معتل فاء کی اور لام کلمہ میں معتل لام کی تعلیلات چلیں گی چنانچہ وَفِيْ يَفِيْ میں ایسا ہی ہوتا ہے اور باب ضرب سے اس کی گردان وَفِيْ يَفِيْ کی طرح ہوگی اور حَسِبَ سے وَلِيْ يَلِيْ كِي طرح اور باب سَمِعَ سے وَجِيْ يُوْجِيْ كِي طرح ہوتی ہے لیکن سمع سے لفييف مفروق بہت کم

آتا ہے۔

(۹) لَفِيفٌ مَقْرُونٌ جَوْفَلٌ لَفِيفٌ مَقْرُونٌ هُوَ اس کا عین کلمہ صحیح کا حکم رکھتا ہے جس میں کوئی تغلیل اور تبدیلی نہیں ہوتی ہے جیسے طَوِيٌّ اور اس کے لام کلمہ کا حکم ناقص والا ہے جیسے رَوِيٌّ يَرُوِيٌّ رَوِيٌّ اور یہ باب ضرب سے طَوِيٌّ يَطْوِيٌّ کی طرح اور باب سَمَحٌ سے قَوِيٌّ يَقْوِيٌّ قَوِيٌّ کی طرح استعمال ہوتا ہے، اور لَفِيفٌ مَقْرُونٌ صرف انہیں دو بابوں سے آتا ہے فقط۔

(۱۰) مَضَاعِفٌ - چار باب سے آتا ہے (۱) نَصَرَ سے جیسے مَذَّ يَمُذُّ مَذًّا (۲) بَابُ ضَرْبٍ سے جیسے فَرَّ يَفِرُّ فَرًّا وَفِرَارًا (۳) بَابُ سَمَعٍ سے جیسے عَضُّ يَعْضُ عَضًّا (۴) بَابُ كَوْمٍ سے جیسے حَبَبٌ يَنْحَبُبُ حُبًّا۔
فائدہ: صاحب علم الصیغہ نے مہوز یا معتل یا مضاعف کی گردانیں بیان کرنے سے پہلے مہوز کے جو قواعد ہیں یا معتل اور مضاعف میں تغلیل کے جو اصول ہیں وہ سب یکجا ذکر کر دئے ہیں ان کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد کسی بھی گردان کے خواہ وہ کسی بھی باب سے ہو کسی بھی صیغے میں جاری قاعدہ کو باسانی نکالا جاسکتا ہے۔

تَبَيُّنُ نَافِعَةٍ

ابھی تک فعل کی ان چودہ قسموں کا ذکر آیا ہے جن میں فقط ایک ہی قسم ہوتی ہے یعنی وہ فعل صرف مہوز ہوگا یا صرف معتل ہوگا یا صرف مضاعف ہوگا اب آگے وہ قسمیں بھی فعل کی جان لینے چاہئیں کہ جن میں دو دو قسمیں اکٹھی ہو گئیں، چنانچہ مرکبات مہوز و معتل جس کا مطلب یہ ہے کہ فعل میں ہمزہ بھی اور حرف علت بھی پایا جاوے تو عقلاً اس کی پندرہ قسمیں بنتی ہیں اس طرح کہ:

کہ فعل میں فاء کلمہ کی جگہ تو ہمزہ ہو اب آگے عین اور لام کلمہ ان میں پانچ صورتیں بنتی ہیں (۱) مہوز الفاء ہونے کے ساتھ جوفِ واوی ہو جیسے آلٌ يُولُ مانند قال يقول (۲) مہوز الفاء ہونے کے ساتھ جوفِ یائی ہو جیسے آذٌ يَبِيذُ مانند نَاعٌ يَبِيغُ (۳) مہوز الفاء ہونے کے ساتھ ناقصِ واوی ہو جیسے آلاٌ يَأْلُوٌ مانند دَعَاٌ يَدْعُوٌ (۴) فاء کلمہ مہوز ہی رہے اور ناقصِ یائی ہو جیسے اَتَى يَأْتِيٌ مانند رَمَى يَرْمِيٌ (۵) مہوز الفاء ہونے کے ساتھ لفیفِ مقرون ہو جیسے اَوِيٌّ يَأْوِيٌّ مانند طَوِيٌّ يَطْوِيٌّ۔

پھر فاء کے بجائے عین کلمہ ہمزہ ہو تو اس کی بھی پانچ قسمیں ہیں (۱) عین کلمہ مہوز ہو تو اب فاء کلمہ مثالِ واوی ہو جیسے وَاذٌ يَعْدُ وَاذًا مانند وَعَدٌ يَعِدُ (۲) مہوز لعین ہو اور فاء کلمہ مثالِ یائی ہو جیسے يَبْسُ يَبْسُ يَبْسًا يَبْسًا يَسْمَعُ کہ دونوں باب سے آتا ہے (۳) مہوز لعین ہو اور لام کلمہ ناقصِ واوی ہو جیسے مَسَى يَمْسَى يَمْسًا يَمْسًا يَرْضَى يَرْضَى يَرْضَى يَرْضَى کی طرح

ناقص واوی ہے (۳) مہوز العین ہی رہے اور لام کلمہ ناقص یائی بن جائے، جیسے رَاى يَسْرِى دُوَيْتَةَ (۵) مہوز العین اور لفیف مقرون ہو جیسے وَاى يَنْبِىْ وَاىَا۔

اور تیسری شکل یہ ہے کہ ہمزہ لام کلمہ کی جگہ ہو پھر مہوز اللام ہونے کے ساتھ (۱) مثال واوی ہو جیسے وَجَا يُوْجَا وَجَا (۲) مثال یائی ہو اس کی مثال کلام عرب میں ملی نہیں ہے (۳) اجوف واوی ہو جیسے ضَا يَضُوْءُ ضُوْءًا (۴) اجوف یائی ہو جیسے جَاءَ يَجِيْءُ مَجِيْئًا (۵) فاء کلمہ اور عین کلمہ دونوں کی جگہ حرف علت ہو ایسی مثال بھی کلام عرب میں موجود نہیں ہے۔

بہر حال جو فعل دونوں قسموں والا ہو کہ بیک وقت اس میں ہمزہ بھی حرف علت بھی ہو تو ایسے فعل کی گردان کس طرح ہوگی ہم نے اوپر پندرہ قسموں میں لفظ مانند بڑھا کر اشارہ کر دیا ہے کہ کس وزن پر گردان ہوگی۔

اب مسئلہ رہ جاتا ہے ایسے فعل کا جو مضاعف ہونے کے ساتھ یا تو مہوز ہو یا معتل ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ: مضاعف ثلاثی ہو اور فاء کلمہ کی جگہ ہمزہ ہو یعنی مہوز الفاء اور مضاعف ثلاثی ہو تو وہ تین باب سے آتا ہے (۱) نصر سے جیسے اَمَّ يَوْمٌ (۲) باب ضرب سے جیسے اَنَّ يَأْتِيَنَّ اَيْنَا (۳) باب سجع سے جیسے اَنَّ يَأْتِيَنَّ اَيْنَا بمعنی گنجان ہونا۔ دوسری شکل یہ ہے کہ فاء کلمہ معتل ہو اور مضاعف ثلاثی ہو لیکن واوی ہو جیسے وَدَّ يُوَدُّ۔

تیسری شکل یہ ہے کہ فاء کلمہ معتل تو ہو لیکن یائی اور مضاعف ثلاثی ہو جیسے يَمَّ يَمِّمُ يَمًّا، دریا میں پھینکنا۔ اب ایک بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جو رد و بدل یا تعلیل افعال اور ان کے صیغوں میں چلتی ہے وہ ان کے مصادر میں بھی ضرور ہوتی ہے گویا کہ جتنی قسمیں فعل کی بتلائی گئی ہیں وہ سب مصدروں میں بھی جاری ہوتی ہیں مگر مرغی اور انڈے کی طرح یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اصل تعلیل مصدر میں ہوتی ہے یا اس سے بنے افعال میں کیونکہ یہی طے نہیں ہے کہ پہلے فعل ہوتا ہے یا مصدر ہوتا ہے کیونکہ اللہ جانے کہ افعال کو دیکھ کر مصدر نکالا جاتا ہے یا مصدروں سے فعل تیار کئے جاتے ہیں خواہ عربی ہو یا اردو یا فارسی سب زبانوں میں یہی حال ہے کوئی نہیں بتا سکتا کہ لکھنا مصدر پہلے ہے یا اس سے جو مختلف فعل اور صیغے مثلاً ”اس نے لکھا“ ”آپ لکھو“ بنائے جاتے ہیں وہ پہلے ہیں، مگر علمائے صرف و نحو نے فیصلہ یہ دیا ہے کہ تعلیل کے اعتبار سے تو فعل اصل ہے کہ پہلے اس میں ہوتی ہے پھر اس کے مصدر میں اور اشتقاق کے اعتبار سے مصدر اصل ہے کہ وہ خود پہلے ہوتا ہے پھر اس سے افعال اور صیغے تیار کئے جاتے ہیں۔

تنبیہ - یہ صرف و نحو سے متعلق جو مباحث بندہ کی ذہن میں تھی ان کو سپرد قلم طاس کرتے ہوئے کوئی خاص کتاب سامنے نہیں ہے اس لئے اس مضمون میں آمدہ غلطی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

محمداہد عفی عنہ

۲ ربیع الاخر ۱۴۳۱ھ بروز جمعہ مطابق ۱۹ مارچ ۲۰۱۰ء

درس نظامی کا

تعارف

مع اس کی خوبیوں کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

درس نظامی کی حقیقت ”اس کا مقصد“

اور تاریخ میں اس کے فضلاء کی خدمات کا رد عمل

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنی پیدائش کے بارے میں پہلے سے اتنا بھی پتہ نہیں ہوتا ہے جتنا کہ کم از کم اسے اپنی شادی کے بارے میں خبر ہوتی ہے کہ فلاں تاریخ میں ہے نہ وہ یہ جان سکتا ہے کہ میں کس ملک کے کس صوبہ یا ضلع یا گاؤں یا برادری یا کس خاندان کے کس مالدار یا غریب گھر میں جنم لوں گا بس کوئی ذات ہے جو اسے دنیا میں لے آتی ہے پھر اس دنیا سے اس کی واپسی کب ہے یہ بھی اسے کوئی خبر نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر کسی انسان کی موت و حیات کا نظام اس کے بس سے باہر ہے اور کوئی اور ہی ذات ہے جس کے ہاتھ میں اس کائنات کی سلطنت ہے جو یہاں بھیجتی ہے اور واپس کر لیتی ہے، قرآن کے پارہ ۲۹ کی پہلی آیت میں ہے تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَتْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک) (زبردست ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں اس کائنات (دنیا) کی سلطنت ہے اور وہ سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہی ہے جس نے موت اور زندگی کا نظام چلایا تاکہ جانچ لے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل والا ہوتا ہے) بلکہ دوسری آیات میں اس بات کا بالکل صفایا کر دیا کہ کوئی یوں ہی آپ سے آپ ہی خود بخود پیدا ہو گیا ہو یا اس نے خود اپنے کو پیدا کیا ہو۔ چنانچہ (پارہ ۲۷/۲۷ رکوع ۲) میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ” اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ ۚ اَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝“ کہ کیا وہ بغیر خالق کے پیدا ہو گئے یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی ان میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کر سکتا بغیر کسی خالق کے اور کرنے والے کے کبھی کوئی کام ہوتا ہوا پایا ہی نہیں جاتا اور جو چیزیں اس کائنات میں خود بخود ہوتی دکھائی دیتی ہیں ان کے سب کے پیچھے خدا کی غیبی طاقت کار فرما ہے بس ایک اللہ تو ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور کسی نے اس کو نہیں بنایا بلکہ اسی نے سب کو بنایا اور اس جہاں میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے سب ہی اس کا پیدا کردہ اور اس کی مخلوق ہے،

جب یہ طے ہو گیا کہ اس دنیا کا ذرہ ذرہ جس میں انسان بھی داخل ہے خدا کا پیدا کردہ ہے تو اب انسان بجائے مختار کے ماتحتوں میں شامل ہے اس ماتحتی کے نتیجہ میں اس کا بالکل حق نہیں پہنچتا کہ اپنے خالق مالک، آقا کی مرضی کو ترک کر کے اپنی

نشا پر چلے۔ ورنہ تو یہ اس کی کھلی بغاوت اور سرکشی ہے۔

پھر ایک عام عقلمند کا کوئی بھی کام عبث بیکار نیز خواہ مخواہ ہے نائدہ نہیں ہوا کرتا ہے چہ جائے کہ اللہ رب العزت جو عقل اور اہل عقل کا خالق ہے اس کا کام کیسے عبث اور فضول ہو سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انسان اور دوسری مخلوقات کو بنائے اور اس کا کوئی مقصد نہ ہو یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ”وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ“ کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی سب چیزیں ہم نے خواہ مخواہ نہیں بنائیں اور اے انسان اور اے جن تم خواہ مخواہ بیکار نہیں بنائے گئے چنانچہ فرمایا: ”أَلْحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ“۔ کیا تم سوچ بیٹھے ہو کہ محض بیکار ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور یوں سوچ بیٹھے ہو کہ تم ہمارے پاس واپس نہ لائے جاؤ گے۔

پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد کھول دیا جس کے لیے جنات و انسان کی پیدائش ہے فرمایا: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ کہ بس اور بس میں جنات اور انسان کو اپنی ہی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اب یہاں ایک زبردست الجھن پیدا ہونے والوں کے ذہن میں جو آسکتی تھی وہ اللہ عالم الغیب نے ساتھ ہی ساتھ ہٹا دی کہ میں جنات اور انسان کو پیدا کر کے ان سے عام انسانوں کی عادت کے مطابق اپنا کوئی نفع نہیں چاہتا کہ وہ رزق پیدا کریں میرے لیے یا اپنے لیے یا میری دوسری مخلوق کے لیے اور یا یہ کہ وہ مجھے کما کر کھلائیں (یہ سب گفتگو اللہ رب العزت کی عام عادت انسان کے مطابق ہے) کیونکہ بڑے سے بڑا انسان جو نوکر چا کر رکھتا ہے یا اس پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مقصد ان غلاموں سے اپنے کام لینا، اپنی ضروریات، اور کاموں میں مدد لینا اور کمائی کر کے آقا کو دینا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے پاک ہے، اس لیے آگے ”مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونِ“ کہ میں نے نہ ان سے اپنی کسی مخلوق کی روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ فرما کر انسان و جن کو عبادت کے علاوہ کسی اور کام کے لیے پیدا کرنے کی بالکل ”لفی“ کر دی پھر آگے بتا دیا: ”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ“ کہ ہم اپنی مخلوق کی روزی ان سے متعلق کرتے ہی کیوں ہم تو خود سب سے بڑے طاقتور رزاق ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر دوسری جگہ پ ۱۶ کے آخری رکوع میں تو یہاں تک فرما دیا: ”وَأَنْزَلْنَاكَ بِالصَّلَاةِ وَاضْطَبَّرْنَا عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَنْزِلُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى“ (کہ اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرو اور اس پر جمو، ڈنو، ہم کو تم سے روزی نہیں چاہئے روزی تو ہم دیں گے)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا روزی دینا کس کو معلوم نہیں ہے سب جانتے ہیں کہ کائنات اسی کے قبضہ میں ہے ایک بارش نہ ہو تو دنیا کے سارے بازار ٹاٹیں ٹاٹیں فحش یعنی بے نتیجہ بن جائیں، خدا کے رزاق ہونے کا مطلب یہ لینا کہ وہ گھر میں آتا چاول بھجوائے یا تنخواہ پہنچوائے احمق پنہ کی انتہا ہے بلکہ روزی کے اسباب بنانا مراد ہے۔

اس ساری تمہید اور تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنے اس دنیا میں آنے کے مقصد کا علم ہو جائے کہ ہم خدا کی عبادت

کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور چونکہ نہ خود پیدا ہوئے اور نہ خود پیدا کرنے والے ٹھہرے بلکہ اس کائنات کی کسی بھی چیز کی پیدائش میں بھی ہمارا کوئی سا جھا اور شرکت نہیں نہ آسمان ہوانے نہ زمین ہوانے نہ سورج چاند کے بنانے میں تو اب جب بلا شرکت غیرے یہ کائنات اللہ کی ہے تو اب اس کائنات میں حکم بھی اللہ کا بلا شرکت غیرے چلنا ایک معقول بات ہے اس کے برخلاف جو سوچے وہ کھلا باغی اور سرکش ہے اپنے خالق کا اور مالک کا۔

جب ہر انسان خدا کا بندہ ”مریوب“ یعنی پروردہ غلام اور ماتحت ٹھہرا اور عبادت کے لیے اس کو پیدا کیا گیا تو اب ضرورت تھی ”عبادت“ کا طریقہ جاننے کی عبادت کا مطلب ہی ہے جو کہا جاوے وہی کرنا اور جس سے منع کیا جائے اس سے رکنا یعنی تابعداری میں کوئی اختیار نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت کرانے کے لیے ضرورت تھی ”عبادت“ سے واقف کرانے کی جس کے لیے اس کی طرف سے ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی ”منشور“ یعنی حکم نامہ یا آسمانی کتاب انسانوں میں سے ہی کسی انسان پر جو رسول یا نبی کہلاتا ہے اترتا ہے۔

اس امت کا یہ ”منشور یا حکم نامہ“ قرآن مجید“ کی شکل میں ہے پھر بذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس منشور کی جو تشریح اور وضاحت اس امت کے لیے موجود ہے وہ ”حدیث پاک“ کہلاتی ہے پھر ان دونوں کی روشنی میں جوہلی رہنمائی امت کو کی گئی ہے وہ ”علم فقہ“ کا نام پاتا ہے۔

”یہ تین علوم“ تفسیر، حدیث، فقہ، ان کی واقفیت ہی کا نام درحقیقت، عالم یا مولوی بننا کہلاتا ہے اور درس نظامی کا فاضل کہلاتا ہے، مگر مذکورہ بالا تینوں کی زبان ”عربی“ ہے۔

”عربی“ زبان اس امت کے لیے ایک تحفہ اور عطاء ربانی ہے حاکم وقت کی جو زبان ہوتی ہے تو اسی میں پڑھنے لکھنے کو سرمایہ افتخار سمجھا جاتا ہے، اس کے سیکھے سکھانے پر تمام مرثیے لگتے ہیں اور تمام دفتروں اور سرکاری محکموں کی زبان وہی کر لی جاتی ہے کاش امت مسلمہ کو عبرت ہو جو چھوٹی چھوٹی سرکاروں کی زبانوں کو احکم الحکمین کی زبان پر فقط اس لیے برتر مان رہی ہے کہ بظاہر ان سے دنیا و ابستہ ہے جبکہ اگر ہم ہوش کریں تو عربی سے تو ہماری آخرت و ابستہ ہے اور آخرت کی طویل زندگی کے مقابلہ میں یہ دنیوی ساٹھ ستر سالہ زندگی کی حقیقت ہی کیا ہے جو دنیوی زبانوں پر اتنی محنت کر رہے ہیں، مختلف زبانیں بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں ان میں بولنا سیکھنا منع نہیں مگر آخر حد تک کہنے کو جناب ایم بی بی ایس ہیں، ڈاکٹر ہیں، دکیل ہیں، افسر ہیں، دنیا بھر کی ڈگریاں لیے پھر رہے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم تک کا ترجمہ بھی معلوم نہیں ہے، فِیَا لَلْعَجَبُ۔

خیر مجھے یہ بتانا ہے کہ اس امت کے نام خدا کا پیغام چوں نکہ عربی زبان میں آیا ہے اور جو لکھے آیا یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مادری زبان بھی عربی ہے اور آگے خدا اور رسول کی باتوں کی وضاحت و تشریح بھی اسی عربی زبان میں ہے تو ایک دیندار اور امت مسلمہ کے ہر فرد کے لیے اس زبان کا سیکھنا کیا اہمیت رکھتا ہے خود جاننے کی ضرورت ہے۔

لیکن دینی معلومات کے حاصل کر لینے کے لیے عربی زبان سیکھنا نہ ہر شخص پر ضروری ہے اور نہ ہی اس پر مدار ہے۔
 الحمد للہ دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ان کی اپنی مادری زبانوں میں کیا قرآن کریم اور کیا حدیث پاک اور کیا علم فقہ سب کے ترجمے موجود ہیں اور ان سے دینی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ مگر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ ترجمے اور تشریح کرنے والے بعض دفعہ یا تو خیانت سے کام لیتے ہیں یا نااہلیت کی وجہ سے غیر مراد پیش کر دیتے ہیں اس لیے بعض دفعہ اصل ماخذ اور اس چشمہ صافی سے ملانے کی نوبت پیش آتی ہے جہاں سے وہ ترجمہ اور تشریح لی گئی ہے جس کی وجہ سے قرآن و حدیث اور فقہاء کے کلام سے مراجعت اور ملان کی نوبت آتا ایک زبردست مجبوری ہے اس لیے کچھ افراد امت کے اندر ایسے رہنے ضروری ہیں جو عربی زبان کے ماہر ہوں اور ادھر اپنی مادری زبان میں جو کچھ عربی ذخیرہ سے ترجمہ و تشریح کی شکل میں منتقل کیا گیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے اس کی جانچ کرنا ہے ورنہ تو ہر فرقہ اپنے اپنے حساب سے قرآن و حدیث اور فقہاء کی عبارات کا ترجمہ اور تشریح کرنے پے تلا ہوا ہے۔ قادیانیت، بریلویت، اہل حدیث، اور اہل دیوبند کے ترجمے تقابلی کر کے دیکھے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین کی اتنی معلومات جس سے عبادت کا مفہوم جا کر عبادت، بجالاتا آسان ہو سکے تو یہ فرض عین ہے عربی کے ذریعہ ہو یا اپنی مادری زبان کے ذریعہ لیکن جہاں تک دین کی دیکھ کر کچھ اور صحیح جانچ پڑتال اور پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں مستبر اور غیر مستبر کی پہچان پیدا کرنا قرآن و حدیث سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا ان میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں اس لیے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔

سطور مذکورہ سے ”عربی سیکھنے کی اہمیت“ جب ظاہر ہو گئی تو اب سمجھ لیجئے کہ یہ زبان ہو یا کوئی اور ہو بنیادی طور پر اس کے لیے گرامر اور قواعد اصول اور ضابطے جاننے ہوتے ہیں جو اہل زبان کے استعمال کو دیکھ کر طے ہوتے ہیں ان کی بول چال کا جو طور و طریق ہے اس سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ ان کی طرح ہمیں بولنے میں آسانی ہو سکے۔ مگر اس طور طریق کے جاننے کو تین حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے (۱) علم لغت یا علم اشتقاق (۲) علم نحو (۳) علم صرف“ ہر زبان کے سیکھنے کے لیے سب سے اول اول جو ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم یہ اندازہ کر لیں کہ کس چیز پر کیا لفظ بولتے ہیں یا کیا لفظ بول کر اس سے کس چیز کا ارادہ کرتے ہیں پھر یہ چیزیں وہ بھی ہیں جو ظاہری ہیں وہ بھی جو باطنی ہیں وہ بھی جن کا تعلق کاموں سے ہے وہ بھی جن کا تعلق ناموں سے ہے وہ بھی جن کا تعلق نہ ناموں سے نہ کاموں سے بلکہ محض کیفیت اور حالت کو بتانے کے لیے ہوتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ نوٹی، قلم، کاپی، یہ مادی چیزیں ہیں جو باہر کی دنیا میں نظر آتی ہیں اس پر جو لفظ بولے جاتے ہیں وہ الگ ہیں، اور بزدلی بہادری خوشی غمی یہ صرف ذہن میں سمجھی جانے والی چیزیں ہیں باہر کی دنیا میں دیکھی نہیں جاتی ہیں ان پر جو لفظ بولے جائیں گے وہ اور ہیں

یہ تو ظاہری اور باطنی چیزوں کی تشریح ہے پھر اسی کی دوسری تقسیم ہے کہ کچھ لفظوں سے تو محض نام بتانا ہے جیسے سہارنپور، دیوبند، اتوار، پیر، عبدالوحید، محمد زاہد، اس طرح کے لفظ سب اسما کہلاتے ہیں، اور بعض لفظوں سے کاموں کو بتایا جاتا ہے جیسے کھانا پڑھنا، لکھنا، آنا، جانا، سونا، وغیرہ وغیرہ انکو افعال کہتے ہیں، اور بعض لفظ وہ ہیں جن سے نہ نام سمجھ میں آتا ہے نہ کام بلکہ انہی دو چیزوں نام و کام کے جوڑ دکھانے کے لیے لائے جاتے ہیں چاہے وہ جوڑ اوپر نیچے کا ہو جیسے زید چھت پر ہے یا اندر باہر ہونے کا جیسے گھر میں ہے یا اور کسی طرح کا ہو جیسے اس کا بھائی میرے پاس کو ہو کر گزرا ہے۔

تو کسی زبان میں یہ جان لینا کہ اس لفظ کے یہ معنی ہیں یا اس چیز پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اس کا نام علم لغت ہے خواہ وہ لفظ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف، علم لغت اور علم اشتقاق میں تھوڑا سا فرق ہے وہ انشاء اللہ آگے آرہا ہے۔

تو زبان سکھانے کے لیے ایک تو اس زبان کے اسما کا معاملہ ہے ایک اس زبان کے افعال کا معاملہ ہے بس یہی دونوں اصل ہیں رہا حرف کا معاملہ وہ مستقل نہیں ہے بلکہ اسما کے تابع کر کے اسی کے بیان میں ان کا بیان بھی سمجھا دیا جاتا ہے۔

تو کسی بھی زبان کے گرامر اور قواعد میں افعال کا استعمال ایک مستقل مسئلہ ہے کیونکہ مثلاً بیٹھنا یا چلنا یہ کام ہیں لیکن اب ان سے جو الگ الگ الفاظ بنیں گے جنہیں صیغے کہتے ہیں وہ کافی مقدار میں ہیں کبھی کہا جائے گا ”وہ بیٹھا“ کبھی کہیں گے ”وہ بیٹھی“ کبھی کہیں گے ”بیٹھ“ کبھی کہیں گے ”مت بیٹھ“، اسی طرح سے چلنا ایک مصدر ہے اس سے مختلف مردوں عورتوں اور ایک دو بہت سوں کے لئے تبدیلیاں کر کے بولنا پڑتا ہے تو یہ جو ادلا بدلی یا صرف اور گھمانا پھرانا کرنا ہوتا ہے جس سے ایک ہی مصدر سے بے مختلف الفاظ بنانا آجائے۔ اس کے لیے اسی زبان کا علم صرف درکار ہوتا ہے۔

اور گفتگو جب بنے گی تو خالی فعل سے تو بنتی نہیں ہے جو اس کام کو کرے گا یعنی فاعل اور جس آدمی یا چیز کے ساتھ وہ کام پایا جائے گا یعنی مفعول بہ اور کب کیا یعنی مفعول فیہ زمان اور کہاں کیا یعنی مفعول فیہ مکان اور کس حالت میں کیا یعنی حال اور کیوں کیا یعنی مفعول لہ یہ سب فعل اور صیغے کے ساتھ لگتے ہیں پھر ان کی ترتیب قائم رکھی جاتی ہے کون پہلے بولیں گے کون سے کو بعد میں پھر عربی میں خاص طور سے کس کلمہ پر کیا پڑھنا پیش یا زبر یا زیر جو ان کے اپنی اپنی الگ الگ مقدم و مؤخر ہونے کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے یہ سب کام علم نحو کے حوالہ ہے۔

تو ”علم صرف“ سے کسی بھی مصدر سے مختلف صیغے اور الفاظ حسب موقعہ تیار کرنا آتا ہے اور ”علم نحو“ سے جو بھی کلام اور گفتگو بنے گی ان کی ترتیب اور ترکیب قائم رکھنا آتا ہے مقدم اور مؤخر جو لفظ جس جگہ آنا چاہئے اس سے واقفیت ہوتی ہے، ”علم لغت“ صرف معنی اور مفہوم کی جانکاری دیتا ہے کہ فلاں لفظ سے اس زبان والے یہ سمجھتے ہیں اور یہ یہ مراد لیتے ہیں، رہا علم اشتقاق وہ علم لغت میں ہی صرف تھوڑی سی باریکی جاننے کا نام ہے کہ بعض دفعہ ایک لفظ اس کی اصل نکالنے پر کبھی معنی کچھ ہو سکتے ہیں تو کبھی کچھ مثلاً ”بڈھو“ کا لفظ ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) جو احمق ہو (۲) جو بدھ

کے دن پیدا ہوا ہو۔ اس کا اشتقاق بذحوپنے سے لیں تو اول مطلب ہوگا اور بعد کے دن سے لیں تو دوسرا مطلب نیا بنے گا۔ ایسے ہی عربی میں مسحا اور مساحۃ دو لفظ ہیں اول کے معنی ہیں بھیگا ہاتھ پھیرنا دوسرے کے ہیں ناپتا اور پینا کٹنا اور ان سے جو صیغے بنتے ہیں وہ دونوں کے ایک ہی طرح کے بنتے ہیں مثلاً مَسَحَ الرَّأْسَ (اس نے سر کا مسح کیا) اور مَسَحَ الْأَرْضَ (اس نے زمین کی پینائش کی) تو علم اشتقاق سے واقف کہ پہلا مَسَحَ مَسْحًا مصدر سے بنا ہے اور دوسرا مَسَحَ مَسَاخًا سے بنا ہے صحیح ترجمہ کر سکے گا دوسرے سے نطیسی ہو سکتی ہے۔ تو یہ اب چار (۱) علم لغت (۲) علم اشتقاق (۳) علم صرف (۴) علم نحو میں کا تعلق کسی بھی زبان کی ظاہری عبارت سے ہے غیر مادری زبان کے علاوہ اگر اس ملک میں سکونت اور رہائش نہ ہو اور تو ان کی مدد سے کوئی زبان سیکھنی ہو تو اس کے لیے یہ چاروں فنون اور علوم ضروری ہیں اس لیے عربی سیکھنے کے لیے یہ بنیادی علوم ہیں۔ ان کے بغیر کلام اور گفتگو صحیح بنانی یا بولنی یا لکھنی یا پڑھنی نہیں آسکے گی مگر ان چاروں فنون کا تعلق محض ظاہری عبارت کے توڑ جوڑ سے ہے کہ جو لفظ لانا ہو وہ لایا جاوے اور اس کی ترتیب اور سینگ آگے پیچھے نیز مرد و عورت کا لحاظ کرتے ہوئے پھر حاضر و غائب اور ایک دو جس کے لیے جو لفظ بولنا ہے وہ بولنا آ جاوے کسی بھی زبان کی گفتگو جتنی زیادہ اہل زبان کے مطابق ہو۔ چیز میں مطابق اور سیٹ اور مرتب ہوگی وہ کلام اتنا ہی زرتین دشمن اور جاندار ہوگا یوں چاہے ٹوٹے پھوٹے غیر مرتب کلام سے بھی کبھی مراد تک رسائی ہو جاتی ہے۔

تو درس نظامی کے طالب علم کے لیے سب سے اول تو ان چاروں علوم میں مہارت درکار ہے اسے ضروری ہے کہ ان میں خوب محنت کرے تاکہ عربی زبان پر اس کو دسترس ہو جائے۔

مگر پھر فقط عربی آنے کے لیے گزشتہ چار علوم سے کام چل جائے گا لیکن تین علوم جدید اور ایسے ہیں کہ بغیر ان کے جانے قرآن کے صحیح مطلب تک پہنچنے میں لوگ زبردست غلطی کرنے لگے تھے اور قرآن کا جو یہ مجزہ ہے کہ جنات و انسان سب ملکر بھی اس جیسی ایک سورہ نہیں بنا سکتے کیوں نہیں بنا سکتے اور اس کی وجہ کیا ہے۔

وہ ان تین علوم کے ذریعہ سے ہی جانا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان تین علوم میں جنہوں نے ممتاز اور اعلیٰ مقام پایا ہے قرآن کریم کے صحیح سمجھانے میں وہ سب سے سبقت لے گئے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا۔

لَوْلَا الْأَعْرَابُ لَمَفَاهَمَ الْقُرْآنُ۔ کہ اگر دو لنگڑے نہ ہوتے تو قرآن نہ سمجھا جاتا ان دو لنگڑوں سے مراد ایک تو علامہ زبیری ہیں جن کی تفسیر کشاف ہے اور دوسرے علامہ تفتازنی ہیں جنہوں نے انہی تین علوم پر کتاب مختصر المعانی لکھی ہے اور وہ تین علوم یہ ہیں (۱) علم معانی (۲) علم بیان (۳) علم بدیع (ان تینوں کا اکٹھا نام ”علم بلاغت“ بھی ہے)۔

بہر حال یہ تین علوم یوں تو کسی بھی زبان اور عربی کے ہر کلام میں کام آسکتے ہیں مگر یہ نظر ان کی ایجاد میں وہ قرآن کی افہام و تفہیم ہے اس لیے کوئی بھی شخص ان تینوں کے جانے بغیر اپنے کو تفسیر کا اہل سمجھے تو سمجھے مگر حقیقت میں وہ مفسر کہلانے کا

خود الفاظ اور عبارت پھر ان کی ترتیب اور تنسیق (سٹیجنگ) قرآن کریم میں اس قدر حیرت انگیز ہے کہ جس کو بیان میں نہیں لا یا جاسکتا، رہے مضامین تو ایک ایک آیت میں ایسی بات کہہ دی گئی ہے کہ اس سے خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ خالق رب کائنات کا کلام ہی ہو سکتا ہے دنیا کا کام انسان تو الگ جو بادشاہ ہوتے یا کھلاتے ہیں وہ بھی ایسے دعویٰ کے اہل نہیں ہیں مثلاً یہی آیت ”الہم لجعل الارض کفانا احياء و امواتا“ (کہہ دیا ہم نے زمین کو مردوں کی کھپت کی جگہ نہیں بنایا) کہ اسی میں پیدا ہو رہے ہیں اسی میں رہائش ہے اسی میں مر کے کھپ رہے ہیں اور اسی میں ہماری تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ بہر حال ”گفتگو“ سب سے بڑے انقلاب کا ذریعہ ہے اور گفتگو کی دنیا میں ہر کسی کا رہنا ایک فطری اور طبعی بات ہے اس کا مذاقہ اس کی طاقت سے ہر کسی کو واسطہ پڑتا ہے گفتگو کے نئے نئے انداز اور طریقے گفتگو کا کیف اور مزہ اس کا اچھا اور مندا ہونا اس کا مہذب اور بے ڈھنگا ہونا اور بعض گفتگوؤں کا تاثیر میں جادو کا کام کرنا اس سے کون واقف نہیں ہے اسی لئے اس امت کے لئے جو ”معجزہ“ منتخب کیا گیا ہے وہ کلام سے متعلق ہے پوری دنیا میں ”قرآن کریم“ وہ واحد کتاب ہے جس کے سامنے نہ صرف مسلمان بلکہ پوری دنیا کے دانشور اور پڑھے لکھوں کے ”سور تسلیم“ خم ہیں اور ہر معقول آدمی اس کی حقانیت کا قائل ہے۔ اور پوری دنیا کو سخر رکھنے اور ہدایت بخشنے میں جو اس کی شاندار تاریخ ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

تو علم بیان وہ علم ہے جس میں ایک ہی مضمون اور بات کو ایسے مختلف انداز اور ڈھنگوں سے کہنا آجائے کہ ان میں سے کوئی انداز واضح اور صاف ہو کسی میں کم درجہ کی وضاحت ہو کسی میں بہت زیادہ درجہ کی وضاحت ہو۔ اور کسی میں وہ بات چھپ کر ہو اور کسی میں بھی اور زیادہ چھپانے کے انداز میں ہو۔ مثلاً ہم جب کھانے کے لئے بلائیں گے تو عام آدمی کے لئے بلاغت یہ ہے کہ یوں کہیں ”آجا بھائی روٹی کھالے“ پڑھا لکھا ہو تو کہیں ”گے“ ”ما حاضر“ لے لیجئے“ یا۔ ”کچھ نوش جان فرما لیجئے“ یا۔ آئیے تشریف لائیے، جان کا بدلہ مانتا خلتی“ حاضر ہے تو ایک ہی مضمون ہے اس کی تعبیر ہلکی بھاری سخت نرم مہذب وغیر مہذب جو ہو سکتی ہے مثلاً آؤ پیٹ میں کچھ ڈالو، یا آؤ پیٹ کی ترائی کر لیں اس طرح کہ غیر مہذب انداز میں بھی کہا جاسکتا ہے بطور مزاق کے۔

تو گفتگو کے اتار چڑھاؤ بہت ہیں جنہیں اختیار کر کے کلام میں فصاحت و بلاغت آتی ہے اب یہ اتار چڑھاؤ یا نشیب و فراز جس فن سے سیکھے جاتے ہیں وہ ”علم بیان“ کہلاتا ہے۔ لیکن علماء گفتگو ہم جن کو بلغاء کہتے ہیں پھر علم بیان کو تین بحثوں اور تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱) حقیقت و مجاز کی بحث (۲) تشبیہ کی بحث (۳) کنایہ کی بحث

بنیادی طریقے گفتگو کے تین ہی نکلتے ہیں اس طرح کہ آدمی بات کہنے کا عادی اور پرکی تین شکلوں میں ہے کبھی تو بات حقیقت و مجاز کے انداز میں کہی جاتی ہے اگر کسی لفظ سے وہی مراد لیا جاوے جس کے لئے وہ طے ہے، اس کو تو ”حقیقت“ کہتے ہیں اور اگر اس سے ہٹا کر جس کے لئے وہ طے نہیں ہے اس میں استعمال کریں تو اس کو ”مجاز“ کہتے ہیں۔ مثلاً ”سوڈ“ ہاتھی کی

ناک کو کہتے ہیں اگر غصہ میں آدمی کے لئے کہا تیری ”سوئڈ“ توڑ دوں گا۔ تو اب مجاز ہو گیا ”ایسے ہی“ وہ اللہ کی رحمت میں چلا گیا ”اس میں رحمت“ سے مراد جنت ہے کیونکہ رحمت ہوتی ہی ہے جنت میں ”تو اب جنت میں جانا“ بعینہ ”رحمت“ میں اور رحمت میں جانا بعینہ جنت میں جانا ہے لہذا رحمت کی جگہ جنت میں جانا اور جنت کی جگہ رحمت میں جانا ہر دو بتلایا جا سکتا ہے ”یہ تو حقیقت اور مجاز کا مطلب ہے“۔

دوسرا طریقہ گفتگو کا یہ ہے کہ آدمی ”تشبیہ“ یعنی کسی کو کسی چیز جیسا بتا کر بات کیا کرتا ہے مثلاً کہا کرتے ہیں اونٹ کی طرح بڑبڑ کرتا ہے۔ اور کتے کی طرح بھونکتا ہے اور بلی کی طرح چا پلوسی کرتا ہے۔ کوئے کی طرح ٹھونکتیں مارتا ہے اس طرز کی تشبیہ والی گفتگو کے تشبیہ و فرماز اور مذہب و جزر سے واقفیت کا بیان بھی اسی علم بیان میں ہوتا ہے۔ جس چیز جیسا بتایا جاوے اس کو ”مشبہ بہ“ کہتے ہیں اور جس کو بتایا جاوے اس کو ”مشبہ“ کہتے ہیں اور جس چیز میں بتایا جاوے اس کو ”وجہ شبہ“ کہتے ہیں۔

تیسرا طور و طریق گفتگو کا وہ ہے جس کو ”کنایہ“ کہتے ہیں یہ سب سے مہتمم بالشان چیز ہے جس کا جانا فصاحت و بلاغت کے لئے ضروری ہے اس میں ہوتا یہ ہے کہ اندر اندر ذہن اور دل میں کسی چیز کو کسی چیز جیسا مان کر جس چیز جیسا مانا ہے اس والی چیز کو اس کے لئے ثابت کر دینا جس کو اس جیسا مانا ہے مثلاً ”شیر نے اپنے پنجے گاڑ دیئے“ اندر اندر ہم نے کسی بہادر آدمی کو ”اصلی شیر“ جیسا خیال کر کے ”پنجے“ جو شیر کے ہوا کرتے ہیں اس بہادر آدمی کے لئے ثابت کر دیئے۔ اور اس میں خاص قابل دھیان بات یہ ہے کہ ”کنایہ“ میں ایک چیز کو دوسری جیسا بتانے کے پتہ دراصل وہ لوازم اور مرادفات اور مناسبات ہی دیتے ہیں جو ایک کے دوسرے کے لئے ثابت کئے جاتے ہیں مثلاً ہمیں گزشتہ مثال میں ”پنجوں“ کے لفظ ہی سے پتہ چلا کہ ہم آدمی کو ”اصلی شیر“ کی طرح کہہ رہے ہیں ایسے ہی ”انْشَبَّتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا“ کہ موت نے اپنے پنجے گاڑ دیئے اس میں موت کو درندہ کی طرح مانا جانے کو جو چیز ظاہر کر رہی ہے وہ لفظ ”أظْفَارَهَا“ ہے جو درندہ کے ہوتے ہیں نہ کہ موت کے لیکن ”أظْفَارَ“ کو ثابت کرنا ”مَنِيَّةُ“ کے لئے ظاہر کر رہا ہے کہ ہم دل دل میں ”مَنِيَّةُ“ کو ”سَبْعُ“ کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں۔ مجاز اور کنایہ دونوں میں ہی اصل کو چھوڑ کر دوسرے معنی کا ارادہ ہوا کرتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ مجاز میں تو اصلی والے معنی مراد نہیں لئے جاسکتے ”کنایہ“ میں اگر کوئی قرینہ اور نشانی نہ ہو تو اصلی اور مجازی دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں اگر چہ ارادہ ”کنایہ“ میں بھی دوسرے غیر اصل والے معنی ہی کا ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ شیر نے ٹریفک روک دیا“ یہاں شیر سے حقیقی شیر جب کہ جنگلوں کی بات ہو یا بہادر لیڈر جب کہ شہر اور آبادی کی بات ہو دونوں مراد ہو سکتے ہیں البتہ قرینہ قائم ہو جانے پر جب ثانی ہی معنی مراد لینا طے ہو جائے تو یہ مثال ”کنایہ“ کی بن جائیگی ورنہ حقیقت پر مبنی ہوگی۔ ایسے ہی تشبیہ اور مجاز میں فرق یہ ہے کہ اصلی معنی کو چھوڑ کر جب دوسرے معنی مراد لے رہے ہوں تو اگر تشبیہ کی وجہ سے دوسرے معنی کا ارادہ ہے تب تو یہ تشبیہ ہے ورنہ مجاز جیسے ”سوئڈ“ کسی کی ناک کو کہنے میں اگر موٹا یا اور بھد اپن ذہن میں ہے تو تشبیہ ہے یہ ذہن میں نہ ہو تو مجاز ہے۔ ایسے ہی تشبیہ اور کنایہ میں کنایہ کے

اندر زیادہ مبالغہ ہوتا ہے جو تشبیہ میں نہیں ہوتا کیونکہ تشبیہ میں تو اصل اور وہ جس کو اس جیسا بتایا جاتا ہے دونوں ہی ذہن میں رہتے ہیں اور کنایہ میں کسی چیز کو اصل کی طرح ماننے میں اتنا غلو ہوتا ہے کہ وہ اصل چیز کا درجہ اختیار کر لیتی ہے تبھی تو براہ راست اصل والی چیز جو اصل کے لئے ہوا کرتی ہے اس کے لئے ثابت کر دی جاتی ہے جیسے کہ اوپر والی مثال میں موت کے لئے ”بچے“ کا ذکر آچکا ہے موت کو بعینہ درندہ خیال کر کے ”بچہ اور گڑونا“ سب کچھ اس کے لئے ثابت کر ڈالا۔

کنایہ کی بحث سب سے اچھوتی اور نرمالی ہے اس پر عبور ہی صحیح معنی میں قرآن نہیں کا ذوق پیدا کرتا ہے آج کی اصطلاح میں بھی اس کا زبردست استعمال ہے چنانچہ اُمَّةٌ السُّوَارِ (ڈاڑھی والی قوم) سے بول کر ”امریکا“ کو بول کر مراد لیا جاتا ہے۔ ”اَلْاَطْقُونُ بِالضَّادِ“ سے عرب لوگ یا عربی بولنے والے حضرات مراد ہوتے ہیں خواہ کہیں کے بھی ہوں ایسے ہی نَظَالَةُ الْيَدِ ”ہے عفت و امانت اور بے خیانت والے ہاتھ مراد لیتے ہیں ایسے ہی اس کی آنکھ سر اپا ذکاوت ہے آنکھ کی ذکاوت سے خود اس آدمی کا ذکر ہونا مراد لیا جاتا ہے۔

علم بدیع

تیسرا علم جس سے قرآن کا اعجاز اور اس جیسا کلام بنانے سے انسانوں اور جنات کی بے بسی کا کچھ اندازہ لگتا ہے وہ ”علم بدیع“ ہے۔ بدیع بمعنی انوکھا کیونکہ قرآن کا طرز بیان انتہائی البیلا اور عجیب واقع ہوا ہے جس کا کچھ اندازہ اس علم بدیع کے حاصل کرنے سے ہوگا۔

میں ایک دو مثال پر اکتفاء کرتا ہوں۔ علم بدیع میں ایک چیز ہے ”لَعَلَّ وَنَشْرُ مُرْتَبٍ“ یعنی کس چیز کو اجمالاً جس ترتیب سے لائے تفصیل میں بھی وہی ترتیب ہو جیسے: ”وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ“ یعنی منجملہ خدا کی مہربانیوں کے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنا دیا تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور یہ رات دن اس لئے بھی بنائے کہ تم ان چوبیس گھنٹوں میں اس کا شکر ادا کرو یعنی اس کے حکموں پر چلو۔ تو لیل اور نہار لا کر پھر ایک کے فائدہ کی تفصیل اسی ترتیب پر ہے رات کا ذکر پہلے کیا تو اس کے فائدہ کا ذکر بھی اول ہی میں رکھا۔

ایسے ہی ”تَسْبَا هُلُ الْعَارِفِ“ یہ بھی علم بدیع کے اندر جو محبتات اور خوبصورتی لانے والی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے ان میں سے ایک ہے یعنی کسی چیز کو جانتے ہوئے بھی انہماں کے انداز میں پوچھنا جیسا کہ عرب کی ایک شاعرہ اپنے بھائی کے مرنے پر اس کا مرثیہ کہتے ہوئی کہہ رہی ہے۔

مَالِكُ يَا شَجَرَ الْخَانُودِ مَوْرِقًا ☆ كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَيَّ ابْنَ الطَّرِيفِ

توجہ: اے خابور نامی درخت تجھے کیا ہو گیا کہ ورق اور پتوں والا ہو رہا ہے یعنی پھل پھول رہا ہے لہذا ہا ہے۔ گویا کہ تو میرے بھائی ”ابن الطریف“ پر جزع اور گھبراہٹ ظاہر نہیں کر رہا ہے۔

یہاں شاعرہ درخت کو ڈانٹ رہی ہے کہ تو میرے بھائی کے قتل کا حادثہ پیش آنے کے بعد بھی تجھے پھل پھولنے کی نوبت آرہی ہے تجھے اس کے غم میں خشک مر جھانا ہو جانا چاہئے تھا تو درخت غیر عاقل ہے اس کو کسی کے قتل کے غم سے کیا واسطہ لیکن پھر بھی شاعرہ اس کو عقلمندوں والا خطاب کر رہی ہے۔ (۲) قرآن پاک میں (وَمَا تِلْكَ بَيِّنَاتٍ يَا مَوْسَىٰ) حضرت موسیٰ کو پوچھنا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے اسی قبیل سے ہے ورنہ اللہ تو بکلی ہشی عَٰلِمٌ سے متصف ہے ایسے ہی بچوں سے محبت میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے پوچھتے رہتے ہیں ”بیٹا کیا کھا رہے ہو“ کیا کر رہے ہو“

تو تین علوم (۱) علم معانی، (۲) علم بیان، (۳) علم بدیع ان کے لئے ”درس نظامی“ میں تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی داخل نصاب ہے یہ قرآن فہمی اور اس کی مراد تک رسائی کے لئے اچھی طرح پڑھنے اور جاننے ضروری ہیں اب یہ کل سات علوم ہو گئے تو یہ ساتوں علوم ہر کسی زبان کے لئے چل سکتے ہیں اور چلائے جاسکتے ہیں مگر علماء کرام نے قرآن و حدیث کو ان کی ہی زبان میں کما حقہ سمجھنے کے ان علوم کو تیار کیا ہے یوں چلا لو چاہے جس زبان میں، چنانچہ اور زبانوں میں ان علوم کا پایا جانا یہ صرف اور صرف عربی زبان کی مدد سے اور اس کے طفیل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جب تک اہل زبان کی طرح عربی پہ قدرت نہ ہو تب تک قرآن کی فصاحت و بلاغت اور جادو بیانی کا اندازہ کرنا تو بہت دور کی بات ہے ترجمہ اور اصل مطلب تک رسائی بھی صحیح ہو جائے تو غنیمت ہے آج کل جو اردو تقاسیر کی مدد سے اور عربی سے عربی مطالعہ نہ ہونے کے باوجود مفسر ہو رہے ہیں گو ہو رہے ہیں مگر وقیع اور جاندار بات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ”درس نظامی“ کے طالب علم کے لئے کچھ اور علم بھی ضروری ہیں ان میں سے ایک ”علم التجوید“ ہے جس کا تعلق صرف قرآن کی صحت الفاظی اور صحیح ادائیگی سے ہے ہر حرف کو جہاں سے اسے نکلنا چاہئے وہیں سے نکالنا اور جس کو موٹایا باریک یا کھینچ کر اور بغیر کھینچے پڑھنا منجانب اللہ ثابت ہے اسی طرح اس کو پڑھنا۔ ایک اور علم جس کو ”علم قرأت“ کہتے ہیں اس کا تعلق قرآن کے بعض الفاظ کو مختلف طرح پڑھنے کے جاننے سے ہے مثلاً۔ مالک یوم الدین میں مَلِک (بمعنی بادشاہ) بھی ایک قرأت اور پڑھائی ہے ایسے ہی یُسُورٌ میں یُسُورٌ بغیر تشدید شین کے بھی پڑھنا ثابت ہے اور معنی ایک ہی رہتے ہیں تو اس طرح جہاں کہیں لفظوں میں کئی کئی قرأتیں اور پڑھائی اوپر سے ہی من جانب اللہ ثابت ہیں ان سے واقف کار کو (قاری صاحب) کہا جاتا ہے لیکن قرأتوں سے واقفیت کے لئے مولوی اور عربی سے واقف ہونا ضروری ہے آج کل مجازاً اٹالی صحیح الفاظ سے واقف کو بھی ”قاری“ کہہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ صرف ”مُجَوِّد“ یا ”صاحب التجوید“ کہلانے کا مستحق ہے۔

مجملہ ان علوم کے جن کو ”درس نظامی“ میں پڑھنا ہوتا ہے ”علم عقائد“، ”علم فقہ“، ”علم اصول فقہ“ بھی ہیں

نیز ”علم اسباب نزول“ ”علم نسخ منسوخ“ اور علم حدیث بھی ہیں تشریح ان کی یہ ہے کہ

علم عقائد وہ علم ہے کہ جس میں کسی عقیدہ کو بذریعہ عقلی و نقلی دلیل ثابت کرنا سکھایا جاتا ہے، عقیدہ کے معنی ہیں ”رَبَطُ الْقَلْبِ بِشَيْءٍ“ یعنی کسی چیز سے دل بندھا اور جڑ جانا یعنی ذہن اور قلب میں کوئی بات بٹھالینا یا بٹھادینا مثلاً ایمان مفصل میں آمنت باللہ و ملککے اندر جن سات اشیاء کا ذکر ہے وہ سب عقیدے ہیں کہ اللہ ہے، فرشتے ہیں، یوم آخرت ہے، تقدیر ہے ان سب باتوں کو بذریعہ دلائل عقلیہ منوانا آجانا یہ ”علم عقائد“ کی حقیقت ہے یاد رہے کہ علم عقائد کا دوسرا نام ”علم کلام“ بھی ہے اور تقریباً ”علم مناظرہ“ بھی یہی ہے۔ کیونکہ دلیل عقلی سے کسی بات کو ثابت کرنے میں بہت کلام اور بولنا کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کا نام یہ بھی پڑ گیا اور جو اس علم سے واقف ہوں ان کو ”متکلمین“ کہا جاتا ہے گویا وہ بولتے ہی رہتے ہیں اور عقلی دلیلیں فراہم کرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ صرف ایمان کے بل بوتے پر کسی چیز کے ماننے کو تیار نہ ہوں ان کو سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے دراصل اس فن کی ایجاد ہے جس کے لئے درس نظامی ”میں شرح عقائد“ نام کی کتاب داخل ہے۔

”علم فقہ“ دراصل مسائل فرعیہ اور احکام شرعیہ یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ کے مسائل جاننے کا نام ہے ”ملا بد منہ“ نور الایضاح ”شرح وقایہ“ کنز ”قدوری یہ سب کتابیں اس فن میں ہیں۔

”علم اصول فقہ“ وہ ہے کہ شریعت کا ہر حکم بنیادی طور پر قرآن سے نکلتا ہے مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینے کا فرض ہونا، حج کرنا ضروری ہونا، روزہ رکھنا لازم ہے یہ سب ”قرآن“ نے بتایا لیکن نمازیں کتنی ہیں، زکوٰۃ کتنے مال پہ ہے اور کتنی ہے، حج کس پے واجب ہوتا ہے، یہ سب تفصیل رسول کے کلام میں ہوتی ہے جس کو ”حدیث“ کہتے ہیں پھر اللہ اور اس کے رسول کی تشریح و وضاحت کے بعد بھی فقہاء اور اہل فتاویٰ یہ طے کرتے ہیں کہ کسی عبادت کے جو اجزاء ہیں ان میں سے کون سا فرض ہے اور کون سا واجب ہے کون سنت کون مستحب چونکہ ہر جزء کو ایک ہی مرتبہ حاصل نہیں ہوتا ہے بعض اجزاء کو تو رکن اور فرض کا درجہ حاصل ہے اس کے چھوٹنے سے نماز ہی نہیں ہوتی اور بعض کو وجوب کا درجہ حاصل ہے جس کے چھوٹنے پر سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے اور بعض اجزاء سنت ہیں ان میں سے کسی کے چھوٹنے پر نماز کا اعادہ محض سنت رہ جاتا ہے گو فریضہ اس کے ذمہ سے اتر جاتا ہے تو یہ سب طے اس طرح ہوتا ہے کہ جتنے اجزاء کا ذکر قرآن میں آ گیا وہ فرض اور رکن ٹھہرے جیسے نماز کے لئے قرأت، رکوع، سجدہ، یہ سب فرض کے درجے میں ہے اور ان کے باقی اجزاء کا مقام و مرتبہ واجب یا سنت یا مستحب ہونے کا رسول کے کلام سے اندازہ لگاتے ہیں اور طے کرتے ہیں جس کے لیے باقاعدہ اصول اور ضابطے قرآن و حدیث کی روشنی میں بنائے گئے اور ان کے تحت ہی رہ کر واجب، سنت، مستحب ہونے کا فیصلہ دیا جاتا ہے تو ایسے اصول جاننے کا نام ”علم اصول فقہ“ ہے گویا کوئی مسئلہ کہوں سے نکلا اور کیا اس کا درجہ اور حکم ٹھہرانا ہے یہ سب ”اصول فقہ“ سے آتا ہے شریعت کے ہر مسئلہ کا مدار اور مرجع چار چیزوں پر ہے، (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع (۴) قیاس۔ اگر کسی مسئلہ اور حکم کا ذکر قرآن میں آ گیا تو قرآن اس کی

دلیل بن گئی۔ حدیث میں آگیا تو حدیث اس کی دلیل بن گئی اور اگر نہ وہ مسئلہ قرآن میں ہونہ حدیث میں تو اب مسلمانوں کا اس کے بارے میں جو فیصلہ طے ہو یعنی اجماع اور اتفاق اس کے حلال یا حرام، جواز اور عدم جواز پر یہ اس چیز کے لئے طے کرے گا کہ وہ حلال ہو یا حرام اگر یہ نہ ہو تو چوتھے نمبر پر ”فتیاس“ ہے یعنی اندازہ لگانا اور سوچ بچار کر کے اس چیز کو ان چیزوں سے جوڑنا جن کا حکم پہلے سے معلوم ہے مثلاً قرآن حدیث سے شراب کی حرمت تو ثابت ہے مگر بھگ افیون اور دیگر نشے کی چیزیں ان کو حرام یا حلال کہنے کے لیے شراب پر قیاس کیا گیا کہ چونکہ ان میں بھی مثل شراب کے نشہ ہے لہذا یہ بھی مثل شراب کے حرام ہوں گی۔ بہر حال، علم اصول فقہ کے لیے درس نظامی میں اصول الشاشی، نورالانوار اور حسامی جیسی کتابیں ہیں۔

”علم اسباب نزول“ اور علم فاسخ و منسوخ ان دونوں فنون کا تعلق خالص قرآن سے ہے قرآن کی کچھ آیات ایسی ہیں کہ اگر یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس واقعہ میں اور کس موقعہ پر اتری ہیں تو وہ آیتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں مثلاً سورۃ نور میں قصہ اقل اور اماں حضرت عائشہ پر تہمت کے سلسلہ میں جو آیات ہیں ان کے بارے میں جب تک پورا قصہ سامنے نہ ہو سمجھنا مشکل ہوتا ہے پس منظر اور پیش آمدہ واقعات جو کسی آیت سے متعلق ہے اس سے واقف ہونا ”علم اسباب نزول“ کہلاتا ہے اور ”ناسخ و منسوخ“ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں بعض حکم اتر کر پھر ختم ہو گئے اور جس آیت میں وہ حکم اترتا تھا وہ بھی ہوتی ہے اور جس آیت سے وہ ختم ہوا وہ بھی ہوتی ہے تو ان دونوں آیتوں کے بارے میں یہ علم ہونا ضروری ہے کہ پہلے کونسی اتری کونسی بعد میں تو اس طرح کے علم کی واقفیت ”علم الناسخ و المنسوخ“ کہلاتا ہے۔ اور بذریعہ رسول جس آیت کی جو تشریح ہوئی ہے اس کو جاننا یہ ”علم حدیث“ ہے۔

اور دو علم درس نظامی میں الگ سے ہیں جن کا شریعت اور دین سے تو کوئی تعلق نہیں ہے لیکن فائدہ ان کا بحد ہے (۱) علم منطق (۲) علم فلسفہ یہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

علم منطق کا مقصد تو صرف ذہنی ورزش اور گفتگو میں تیز و طرار کرنا ہے اور ذہنی اعتبار سے اتنا پکا کرنا ہے کہ آدمی کسی بات کا شروع اور اخیر ایک دم سے سامنے کر کے مخالف کو صحیح حقیقت سے آگاہ کر دینا اور اس کی بات کی کمی کو پکڑ کر اور اس کی کمی دکھلا کر اس کو گرفت میں لے کر بے بس کر دینا ہے فن منطق کا ہتھیار بھی مولوی کے لیے ایک کارگر ہتھیار ہے جو اعداء دین سے گفتگو کے لیے بے حد ضروری ہے اسی منطق کی وجہ سے تو: ”ملا آں باشد کہ چپ نہ شود“ مشہور ہو گیا۔ رہا فلسفہ تو فلسفہ کے معنی ہیں سائنس اور عقل و شعور کے بقدر حاکم انسانی کائنات میں موجود اشیاء کی حقیقت پر مطلع ہونے کا نام فلسفہ ہے جو آج کل سائنس کے نام سے مشہور ہے چونکہ یہ فن مستقل مشغولیت کو چاہتا ہے اس لیے تھوڑا بہت اتنا پتا ہونے کے اس کی بھی ایک آدھ کتاب ”درس نظامی“ میں داخل ہے جیسے کہ میبذی ہے۔

ایک علم ”علم ہیئت“ ہے یعنی ستارے چاند سورج اور آسمانوں کی گردش اور ان سے پیدا شدہ نتائج کا علم جس فن

سے ہو وہ علم ہیئت ہے جس سے کلینڈر اور جنتری تیار کرنا ہوتا ہے۔ اور ایک علم ”ہندسہ“ ہے جس میں مکانات اور تعمیرات سے متعلق معلومات ہوتی ہیں، جس کو آج کل ”انجینیری“ کہتے ہیں اور ایک علم ”علم ریاضی“ ہے جس میں گنتی، حساب اعداد و شمار کا علم آتا ہے، اور اس کے علاوہ بہت علوم و فنون کی قسمیں اور شاخیں ہیں اور ”الکلی فن رجائ“ کے تحت سب کے جاننے والے دنیا میں ہیں مگر بطور خلاصہ درس نظامی کے علوم اب (۱) علم لغت (۲) علم اشتقاق (۳) علم صرف (۴) علم نحو (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم بدیع (۸) علم تجوید (۹) علم قرأت (۱۰) علم عقائد (۱۱) علم فقہ (۱۲) علم اصول فقہ (۱۳) علم حدیث (۱۴) علم تفسیر یہ کل چودہ علوم ہیں اور پندرہواں علم ”علم وہبی“ بتایا جاتا ہے یعنی قرآن مجید کی خدا داد صلاحیت جو خدا کا ایک عطیہ اور ہبہ ہے جس کو بھی خدا عطا کر دے، اب ان کے ساتھ علم منطق، علم فلسفہ لگ کر (جن کا افادیت مسلم ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا) کل سترہ (۱۷) علوم ہو گئے جن میں کو درس نظامی کے طالب علم کو نکلنا پڑتا ہے اور تقریباً پورے دس سال درکار ہوتے ہیں اس طرح کہ سال اول میں (فارسی کی جماعت) (۲) دوسرے سال میں (میزان کی جماعت) (۳) تیسرے سال میں (ہدیۃ النحو کی جماعت) (۴) چوتھے سال میں (کافیہ کی جماعت) (۵) پانچویں میں (شرح جامی کی جماعت) (۶) چھٹے سال میں (مختصر کی جماعت) (۷) ساتویں سال میں (جلالین شریف کی جماعت) (۸) آٹھویں میں (مشکوٰۃ کی جماعت) (۹) نویں میں (دورۃ حدیث شریف کی جماعت) (۱۰) اور دسویں میں ”اہنتہ“ کی جماعتوں میں رہنا ہوتا ہے۔

ان دس جماعتوں میں ہر سال کی جماعت کا نام تسمیۃ الکمل باسم الجزء کے قبیل سے ہے یعنی جس سال جو کتاب اہم ہے اسی کے نام پر اس سال والی جماعت کا نام رکھ دیا ان دس سالوں میں الگ سے طالب علم کی صلاحیت کو عمدہ بنانے کے لیے جو فنون کی کتابوں کے لیے الگ سال لگانا پڑتا ہے اس سال کی کتابیں بھی انہی سالوں میں آسکتی ہیں۔ جو اس طرح یہ پورے ”دس سال“ جماعت فارسی سے مفتی بننے تک کا طالب علم کا سفر ہے۔ میرے خیال میں ان دس سال میں سے پہلے چار سال کو (یعنی فارسی سے کافیہ تک) (درجہ عربی ادنیٰ) کی تعلیم قرارنا چاہئے اور ان کے مدرسین درجہ عربی کے (درجہ ادنیٰ کے مدرسین) کہلائے جانے چاہئیں، اس کے بعد تین سال (جماعت شرح جامی، جماعت مختصر، جماعت جلالین شریف) (درجہ وسطی عربی) کی تعلیم مانتی چاہئے اور ان کے مدرسین کو (درجہ وسطی کے مدرسین) کہلائے جانے چاہئیں۔ اور پھر تین سال (جماعت مشکوٰۃ شریف دورۃ حدیث شریف اور افتاء ان کی تعلیم) (درجہ علیا) کی تعلیم مانتی چاہیے اور ان کے مدرسین بھی ”(درجہ علیا کے مدرسین) کہلائے جانے چاہئیں۔ اور حسب مراتب معاملہ رہنا چاہئے۔

اب یاد رہنا چاہئے کہ جن چیزوں میں طوالت مطلوب ہے ان میں اختصار کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے اور نہ مطول کو مختصر کر کے مطلوبہ فائدہ مرتب ہو سکتا ہے اس لیے جس چیز میں جتنا وقت درکار ہے اتنا ہی اس میں لگے گا تب کہیں صحیح نتیجہ سامنے آئے گا ورنہ تو پھر کرنے والا اور نہ کرنے والا ایک ہی درجہ میں ہو جائے گا آجکل دنیوی تعلیم میں ڈاکٹری کی ڈگری اور سند اپنے طور پر

دو چار سال نجی تعلیم حاصل کر کے جوئل جایا کرتی تھی اس کو سرکار نے بالکل بند کر دیا ہے اور باقاعدہ جتنے سالوں میں کالجوں میں داخلہ لے کر ڈاکٹری کی تعلیم کا کورس ہے اس کے پورا کرنے والے کو سند دینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ باقاعدہ وقت اور ذہن لگا کر جو چیز حاصل کجائے گی وہ اور محض رسی سند لینے کے لیے جو تعلیم پائی دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اسی لیے مشہور ہے: ”نیم ملا خطرہ ایمان، نیم حکیم خطرہ جان“ جس کو مذہبی مکمل تعلیم نہ ہو وہ ایمان خراب کرے گا اور جس کو مکمل طب حاصل نہ ہو وہ جان کے لیے خطرہ بنے گا۔ کوئی بھی کام ہو جتنا جم کر یکسوئی کے ساتھ اس میں لگا جائے گا اتنا ہی اس کا فائدہ معیاری سامنے آئیگا سرسری کرنے اور سیکھنے سے اس میں پختگی، تثبت اور جماؤ جو آنا چاہئے وہ نہ آ پائیگا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن حضرات نے ”درس نظامی“ کو گھس گھس کر جم کر اور رم رم اور سمجھ سمجھ کر پڑھا وہ ہی ایسے نکلے کہ جن سے دین اور احیاء دین کی دقیق خدمات سامنے آئیں اور یہ ہے بھی حقیقت کہ جب تک آدمی کسی کام میں خود پختہ اور صاحب بصیرت نہ ہو خود کو اس میں یقین کی کیفیت نہ ہو تب تک اس کا داعی اور علمبردار ہونا تو بہت دور کی بات ہے خود کو اسپر آنا اور جتنا برقرار رہنا بھی ضروری نہیں قرآن کریم کی وہ دو آیتیں جن میں علم دین کے حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) لِّلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (۲) فَلَوْلَا نَفْرٌ مِنْ كُلِّ قَرْيَةٍ لَهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ - ان دونوں آیتوں سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ دین کے طالب علم کو ایک جگہ ڈیرہ اور پڑاؤ ڈال لینا چاہئے اور لا یَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ اور أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جیسی صفات والا ہونا اس کو چاہئے اور ایک جگہ پڑ کر علم دین کے حاصل کرنے میں پختگی اور کمال حاصل کریں اور لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ کا مصداق بننے کے بعد پھر و لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ میں جو فرض منصبی اس کو سونپا گیا ہے اس کی ادائیگی سے کما حقہ سبکدوش ہو سکے۔

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ :- کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحب معارف القرآن ن میں لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم نے اس جگہ علم دین کی حقیقت اور اس کا نصاب بھی ایک ہی لفظ میں بتلا دیا ہے کہ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ یہ موقع بظاہر اس کا تھا کہ یہاں يَتَعَلَّمُوا الدِّينَ کہا جاتا یعنی علم دین حاصل کریں مگر قرآن نے اس جگہ تَعَلَّمَ کا لفظ چھوڑ کر تَفَقَّهُ کا لفظ اختیار فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں وہ تو بہت سے یہود اور نصرانی بھی پڑھتے ہیں بلکہ علم دین سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے۔ یہی لفظ تَفَقَّهُ کا ترجمہ ہے اور یہ فقہ سے مشتق ہے فقہ کے معنی ہی سمجھ بوجھ کے ہیں یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ مجرد کے صیغہ سے لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ نہیں فرمایا بلکہ لِيَتَفَقَّهُوا جو باب تفعّل سے ہے فرمایا جس کے معنی میں محنت اور مشقت کا مفہوم شامل ہے مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت و مشقت اٹھا کر مہارت حاصل کریں سطور بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ درس نظامی کے طالب علم کے لیے مخلوط تعلیم سراسر نقصان دہ ہے اور جیسے قرآن نے بتایا کہ ایک غلام دو آقاؤں کو خوش نہیں رکھ

سکتا یہی حال مخلوط تعلیم کہ عربی اور انگلش دونوں ایک ساتھ پڑھائیں ایسا کر کے وہ بچہ ”مذبذب“ بن جاتا ہے اور نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم کا مصداق ہونے کی وجہ سے دین و دنیا کسی کے بھی قابل نہیں رہتا نہ تو دینی تعلیم میں ہی اس کو دستگاہ اور پختگی میسر آتی ہے اور دنیوی تعلیم میں ہی۔ آج ہم اس دھوکہ میں ہیں کہ دینی طالب علم کے لیے عصری علوم اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ حد نہیں اور گویا بغیر اس کے کام نہیں چلے گا حالانکہ علوم عصریہ کے بجائے دینی تڑپ اور جذبہ ایمان کی ضرورت ہے یہ ہوگا تو کوئی دینی خدمت انجام پانے کا ہر وقت امکان ہے ورنہ تو تمام صلاحیتوں کے باوجود باطل کی حمایت میں لگتے دیکھا ہے جن اسلاف نے دینی خدمتوں کے کارنامے انجام رکھے ہیں انہیں علوم عصریہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں رہا، حضرت شیخ الہند حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ زکریا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی وغیرہ وغیرہ ہمارے قریب کے اکابر نے کونسی عصری تعلیم حاصل کی تھی جو اسپر مدار ہو بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اصل دین کی حقیقت جس کے پاس ہوتی ہے منجانب اللہ ہی اس کے سو (۱۰۰) ترجمان اور انگریزی داں اس کے خدام میں شامل نظر آتے ہیں اس لیے یہ بہانہ کہ بغیر عصری علوم کے ہمارا دینی خدمات انجام دینا مشکل ہوگا بالکل غلط ہے عصری علوم اگر دینی تعلیم میں پختگی کے ساتھ کسی کو میسر آجائیں تو ”سونے پہ سہاگہ“ اور ”نور علی نور“ والی بات ہے مگر یہ جھانسا دینا کہ ان علوم کے بغیر دینی خدمت ممکن نہیں سراسر فریب ہے آخر کیا ساری خدمات کا دینی طالب علم نے ہی ٹھیکہ لے لیا ہے جو مولوی بھی وہی بنے ڈاکٹر بھی وہی بنے وکیل بھی وہی بنے ہم دنیوی کاموں میں دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی کسی درزی کے کام کے سیکھنے والے کو یہ جا کر نہیں کہتا کہ جناب تم درزی کا کام سیکھ رہے ہو آخر گھڑی سازی بھی تو ہے اس کو بھی سیکھو، کسی کو ذرا کہہ کے تو دیکھو ممکن نہیں ہے کہ جو ارش پاپوش کھلا کر نہ واپس کرے۔

اس لیے تمام لایعنی اور غیر متعلق کاموں میں لگے بغیر درس نظامی کے طالب علم کو اس سے متعلقہ جو علوم ہیں ان میں مہارت حاصل کر کے انہی علوم کی اشاعت میں لگ جانا چاہیے اور کسی کے کہنے سے بالکل متاخر نہیں ہونا چاہئے، تقسیم کار کے اصول کے مطابق ہم بھی اپنے کام میں ہیں۔ ہمیں اور علوم کی سرفرازی سے کیا مطلب!۔

اور حدیث پاک سے یہ استدلال کہ ایک صحابی کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا اس سے صرف جواز معلوم ہوتا ہے ترغیب یا تشویق کا پہلو اس میں نہیں ہے محض یہود کی دھوکہ دہی (جو ان کی طبائع میں ہے) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سیکھنے کو فرمایا تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے تمام شعبے موقوف کر کے دیگر زبانیں سیکھنے پہ صحابہ کو لگا دیا تھا محض ایک وقتی ضرورت پورا کرنے کے لیے آپ کا یہ حکم تھا، وقتی ضرورت پورا کرنے کے لیے کوئی نئی زبان بھی سیکھی جاسکتی ہے لیکن اسمین یہ غلو اور حد سے تجاوز کہ عربی آدے نہ آدے انگریزی اس سے مقدم ہے ہرگز درست نہیں ہے بھلا عربی دین کی زبان ہے جس کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور خود دین سیکھنا فرض عین ہے کیونکہ چہر اسی اور ایک جھاڑو لگانے

والے سے لیکر بادشاہ تک دین کا محتاج ہے انگریزی کو یہ درجہ بھی حاصل نہیں ہے محض دشمنی حاجت برآری کا ایک ذریعہ ہے بھلا جو دین کی زبان ہو اس سے جو دشمنی زبان ہو اس کا درجہ کیسے مقدم ہو سکتا ہے اولیں درجہ عربی کا ہی ہے ثالوی درجہ انگریزی ہو سکتا ہے بہت سے اہل مدارس جنکا ایک دو سفر بیرون کا جہاں ہو اوہاں سے جب واپس ہوتے ہیں تو بس یہ دھن اور خیال لیکر واپس ہوتے ہیں کہ بس اب سے تو کیا مدرسہ کا "نصاب تعلیم" اور کیا "نظام الادقات" سب بدل کے رکھ دینا ہے باہر کی دنیا سے اس قدر مرعوب ہو کر لوٹتے ہیں کہ انگریزی نہ ہوگی تو موت و زیت کا مسئلہ بن جائے گا۔ حالانکہ قرآن کریم تشبیہ فرما رہا ہے: **وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ لَيُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ** کہ اے رسول زمین پر بسنے والے بنی آدم کی اکثریت گمراہی پر ہے آپ اس سے مرعوب نہ ہوں ان کی باتوں پر کان نہ دھریں مطلب یہ ہے کہ عادیۃ انسان پر تعداد اور اکثریت کا رعب غالب ہو جاتا ہے اور ان کی اطاعت کرنے لگتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا کہ:

دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں کیونکہ وہ عقائد و نظریات میں محض خیالات اور اوہام کے پیچھے چلتے ہیں اور احکام میں محض تخمینہ اور اٹکل سے کام لیتے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ عدوی اکثریت سے مرعوب ہو کر ان کی موافقت کا خیال بھی نہ فرمائیں کیونکہ یہ سب بے اصول اور بے راہ چلنے والے ہیں۔

مضمون بالا میں جو بات کہی گئی ہے اکثر اس میں جتنا نظر آتے ہیں حالانکہ دوسری جگہ قرآن میں ہے "قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ" یعنی خبیث اور طیب کا درجہ ایک نہیں ہے گندہ گندہ ہے خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو دنیا میں کسی چیز کا عام چلن ہونا رواج پا جانا اس کے حق اور صحیح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا اس لیے ہم اہل مدارس کو یہ نہیں دیکھنا کہ زمانہ کیا چاہ رہا ہے اور زمانہ میں کیا ہو رہا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زمانہ پر نظر نہ رکھو یا موجودہ حالات سے واقفیت نہ رکھو زمانہ پر نظر رکھنی ضروری ہے لیکن اس لیے نہیں کہ ہمیں زمانہ کی چال چلنا ہے یا اس کی وضع قطع میں ڈھلنا ہے بلکہ اس لیے نظر رکھنی ہے کہ زمانہ شریعت اور خدا کا باغی تو نہیں ہو گیا کیونکہ زمانہ والوں کا جو حال ہے وہ اس آیت سے عیاں ہے: **يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ** اہل زمانہ کی نظر زمانہ کے ظاہر پر ہوگی اور اہل علم دین کی نظر اس پر ہوگی کہ زمانہ اس پر ہے یا نہیں جس پر ہونا خالق کائنات (خدا) اور شریعت اسلامیہ کو مطلوب ہے اسی لیے کسی صاحب نظر کا شعر ہے۔

یہ دنیا اہل دنیا کو بسی معلوم ہوتی ہے ☆ نظر والوں کو یہ اجڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے
تو انگریزی کے پڑھنے لکھنے سیکھنے کا مخالف نہ کبھی کوئی ہو اور نہ ہوگا البتہ یہ غلو کہ خالی پڑھنا لکھنا انگریزی میں ہونا کافی

نہیں بلکہ ہر چیز انگریزی میں ہونی چاہئے ”ہنستا“ ہو تو وہ بھی انگریزی میں ”گنا“ ہو تو وہ بھی انگریزی میں گویا زندگی کی کوئی بھی ادا اگر انگریزی میں ہوئی تب تو وہ زندگی ہے ورنہ وہ کچھ بھی نہ ہو بھلا یہ کوئی بات ہوئی اسی غلط طرز عمل کی وجہ سے ایک دفعہ حضرت حکیم نومیاں گنگوہیؒ نے اپنی مجلس میں سنایا کہ ہمارے اکابر انگریزی وضع قطع اور ان کے طرز عمل سے نفرت اور حقارت پیدا کرنے کے لیے انگریزی لکھے کاغذ کو بھی بجائے ہاتھ کے چٹے یا لکڑی سے اٹھوایا کرتے تھے تو جب ایسا غلو ہوتا ہے تو پھر جب تک اینٹ کا جواب پتھر سے نہ ہو بات نہیں بنتی۔

درس نظامی کا مقصد

درس نظامی کی تدوین و ایجاد دراصل ایسی کتابوں کی فراہمی ہے کہ جن کے ذریعہ طالب علم شریعت کا پاسباں اور ترجمان ہونے کے لائق بن سکے اور کماحقہ اور کما ینبغی خدمتِ دین اور احیاء دین اور اس کی اشاعت و ترویج اور اہتمام کی صلاحیت اس میں پیدا ہو جائے۔

اور گویا اس شعر کا مصداق ہو ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے ☆ مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں یہ ایک فطری اور معقول بات ہے کہ انسان کا اصل محسن اور منعم وہ ذات باری تعالیٰ ہے جس نے اسے پیدا کیا اور وجود بخشا اور ہمیشہ ہمیش کے لیے اس کی ہر ضرورت کا کفیل بن گیا پیدا ہونے کے بعد اس کے عقل و شعور میں اسی ذات عالی کا تعارف آنا چاہئے اور دیگر تمام چیزوں کے تعارف کا نمبر اس کے بعد ہے چونکہ ”دین“ کے معنی ہی اطاعت خداوندی کے ہیں اس لیے انسان کے لیے ”دینی تعلیم“ یعنی وہ تعلیم جس سے خدا کی اطاعت کا علم ہو سب سے مقدم سمجھی گئی، جب بندہ اپنے خالق اور مالک اور رازق کو پہچان گیا اور اس کی اطاعت و عبادت کا طریقہ اس نے پڑھا اور سیکھ لیا اب اس کے لیے گنجائش ہے کہ دنیا میں رائج طور و طریق اور تعلیم و تعلم سے بھی واقف ہو جائے لہذا اب اس کے لیے دنیوی تعلیم میں بھی حرج نہیں ہے چونکہ دنیا میں آنے اور جینے کا مقصد اصلی یہ ہے۔

زندگی از بہر اطاعت و بندگی است ☆ بے عبادت زندگی شرمندگی است

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست ☆ آدمیت جز رضاء دوست نیست

اس لیے دینی تعلیم کا حاصل کرنا سب سے اہم اور مقدم ہے اگر شروع میں ہی دنیوی تعلیم حاصل کی گئی تو اصل ذات اور اپنے حقیقی منعم محسن کو نہ پہچاننے اور اس کی مرضیات کو نہ جاننے کی وجہ سے جو خسارہ اور بد بختی انسان کے گلے کا ہار بنیگی اس کی تلافی کسی بھی طرح ممکن نہ رہے گی۔ سب سے اہم چیز انسان کے لیے یہ ہے کہ عالم آخرت اور قیامت اور اس میں اچھے برے اعمال کی جزاء و سزا کا اسے تصور ہو جب یہ تصور ہوگا تو احکام شرعیہ اور دین کی باتوں پر قائم رہنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا

اور پھر خدا کے حکم کے مقابلے میں کسی بھی بڑے سے بڑے قانون کی بالادستی اسے تسلیم نہ ہوگی، اور نہ وہ کسی ماحول سے متاثر ہو گا اب اس کے سامنے خواہ کتنی رنگ برنگی ہو کر آئے اور خواہ کتنے فرعونوں نمرودوں سے اس کو واسطہ پڑے شریعت اسلامیہ کے سامنے سب کچھ اس کی نظر میں ہیچ ہو گا کیونکہ وہ اصل حقیقت سے آگاہ ہونے کی بناء پر دنیا کی کسی بھی کسی طرح کی بات سے مرعوب نہ ہوگا۔ اور ہر جگہ شریعت اور خدا کے قانون کی بالادستی اور برتری اس کا نصب العین رہے گا، درس نظامی کے نصاب سے یہی چیز طالب علم میں لانی مقصود ہے کیونکہ شریعت پر چلنا اور اس کی ترجمانی کرنا اور دوسروں کو اس پر لانا ان سب کے لیے سب سے اہم وہ خدا کی ذات کی پہچان اور آخرت میں اس کے سامنے جوابدہی کی فکر ہے انسان کا مقصد زندگی اگر اپنی نفسانی خواہشات پورا کرنا کھانا پینا سونا جاگنا پھر مر جانا ہی ہوتا تو پھر معاملہ آسان تھا لیکن یہاں تو معاملہ اس بات کا ہے کہ اس دنیا کی زندگی سے پہلے کیا تھا اور بعد میں کیا آنے والا ہے اور اس میں کیا ہونے والا ہے اس کی تیاری اصل مقصد زندگی ہے اس کائنات کی ہر چیز وقتی ہے اپنے وقت پر فنا ہو جائیگی لیکن حضرت انسان مخدوم کائنات اور افضل المخلوقات ہے اس کو ایک اور زندگی بنانے کی فکر سامنے ہے جس میں دائمی راحت یا دائمی رنج و الم کا سامنا ہوگا، جن بے حس لوگوں نے انسان کو ایک خود روگھاس یا ایک ہوشیار قسم کا جانور قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک ایک انسان گدھے کے لیے کوئی امتیاز نہیں ایسے لوگوں کا مقصد زندگی خواہ کچھ بھی ہو جائے اور وہ شریعت کے پابند نہیں نہ بنیں بلکہ اوروں کو بھی نہ بننے دیں بلکہ بننے پر تکلیف اور ایذا رسانی کے درپے ہوں تو کوئی مستبعد نہیں۔

بہر حال درس نظامی کے فاضل کا مقصد اَفْحَسِبْتُمْ اَنَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنْتُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۵ کے روشنی میں وہ آخرت کی جوابدہی ہے جو اس کی زندگی کا سرمایہ ہے اور ہر مشکل کو اس کے لذیذ اور آسان بنانے والا ہے اس تصور کے بعد اسے کوئی، ملا، کہے ”دقیانوسی“ کہے ”بنیاد پرست“ کہے ”شدت پسند“ ”رجعت پسند“ کہے یا کوئی بھی لقب دے شریعت پر عمل کرنے میں کوئی چیز اسے مانع نہ ہوگی اور وہ اپنی آخرت کی تیاری میں کوئی جھجک محسوس نہ کرے گا، دنیا کی تمام ڈگریاں اس کی نظر میں ہیچ ہوں گی اور بس ماذا قال اللہ اور ماذا قال الرسول کے جاننے کی ہی اسے ہر وقت دھن ہوگی۔

اب وہ ضروریات زندگی پوری تو ضرور کرے گا مگر مقصد بنا کر نہیں مقصد تو اس کا اب یہ ہوگا

خلاف پیہر کے راہ گزید ☆ ہرگز او بمنزل نخواہد رسید

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں مقبولیت کا معیار اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق پر چلنے کو قرار دیا ہے اس لیے کوئی بھی بغیر اتباع رسول کے ہرگز اپنی کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے ہم سب سے پہلے اس کے محتاج ہیں کہ یہ جان لیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام مقدس (قرآن مجید) میں کیا کہتا ہے اور رسول پاک اپنے مبارک کلام (حدیث شریف) میں کیا فرماتا ہے اور فقہاء کرام اس کی تشریح (فقہ) میں کیا کہتے ہیں اور یہ تمام تشریحات چونکہ عربی میں ہیں اس لیے عربی زبان سیکھنے سے متعلق جو علوم و فنون ہیں اور اس میں جو معاون علوم ہیں ان سب کی تحصیل کا نام ”درس نظامی“ ہے۔

تاریخ میں درس نظامی کے فضلاء کی خدمات کا رد عمل

اس ملک میں اسلامی سلطنت (سلطنت مغلیہ) کے سقوط اور ختم ہونے کے بعد جب براداران اسلام کی دینی و دنیوی شوکتیں رو بڑوال ہونے لگیں تو اپنے اپنے طور پر ان عظمتوں اور شوکتوں کو بحال رکھنے کے لیے چار قسم کے ادارے بنائے گئے (۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جس کے مقصد قیام میں خالص دنیوی تعلیم (انگریزی) کے ذریعہ اپنے تاقضوں کے ساتھ اڈہ لینا (۲) جامعہ ملیہ جس کے مقصد قیام میں دنیوی تعلیم کا حصول مگر اسلامی ماحول کے ساتھ (۳) جامعہ ندوۃ العلماء جس کے مقصد قیام میں دینی اور دنیوی دونوں تعلیم اور مذہبی ماحول کے ساتھ (۴) دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ان کے مقصد قیام میں خالص دینی تعلیم اور خالص اسلامی ماحول میں ان سبھی اداروں نے دینی اور دنیوی قائمہ مرتب ہوئے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ رفتہ بحال ہونے میں بڑی مدد ملی، لیکن جہاں تک شریعت کی پاسپائی اور ترجمانی صحیح خود حال اور اپنی اصلی ہیئت کے ساتھ آخر الذکر کے حصہ میں آئی وہ مخفی نہیں خاندان حضرت شاہ ولی اللہی "علماء فرنگی" محلی اور جماعت دیوبند جن کے ہاتھوں میں دینی قیادت کی زمام رہی ہے اور ہے وہ الحمد للہ سب "دوس" فضلاء کے فضلاء ہیں۔

دینی غیرت و حیت کا حامل اور باطل کا بھیجا پھوڑنے والے اور حق کی ترجمانی کے فرائض ادا کرنے والے کیا علماء کیا خطباء کیا مدرسین کیا واعظین و مبلغین کیا مؤذنین کیا ائمہ کیا مفسرین، کیا محدثین، سب الحمد للہ اسی درس نظامی کی عطاء اور دین ہے۔ واللہ یختص برحمته من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

اخوکم فی طلب العلم / محمد زاہد المظاہری

۱۶ / شوال المکرم ۱۴۳۱ھ الموافق ۲۶ ستمبر ۲۰۱۰م یوم الاحد

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

درس نظامی اپنی خوبیوں کے آئینہ میں

۱- درس نظامی کا محور اور مقصود بالذات تین چیزیں ہیں (۱) صرف و نحو اور علم ادب کی کتابوں کی تدریس تاکہ عربی زبان آجائے اور عربی ذخیرہ سے جو ایک بحر پیکر اس ہے استفادہ کی راہ آسان ہو سکے۔

(۲) عقلی کتابیں تاکہ اسلاف اور متقدمین کی کتابوں میں جو معقولی اصطلاحات ہیں ان سے واقفیت ہو کر ان کی کتابوں سے استفادہ میں سہولت ہو نیز ذہن کو صیقل کرنا، ناخجھنا اور تیز کرنا ہے تاکہ وہ دینی چیزوں کے بارے میں ایسی بصیرت اور اطمینان حاصل کر لے کہ کوئی بھی عقل پرست اس کو اس کے دین کے بارے میں بہکانہ سکے نہ صرف یہ کہ بہکانہ سکے بلکہ بچکے ہوؤں کو بھی بچا سکے اور دوسروں کو بھی اپنا دین کا قائل کر سکے اور اس کی حقانیت متلا اور جتا سکے۔

(۳) سب سے معتم بالشان اور قابل اعتناء وہ تفسیر، حدیث، فقہ کی واقفیت ہے اول دو چیزیں اس تیسری کے لئے محض آلہ اور واسطہ ہیں لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ آؤ لئین میں جو جتنا باصلاحیت اور ماہر ہوگا اس تیسری چیز میں اتنا ہی اس کا پایہ بلند ہونا جائے گا۔ اس حقیر راقم کو بھی درس نظامی کے تمام فنون اور کثرت کتب سے درسا و تدریسا خاصہ واسطہ پڑ چکا ہے اور پڑ رہا ہے اور کچھ نہ کچھ ان کے مافیہ پر بھی نظر ہے تبدیلی نصاب کی صدائے بازگشت سن سن کر جو تاثر بار بار بندہ کے دل میں آتا رہتا ہے اس کا اظہار مقصود ہے۔

انگریزی دور سے پہلے تک ہندوستان میں اسلامی حکومت تھی جو پہلی صدی ہجری میں تو صرف سندھ (جس میں صوبہ سمرات اور پنجاب شامل تھا) کے اندر تھی پھر ۳۹۰ھ میں بذریعہ شاہ محمود غزنوی پورے ہندوستان میں قائم ہو گئی اور انگریزوں کے تسلط (جو ۱۷۵۸ء سے شروع ہوتا ہے) کے قائم ہونے تک رہی۔

درس نظامی کی تدوین و ترتیب صرف اس جذبہ سے ہوئی ہے کہ اس سے حقانی باصلاحیت باضمیر دینی غیرت کے حامل علماء تیار ہوں اور وہ دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا فریضہ اچھے سے اچھے طریقہ پر ادا کر سکیں، چونکہ اس جذبہ کی قدر دانی ہر مومن کا فریضہ ہے اس لئے اگر بالفرض اس نصاب کے مدقّمین کہیں کے حضرات بھی ہوتے تب بھی یہ نصاب لائق اعتناء تھا مگر خوش قسمتی سے یہ نصاب حضرت عالمگیری مگرانی میں اور ان کے دور میں ترتیب دیا گیا ہے اور اس زمانہ کے ایک بڑے فاضل مقدس بزرگ کا ترتیب دادہ ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان میں نصاب تعلیم کا آخری دورہ ہے جو بارہویں صدی میں ملا نظام الدین سہالوی کے نام سے منسوب ہو کر ”درس نظامی“ کہلایا اور اس وقت سے آج تک تمام مدارس اسلامیہ میں یہی نصاب رائج ہے، ملا نظام الدین سہالوی سلطان عالمگیر کے عہد کے ایک بڑے ماہر عالم اور مقدس بزرگ ہیں، قادیانی عالمگیری کی تدوین کے لئے جو علماء کی ایک جماعت (بورڈ) کا انتخاب فرمایا تھا اس میں ملا نظام الدین کا نام سرفہرست آتا ہے۔

درس نظامی کی مسلسل مقبولیت اور اس سے تیار شدہ افراد کی صلاحیتوں کا حال

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ یہی درس نظامی اس وقت کے تمام مدارس میں رائج ہوا، اس درس کے فاضل جس طرح علوم دینیہ کے ماہر ہوتے تھے اسی طرح دفتری ضروریات اور ملکی خدمات کے انجام دینے میں بھی ماہر سمجھے جاتے تھے خاص خاص فنون میں مہارت حسب ضرورت بعد میں حاصل کر لی جاتی تھی اس وقت علوم دینیہ دنیویہ کی کوئی تفریق نہ اس ملک میں تھی اور نہ دوسرے ممالک میں۔

یہ نصاب درس کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اطراف ملک میں اس کے پڑھنے والے ہزاروں علماء فضلاء تمام ملک میں فاضل و ماہر سمجھے گئے، ہزاروں علماء، صلحاء، اتقیاء، محدثین، منسرخین، فقہاء، ادباء، اور ماہر معقولات اس سے پیدا ہوئے، انگریزی عہد کی ابتداء میں بھی یہی صورت حال چلتی رہی مگر انقلاب ۱۸۵۷ء میں جب کہ تمام اسلامی شعائر مجروح اور مدارس معطل ہو گئے اور علماء منتشر ہو گئے یہ سارا نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد انگریزی نصاب تعلیم ملک میں رائج ہوا تو اس میں اسلامی عقائد احکام اور تہذیب کا کوئی حصہ نہ تھا علماء دین جو بچے کچھ مختلف اطراف میں باقی تھے وہ بھی منتشر تھے اسلامی تعلیم کا کوئی نظام کہیں باقی نہ رہا اس وقت ملک کا در در کٹنے والے چند مقتدر علماء نے یہ محسوس کیا کہ اگر علم دین اور اس کی تعلیم کا کوئی نظم نہ کیا تو اس ملک میں اسلام کی بقاء ناممکن ہو جائے گی، چنانچہ تیرہویں صدی کے آخر ۱۸۸۲ء میں دیوبند ضلع سہارنپور میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی، اس کا بنیادی مقصد حکومت کے عہدوں اور مناصب سے قطع نظر کر کے دین اور علم دین کا تحفظ اور اس کے صحیح خدو خال کو برقرار رکھنا تھا تاکہ جب کبھی اسلامی تعلیم و احکام کے رواج دینے کا موقع ہاتھ آئے تو دین کی یہ متاع گرانمایہ ہمارے ہاتھ میں ہو اس مدرسہ دیوبند میں وہی نصاب جاری کیا گیا جو پہلے سے تمام مدارس میں جاری تھا، بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر سینکڑوں مدارس ملک میں قائم ہوئے اور یہی نصاب درس ان میں جاری ہوا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا کہ علم دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کر دیا۔ (مجالس مفتی اعظم)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس نصاب کی خصوصیت کا یوں اظہار فرماتے ہیں: کہ اگر عربی کا طالب علم اس درس نظامی کو اوسط درجہ کی فہم و استعداد سے بھی پڑھ لے تو عجیب و غریب استعداد اور بہترین قابلیت پیدا ہو جاتی ہے ایسی قابلیت کہ پھر کوئی

کہیں کا بھی ڈگری یافتہ امریکہ کا ہو یا لندن کا ہو یا برطانیہ کا کوئی بھی عربی طالب علم کے سامنے نہیں چل سکتا انتہی کلامہ وجہ ظاہر ہے کہ اس نصاب میں بہت سے باریک مضامین اور اڈے کھنڈوں سے گذرنا پڑتا ہے اور جو اوق اور باریک مضامین سمجھ لیتا ہو اور اڈے کھنڈوں میں چل سکتا ہو اس کے لئے آسان مضامین سمجھنا اور ہموار پلین جگہ میں چلنا کوئی معنی اور دشواری نہیں رکھتا اس لئے درس نظامی کا طالب علم کسی بات کا جتنا اچھا تجزیہ اور تین پانچ کر کے نتیجہ نکال سکتا ہے دوسرے سے ممکن نہیں ہے اور کسی بھی بات کا فہم اس کے لئے دشوار نہیں رہتا تو جس نصاب کے اندر ایسے معیاری اور اعلیٰ لیاقت کے حامل بنانے کی صلاحیت ہو تو وہ نصاب اپنے اندر کچھ عزیمت تیز تشدد اور تامل نیز مشکلات بھی رکھتا ہوگا اور اپنے اوپر قابو دینے کے لیے اپنی شایان شان اس نصاب کو جو محنت اور وقت درکار ہے وہ بھی پیش کرنا ہوگا اسی لئے اس نصاب پر کما حقہ یعنی سے بچتے ہوئے جب محنت کی گئی تو اس سے بڑے بڑے ال علم پیدا ہوئے۔

بہر حال اس نصاب میں بعض کتابیں تو وہ ہیں جو اچھے اچھوں کو لکھا دیتی ہیں ان کو ہر کوئی نہیں پڑھا سکتا، اور بعض کتابیں وہ ہیں جن پر محنت کر کے سالہا سال کے بعد ان کے مادہ و ماحول کا پتہ چلتا ہے، اسی لئے اس نصاب میں ہر فن سے متعلق کتابیں اس شاندار ترتیب سے رکھی گئی ہیں کہ تدریجی ارتقاء ہو اور رفتہ رفتہ معیار بلند ہو مثلاً فن نحو میں اول نحو میر پھر شرح مائے پھر ہدایۃ النحو پھر کافیہ پھر شرح جامی، نحو میر میں جو معلومات ہوئیں اس سے بڑھ کر پھر شرح مائے میں پھر اس سے بڑھ کر ہدایۃ النحو پھر اس سے مکمل کافیہ پھر سب سے مکمل اور تشفی بخش سیراب کن نحوی بخشیں شرح جامی میں آجاتی ہیں، یہی حال فن صرف میں ہے کہ میزان منسحب پھر شیخ تہج پھر صرف میر پھر علم الصیغہ اور تمام کتابوں کے مضامین آپس میں ترتیبی لحاظ سے اتنے مربوط ہیں کہ کڑی سے کڑی بھرتی چلی جاتی ہے اور فن کے لحاظ سے معلومات کا بھی معیار بلند ہوتا چلا جاتا ہے اور صلاحیت بھی تیز ہوتی جاتی ہے، یہی حال فن منطق کی کتابوں کا ہے کہ اول تیسر المنطق پھر صغریٰ کبریٰ پھر مرقات پھر شرح تہذیب، پھر قطبی پھر سلم العلوم، طالب علم کچھ تیسر المنطق میں اس فن سے مناسبت پائے گا پھر اس سے بڑھ کر صغریٰ کبریٰ پھر مرقات میں پھر شرح تہذیب میں ذرا معیار کچھ اور بلند ہو گیا قطبی میں اس سے زیادہ بحث و مباحثہ ہے اور پھر سلم العلوم میں اور محاکمہ اس و اس اعتراض جو بات کا میدان گرم ہے، یہی حال فقہ کے کتب کا بھی ہے کہ نور الایضاح پھر قدوری پھر شرح وقایہ پھر ہدایۃ کو رکھا گیا ہے گویا ہر سال میں ہر فن کی کتاب تدریجی معیار کے حساب سے پڑھنے میں آتی رہتی ہے جس سے طالب علم ہر فن اور اس کی اصطلاحات سے عینی نشوونما لیتا رہتا ہے حتیٰ کہ علوم آلیہ میں مہارت حاصل کر کے پھر علوم مقصودہ قرآن تفسیر اور حدیث پاک میں لگ جاتا ہے، اور مولوی ہو جاتا ہے، لیکن پورے آٹھ سال لگانے کے بعد بھی اور اس جیسا اہم نصاب پڑھنے کے بعد بھی ”درس نظامی“ کے مدارس میں الگ سے پھر اس کی استعداد کو اضعاضا مضاعفہ بنانے کے لئے فنون کا سال رکھا گیا ہے جس میں سب اہم اور مشکل کتابیں ہوتی ہیں جیسے ملا حسن، میبذی، شرح عقائد، بیضاوی، ہدایۃ ثالث وغیرہ وغیرہ تاکہ اور پختگی

آجائے اور رہی سہی کمی بھی پوری ہو جائے۔

چونکہ مقصود بالذات قرآن وحدیث ہے مگر ان کے سمجھنے سمجھانے کے لئے کم از کم پندرہ علوم اور فنون کی علمی اصطلاحات سے جب تک کوئی واقف نہ ہو جائے، تب تک وہ تفسیر کا بھی اہل نہیں بنتا، اور اللہ کے رسول کے کلام کا صحیح فہم اور تجزیہ ”درس نظامی“ میں داخل تمام فنون کی اچھی واقفیت پر موقوف ہے، اسی لئے درس نظامی کے فارغین اور سرسری سطحی فنی اصطلاحات سے عاری نصاب کے فارغین میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، درس نظامی وہ نصاب ہے جو دین کے بارے میں انتہائی غیرت مند ہے اس نصاب کی ہر کتاب میں قرآن وحدیث کی طرف رخ موڑا گیا ہے اور دین کے لئے دفاعی ذہن بناتا ہے اور غیر علماء نے اس نصاب پر اتنی محنت کی ہے کہ یونانی منطق فلسفہ کو بھی اسلامی رنگ میں رنگ دیا اور خلاف شرع چیزوں کو الگ الگ کر دیا جس سے اب منطق وفلسفہ کے مضر اثرات کا بھی کوئی خطرہ نہیں، مثال دینے میں بھی قرآن وحدیث یافتہ سے دینے کو ترجیح دی ہے الا
بإشاء اللہ

دوسری ایک اہم خصوصیت اس نصاب کی یہ ہے کہ ایک تو ہر فن سے متعلق اس نصاب میں خود ہی متعدد کتابیں موجود ہیں کسی کتاب میں اگر کسی فن کی کوئی بحث تشنہ ہے یا مطلق اور مبہم ہے تو اسی فن کی دوسری کتاب سے تفصیلی اور چھبیدگی ہٹ جاتی ہے اگر پھر بھی نہ ہٹے تو حواشی اور شروحات اور دیگر متعلقات سے مدد لیجا سکتی ہے اور پھر یہ حواشی و شروحات عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں دستیاب ہیں، تو اگر دیکھا جائے اس نصاب کی مشکل سے مشکل کتاب بھی آسان ہے کیونکہ اس کے حل کا ذریعہ ہر وقت موجود ہے، اس کے برعکس ہمارے ایک ساتھی کو القراءۃ الراشدہ پڑھانی پڑ گئی تو اس میں عربی اشعار کے حل کے لئے پریشان ہونا پڑتا تھا کہ کیسے اور کہاں سے حل کریں جس سے ہمیں تشفی ہو جائے کہ جو ہم سمجھے وہ صحیح سمجھے گئے۔

درس نظامی کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس میں کچھ کتابیں تو وہ ہیں جو محض اس لئے مشکل ہیں کہ جس فن میں وہ ہیں خود وہ فن ہی مشکل ہے جیسے علم منطق علم کلام، فن فلسفہ، فن بلاغت، اور کچھ کتابیں وہ ہیں جو ضخامت اور کثیر الصفحات ہونے کی وجہ سے یا ان کی عبارت دریا بکوزہ کا مصداق ہونے کی وجہ سے زیادہ تشریح اور وقت اور محنت کی طالب ہیں ان میں ایک ایک سطر کی وضاحت میں کافی کافی وقت لگ جاتا ہے جیسے کافیہ، کنز الدقائق، سلم العلوم، مختصر، شرح جامی وغیرہ۔

اور کچھ میں حافظہ مضبوط اور اچھا خاصہ درکار ہوتا ہے جیسے علم تفسیر اور علم حدیث کی کتب تو جن کو معقولات سے وحشت ہے وہ تو اس نصاب کی ان تمام کتابوں کے مخالف ہیں جو عقلی ہیں یا ان میں عقلیت کی آمیزش ہے، اور دوسری تیسری طرح کی کتابوں میں وقت محنت اور حافظہ پر زور پڑتا ہے اس لئے وہ ان کی جگہ منتخبات چاہتے ہیں یا ایسی کتابیں جو بالکل اصطلاحات سے خالی ہو اور ششہ تکلفہ سادے مضمون کی طرح ان کی عبارت ہو۔
درس نظامی سے متعلق خاص طور سے تین کتابیں لوگوں کو زیادہ دو بھر ہیں (۱) شرح جامی (۲) مقامات (۳) کنز۔

ان کی افادیت اور اہمیت سے متعلق جو بندہ کے ذہن میں ہے وہ ذکر کرتا ہوں۔

شرح جامی

جہاں تک ”شرح جامی“ کی بات ہے وہ درس نظامی کی ان اعلیٰ کتابوں میں سے ہے جس کی خوبیوں کا کوئی جواب نہیں نہ بحیثیت تصنیف کے اور نہ بحیثیت مصنف کے۔

مصنف کی بات تو عیاں اور مشہور ہے کہ کیسے بلند پایہ متقی اور مقبول بارگاہ الہی تھے (جیسا کہ فضائل درود مصنفہ حضرت زکریا میں ان کے روضہ اقدس پر پڑھنے کے لیے تیار کردہ قصیدہ کی مقبولیت کا ذکر موجود ہے) لیکن کمال یہ ہے کہ کافیہ متن ہے اور ”شرح جامی“ شرح ہے انہوں نے اپنی شرح کی عبارت کو متن کی عبارت کے ساتھ جوڑ بٹھانے میں ایسا کمال کیا ہے کہ اگر متن اور شرح کا رسم الخط علیحدہ علیحدہ نہ ہو تو پتہ نہیں لگتا کہ متن اور شرح علیحدہ ہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل ایک ہی کلام ہے اور ایک ہی مصنف کا ہے۔

اس کتاب میں نحوی بحث کا تمام پہلوؤں سے ایسا جائزہ لیا گیا ہے کہ آگے کوئی تشکیلی یا کسریاتی نہیں رہتی، کوئی صورت چھوڑی ہی نہیں کہ اس کا حکم بیان نہ کیا گیا ہو، مثلاً بدل کی چار قسمیں بیان کر کے بدل اور مبدل منہ کا تجربہ کر کے بتایا کہ وہ دونوں کبھی معرفہ ہوں گے کبھی دونوں نکرہ ہوں گے کبھی مختلف ایک نکرہ ایک معرفہ پھر کبھی دونوں اسم ظاہر ہوں گے کبھی دونوں اسم ضمیر ہوں گے کبھی مختلف ہوں گے، ایسے ہی فعل قائل کی مذکورہ موث ہونے کے لحاظ سے آپس میں مطابقت کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں ان کو بیان کر کے پھر ان کے جواز اور عدم جواز کو الگ بتلایا ہے

اس کتاب کی ترتیب اور ادب بھی اتنا شاندار ہے جو اپنی مثال آپ ہے ہر زمانہ میں اس کتاب کے مدرس کا ایک نمایاں مقام رہتا چلا آیا ہے علوم مقصودہ کے بعد اس کی تدریس پر فائز انتہائی قابل سمجھا جاتا تھا اس کتاب کا نکالنا درحقیقت پیش خیمہ ہے کافیہ اور ہدایہ انکو اور نحو میر کے نکلنے کا بھی کیونکہ ان سب کی ترتیب ایک مضامین ایک صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔

جو بات نحو میر اور ہدایہ انکو اور کافیہ میں حل نہیں ہو پاتی، اس کی مکمل سیر اور سیرابی اور تسلی بذریعہ شرح جامی ہی ہوتی ہے بغیر شرح جامی کے ان کتابوں کا حل بھی دشوار ہو جائے گا۔ بندہ کی اس شرح کا محور اور منبع بھی دراصل یہی شرح جامی ہے، اور شرح جامی کے فیض سے فیضیاب ہو کر ہی یہ شرح میں نے لکھی ہے۔

میں نے بارہا تجربہ کیا کہ کسی بھی نحوی مسئلہ میں جب الجھن اور یا ناہمواری مجھے سامنے آئی تو شرح جامی سے اس کا تصفیہ ہو گیا، جس کی مندرجہ ذیل مثالیں ہیں:

(۱) نحو کی کتابوں میں لو کی وضع یہ لکھی ہے کہ وہ برائے انتقائی ثانی بسبب انشاء اول کے لئے ہے، اور مثال دیتے ہیں لو

كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا، مگر دیکھا جائے تو مثال اور مثال میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ تعدد آلہ شرط ہے اور فساد جزاء ہے تو گویا تعدد آلہ کی نئی سے فساد کی نئی کر رہے ہیں اور ہونا چاہئے برعکس کہ عدم فساد جو معلوم ہے اس سے عدم تعدد آلہ کو بتلانا مقصود ہے، شرح جامی دیکھی تو انہوں نے بالکل یہی اعتراض کر کے جواب لکھ دیا ہے جس کو میں نے بھی اپنی اس شرح میں لہو کی بحث میں لے لیا ہے تمنا ہو تو دیکھ لیں۔

(۲) لاء نفسی جنس کی بحث میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں جو پانچ طرح پڑھنا جائز ہے تو اس میں پانچویں صورت فتح اول اور نصب ثانی ہے یعنی حول پر ایک زبر اور قوۃ پر دو زبر پڑھنا بتایا گیا ہے اس کی معقول وجہ بھی شرح جامی کے ذریعہ معلوم ہوئی جو کہ لاء نفی جنس کی بحث میں ”ضوء المستیر“ میں لکھ دی ہے، نیز لاء نفی جنس کے اسم کا اعراب اور اس کی تمام صورتوں کی تفصیل جس خوبی سے صاحب شرح جامی نے بیان کی ہے اس کا جواب نہیں ہے، ”ضوء المستیر“ میں اس کو لیلیا ہے۔

(۳) ایسے لثہ ذوۃ من فارسیں، غز من قائل جیسے جملوں میں جب یہ سنا کہ فارسیں اور قائل تیز ہیں تو کھٹکا ہوا کہ تیز تو منصوب ہوتی ہے یہ کیسے تیز بن گئے شرح جامی دیکھی پتہ چلا کہ کبھی تیز پر من بھی آیا کرتا ہے۔

(۴) اعراب تقدیری اعراب محلی، میں کیا فرق ہے اس کی تشفی نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے بتایا کہ اعراب محلی مہبت میں ہوتا ہے جیسے کہ جاء هؤلاء میں هؤلاء بکلاً مرفوع ہے یعنی جگہ پر تو بوجہ فاعل ہونے کے رفع کی ہے مگر جہتی ہونے کی وجہ سے پڑھا جائیگا بحروری، اور اعراب تقدیری معربات میں ہوتا ہے لیکن ان کلمات میں ہوتا ہے جو اپنے آخر میں حرف علت ہونے کی وجہ سے جیسے موسیٰ، عیسیٰ، اعراب قبول نہیں کر سکتے یا قبول تو کر سکتے ہیں مگر نقل ہو جاتا ہے جیسے اسم منقوص یعنی قاضی وغیرہ میں کہ اسکی حالت رفعی و جری میں ہی پر ضمہ یا کسرہ لانے کے بجائے سکون پڑھیں گے اور تقدیراً مرفوع اور بحرور مانیں گے البتہ حالت نصی میں کہ وہ اخف الحركات ہے ہی پر زبر پڑھ سکتے ہیں، و اعراب لفظی ہوگا۔

عربی بول چال کے لئے اور دو چہرے عربی میں ادھر ادھر کرنے کیلئے سرسری علم شوکانی ہو جاتا ہو تو ہو جاتا ہو لیکن بعض جگہ قرآن وحدیث میں آئی عبارتوں پر نحوی اشکالات یا الجھنیں کھڑی ہو جاتی ہیں ان کے دفعیہ کے لئے شرح جامی جیسی کتاب کی تدریس سے استغناء ممکن نہیں شرح جامی کا قائم مقام شرح ابن عقیل بھی راقم نے پڑھی ہے لیکن این ہذا من ذاک۔

کافیہ فن نحو میں ایسی بے مثال کتاب مانی گئی کہ کیا عرب کیا عجم سب جگہ اس کتاب کا چلن ہے اور صرف یہی نہیں کہ اس کی مختلف زبانوں میں سیکڑوں سے زیادہ شروحات لکھ دی گئیں بلکہ اس کی عبارت پر اتنی محنت کی گئی کہ پوری کافیہ کی ہر ہر جملہ کی نحوی ترکیب بھی وجود میں لے آئے۔ پھر صاحب شرح جامی نے نویں صدی ہجری میں اس کے حل اور گرہ کشائی میں ایسا کمال دکھلایا کہ خود یہ شرح بھی کافیہ کی طرح اسی وقت سے مقصود بالذات بن گئی اور باقاعدہ داخل درس کر دیا گیا اور جس نے اس

کی اہمیت و افادیت کو جان لیا وہ ہمیشہ اس کتاب کو حرز جان بنائے رکھے گا آخر ۱۴۰۳ھ میں عراق کی وزارت اوقاف نے محقق طور پر نئی شکل میں جو شرح جامی کو شائع کیا ہے کچھ تو بات انہوں نے اس میں دیکھی ہوگی۔ (کسلافی مقدمة التسهیل السامی، شرح اردو شرح جامی) گربات اصل یہ ہے لَا یُعْرِفُ قَدْرَ الْجَامِیِ إِلَّا مَنْ سَكَانَ فَوْقَ الْجَامِیِ أَوْ مِثْلَ الْجَامِیِ.

عجیب بات یہ ہے کہ اس اہم کتاب سے بہ نسبت چھوٹوں کے بڑے مدارس سب سے پہلے بیزار ہوئے (کاش نظر ثانی ہو جائے تو بہتر ہے) پھر جن لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا سمجھا نہ ہو ان کی رائے کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک موتر اش نے خوش ہو کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ آج تو میرے پیشہ کی بادشاہ نے بھی تعریف کی ہے اور مجھے انعام دیا ہے۔ اہلیہ کہنے لگی کہ اہل فن تعریف کرتے تو بات تھی بادشاہ کو اس فن سے کیا واقفیت!

رہی بات کہ شرح جامی مشکل یا اساتذہ و طلبہ کی صلاحیت سے بالاتر چیز ہے تو یہ خواہ مخواہ کی دہشت اور وحشت ہے اگر شرح جامی کو سمجھ سے بالاتر خیال کیا جانے لگا تو پھر تدرس نظامی کی ہر کتاب مشکل ہی ہے۔ بھلا سلم العلوم۔ مختصر بیضاوی، ملاحسن، میڈی، ہدایہ ثالث، شرح عقائد کیا یہ کتابیں کوئی آسان ہیں یا ان کے پڑھنے پڑھانے والے ہمارے علاوہ کوئی اور ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ شرح جامی کی ابحاث بخاری کی طرح اپنے لئے ایک شیخ انجو کا ضرور مطالبہ کرتی ہے اور مثل علامہ صدیق احمد کشمیری کے ایک ذہن ضرور اسی کے لئے گروی ہو۔ قرآن کا فرمان ہے مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ۔ کہ کوئی دودل نہیں رکھتا کہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف کما حقہ توجہ دے سکے

مقامات

وہ کتاب ہے جس میں اکثر عربی الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے اس کتاب کو درس نظامی رکھنے کا مقصد یہ بالکل نہیں ہے کہ اس سے مضمون نگاری یا عربی عبارت آرائی آئیگی اور کوئی انشاء پرداز بن جائیگا کیونکہ علامہ حریری خود کوئی ایسے اچھے ادیب نہیں تھے ان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ان کو مضمون نگاری کیلئے رکھا گیا تو ان کا معاملہ یہ تھا کہ مضمون کے مطابق الفاظ لانے کے بجائے الفاظ کے مطابق مضمون بناتے تھے جس کی وجہ سے معزول ہوئی نوبت آئی تو اصل بات یہ ہے کہ صاحب مقامات جس واقعہ اور صورت حال کی تصویر کشی بذریعہ الفاظ کرتے ہیں وہ واقعہ پہلے سے موجود نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کے ذہن میں الفاظ کا ذخیرہ پہلے ہو تا ہے ان کو کھپانے اور استعمال کرنے کے لئے واقعہ گھڑتے ہیں اور تیار کرتے ہیں (پس وہ ایک مقاماتی آدمی تھے یعنی یَسْتَكْسِبُ كَمَا يُرِيدُ لَا كَمَا يُؤَمَّرُ) یعنی جو من اور دل میں آتا لکھتا نہ کہ وہ جو لکھوایا جاتا تھا) اور مقامات کہتے ہی ہیں فرضی حکایات کو اس لئے اس کتاب میں ادب کا تو نام بھی نہیں ہے البتہ الفاظ کا ذخیرہ اتنا کم نہیں آگیا ہے کہ اکثر وہ لغات جو قرآن میں آئی ہیں وہ اس

کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں ہمارے علماء نے اسی فائدہ کے پیش نظر اس کو داخل نصاب کیا ہے اور مزید مفید بنانے کیلئے ہر لغت کا قرآن سے بھی استشہاد پیش کیا ہے، کہ یہ لغت قرآن کی فلاں آیت کے فلاں لفظ میں استعمال ہوئی ہے اس کے بالتقابل جو مختارات، بدل میں رکھے جائیں گی بات کہی جاتی ہے تو مقام شکر ہے کہ میں نے بھی اس کتاب کو پڑھا ہے۔ صاحب مختارات کے پیش نظر اس کتاب میں مختلف زمانہ کے مختلف ادیبوں کی تحریروں کے نمونے پیش کئے ہیں کہ فلاں ادیب کا طرز ایسا اور فلاں کا ایسا تھا۔

ظاہری بات ہے کہ جس شخص کو عربی لکھنے پڑھنے کی قدرت ہو چکی ہو اور مضمون نگاری کرنی آگئی ہو طرزوں کی چھانٹ تراش اور خوب سے خوب تر کی تلاش اسے مفید ہوگی اور جسے ذخیرۃ الفاظ سے بھی محرومی ہے تو اس کے لئے تو ابھی مقامات ہی ٹھیک ہے یہ تو حضرت مولانا جیسے بڑے ادیب ہی کے شایان شان تھا کہ طرز کی نفاست اور اس کی انواع پر کتاب لکھیں۔ ہاں جو ادیب بن چکے ہیں ان کے حق میں یہ کتاب اپنی جگہ اکسیر ہے،

کنز الدقائق

یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے فقہ کی طول و طویل اور مفصلیوں کو ذرا ذرا سی عبارتوں میں پیش کرنے کا کمال دکھایا ہے، اس کتاب سے دو فائدے ہیں (۱) فقہ سے متعلق جتنی بحثیں ہیں خواہ حج نماز کی ہوں یا نکاح میراث اور عتاق کے مسائل ہو یعنی فی الحال وہ مسائل معمول بہا بھی نہ ہوں اس کتاب میں سب کی واقفیت اور سیر کرا دی گئی ہے تاکہ فقہ سے متعلق اجمالاً یہ جا تا جاسکے کہ اس کے مسائل کا تعلق کن کن شعبہ جات سے ہے۔ اور فقہ کی کتابوں میں کسی میں کتاب الحج تک کسی میں کتاب الزکاح تک کسی میں کسی بحث تک اور کسی میں کسی بحث تک کتاب ختم ہوگئی مکمل عبوری خاکہ فقہ کا نہیں آ پاتا یہ کنز الدقائق کی وہ خصوصیت ہے جو یکجا اور کتابوں میں نہیں آ پائی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عتاق وغیرہ غلام باندیوں سے متعلق جو مسائل ہیں ان کے پڑھانے سے کیا فائدہ تو۔
جواب یہ ہے کہ پڑھنے پڑھانے کا مقصد احیاء دین ابقاء دین اور اشاعت دین ہے ورنہ قرآن کی وہ آیتیں جنہیں عتاق کا ذکر ہے انکی تفسیر کیسے جانے جائیگی اس لئے ابقاء دین تو بہر صورت ضروری ہے خواہ وہ معمول بہا ہو کہ نہ ہو۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک ہزار نفل پڑھ لینے سے بہتر ایک مسئلہ سیکھ لینا ہے چاہے وہ معمول بہا بھی نہ ہو۔ (۲) طالب علم کو ہر فن مولیٰ بنانے کے لئے جیسے اسکے سامنے وہ عبارتیں آئیں جن میں کوزہ سے دریا بہائے گئے ہیں وہ عبارتیں بھی آنی چاہئیں جن میں دریاؤں کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے۔ اور بڑی بڑی تفصیلوں کو ذرا ذرا سی عبارتوں میں سمیٹ دیا ہے۔

بہر حال درس نظامی کے فاضل کا حسن ایسی کتاب کے پڑھنے سے بجائے کم ہونے کے اور دوبالا ہوتی ہے صلاحیت

بلکہ مشکل اور تیز ہوتی ہے نیز ایک انداز معلوم ہوتا ہے، تو ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ درس نظامی کو اپنے لائق بنانے کے بجائے ہمیں ہی اس کے شایان شان محنت کی ضرورت ہے۔ یہ نصاب اس قدر توجہ کا محتاج ہے۔ تبھی تو طلبہ کیلئے ہمارے اکابر و اسلاف اخبار بینی اور دیگر کسی شغل میں نکلنے سے سختی سے منع کرنے تھے حتیٰ کہ فرما گئے۔ العلم لا يعطیک بعضہ حتیٰ تعطیۃ کلک کہ جب تو اپنے آپ کو مکمل مراکھپالے گا تب کہیں علم کا کچھ حصہ آئیگا، اور من طلب العلیٰ سہر اللیالیٰ جیسے جملوں سے طلبہ کے ذوق کو ہمیز لگائی ہے۔

لہذا درس نظامی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے تو کسی تبدیلی کا محتاج نہیں ہے البتہ مشکل ہونے کا معاملہ جوں کا توں ہے۔ جس کا علاج سوائے محنت اور لگن کے کیا ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو کام کو مولوی بننا ہے اور راسخ فی العلم اور مصلب فی الدین ہوتا ہے تو اس کے لئے تو یہ نصاب ناگزیر ہے اور اگر محض سطحی سرسری عالم بننا ہے اور خالی مولوی لقب لینا ہے اور ~~ج~~ون ان یحمدوا بمالم یفعلوا کی تمنا ہے تو پھر وہ کسی بھی نصاب کو اپنالے محض دینی اور دنیوی معلومات کے لئے اردو میں بہت ذخیرہ موجود ہے خود ہیشتی زیور اور اردو تصنیفات ہی کیا کم ہیں لیکن جہاں تک اچھی عربی اچھی فارسی اچھی اردو فنی اصطلاحوں میں مکمل عبور اور پابصیرت عالم ہونے کی بات ہے تو اس کا ضامن یہی (درس نظامی ہے)

جنہیں یہ نصاب منظور نہ ہونہ ہو لیکن اس کی شبیہ بگاڑنے سے کیا فائدہ اور دارالعلوم اور مظاہر علوم اور اس سے ملحق مدارس کا طرہ امتیاز تو یہی درس نظامی ہے۔ اگر یہ سستا اور ہلکا پھلکا کر دیا گیا تو پھر ایسے ہی سستے اور ہلکے پھلکے علماء بھی تیار ہوا کریں گے

درس نظامی سے متعلق کرنے کے امور

- (۱) ایک تو یہ ہے کہ درس میں داخل کتابوں میں اغلاط کانی ہو چکی ہیں ان کے ازالہ کا بیڑا اٹھایا جائے جس کا خمیازہ جدید مدرسین کو زیادہ بھگتنا پڑتا ہے
- (۲) صرف و نحو و ادب کی کتب کو تعریب اور تمرین سے جوڑا جاوے۔
- (۳) فنون کی بوقت تدریس غیر واضح اصطلاحات جس بسط و تفصیل کے ساتھ وضاحت کی محتاج ہیں وہ پیش کی جائیں۔ کیوں کہ مثلاً الف لام جنسی کی اردو میں یہ تعریف کرنے سے کہ جس کے مدخول سے ماہیت مراد ہو اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ جاتی ہے۔ یا الف لام عہد ذہنی وہ ہے جس کے مدخول سے کسی غیر معین فرد کے اندر ماہیت کا حصول مراد ہو وغیرہ وغیرہ۔

(۴) جو کتابیں مشکل ہیں یا ضخیم ہیں یا عقلی ہیں ان کے لئے لائق۔ ذی صلاحیت باشوق محنتی افراد کی افراد سازی۔

(۵) درس کا مفروضہ کام اتنا ہو کہ آسانی انجام دے سکے۔

(۶) مشاہرہ معقول ہونے کے ساتھ اسفار کا بار نہ ہو اگر کوئی بڑی کتاب متعلق ہو تو دوسرے اسباق یا تو چھوٹے رکھے جاویں یا ایک ہی فن والی کتاب ہو۔

(۷) نیز چھوٹے اور متوسط درجات کے عربی اساتذہ جب تک اعلیٰ میں آویں حتی الامکان تعلیم کے علاوہ کسی اور کام میں نہ الجھائے جاویں۔

(۸) ایک ایک کتاب کئی کئی سال تدریس میں رکھی جاوے جس فن میں جس کو مہارت ہو اس کو اسی سے متعلق رکھا جاوے بلا وجہ کتاب نہ بدلی جائے اور بحکم حدیث مَنْ أَمَّ قَوْمًا وَفِيهِمْ مَنْ هُوَ أَوْلَىٰ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ جَمِيعًا (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) مَنْ يَكُونُ أَلِيْقًا وَاجْتَمَعَ بِالْكِتَابِ كَاخِصِّ خِيَالٍ رُكِّحَ جَاوَعُ۔

(۹) اساتذہ حل کتاب کے پابند بنائے جائیں، مز اٹھا کر محض ریڈیائی تقریر کر دینے سے کتاب سے مناسبت نہیں ہوتی حضرت مولانا حکیم عبدالرشید عرف منومیاں نبیرہ حضرت گنگوہیؒ نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں سنایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جب کتاب کی عبارت سمجھا کر الگ سے تبصرہ کرتے تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اب قاسم کی سنو تو آپ کے شاگروں میں سے غالباً مولانا سہول یا اور کوئی نام لیا کہا کرتے تھے کہ حضرت آپ کی بعد میں سنیں گے پہلے مصنف کی بات سے مطمئن کر دیجئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حل کتاب بھی ایک اہم مقصد ہے۔

(۱۰) فارسی زبان کی بالکل خیر ہاؤ نہ کہیں ویسے بھی تیسرا ابتدائی کے قواعد کا حقہ سمجھ کر پڑھ لینے سے فارسی زبان کے صیغے اور ترجمہ کی قدرت ہو جاتی ہے اور جو کتابیں ہمارے نصاب میں فارسی میں ہیں ان کے ترجمہ آسانی کر سکتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع فرماتے ہیں:

گو اب فارسی کی جگہ انگریزی زبان لیلی ہے مگر یہ بات بھی مسلم ہے کہ آج فارسی زبان اور قدیم منطق و فلسفہ کو یکسر چھوڑنا بھی ہمارے لئے بہت سے علمی ذخائر سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ بہت سے علوم و فنون اور بہترین تصانیف فارسی زبان میں ہیں، اور چونکہ یونانی منطق و فلسفہ کی اصطلاحات اور ان کی تحقیقات علم دین کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کی زبان پر چھائی ہوئی تھیں تو ان کی تصانیف میں بھی وہی استعمال ہوئی ہیں آج ان کی بہت تصانیف بھی قدیم منطق و فلسفہ کے بغیر نہیں جانی سمجھی جاسکتی اس لئے ہم پر دو ہر ابو جہر پڑ گیا اس لئے فارسی زبان اور قدیم منطق و فلسفہ کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی رکھیں اور مروجہ عصری زبان بھی سیکھیں۔

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح